دوائے شافی

امام ابنِ قیم الجوزیہ

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

دوائے شافی

اردو ترجمہ

الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی

مصنف امام ابن قیم الجوزیہ

مترجم محمد اسمٰعیل گودھروی

نظر ثانی

عبدالقدوس ہاشمی، ایم-ایس-ناز



ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد

کوائف فہرست سازی دورانِ طباعت

ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، ۱۲۹۱-۱۳۵۰ء

دوائے شافی اردو ترجمہ الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی

مصنفہ امام محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، مترجم محمد اسمٰعیل گودھروی،

نظر ثانی، سید عبدالقدوس ہاشمی، ایم-ایس-ناز

ا۔دعا ۲۔وعظ و ارشاد ۳۔اخلاق اسلامی

الف۔گودھروی، محمد اسمٰعیل، م ۱۹۶۳ء ب۔ہاشمی، سید عبدالقدوس، ۱۹۱۱-۱۹۸۹ء،

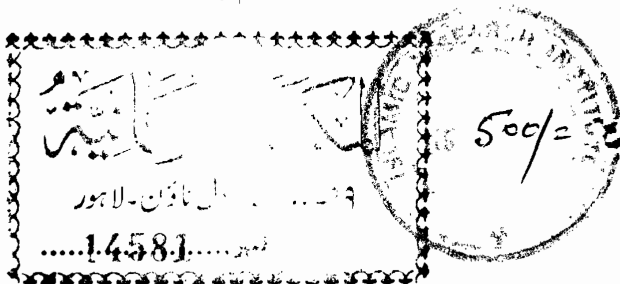
ج۔ناز، ایم۔ایس، د۔عنوان: دوائے شافی ترجمہ الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی (اردو)

ISBN 969--408--117--319912 297.5 dc 19

اشاعت دوم : ۲۰۰۴ء

قیمت :

مطبع : مطبع ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد



مندرجات

تقدیم

تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ ماضی میں بہت سی قومیں گمنامی کے عالم سے اٹھیں، اور درجہ بہ درجہ ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی تہذیبی عروج تک پہنچیں، مگر عروج پر پہنچ کر اِس سطح کو ہمیشہ کے لیے قائم نہ رکھ سکیں، اور انہیں زوال سے دوچار ہونا پڑا۔ ان قوموں کے عروج وزوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مادی وسائل اور علم ودانش کے ساتھ اِن قوموں کے آگے بڑھنے، یا زوال پذیر ہونے میں افراد کے اخلاق وکردار نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ ابتداء میں قوم کے افراد میں اخلاق کی اعلیٰ خوبیاں پروان چڑھیں، مقصد سے لگن، امانت ودیانت، عدل وانصاف، محنت ومشقت، بے خوفی اور راست گوئی نے انہیں علم وعمل کے میدان میں آگے بڑھایا، اور اِن خوبیوں کی بدولت جب زمین اُن کے لیے سونا اگلنے لگی، اور آسمان ہن برسانے لگا تو مقصدِ زندگی سے لگن میں کمی آ گئی، عدل وانصاف کی جگہ مفاد پرستی نے لے لی، محنت ومشقت کاہلی اور آرام طلبی سے بدل گئی، عیش ونشاط کے ولولے پروان چڑھنے لگے، اور بے خوفی وراست گوئی کی جگہ مصلحت کوشی نے لے لی۔ اخلاق کی اِس تبدیلی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا، اور چند نسلوں کے بعد واضح ہوا کہ مقابلے کی اس دُنیا میں کوئی دوسری باصلاحیت وبااخلاق قوم آگے بڑھ گئی ہے۔

اُمتِ مسلمہ نے درجہ بہ درجہ تیسری صدی ہجری کے وسط تک عروج وترقی کی منزلیں سر کیں، اور پھر وہ وقت آیا کہ علم ودانش کے عظیم ورثے کے مالک عباسی حکمران نہ اپنی رعایا کا دفاع کر سکے، اور نہ اپنی تہذیبی میراث ہی کو بچانے میں کامیاب ہوئے۔ وسطی ایشیا سے اٹھنے والے تاتاریوں نے عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور سعدی شیرازی کے بقول:

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمین
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین

انحطاط کی اُس گھڑی میں اہل عزم و ہمت نے شکست خوردہ مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، اورصورتِ حال بدلنے کے لیے اُسی ''آبِ بقا'' کی جانب توجہ دلائی جس نے صحرائے عرب کے باسیوں کوعلم و دانش کا امین بنا دیا تھا، اور اُنہیں جہاں بانی و جہاں آرائی کی خوبیوں سے متصف کر دیا تھا۔ ان اہل عزم وہمت میں سے ایک علامہ ابن قیم الجوزیہ تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں سے مایوس اور ناامید افرادِ معاشرہ کو بامقصد زندگی گزارنے کا پیغام دیا۔ پوچھنے والے پوچھتے تھے:

ایک شخص مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی مایوسی اور ناامیدی نہایت بڑھ چکی ہے، اور وہ سمجھ رہا ہے کہ اگر یہ مصیبت اور ابتلاء یونہی رہی تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ اس مصیبت و ابتلاء کے دفعیے کے لیے ہمہ قسم کی کوششیں اور طریقے آزمائے جا چکے ہیں، لیکن یہ کسی طرح دور ہوتی نظر نہیں آتی، بلکہ اِس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے --- اِس قسم کی مصیبت و ابتلاء کے دفعیے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے، اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر رحمت فرمائے۔

اس سوال کا جواب علامہ ابن قیم الجوزیہ نے **الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی** کے نام سے لکھا۔ انہوں نے قرآن وحدیث اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں تعلق باللہ کی استواری اور استحکام کے لیے دُعا کی اہمیت واضح کی، اعلیٰ اخلاق سے دوری کے نتیجے میں انسان جن خرابیوں اور گناہوں کا شکار ہوتا ہے، ان سے بچنے کی تلقین کی، توبہ واستغفار کی اہمیت واضح کی، اور ایک مسلمان کو اپنی دُنیا اور آخرت سنوارنے کی جانب توجہ دلائی۔ **الجواب الکافی** کے آخری حصے میں مرضِ عشق کی ہلاکتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے بچنے، اور حبِ الٰہی کی جانب متوجہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ کے نزدیک خُلت حب الٰہی کا اعلیٰ

ترین درجہ ہے، اور انسان کے جملہ اعمال کی بنیاد اللہ اور انبیاء و رُسل کی محبت ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ دینی و اخلاقی برائیوں، اور اِن کے زیرِ اثر بننے والی انسانی شخصیت اور معاشرے کے ذکر کے ساتھ اخلاقی خرابیوں کے تدارک پر **الجواب الکافی** میں اچھے انداز میں لکھا گیا ہے۔

الجواب الکافی اپنے موضوع پر ایک صاحبِ نظر عالم کی کاوش ہے، اِس لیے جب بیسویں صدی کے آغاز میں یہ کتاب پہلی بار اشاعت پذیر ہوئی تو اِسے اُردو میں منتقل کرنے کا داعیہ ایک سے زائد افراد کے دلوں میں پیدا ہوا۔ پنجاب کے مولانا اصغر علی روحی (م ۱۹۵۴ء) نے اس کے مطالب **الجفاء والوفاء** کے نام سے اردو دان قارئین تک پہنچا دیے (لاہور ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء)، تاہم پنجاب سے دور گجرات کاٹھیاواڑ کے قصبے گودھرہ کے رہنے والے مولانا ابوالعلاء محمد اسماعیل نے بھی **الجواب الکافی** کو اردو میں منتقل کیا۔ یہ دوسرا ترجمہ، **دوائے شافی** شائع کرنے کی سعادت ادارہ تحقیقات اسلامی- اِسلام آباد کے حصے میں آئی۔ اِس کی پہلی اشاعت ۱۹۷۲ء میں، اور دوسری اپریل ۱۹۸۸ء میں پیش کی گئی تھی۔ اِس وقت **دوائے شافی** کی تیسری اشاعت پیش کی جا رہی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مترجم مولانا محمد اسماعیل گودھروی کے بارے میں وہ معلومات درج کر دی جائیں جو اُن کی تحریروں سے ہمیں حاصل ہوئی ہیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، مولانا گجرات کے قصبے گودھرہ کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے اپنی تعلیم اور سند و اجازت کے بارے میں بتایا ہے:

فقیر کی اکثر و بیشتر تعلیم مدرسہ عالیہ- رامپور میں ہوئی۔ معقولات، فقہ، اصولِ فقہ، تفسیر اور دیگر علوم و فنون کی سند حضرت علامہ مولانا ابوالافضال فضل حق رامپوری پرنسپل مدرسہ سے مجھے ملی جو مشہور خیر آبادی خاندان کے ایک جلیل القدر اور جامع کمالات فاضل تھے، اور صحاح ستہ، شرح نخبہ وغیرہ کی سند و اجازت حضرت علامہ ابوالمنصور محمد منور العلی صاحب محدث رامپوری سے ملی جو مدرسہ عالیہ میں درجۂ حدیث کی مسند پر تھے، اور جن کا سلسلۂ اسناد و اجازت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک منتہی ہوتا

ہے۔حضرت ممدوح ہی کے سلسلے سے فقیر کو دعائے حزب البحر کی سند واجازت حاصل ہے، جس کی اسناد اور اجازت حضرت شاہ ولی اللہ تک منتہی ہوتی ہے۔

مولانا گودھروی ماضی قریب کے اُن اہل علم و دانش میں شامل تھے جو خیر آبادی خانوادے کے ''مکتبِ معقولات'' اور ولی اللہی سلسلے کے ''مکتبِ حدیث وتصوف'' کے جامع تھے۔وہ بڑے فاضل بزرگ تھے، مگر ابنائے زمانہ نے اُن کی چنداں قدر نہ کی۔تقسیم ہند کے بعد معاشی مسائل کا شکار رہے۔فروری ۱۹۵۵ء کے ایک خط میں اُنہوں نے لکھا تھا:

تقریباً چار سال سے نیم فاقہ وقت گزر رہا ہے، ابتلاء اور صدمات نے مختلف امراض کا شکار بنا رکھا ہے، ایک طرف عیال داری، دوسری طرف معاشی مشکلات، اور سہارا صرف خدا کی ذات کا، اور بس۔ معاشی دشواریوں کی وجہ سے احقر اپنا کتب خانہ فروخت کرنا چاہتا ہے--- کاش کوئی معاشی سہولت میسر آ جاتی اور کم از کم میری زندگی تک تو یہ کتب خانہ میرے ذوقِ مطالعہ کا سامان بنا رہتا---

اِس تنگ دستی کے باوجود اُنہوں نے قلم وقرطاس سے تعلق برقرار رکھا، اور رسائل و جرائد میں اُن کی تحریریں مسلسل شائع ہوتی رہیں۔۵ ستمبر ۱۹۶۳ء کو اپنے وطن میں فوت ہوئے۔

مولانا گودھروی کی علمی یادگاروں میں امام ابن تیمیہ، ابن قیم الجوزیہ اور شاہ ولی اللہ کی چند کتابوں کے تراجم ہیں۔ان میں امام ابن تیمیہ کی السیاسة الشرعیه، ابن قیم الجوزیہ کی الجواب الكافی اور شاہ ولی اللہ کی حجة الله البالغه کے ترجمے بالخصوص اہم ہیں۔ولی اللہی علوم ومعارف کے بعض جاننے والوں نے اُن کے آخر الذکر ترجمے کو حجة الله البالغه کے دوسرے اُردو ترجموں پر فوقیت دی ہے۔وفات سے کچھ پہلے اُنہوں نے المسوىٰ کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا تھا، نیز انُہوں نے شاہ ولی اللہ کی سیرت پر ایک رسالہ لکھا تھا جو مولانا محمد سورتی (م ۱۹۴۲ء) نے قرول باغ - دہلی سے شائع کیا تھا۔

ان کے علاوہ اسلامی معاشرہ، اصلاح الامت اور سیرت خلفائے راشدین کے ناموں سے بھی اُن کی کتابیں چھپی ہیں۔

الجواب الکافی کے ترجمے دوائے شافی پر مولانا عبدالقدوس ہاشمی (م ۱۹۸۹ء) نے نظر ثانی کی تھی، مگر اُنہوں نے فصلوں کے عنوانات، جو جملوں کی صورت میں تھے، علی حالہ قائم رہنے دیے، اور مترجم نے املا اور رموزِ اوقاف استعمال کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا اس میں کوئی زیادہ ردوبدل نہ کیا۔ دوائے شافی کی دوسری اشاعت میں ادارے کے رکن ڈاکٹر ایم-ایس-ناز نے عنوانات مختصر کیے، طویل عبارتوں کو پیراگرافوں میں مدون کیا، اور رموزِ اوقاف کو بہتر انداز میں برتا۔ ان کے ساتھ قرآنی آیات اور احادیث کی تخریج قاری خورشید احمد نے اس طرح کی کہ قرآنی آیات کے لیے سورۃ اور آیت کا شمار درج کر دیا، اور حدیث کے لیے مأخذ، اور اس کے متعلقہ حصے کی نشان دہی کر دی۔

زیرِنظر تیسری اشاعت کے پروف دیکھتے ہوئے ڈاکٹر محمد جنید نے ہر سورۃ کے شمار کے ساتھ سورۃ کا نام بھی درج کر دیا ہے، نیز پچھلی دونوں اشاعتوں کا مقابلہ کر کے اطمینان کر لیا ہے کہ کوئی جملہ کتابت ہونے سے رہ نہیں گیا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ''شعبۂ تدوین وترجمہ'' کے کارکنوں نے اِس اشاعت کی زبان و بیان کو مزید سنوارنے اور متن کو غلطیوں سے پاک کرنے کی تاحدِ امکان کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اشاعت کی تکمیل میں حصہ لینے والوں کی مساعی کو قبول فرمائے۔ آمین

شعبۂ تدوین وترجمہ

ادارہ تحقیقات اسلامی-اسلام آباد

تقریظ

الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی، آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالمِ دین اور صاحب قلم بزرگ امام محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ (المولود ۶۹۱ھ- المتوفی ۷۵۱ھ) کی ایک مختصر، مگر نہایت ہی مقبول کتاب ہے۔ کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ایک انسان کیوں دینی و اخلاقی خرابیوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور پھر اس کے نفسی و خارجی اثرات اس کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اس موضوع کو امام ابن قیم نے ایک مسلمان عالم کے نقطۂ نظر سے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور تزکیۂ نفس، اصلاحِ اخلاقِ ردّیہ اور تصحیحِ اعمال و عادات کے عملی طریقے بڑے دل نشیں انداز میں بیان کیے ہیں۔

امام ابن قیم، حضرت شیخ الاسلام امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحرانی (المتوفی ۷۲۸ھ) کے سب سے زیادہ مشہور شاگرد ہیں جنھوں نے امام ابن تیمیہ کا ساتھ دمشق کے جیل خانے میں بھی نہ چھوڑا۔ طرح طرح کی توہین و تعذیب سے گزرے، مگر حق گوئی سے کبھی باز نہ آئے اور اپنی ساری عمر اپنے استاذِ بزرگ کی طرح اصلاحِ عقائد و اعمال میں صرف کر دی۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں اور آج تک ساری دنیا میں مقبول ہیں، خصوصاً زاد المعاد، أعلام الموقعین اور مدارج السالکین وغیرہ تو اپنے موضوعات پر اہم ترین کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

امام ابن قیم کے بہت سے رسالوں کے تراجم اردو میں بھی کیے جا چکے ہیں۔ اس کتاب الجواب الکافی کا اردو ترجمہ بھی ایک مدت ہوئی، ہوا تھا، لیکن دو وجوہ کی بناء پر ایک جدید ترجمے کی ضرورت سمجھی گئی۔ اول تو اس لیے کہ سابق ترجمے کی زبان سے اس ترجمے کی زبان زیادہ سلیس اور سہل ہو، دوم اس لیے کہ ایک مفصل فہرست مضامین بھی اس کے ساتھ شامل کر دی

جائے تاکہ کتاب سے استفادہ آسان تر ہو جائے۔

یہ ترجمہ تجربہ کار مترجم مولانا ابوالعلاء محمد اسمٰعیل صاحب گودھروی نے کیا ہے جو مولانا شبلی اور مولانا حالی کے معاصر، ایک پرانے بزرگ تھے۔ یہ مختلف عربی کتابوں کے مترجم ہیں۔ ترجمہ انہوں نے اپنے شوق سے کبھی کیا تھا۔ ادارہ نے مسودہ ان سے خرید لیا۔ اس کے بعد اصل عربی سے حرفاً حرفاً ملا کر اس کی تصحیح و تکمیل وغیرہ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی نے کی۔ حوالوں اور ذیلی ملاحظات کا اضافہ بھی انہوں نے ہی کیا ہے اور فہرست وغیرہ بھی ان ہی نے تیار کی ہے۔ حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کو صحیح تر، مکمل تر اور بہترین صورت میں پیش کیا جائے۔ والاتمام من الله.

ہم امید کرتے ہیں کہ لوگ اس کتاب سے فائدہ حاصل کریں گے۔ دین کسی نظری فلسفہ کا ہی نام نہیں ہوتا، یہ فکر ونظر کی صحت اور اعمال وافعال کی درستگی کا ایک مربوط نظام ہے، اس لیے ایک اچھے مسلمان کو دین وعقیدہ کے ساتھ ساتھ اعمال وافعال میں بھی صحیح طریقے پر کاربند ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

عرضِ مترجم

کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں

الحمد لله الذی أرسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله، أرسله بشیراً و نذیراً، صلوات الله و سلامه علیه و علی اٰله و أصحابه و من تبعه إلی یوم الدین، أما بعد ۔کسی کتاب کی اہمیت اور عظمت اس کے مصنف کی جلالت و عظمت سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، علامہ ابن قیم الجوزیہ (م ۱۳ رجب ۷۵۱ھ) کی الجواب الکافی کا ترجمہ ہے۔علامہ موصوف اور آپ کے استاد حافظ ابن تیمیہ کی عظیم شخصیتوں اور علمی منزلتوں سے آج کون واقف نہیں! ان کی علمی قابلیتوں اور عزیمانہ صلاحیتوں سے کون باخبر نہیں ہے!

ابن قیمؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسی ہستیاں قرونِ وسطیٰ اور قرونِ اخیرہ میں بہت کم پیدا ہوئی ہیں۔ دین کے ہر گوشے میں مختلف زمانوں کے وقتی، سیاسی، وضعی اور صناعی اثرات اثر انداز ہو چکے تھے۔ دین خالص پر ان اثرات کے نو بہ نو غلاف چڑھ چکے تھے، ایسے وقت میں شیخ الاسلام ابن قیمؒ اور آپ کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پیدا ہوتے ہیں اور دین خالص کو تمام اثرات اور وضعی و صناعی غلافوں سے نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عزیمانہ طاقتوں سے تجدیدِ ملت و دین کی وہ خدمت انجام دی جو کوئی دوسرا انجام نہ دے سکا۔

یہ وہ زمانہ ہے، جب حجاز، عراق، مصر و شام، نجد و یمن وغیرہ میں بڑی بڑی درس گاہیں

موجود تھیں، بڑے بڑے مشاہیرِ وقت کتاب وسنت اور علوم دین کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مفسر تھے، محدث تھے، اصولی اور فقیہ تھے، اور متکلم وصوفی بھی، لیکن جوشان ابن قیمؒ کی تھی، وہ کسی کو نصیب نہ ہوسکی۔ دور دور سے بڑے بڑے علماء وفضلاء کسبِ فیض اور اکتسابِ علم کی غرض سے آتے اور آپ کے حلقۂ درس سے سیراب ہوتے تھے۔ جس نے ایک مرتبہ آپ کے حلقۂ درس کا مزہ چکھ لیا، اس نے کبھی آپ کا حلقہ چھوڑ کر دوسری چوکھٹ کا نام نہ لیا۔

سید نعمان آلوسی بغدادی نے اپنی کتاب **جلاء العینین** میں شیخ الاسلام ابن قیم کے حالات لکھے ہیں جو شیخ موصوف کی تصانیف **زاد المعاد، مدارج السالکین اور الجواب الکافی** میں سے ہر ایک کے سرورق پر نقل کیے گئے ہیں، ہم ان کا ترجمہ بعینہ ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔ سید نعمان کا بیان گو مختصر ہے، لیکن شیخ موصوف کی پوری زندگی کا خلاصہ اس میں آ گیا ہے۔ سید نعمان آلوسی لکھتے ہیں:

> علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی ثم الدمشقی، حنبلی مذہب کے فقیہ تھے، مفسر اور نحوی تھے، اصولی اور متکلم تھے۔ ابن قیم الجوزیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

شذرات میں ہے:

> ابن قیم ایک مجتہد مطلق تھے۔ ابن رجب حنبلی کہتے ہیں کہ میرے شیخ ابن قیم ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے، ایک زمانے تک اپنے استاد شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ کی خدمت میں رہے اور ان سے کسب علم کرتے رہے۔ اسلامی علوم، نیز ہر فن کی ان سے تحصیل کی۔ قرآن کی تفسیر کے پورے عارف اور علوم القرآن کے اس قدر ماہر تھے کہ کوئی ان کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ اصول دین سے کاملاً باخبر تھے اور ایسے باخبر کہ تمام کا مرجع اور منتہیٰ تھے۔ حدیث، معانی حدیث، فقہ حدیث اور دقائق واستنباط کے کامل ترین ماہر تھے اور اس قدر ماہر کہ ان کے درجے کو کوئی دوسرا نہ پا سکا۔ فقہ، اصول اور عربیت کے

اس قدر جاننے والے تھے کہ ان علوم سے اُن جیسا کوئی باخبر نہ تھا، علم کلام اور تصوف میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔

شدالرحیل الی قبرالخلیل کے انکار کی وجہ سے عرصۂ دراز تک جیل خانہ کی کوٹھڑی میں بند رکھے گئے، بڑے زبردست عابد تھے، تہجد گزار تھے، نماز نہایت متانت کے ساتھ لمبی قراءت اور لمبے رکوع وسجود سے پڑھا کرتے تھے۔ عبادت کرنے میں، قرآن حکیم کے علوم سمجھنے میں اور علم حدیث اور حدیث کے حقائق سمجھنے میں میں نے ان کا کوئی مثیل وہمسر نہیں پایا، البتہ وہ معصوم نہیں تھے، لیکن جن معنی میں وہ یکتائے روزگار تھے، ان کا کوئی نظیر و ہمسر نہیں تھا۔ انواع واقسام کے امتحانات میں مبتلا کیے گئے، طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں انہیں پہنچائی گئیں اور پھر آخری مرتبہ اپنے استاد شیخ ابن تیمیہؒ کے ساتھ قلعہ میں ان سے الگ مقید رکھے گئے، تاآنکہ شیخ ابن تیمیہؒ نے قید کی حالت میں ہی وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد شیخ ابن قیمؒ کو قید سے رہائی میسر آئی۔ قید کی حالت میں ان کا مشغلہ تلاوتِ قرآن اور اس پر غور وتدبر تھا۔ نہایت گہری نظر سے انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا اور اپنا سارا وقت اسی کے لیے وقف کردیا، جس سے آپ کے لیے خیر وبرکت کی بے شمار راہیں کھل گئیں۔ آپ میں صحیح ذوق ووجد کی فراوانی ہوگئی اور آپ اہل معارف کے سیر وسلوک کے مقامات ومعارف اور غوامض و اسرار پر دسترس پاگئے۔ اس بارے میں کامل استعداد سے بحث وکلام کرنے لگے اور ان علوم پر پوری طرح حاوی اور مسلط ہوگئے۔ شیخ کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ ان کی تصانیف ان علوم سے لبریز ہیں۔ شیخ موصوف نے بہت سے حج کیے۔ مکہ مکرمہ میں عرصے تک بیت اللہ کی مجاورت کی۔ اس قدر کثرت سے خانۂ کعبہ کا طواف اور حرم میں عبادت کی کہ مکہ مکرمہ کے لوگ بھی اُن پر تعجب کرتے تھے۔ میں نے ان سے ان کا **قصیدہ نونیہ** اور ان کی بہت سی تصانیف سنی اور پڑھی ہیں، اور ان سے

بہت کچھ حاصل کیا ہے۔

قاضی برہان الدین الزرعی کا قول ہے کہ آسمان تلے میں نے ابن قیمؒ سے زیادہ وسیع العلم آدمی نہیں دیکھا۔ صدریہ میں درس وتدریس کا کام کرتے تھے اور جوزیہ میں امامت فرماتے تھے۔ انہوں نے مختلف علوم وفنون میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ انہیں اس قدر کتابیں میسر ہوئیں کہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوسکیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:

اعلام الموقعين عن رب العالمين

اغاثة اللهفان

اقسام القرآن المسمىٰ بالتبيان

بدائع الفوائد

التحفة المكيه

تحفة الودود فى احكام المولود

الجواب الكافى لمن سأل عن الدواء الشافى

حادى الارواح الى بلاد الافراح

زاد المسافرين

زاد المعاد

الصراط المستقيم

الصواعق المرسله على الجهمية والمعطله

الطرق الحكميه فى السياسة الشرعيه

عدة الصابرين

فتاوىٰ [ابن قيم]

الفتح القدسى

القصیدة النونیه

کتاب الروح

کتاب الھجرتین

مدارج السالکین شرح منازل السائرین

مفتاح دار السعادة

نزھة المشتاقین

نقد المنقول

الوابل الصیب شرح الکلم الطیب

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ چھوٹی بڑی اور بہت سی کتابیں بھی ابن قیمؒ نے لکھی ہیں۔

قاضی برہان الدین لکھتے ہیں کہ ۱۳ رجب ۷۵۱ھ کو ابن قیمؒ نے وفات پائی اور مقبرۂ باب الصغیر میں مدفون ہوئے۔ بہت سے مقامات پر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، اور بعض مقامات پر بار بار پڑھی گئی۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، شیخ موصوف کی کتاب الجواب الکافی کا ترجمہ ہے، یہ اگرچہ ایک مخصوص سوال، یعنی مرضِ عشق کی دوا کے استفسار کے جواب میں لکھی گئی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں بڑی بڑی معرکہ آرا اور اہم بحثیں آ گئی ہیں۔ یہ بحثیں آپ کو دوسری کتابوں میں کم ملیں گی۔

کتاب کی عظمت کے بارے میں ہم وہی جملے دہرا دیتے ہیں جو الجواب الکافی کے ناشر علامہ عبدالظاہر محمد ابوالسمح (حرم مکہ مکرمہ کے امام، خطیب اور مدرس) نے اس کتاب کے متعلق لکھے ہیں:

من أھم الکتب النافعة فی تقویم الأخلاق و تثقیف العقول وشفاء النفوس من أمراض الجھالة و شبھات الضلالة التی ھلک بھا کثیر

من الناس، كمسائل القضاء والقدر والاغترار والاتكال بغير عمل على رحمة الله

یہ کتاب تقویم اخلاق، صفائی عقول اور امراض جہالت اور شبہاتِ ضلالت سے کہ جن سے بے شمار مخلوق ہلاک ہوئی ہے، نفوس کو شفا بخشنے میں نہایت اہم ہے، مثلاً قضا و قدر کے مسائل اور بغیر عمل کے رحمتِ خداوندی پر تکیہ اور بھروسہ کرنا اور دھوکہ کھانا وغیرہ۔

آگے چل کر علامہ موصوف اپنے وہ تأثرات بیان کرتے ہیں جو اس کتاب کے مطالعے سے ان کے قلب پر وارد ہوئے۔

وكان هذا الكتاب أوّل كتاب هداني الله به وانقذني من الضلال بأسلوبه

یہ پہلی کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ نے مجھے ہدایت دی اور کتاب کے مخصوص اسلوب کے ذریعے مجھے ضلالت و گمراہی سے نکالا۔

واقعہ یہ ہے کہ اصلاحِ اخلاق کے بارے میں علمائے دین اور صوفیائے کرام نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں، لیکن یہ کتاب اپنے خصوصی طرز بیان اور ممتاز طریق استدلال میں انوکھی اور نرالی ہے۔

ہم نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اپنے اندر ایک عجیب و غریب کیفیت پائی۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اگر اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر دیا جائے تو دین و ملت کی ایک اہم خدمت ہوگی۔ چنانچہ ہم نے پوری محنت و کاوش سے اس کا ترجمہ شروع کر دیا۔ بحمد اللہ یہ ترجمہ آج آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ تحت اللفظ ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، جیسا کہ بعض اہل علم کا دستور ہے۔ اس سے کتاب کی اہمیت اور اس کے مطالب واضح نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات مطلب بالکل خبط ہو جاتا ہے۔ ہم نے ترجمے میں یہ کوشش کی ہے کہ مصنف کا

مطلب اور مقصد پوری طرح واضح ہو جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، تاہم ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ الفاظ اور عبارت سے کلیۃً الگ نہ ہوں اور ترجمہ بھی نہایت سلیس اور بامحاورہ ہو۔

خدائے قدوس اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اپنے صالح اور نیک بندوں کے طفیل احقر کو اپنی مغفرت ورحمت سے نوازے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

سبقت رحمتي غضبي (میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے)۔

قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کتاب سے مستفیض ہوں اور احقر کو اپنی مخصوص دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

العبد المذنب

ابوالعلاء محمد اسماعیل گودھروی کان اللہ لہ

استفسار

کیا فرماتے ہیں ائمہ دینؒ اس مسئلے میں

کہ ایک شخص مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی مایوسی اور ناامیدی نہایت بڑھ چکی ہے اور وہ سمجھ رہا ہے کہ اگر یہ مصیبت اور ابتلاء یونہی رہی تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ اس مصیبت وابتلاء کے دفعیے کے لیے ہمہ قسم کی کوشش اور طریقے آزمائے جاچکے ہیں، لیکن یہ کسی طرح دور ہوتی نظر نہیں آتی، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔

حافظ وناقد شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن شیخ صالح ابوبکر المعروف بہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ اس قسم کی مصیبت وابتلاء کے دفعیے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے، اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر رحم فرمائے، کیوں کہ جو کسی بندے پر رحم کرتا ہے اور مصیبت میں اس کی اعانت وامداد کرتا ہے۔ خدا اس کی اعانت کرتا ہے۔

افتونا مأجورين۔

الجواب

قرآن وحدیث اور اقوال صحابہؓ کی روشنی میں

حضرت شیخ ابن قیم رحمہ اللہ مذکورہ بالا سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

الحمدللہ امابعد! حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما انزل اللّٰه داء الا أنزل له شفاء (بخاری: کتاب الطب)

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض پیدا نہیں کیا جس کے لیے شفاء نہ رکھی گئی ہو۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل داء دواء فاذا أصیب دواء الداء برأ باذن اللّٰه (صحیح مسلم: باب لکل داء دواء)

ہر مرض کی دوا ہے، کسی مرض کی جب صحیح طریقے پر دوا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض اچھا ہو جاتا ہے۔

حضرت اسامہ بن شریکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰـه لـم یـنزل داء الا أنزل له شفاء. علمه من علمه وجهله من جهله (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا اور شفا اتاری ہے، جاننے والا اسے جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ نہیں جانتا۔

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

ان اللّٰہ لم یضع داء الا وضع له شفاء أو دواء. الا داء واحدا (ترمذی: باب الطب)

اللہ تعالیٰ نے سوائے ایک مرض کے تمام بیماریوں کی شفایا دوا پیدا کی ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا وہ ایک مرض کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: الھرم (بڑھاپا)۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی توثیق میں ھذا حدیث صحیح، یعنی ''یہ حدیث صحیح ہے'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

یہ حدیث امراض قلب و روح، امراض اجسام و ابدان اور اس کے علاج و دوا پر مشتمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہالت بیماری ہے اور علماء سے دریافت کرنا اس کی دوا اور علاج ہے، جیسا کہ امام ابوداؤدؒ اپنی سنن میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ ایک شخص کو پتھر سے چوٹ لگ گئی اور اس کا سر زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد ایک بار اسے احتلام ہو گیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ اس حالت میں مجھے تیمّم کرنے کی اجازت ہے؟ ساتھیوں نے کہا، تمہیں پانی پر قدرت ہے، اس لیے ہمارے نزدیک تمہیں تیمّم کرنے کی رخصت و اجازت نہیں، چنانچہ اس شخص نے غسل کر لیا جس سے وہ مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

قتلوه قتلهم اللّٰه الا سألوا اذا لم يعلموا فانما شفاء العي السؤال إنما كان يكفيه أن يتيمم و يعصر أو يعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها و يغسل سائر جسده (ابوداؤد: كتاب الطهارة)

ان لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ اللہ انہیں موت دے۔ وہ جب خود مسئلہ نہیں جانتے تھے تو کسی دوسرے سے کیوں نہیں پوچھ لیا؟ پریشاں حال کی شفا یہ ہے کہ دوسرے سے پوچھ لے۔ اس کے لیے صرف یہ کافی تھا کہ وہ تیمّم کر لیتا اور غسل نہ کرتا، یا پھر اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا اور اس پر مسح کر لیتا اور بقیہ جسم دھو لیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے اندر یہ واضح کر دیا کہ جہالت ایک بیماری ہے اور

پوچھ لینا اس کا علاج ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ قرآن شفا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولو جعلناه قرآنا أعجميا لقالوا لولا فصلت آياتهء أعجمي و عربي ط قل هو للذين آمنوا هدى و شفآءٌ (حٰم السّجده ۴۱: ۴۴)

اور اگر ہم اس کو عربی کے سوا دوسری زبان کا قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں واضح نہیں کی گئیں، بھلا عجمی قرآن اور عربی آدمی، اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجیے وہ تو مومنوں کے لیے شفا اور ہدایت ہے۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

و ننزل من القرآن ماهو شفآء و رحمة للمؤمنين (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۲)

اور ہم قرآن کی وہ آیتیں نازل کرتے ہیں جو ایمانداروں کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔

اس آیت میں مـن بیان جنس کے لیے ہے، یعنی جنس قرآن شفا اور رحمت ہے۔ یہ مـن تبعیضیہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن حکیم سب کا سب شفا اور رحمت ہے جیسا کہ ماسبق آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم یقیناً ہر جہالت، ہر شک وشبہ اور ہر ریب وتردد سے قلوب کو شفا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ ازالۂ امراض کے لیے قرآن حکیم سے زیادہ عام، نفع بخش اور اعظم ترین اور زیادہ بہتر کوئی دوا نہیں پیدا کی، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ چند صحابہؓ کسی سفر میں تھے۔ اثنائے راہ میں عرب کے ایک قبیلے میں ان کا قیام ہوا۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں سے ضیافت اور کھانے پینے کی خواہش ظاہر کی، مگر ان کی طرف سے انکار ہوا۔ اتفاق سے اسی روز قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلے والوں نے اس کے لیے ہر قسم کا علاج کیا اور ہر قسم کی سعی کے باوجود کسی دوا سے اسے آرام نہ ہوا۔ آخر قبیلے کے ایک آدمی نے کہا کہ ان نووارد آدمیوں کے پاس جا کر دریافت کرو، ممکن ہے ان کے پاس اس کا کوئی علاج ہو۔ چنانچہ یہ لوگ صحابہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے، ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے، ہم نے ساری تدبیر کر دیکھی، مگر کچھ نہ ہوا۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟ صحابہؓ میں سے ایک نے کہا: ہاں تم نے

ہماری مہمان نوازی نہیں کی، اس لیے جب تک تم اس کا معاوضہ مقرر نہیں کرو گے، ہم قطعاً علاج نہ کریں گے۔ اس کے بعد بکریوں کا ایک ریوڑ معاوضے میں طے ہوا۔ ایک صحابیؓ وہاں تشریف لے گئے اور الحمد لله رب العالمين، یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ پڑھ کر اس پر دم کرنا شروع کر دیا۔ بس پھر کیا تھا، گرہ کھل گئی، وہ اسی وقت اٹھ بیٹھا، اس کا اضطراب اور بے چینی ختم ہو گئی اور چلنے پھرنے لگ گیا۔ جس قدر بکریاں معاوضے میں طے پائی تھیں، ان کے حوالے کر دی گئیں۔ یہ صحابہؓ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور اصل واقعہ پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد أصبتم. اقسموا واضربوا لي معكم سهما. فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم (صحيح بخاری : فضائل قرآن)

تم نے خوب کیا۔ بکریاں تقسیم کرو تو اس میں میرا حصہ بھی لگا لینا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔

یہاں دوا کی تاثیر کس طرح کام کر گئی۔ ذرا غور کیجیے کہ مرض اس طرح دفع ہو گیا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ سورۃ فاتحہ ایک ایسی آسان اور سہل ترین دوا ہے کہ اس سے سہل و آسان اور بہترین دوا ممکن نہیں۔ کوئی بندہ اگر اچھے طریقے سے سورۃ فاتحہ کے ذریعے علاج معالجہ کرے تو شفائے امراض کے لیے سورۃ فاتحہ کے اندر عجیب وغریب تاثیر پائے گا۔

مدت مدید تک میں مکہ معظّمہ میں رہا اور اس اثناء میں بہت سی بیماریاں مجھ پر مسلط ہوتی رہیں، مجھے نہ یہاں کوئی طبیب میسر آیا، نہ دوا، میں صرف سورۃ فاتحہ سے اپنا علاج کرتا رہا اور اس کے اندر میں نے عجیب وغریب تاثیر پائی۔ میں اکثر مریضوں کو سورۃ فاتحہ سے علاج کرنے کی ترغیب دیتا تھا اور لوگ اکثر اس سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ فہم ہے کہ ایسے اذکار، آیات، دعائیں جن سے شفا مطلوب ہو، یقیناً نافع اور شفا بخش ہوتی ہیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ محل اس کی قبولیت کی صلاحیت رکھتا ہو، اور فاعل و عامل کی قوت و ہمت اور اس کی تاثیر بھی قبولیت محل کی مقتضی ہو۔ اذکار، آیات اور دعائیں، اگر مؤثر نہ ہوں، اور شفا نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ پڑھنے اور دعا کرنے والے کی تاثیر و توجہ

کمزور ہے، اثر قبول کرنے والے میں قبول تاثیر کی صلاحیت نہیں ہے، یا کوئی ایسی شدید اور سخت رکاوٹ موجود ہے جو دوا کی تاثیر کو روک رہی ہے، جس طرح کہ عموماً ظاہری اور حسّی امراض میں دواؤں کا حال ہوا کرتا ہے اور کبھی ایسا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ دوا کے اقتضاء اور تاثیر کے درمیان کوئی رکاوٹ مزاحم ہو جاتی ہے۔ طبیعت جب کسی دوا کو کامل طور پر قبول کر لیتی ہے تو جس درجہ طبیعت دوا کو قبول کرے گی، اسی درجے بدن اور جسم کو نفع پہنچے گا۔ اسی طرح آدمی کا قلب کسی دعا اور تعویذ کو قبول کر لیتا ہے اور دعا پڑھنے والے کے اندر ازالۂ مرض کے لیے نفس فعالہ اور ہمت موثرہ ہوتی ہے تو یہ دعا مکروہ و ناگوار امر کی مدافعت اور حصول مطلوب و مقصود کا ایک قوی ترین سبب بن جاتی ہے، لیکن بسا اوقات دعا اور دم کی تاثیر اس لیے نہیں ہوتی کہ کسی ایسی چیز کی دعا کی جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اس میں کسی پر ظلم ہو رہا ہے، یا اس لیے اثر نہیں ہوتا کہ دعا کے وقت قلب پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور کامل طور پر جمعیت خاطر نہیں پائی جاتی، اس لیے اس کا حال ایک ڈھیلی کمان کا سا ہوتا ہے۔ ڈھیلی کمان سے پھینکے جانے والے تیر کی رفتار سست ہی ہوتی ہے، پھر اس لیے تاثیر نہیں ہوتی کہ اجابتِ دعا میں کوئی اور چیز رکاوٹ پیدا کر رہی ہے، مثلاً حرام غذا کھائی جاتی ہے، یا کسی پر ظلم کیا جا رہا ہے، یا دلوں پر گناہوں کا میل چڑھا ہوا ہے اور قلوب پر غفلت، سہو یا لہو ولعب کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ادعوا اللّٰه و أنتم موقنون بالاجابة. واعلموا أن اللّٰه لا يقبل دعاء من قلب غافل لاہ (المستدرک : کتاب الدعاء)

بارگاہ الٰہی میں اس طرح دعا کرو کہ تمہارے اندر اجابت دعا کا پورا پورا یقین موجود ہو۔ خوب سمجھ لو کہ غافل بے خبر قلب کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔

دعا ایک ایسی پُر تاثیر دوا ہے جو یقیناً نفع دیتی ہے اور مرض کو دفع کرتی ہے، مگر جب قلب غافل اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے خبر ہو تو دعا کی قوت بے کار ہو جاتی ہے۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أيها الناس ، إن اللّٰه طيب لا يقبل الاطيبا. وإن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر المرسلين فقال ياايهاالرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا انی بما تعملون عليم(۱). وقال ياايها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم...(۲) (صحيح مسلم : كتاب الزكوٰة)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا حکم اس نے انبیاء کرام کو دیا ہے۔ اس کے ثبوت میں آپؐ نے یہ آیت پڑھی، یا ایھا الرسل ا...... اور پھر یہ آیت پڑھی، یا ایھا الذین آمنو ا۲.....

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يده إلى السماء يا رب يارب. و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذی بالحرام فأنى يستجاب لذالک (صحيح مسلم: كتاب الزكوٰة)

ایک آدمی طویل سفر کرتا ہے اور اس حال میں ہے کہ خستہ حال اور گرد وغبار سے اٹا ہوا ہے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ سے مانگتا ہے۔ اے پروردگار! اے پروردگار! اور حال یہ ہے کہ اس کی غذا حرام ہے، پینا حرام ہے، اس کے کپڑے حرام ہیں، حرام غذا کھائی ہے، اس کی دعا کس طرح قبول ہوگی؟

اور عبداللہ بن احمد اپنے والد کی کتاب الزھد میں روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر ایک بہت بڑی آفت نازل ہوئی۔ اس آفت اور مصیبت کو دور کرنے کے لیے بنی اسرائیل شہر سے باہر نکلے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کریں۔ اس وقت اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے

---

(۱) ترجمہ: اے رسول! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو، جو کچھ تم لوگ کرتے ہو، اس سے میں بڑا باخبر ہوں۔ (المؤمنون ۲۳:۵۱)

(۲) ترجمہ: اے ایمان والو! پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں کھانے کو دی ہیں، کھاؤ۔ (البقرۃ ۲:۱۷۲)

پیغمبر کو وحی کے ذریعے آگاہ کیا کہ ان لوگوں کو کہہ دو کہ تم لوگ اپنے ناپاک جسم لے کر صحرا میں آئے ہو، اور جن ہاتھوں سے تم نے بندوں کے خون بہائے، اور گھروں میں حرام و ناجائز مال جمع کیا ہے، وہ ہاتھ تم میری طرف اٹھاتے ہو اور اب جبکہ میرا غضب اور عذاب تمہارے لیے سخت سے سخت ہو چکا ہے اور تمہاری بداعمالیوں، بدکرداریوں کی وجہ سے تم مجھ سے حد درجہ دور ہو چکے ہو، میرے سامنے دعا کرتے ہو؟

اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

يكفى من الدعاء البرأة ما يكفى الطعام من الملح

تھوڑی دعا بھی اسی طرح کافی و وافی ہو جاتی ہے جس طرح تھوڑا سا نمک کھانے کے لیے کافی و وافی ہوتا ہے۔



فصل ۱

دعا: ایک نافع ترین دوا

دعا ایک نافع ترین دوا اور بلاء و مصیبت کا مد مقابل ہے۔ یہ بلاء و مصیبت کی مدافعت کرتی ہے اور اس کی دوا اور علاج کا کام دیتی ہے، ہر بلاء و مصیبت کو آنے سے روکتی ہے اور اسے دور کرتی ہے۔ بلاء و مصیبت، اگر اتر چکی ہو تو اسے پست اور ہلکا کر دیتی ہے۔ یہ مومن کا ایک زبردست حربہ اور ہتھیار ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعاء سلاح المؤمن و عماد الدين و نور السمٰوات والأرض .

(المستدرک: كتاب الدعاء)

دعا مومن کا ہتھیار، اور دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

مصیبت و بلاء کے مقابلے میں مومن کی دعا کے تین درجے ہیں:

اول: دعا مصیبت کے مقابلے میں قوی تر اور زوردار ہو۔ ایسی دعا مصیبت کو قطعاً ہٹا دیتی ہے۔

دوم: دعا مصیبت کے مقابلے میں کمزور ہو۔ اس صورت میں مصیبت قوی ہو جاتی ہے اور بندے کو یہ مصیبت خواہ مخواہ برداشت کرنا پڑتی ہے، تاہم یہ امر لازمی ہے کہ دعا، چاہے کمزور ہی کیوں نہ ہو، مصیبت کو کچھ نہ کچھ ہلکا ضرور کر دیتی ہے۔

سوم: دعا اور مصیبت برابر درجے کی ہیں اور یہ دونوں آپس میں مقاومت اور مقابلہ کرتی ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لايغني حذر من قدر. والدعاء ينفع مما نزل و ممالم ينزل. و إن البلاء لينزل فيلقاه الدعاء فيعتلجان إلى يوم القيامة. (المستدرک: كتاب

الدعاء)

تقدیر سے بچنا ممکن نہیں، اور دعا آئی ہوئی مصیبت میں، اور جواب تک نہیں آئی، اس میں بھی نفع دیتی ہے، اور مصیبت جب اترتی ہے تو دعا اس کا مقابلہ کرتی رہتی ہے۔ روزِ قیامت تک دعا اور مصیبت آپس میں جنگ کرتی رہتی ہیں۔

اور اسی **مستدرک حاکم** میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباداللّٰہ بالدعاء.
(المستدرک: کتاب الدعاء)

دعا آئی ہوئی مصیبت اور آئندہ آنے والی مصیبت میں نفع دیتی ہے۔ پس اے اللہ کے بندو! تم دعا کو لازم پکڑو۔

اور حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایرد القدر إلا الدعاء ولا یزید فی العمر إلا البر. وإن الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبه. (المستدرک: کتاب الدعاء)

قدر و قضا کو کوئی چیز رد نہیں کرسکتی سوائے دعا کے، اور کوئی چیز عمر کو بڑھا نہیں سکتی سوائے نیکی کے۔ آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق و روزی سے محروم ہو جاتا ہے، گناہ روزی کو تباہ کر دیتا ہے۔



فصل ۲

دعا میں الحاح وزاری

نافع اور مفید ترین دعا وہ ہے جس میں الحاح وزاری کی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم يسئل الله يغضب عليه. (سنن ابن ماجه: ابواب الدعاء)

جو آدمی اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر خفا ہوتا ہے۔

اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتجزعوا فى الدعاء فانه لايهلك مع الدعاء أحد. (المستدرك: كتاب الدعاء)

دعا کرو تو بے تابی نہ آنے دو، کیونکہ دعا کرنے کے بعد کوئی شخص ہلاک نہیں ہو سکتا۔

اور امام اوزاعیؒ، امام زہریؒ سے، اور وہ حضرت عروہؒ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله يحب الملحين فى الدعاء

اللہ تعالیٰ دعا میں الحاح وزاری کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

حضرت قتادہؒ، حضرت مورقؒ سے روایت کرتے ہیں:

ما وجدت للمؤمن مثلا إلا رجل فى البحر على خشبة، فهو يدعوا يا رب يارب، لعل الله عزوجل أن ينجيه.

مومن کی مثال، میں اس سے بہتر نہیں پاتا کہ ایک آدمی دریا میں ایک لکڑی پر سوار ہے

اور وہ اللہ کو پکارتا ہے: اے پروردگار! اے پروردگار! ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے نجات دے دے۔



فصل ۳

دعا کی تاثیر

وہ آفت جو دعا کا اثر مرتب ہونے سے روکتی ہے، یہ ہے کہ بندہ جلد بازی کر جاتا ہے۔ دعا کی مقبولیت میں، جب تاخیر اور ڈھیل ہو جاتی ہے تو بندہ مایوس ہو کر دعا ترک کر دیتا ہے۔ اس شخص کا حال اس آدمی جیسا ہو جاتا ہے جس نے کھیت میں دانے ڈالے، یا باغ میں درخت کے پودے لگائے، کھیتی اور درختوں کی خدمت کرتا رہا، انہیں پانی دیتا رہا، لیکن جب اس کے کمال کا وقت آیا اور پھل لگنے کا زمانہ قریب ہوا تو اس نے کھیتی اور درختوں کو چھوڑ دیا، اور اس سے بالکل غافل اور بے خبر ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يستجاب لاحدكم مالم يعجل، يقول دعوت فلم يستجب لى (صحيح بخارى: كتاب الدعوات)

تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے، اگر تم جلد بازی نہ کرو۔ دعا کرنے والا کہنے لگتا ہے کہ میں نے دعا کی، مگر میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لايزال يستجاب للعبد مالم يدع باثم او قطيعة رحم مالم يستعجل (مسند احمد)

بندے کی دعا قبول ہوتی ہے، جبکہ وہ گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ کرے اور جلد بازی نہ کرے۔

کسی نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جلد بازی کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یقول قد دعوت و قد دعوت فلم أری ان یستجاب لی، فیستحسر عند ذاک و یدع الدعاء (صحیح مسلم: کتاب الذکر و الدعاء)

جلد بازی یہ ہے کہ بندہ کہنے لگتا ہے۔ میں نے دعا کی اور بہت ہی دعا کی، لیکن میری دعا قبول ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس حالت کو پہنچ کر وہ مایوس ہو جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لایزال العبد بخیر مالم یستعجل (مسند احمد)

بندے کی ہمیشہ خیر اور بھلائی ہے، جب تک کہ وہ جلد بازی نہیں کرتا۔

صحابہؓ نے عرض کیا:

یارسول اللّٰہ، کیف یستعجل؟

یارسول اللہ! بندہ جلد بازی کس طرح کرتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

یقول قد دعوت لربی فلم یستجب لی

جب وہ کہتا ہے کہ میں نے رب سے بہت دعا مانگی، لیکن میری دعا اس نے قبول نہیں کی۔



فصل ۴

اجابتِ دعا کے خاص اوقات

کسی مقصد کے لیے جب دعا کے ساتھ حضور قلب اور جمعیت خاطر موجود ہو اور اجابت دعا کے چھ خاص اوقات میں سے کوئی وقت بھی پایا جائے تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے، اور وہ چھ اوقات یہ ہیں:

۱۔ رات کا آخری تہائی حصہ
۲۔ اذان کے وقت
۳۔ اذان واقامت کے درمیان کا وقت
۴۔ فرض نماز کے بعد
۵۔ جمعہ کے دن جب امام منبر پر چڑھے تاآنکہ نماز جمعہ ختم ہو جائے۔
۶۔ جمعہ ہی کے دن نماز عصر کے بعد کی آخری ساعت

ان اوقات کے ساتھ ساتھ قلبی خضوع وخشوع ضروری ہے اور بارگاہ رب العالمین میں عجز وانکسار، ذلت وخاکساری، تضرع والحاح اور رقتِ قلب بھی، اور دعا کرنے والے کا رخ قبلے کی طرف ہو، کامل طہارت کے ساتھ ہو۔ اپنے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھائے اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالائے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، درود شریف بھیجے اور اپنی حاجت پیش کرنے سے قبل توبہ واستغفار کرے۔ پھر پوری ہمت اور توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور نہایت الحاح وزاری، تملق وخاکساری کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں اپنا سوال پیش کرے اور ترغیب وترہیب، امید وخوف کے ساتھ اس کی

جناب میں دعا کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی مقدس صفات اور اس کی توحید کا وسیلہ پکڑے۔ دعا سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرے تو امید ہے کہ یہ دعا مسترد نہ ہوگی، خصوصاً جبکہ وہ دعائیں پڑھی جائیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کے قبول ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، یا وہ دعائیں پڑھی جائیں جن میں اسم اعظم موجود ہے۔

اسم اعظم والی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے جو سنن اور صحیح ابن حبان میں حضرت عبداللہؓ بن بریدہ عن ابیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

اللّٰهم إنی أسئلک بأنی أشهد أنک أنت اللّٰه لاإله الا أنت الأحد الصمد الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد

اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلے کے ذریعے مانگتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں، تو اکیلا ہے، بے نیاز ہے، ایسی ذات ہے کہ نہ کسی کو جنا اور نہ خود کسی سے جنا گیا، اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔

اس کی یہ دعا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لقد سئل اللّٰه بالاسم الذی إذا سئل به أعطی، و إذا دعی به أجاب. (سنن ابن ماجه: ابواب الدعاء)

یہ آدمی اللہ تعالیٰ کے اس نام سے مانگتا ہے کہ جب اِس کے وسیلے سے سوال کیا جائے تو وہ دیتا ہے اور جب اس کے ذریعے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

لقد سئلت الله باسمه الاعظم

تو نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ذریعے سوال کیا ہے۔

سنن اور صحیح ابی حاتم بن حبان میں حضرت انسؓ بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار وہ بارگاہ رسالتؐ میں بیٹھے تھے۔ ایک آدمی نے نماز پڑھی، نماز کے بعد اس نے یہ دعا پڑھی:

اللّٰھم انی اسئلک بأن لک الحمد لا إلٰہ الا أنت المنان. بدیع السمٰوات والارض. یا ذالجلال والاکرام. یاحی یاقیوم! (سنن ابن ماجہ: ابواب الدعاء)

اے اللہ! اس وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی بڑا احسان کرنے والا ہے، تو ہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اے صاحب عزت و بخشش! اے زندہ جاوید! اے سب کو قائم رکھنے والے!

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لقد دعا اللّٰہ باسمہ العظیم الذی إذا دعی بہ اجاب وإذا سئل بہ اعطی (سنن ابن ماجہ: ابواب الدعاء)

یہ آدمی اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ذریعے مانگ رہا ہے کہ جس کے ذریعے دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بھی روایت کی ہیں، اور جامع ترمذی میں حضرت اسماءؓ بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسم اللّٰہ الأعظم فی ھاتین الآیتین، وإلھکم إلہ واحد. لا إلہ إلا ھو الرحمٰن الرحیم، وفاتحة آل عمران، آلم اللّٰہ لا إلہ إلا ھو الحی القیوم (ترمذی: ابواب الدعوات)

اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے **إلھکم الٰہ واحد** (تمہارا خدا وہی ایک اللہ ہے)، **لا إلہ إلا ھو الرحمٰن الرحیم** اور آل عمران کی یہ ابتدائی آیت **الم اللہ لا إلہ إلا ھو الحی القیوم** (اس مہربان، زبردست، رحم والے کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں)۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسند احمد اور **صحیح حاکم** میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور

ربیعہؓ بن عامر سے مروی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

ألظوا بيا ذالجلال و الاكرام (المستدرک: كتاب الدعاء)

یا ذالجلال و الاکرام کہہ کر الحاح کرو۔

یعنی اس سے اچھی طرح تعلق قائم کرو۔ اپنے لیے اسے لازم وضروری گردان لو اور اسے ہمیشہ قائم رکھو۔

جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

أن النبی صلی اللہ علیه وسلم كان إذا أهمه الأمر رفع رأسه إلی السماء وإذا اجتهد فی الدعاء قال یاحی یا قیوم (ترمذی: ابواب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم امر پیش آتا تو آپ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے اور جب آپ دعا میں کامل مساعی فرماتے تو یاحی یا قیوم پڑھا کرتے۔

اسی طرح حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے:

كان النبی صلی اللہ علیه وسلم إذا كربه أمر قال یاحی یا قیوم برحمتک أستغیث (ترمذی: ابواب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی دشوار امر پیش آتا تو آپ یاحی یا قیوم برحمتک استغیث پڑھا کرتے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسم اللہ الأعظم فی ثلاث سور من القرآن، البقرة وآل عمران و طٰهٰ (المستدرک: كتاب الدعاء)

اسم اعظم قرآن حکیم کی تین سورتوں میں ہے، سورہ بقرۃ، سورہ آل عمران اور سورہ طٰہٰ میں۔

حضرت قاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان تین سورتوں میں اسم اعظم تلاش کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اسم اعظم الحی القیوم ہے۔

اور جامع ترمذی اور صحیح حاکم میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دعـوة ذی النون إذ دعا وهو فی بطن الحوت لاإله إلا أنت سبحانک انی کنـت من الظالمین انه لم یدع بها مسلم فی شیئ قط الا استجاب اللّٰه له (ترمذی: ابواب الدعوات)

حضرت ذوالنون (یونسؑ) نے مچھلی کے پیٹ میں جو دعا کی تھی، وہ یہ ہے کہ **لا الـه الا انـت سبحانک انی کنت من الظالمین [سورة الانبیاء]**۔ جس مسلمان نے کسی بات کے لیے اس دعا کو پڑھا اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔

نیز صحیح حاکم میں حضرت سعدؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألاأخبـرکـم بشـیئ اذا انزل برجل منکم أمرمهم فدعا به یفرج اللّٰه عنه. دعاء ذی النون (المستدرک: کتاب الدعاء)

کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ تم میں سے کسی کو جب کوئی مشکل پیش آئے تو یہ دعا پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو آسان کر دے گا؟ اور وہ حضرت ذوالنون علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا ہے۔

اسی صحیح میں ان ہی سعدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هل أدلکم علی اسم الاعظم؟ دعا یونس (المستدرک: کتاب الدعاء)

کیا میں تمہیں اسم اعظم نہ بتلاؤں؟ اسم اعظم حضرت یونسؑ کی دعا ہے۔

کسی نے کہا:

یارسول الله هل کان لیونس خاصة ؟

یارسول اللہ! کیا یہ دعا حضرت یونسؑ کے لیے خاص تھی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الاتسمع قوله تعالى فاستجبنا و نجيناه من الغم و كذلك ننجى المؤمنين فأيما مسلم دعا بها فى مرضه أربعين مرة فمات فى مرضه ذلك أعطى أجر شهيد وإن برئ برئ مغفورا له (المستدرك: كتاب الدعاء)

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ ہم نے یونسؑ کی دعا قبول کی اور اسے ہم نے غم سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے رہیں گے۔ پس جو مسلمان اپنی بیماری میں یہ آیت چالیس مرتبہ پڑھے گا، اگر وہ اس بیماری میں مر گیا تو اسے شہید کا اجر دیا جائے گا، اور اگر شفایاب ہو گیا تو اس کے سارے گناہ بخش دیے گئے۔

اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول عندالكرب لاإله إلا اللّٰه العظيم الحليم. لاإله إلا اللّٰه رب العرش العظيم. لاإله إلا اللّٰه رب السمٰوات والارض رب العرش الكريم (بخارى: كتب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے چینی کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے لاإله إلا اللّٰه العظيم الحليم. لاإله إلا اللّٰه رب العرش العظيم. لاإله إلا اللّٰه رب السمٰوات والارض رب العرش الكريم(۱)

حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ

علمنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اذا نزل كرب ان اقول لااله الااللّٰه الحليم الكريم سبحان اللّٰه و تبارك اللّٰه رب العرش العظيم والحمدللّٰه رب العالمين (مسند احمد: ۱: ۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت مجھے یہ دعا پڑھنے کی تعلیم فرمائی لا إلـه

---

(۱) ترجمہ: کوئی لائق عبادت نہیں سوا اللہ بڑائی والے اور تحمل والے کے۔ کوئی لائق عبادت نہیں سوا اللہ کے جو صاحب عرش عظیم ہے، کوئی لائق عبادت نہیں سوا اللہ کے جو آسمانوں اور زمین اور عزت والے عرش کا مالک ہے۔

إلا اللّٰه الحليم الكريم سبحان اللّٰه و تبارک اللّٰه رب العرش العظیم والحمدللّٰه رب العالمین

نیز اسی مسند امام احمد میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماأصاب أحدا قط هم ولا حزن فقال: اللّٰهم إني عبدک ابن عبدک ابن أمتک، ناصیتي بیدک، ماض في حکمک، عدل في قضائک أسئلک اللّٰهم بکل اسم هو لک سمیت به نفسک. أو علمته أحدا من خلقک أو أنزلته في کتابک أو استأثرت به في علم الغیب عندک أن تجعل القرآن ربیع قلبي و نور صدري وجلاء حزني و ذهاب همي و غمي إلا أذهب اللّٰه همه و حزنه او أبدله مکانه فرجاً(!) (مسند احمد بن حنبل: ا: ۳۹۱)

جب کسی کو کوئی مصیبت اور رنج پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت اور رنج وغم کو ضرور رفع کردے گا، یا اس کی جگہ اسے کوئی دوسری فرحت وخوشی عطا فرمائے گا۔

اللّٰهم إني عبدک ابن عبدک ابن امتک ناصیتي بیدک ماض في حکمک عدل في قضائک أسئلک اللّٰهم بکل اسم هو لک سمیت به نفسک أو علمته أحدا من خلقک أو استأثرت به في علم الغیب عندک أن تجعل القرآن ربیع قلبي و نور صدري وجلاء حزني و ذهاب همي و غمي(۱)

(۱) اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے، میرے حق میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے، اے اللہ! مانگتا ہوں میں تجھ سے، اس نام کی برکت سے جو نام خاص تیری ذات کا ہے۔ اتارا ہے تو نے اپنی کتاب میں، یا اسے سکھایا ہے تو نے کسی کو اپنی مخلوق میں سے، پسند کیا ہے تو نے اسے علم غیب میں جو مخفی ہے تیرے نزدیک یہ کہ کرے تُو قرآن کو بہار میرے دل کی، اور نور میرے سینے کا، اور سبب دور ہو میری فکر اور غم کا۔

کسی نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اسے یاد نہ کرلیں؟ آپؐ نے فرمایا: بل ینبغی لمن سمعها ان یتعلمها بلکہ جو آدمی بھی اس دعا کو سنے، اُسے چاہیے کہ یاد کرلے۔

اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ما کرب نبي من الانبیاء الا استغاث بالتسبیح

انبیاء کرام میں سے جس پیغمبر کو کوئی بے چینی ہوئی اس نے تسبیح (سبحان اللہ) کے ذریعے خدا سے فریاد کی۔

اور کتاب المجانین میں ابن ابی الدنیا نے حسن بصری سے بسلسلہ دعا یہ قصہ بیان کیا ہے کہ انصار صحابہؓ میں ابو مغلق نامی صحابی بہت بڑے تاجر تھے۔ اپنے اور دوسروں کے مال لے کر تجارت کیا کرتے، عبادت گزار و پرہیز گار تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سفر کیا۔ دوران سفر میں ایک مسلح ڈاکو سے پالا پڑا۔ ڈاکو نے انہیں کہا، جو کچھ تمہارے پاس ہے یہاں رکھ دو، میں تمہیں قتل کرتا ہوں۔ ابو مغلق انصاریؓ نے کہا: کیا تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو۔ اگر صرف مال چاہتے ہو تو یہ مال ہے، لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ ڈاکو نے کہا، یہ مال تو اب میرا ہو ہی چکا ہے، میں تمہیں قتل بھی ضرور کروں گا۔ ابو مغلق انصاریؓ بولے، اگر مجھے تم چھوڑ نہیں سکتے تو مجھے اتنی مہلت تو دو کہ میں چار رکعت نماز پڑھ لوں۔ ڈاکو نے کہا، اچھا تم جتنی نماز پڑھنا چاہو، پڑھ لو۔ ابو مغلق انصاریؓ نے وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے آخری سجدے میں انہوں نے یہ دعا پڑھی:

یا ودود! یا ذا العرش المجید! یافعال لما ترید! أسئلک بعزک الذی لایرام و بملکک الذی لا یضام و بنورک الذی ملأ أرکان عرشک أن تکفینی شر هذا اللص. یامغیث أغثني! یامغیث أغثني! یامغیث أغثني!

اے محبت کرنے والے! اے شاندار عرش کے مالک! اے اپنے ارادے سے سب کچھ کرنے والے! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ تیری عزت کا واسطہ دے کر جسے کوئی چھیڑ نہیں سکتا، تیری مالکیت کا واسطہ دے کر جس میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا، اور تیرے نور کا واسطہ دے کر جس سے تیرے عرش کا چاروں کھونٹ بھرا ہوا ہے، اس چور کے شر سے مجھے

بچالے۔اے فریادرس! میری مدد کر۔اے فریادرس! میری مدد کر۔اے فریادرس! میری مدد کر۔

تین مرتبہ انہوں نے یہ دعا پڑھی۔اسی وقت ایک سوار نمودار ہوا،اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا،جو گھوڑے کے سر پر دو کانوں کے بیچ میں رکھے ہوئے تھا۔ڈاکو سوار کی طرف دیکھ رہا ہے۔ سوار فوراً اس کی طرف لپکا اور اسے نیزے میں پرو دیا۔اس کے بعد سوار نے ابو مغلق انصاریؒ سے کہا اٹھو،سر اٹھاؤ! ابو مغلق انصاریؒ بولے: میرے ماں باپ تم پر قربان،تم ہو کون؟ آج تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ نے میری کار براری فرمائی ہے۔سوار نے کہا میں چوتھے آسمان کا ایک فرشتہ ہوں۔جس وقت تم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تو اس دعا نے آسمان کے دروازے ہلا دیے۔تم نے دوسری مرتبہ دعا کی تو آسمان والوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔تیسری مرتبہ دعا کی تو مجھے حکم ہوا کہ یہ ستم رسیدہ آدمی کی دعا ہے۔پس میں نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ اس کام پر مجھے مامور کیا جائے،چنانچہ میں تمہاری مدد کے لیے یہاں پہنچا ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں جو شخص وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھے اور مذکورہ دعا پڑھے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی،وہ ستم رسیدہ ہو یا نہ ہو۔



فصل ۵

قبولیتِ دعا کے اسباب

بعض لوگوں کی دعا بسا اوقات بہت جلد قبول ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ سخت ضرورت مند ہوتے ہیں۔ ضرورت ان کے اندر اضطرابی کیفیت پیدا کر دیتی ہے اور کامل اضطراب کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں متوجہ ہو جاتے ہیں، یا یہ کہ دعا کرنے سے پیشتر دعا کرنے والے سے کوئی بڑی نیکی وجود میں آ چکی ہوتی ہے، یا اس قسم کی کوئی اور بھلائی جس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ یہ دراصل اس کی نیکی کا صلہ ہوتا ہے، یا دعا کسی ایسے وقت میں کی گئی ہوتی ہے کہ وہ اجابتِ دعا کا وقت تھا، یا اس قسم کا کوئی اور سبب موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی دعا بہت جلد قبول ہو جاتی ہے۔

یہ دیکھ کر بعض لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ اجابتِ دعا کا سبب صرف دعا کے الفاظ اور کلمات ہیں۔ وہ ان الفاظ و کلمات ہی پر تکیہ کر لیتے ہیں اور ان اسباب اور باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی دعا قبول ہوئی تھی۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک مفید دوا کسی مناسب وقت اور مناسب موقع پر استعمال کرتا ہے، وہ اس کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ صرف اس دوا کے استعمال سے اسے شفا ملی ہے، کسی دوسرے سبب کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ دعا کے افادے کے لیے دوا کے علاوہ دیگر امور کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں اور اس قسم کی غلط فہمیوں میں سے ایک زبردست غلط فہمی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی اضطرابی کیفیت کے ساتھ کسی قبر پر پہنچتا ہے اور وہاں پہنچ

کر بارگاہ الٰہی میں مضطربانہ حالت میں دعا کرتا ہے، روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ اس کی مضطربانہ حالت کی بناپر اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ جاہل لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مقبولیت دعا کا سبب اور راز یہ قبر ہے، حالانکہ ان کا یہ سمجھنا سراسر غلط ہے۔ مقبولیت دعا کا سبب اور راز اس کا اضطراب اور بارگاہ الٰہی میں اس کی مضطربانہ التجا اور اس کا عجز وانکسار ہے۔ اگر یہی باتیں اس سے کسی مسجد میں سرزد ہوتیں تو زیادہ بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ تر بات ہوتی۔



فصل ۶

دعا اور تعوذات

دعا اور تعوذات (اللہ سے پناہ چاہنا) اسلحے کی مانند ہیں، اور اسلحہ بھی صرف تیز دھار نہیں، بلکہ مع سپاہی۔ خنجر اور تلوار تیز دھار ہوں اور ان میں کوئی نقص نہ ہو، نیز بازو بھی قوی اور مضبوط ہوں گے اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہوگی تو اس سے دشمن کا کام ضرور تمام ہوگا۔

ان تین باتوں میں سے اگر کوئی ایک بات بھی مفقود ہوگی تو ہتھیار یقیناً ناکام ہوگا۔ ہتھیار کی عمدگی اور تیزی کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ دعا فی نفسہ اچھی نہیں ہے، یا دعا کرنے والے کا دل اور زبان ایک نہیں ہے، یا اجابت دعا میں کوئی دوسری چیز مانع ہے تو یقیناً دعا کا اثر نہ ہوگا۔



فصل ۷

دعا اور تقدیر

یہاں یہ مشہور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس امر کے لیے دعا کی جاتی ہے، اگر وہ مقدر ہو چکا ہے تو بندہ دعا کرے، یا نہ کرے، اس کا وقوع میں آنا لابدی اور ضروری ہے، اور اگر وہ مقدر نہیں ہے تو بندہ سوال کرے یا نہ کرے، وقوع میں نہیں آئے گا۔

اس مغالطے کو ایک گروہ نے صحیح سمجھا اور دعا و التجا کو بالکل چھوڑ دیا، اس بناء پر یہ گروہ اس امر کا قائل ہو گیا کہ سوال، دعا، التجا سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ اس کی انتہائی جہالت اور ضلالت و گمراہی ہے۔ علاوہ ازیں اپنے مسلک میں یہ گروہ خود متناقض ہے۔ اس کے مسلک میں باہمی تضاد و تخالف پایا جاتا ہے، کیونکہ اگر یہ لوگ اپنے اس مسلک کو بطور کلی مان لیتے ہیں تو دنیا جہاں کے تمام اسباب کا تعطل واجب و ضروری ہو جاتا ہے۔ اس مسلک کے قائل سے کہا جائے کہ اگر سیری و سیرابی تیرے لیے مقدر ہو چکی ہے تو وہ ہو کر رہے گی تو کھائے یا نہ کھائے، پانی پیے یا نہ پیے، اور مقدر نہیں ہے تو ہرگز ہرگز سیری و سیرابی حاصل نہ ہو گی تو کھائے یا نہ کھائے۔ اسی طرح اگر اولاد تمہارے مقدر ہو چکی ہے تو وہ یقیناً ہو کر رہے گی، اپنی بیوی، باندی سے خلوت ہم بستری کرو یا نہ کرو، اور مقدر نہیں تو ہرگز ہرگز اولاد نہ ہو گی، خلوت و ہم بستری کرو یا نہ کرو، پھر تمہیں نکاح کی یا باندی کی کیا ضرورت ہے؟

دنیا کے سارے اسباب اور اسباب کے سارے سلسلے کو اسی طرح سمجھنا چاہیے۔ کیا اس خیال کے آدمی کو عقل مند، بلکہ عقل مند تو کیا انسان بھی کہا جا سکتا ہے؟ جب کہ حیوانات اور چوپائے تک وہ اسباب فطرتاً مہیا کرتے ہیں جن سے ان کی بقا اور زندگی وابستہ ہے۔ پس ان

لوگوں سے تو حیوانات اور چوپائے زیادہ عقل مند اور سمجھ دار کہے جائیں گے۔ یہ لوگ تو حیوانات سے بھی گئے گزرے ہیں۔

بعض اپنی فطانت اور زیرکی کا ثبوت دیتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ دعا کرنا محض ایک تعبدی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کو صرف اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ حصول مطلب میں دعا کا کوئی اثر و دخل نہیں۔ ان زیرک طبع انسانوں کے نزدیک قلب و زبان سے دعا، یا التجا کرنے، نہ کرنے میں حصولِ مطلب کے لیے کوئی فرق نہیں۔

ایک گروہ جو اس سے زیادہ زیرکی اور دانائی کا مدعی ہے، کہتا ہے کہ حصول مطلب و مدعا اور قضائے حاجت کے بارے میں دعا ایک علامت و نشانی کا حکم رکھتی ہے۔ کسی بندے کو دعا کی توفیق میسر آئی تو یہ اس کی حاجت روائی اور حصول مدعا کی علامت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ موسم برسات میں تم سیاہ بادلوں کی گھٹائیں اور سرد ہوائیں دیکھتے ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ برسات ضرور ہوگی۔ ان لوگوں کے نزدیک طاعات، عبادات کے اجر و ثواب اور کفر و معاصی کے عقاب و عذاب کا بھی یہی حکم ہے کہ طاعات و عبادات، کفر و عصیان محض اجر و ثواب، عقاب و عذاب کی علامتیں ہیں اور کچھ نہیں، کیونکہ یہ چیزیں ثواب و عذاب کے اسباب نہیں ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک کسی چیز کو توڑنے سے ٹوٹ جانے، جلانے سے جل جانے، قتل کرنے سے قتل ہو جانے کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ یہ چیزیں ان امور کے لیے حتمی اسباب نہیں ہیں، کیونکہ ان چیزوں میں اور ان امور میں کوئی ترتیب و تعلق نہیں ہے، محض ایک عادتی ربط و تعلق ہے۔ کوئی ایسا اثر اور ایسا تعلق و ربط نہیں جو بطور سبب و علت کے ہو۔ ان کا یہ قول ظاہر، عقل، شرع، فطرت اور تمام اہل عقل و بصیرت کے خلاف ہے، بلکہ دنیا جہاں کے عقل مند اربابِ بصیرت ان کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

سائل کے بیان کردہ دونوں مسلکوں کے علاوہ اس بارے میں ایک تیسرا مسلک ہے، اور وہی صحیح مسلک ہے۔ وہ یہ کہ امر مقدور و مقدر اسباب کے ساتھ مقدور و مقدر ہوا ہے اور انہی اسباب میں سے ایک سبب دعا بھی ہے۔ کوئی امرِ مقدور و مقدر محض بلا سبب مقدور و مقدر نہیں ہوتا، بلکہ اسباب کے ساتھ مقدور و مقدر ہوا ہے۔ پس بندہ جب کوئی سبب عمل میں لاتا ہے تو اس سبب

کے ساتھ جو امر مقدور و مقدر ہے، وہ بھی وقوع میں آ جاتا ہے اور سبب عمل میں نہیں لاتا تو اس سبب کے ساتھ جو امر مقدور و مقدر ہے وہ بھی وقوع میں نہیں آتا، مثلاً سیری و سیرابی کھانے پینے کے ساتھ، اولاد ہم بستری کے ساتھ، کھیتی اناج زمین پر دانے بونے کے ساتھ اور جانور کی جان نکلنا ذبح کرنے کے ساتھ مقدور و مقدر ہے اور یہی تیسری قسم صحیح اور حق ہے۔

اس تیسری قسم کے سمجھنے سے سائل محروم ہے۔ اسے اس کے سمجھنے کی توفیق ہی میسر نہیں ہوئی۔ اس تیسری قسم کے لحاظ سے دعا و التجا ایک قوی ترین اور زبردست سبب ہے۔ پس اگر کسی امرِ مقدور کا وقوع دعا کے ساتھ مقدر ہے تو پھر یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ دعا سے کوئی فائدہ نہیں۔ جس طرح یہ کہنا صحیح نہیں کہ کھانے پینے اور دیگر حرکات اور اعمال سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یقیناً حصول مطلب کے لیے دعا و التجا سے زیادہ کوئی چیز موثر، مفید اور نفع بخش نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا سبب نہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چونکہ اللہ، اللہ کے رسول اور کتاب و سنت کو سب سے زیادہ جاننے والے اور دین کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اس لیے اس سبب دعا کو تمام اسباب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور نہایت اہتمام کے ساتھ اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ دعا اور التجا کے شرائط و آداب کے پابند تھے۔

حضرت عمرؓ نے دشمنان اسلام کے مقابلے میں دعا ہی کے ذریعے بارگاہ الٰہی میں نصرت و امداد اور فتح و ظفر کی التجائیں کیں، اور اکثر اوقات صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے:

لستم تنصرون بکثرة وانما تنصرون من السماء

کثرت افواج سے تمہیں فتح حاصل نہیں ہوتی، بلکہ آسمان سے اللہ کی جانب سے نصرت ملتی ہے۔

مزید فرماتے تھے:

إنی لا أحمل هم الإجابة، ولكن هم الدعاء. فاذا ألهمت الدعاء فان الاجابة معه

مجھے اجابتِ دعا کی نہیں، فکر ہے تو دعا کی، جب دعا کی توفیق دی گئی تو اجابت تو اس کے

ساتھ ہی ہے۔

کسی شاعر نے اس مقصد کو اپنے شعر میں یوں ادا کیا ہے:

لولم ترد نیل ما أرجو و أطلبه　　　من جود کفیک ما علمنی الطلبا

اپنے دست سخا سے اگر میری طلب پوری کرنے کا تو ارادہ نہ کرتا تو مانگنا مجھے نہ سکھایا ہوتا۔

پس جس شخص کو دعا القا کی گئی، دعا والتجا کی توفیق عطا کی گئی تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے ضرور اجابت دعا کا ارادہ فرما لیا، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادعونی استجب لکم (المؤمن ۴۰: ۶۰)

تم مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

مزید ارشاد ہے:

واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان (البقرة ۲: ۱۸۶)

جب میرا بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کے قریب ہوتا ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یسئل اللّٰہ یغضب علیه (ترمذی: کتاب الدعوات)

جو آدمی اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس پر خفا ہوتا ہے۔

یہ آیتیں اور حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے کہ اس سے دعا کی جائے۔ اس سے دست سوال دراز کیا جائے۔ بندے اس سے مانگیں اور اس کی اطاعت وعبادت کریں۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوتا ہے تو ہمہ قسم کی خیر اور بھلائی اس کی رضامندی اور خوشنودی ہی میں ہے جس طرح کہ ہمہ قسم کی آفتیں اور مصیبتیں اس کے غضب، خفگی اور ناراضی میں ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزھد میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے:

أنا اللّٰه لا إلٰه الا أنا. إذا رضيت باركت و ليس لبركتي منتهي، واذا غضبت لعنت و لعنتي تبلغ السابع من الولد

میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، جب میں کسی سے راضی ہوتا ہوں تو اسے میں اپنی برکت سے نوازتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میں کسی سے خفا ہوتا ہوں تو اس پر لعنت بھیجتا ہوں اور میری لعنت اس کی ساتویں اولاد تک پہنچتی ہے۔

عقل ونقل، فطرت اور تمام ملل واقوام اور پرستاران مذاہب کا تجربہ رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ رب العالمین کا تقرب اس کی رضامندی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندوں کے ساتھ نیکی، بھلائی اور احسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کے خیر اور بھلائی حاصل کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ہمہ قسم کے شر اور برائی کا سبب ہے۔ پس تم انعاماتِ الٰہیہ اور اس کی نوازشات سے اسی قدر بہرہ ور ہو سکتے ہو اور اسی قدر اس کی خفگی و ناراضی سے دور رہ سکتے ہو، جس قدر تم اس کی اطاعت وفرماں برداری کرو گے، اور اس کا تقرب حاصل کرو گے اور اس کی مخلوق اور بندوں کے ساتھ احسان وصلہ رحمی کرو گے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمہ قسم کی خیر، بھلائی، فلاح و بہبود، اور سرور و بہجت کو اعمال سے اس طرح وابستہ فرمایا ہے جیسے جزا شرط سے، یا معلول علت سے، یا مسبب سبب سے وابستہ ہے۔ اور یہ تلازم ایک ہزار سے زیادہ مواقع میں قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی تکوینی حکم یا تشریعی حکم کو کسی ایسے مناسب وصف پر مترتب فرماتا ہے جو مسبب و سبب اور معلول وعلت کا صاف صاف ثبوت پیش کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فلما عتوا عن ما نهوا عنه قلنا لهم كونوا قردة خاسئين (الاعراف ۷:۱٦٦)

پھر جس کام سے انہیں منع کیا تھا، جب اس میں حد سے بڑھ گئے تو ہم نے ان کو حکم دیا، تم ذلیل وخوار بندر بن جاؤ۔

فلما اٰسفونا انتقمنا منهم (الزخرف ۴۳: ۵۵)

پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا۔

والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا (المآئدة ۵: ۳۸)

اور مرد چوری کرے، اور عورت چوری کرے تو اس کے کرتوت کے بدلے میں دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

ان المسلمين والمسلمات. الى ---. والذاكرين الله كثيراً والذاكرات أعدالله لهم مغفرة واجرا عظيما (الاحزاب ۳۳: ۳۵)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں --- کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں ان کے لیے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی معافی اور بڑے بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں۔

اس قسم کی آیتیں قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں۔ کہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے حکم کو صیغۂ شرط و جزا سے مربوط و مرتب فرمایا ہے:

إن تتقوا الله يجعل لكم فرقانا و يكفر عنكم سيأتكم و يغفرلكم (الأنفال ۸: ۲۹)

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کر دے گا اور تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا، اور تم کو بخش دے گا۔

وأن لو استقاموا على الطريقة لأ سقيناهم ماء غدقا (الجن ۷۲: ۱۶)

اور اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم ان کو پانی کی ریل پیل سے سیراب کر دیتے۔

فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزكوة فاخوانكم فى الدين (هود ۹: ۱۱)

اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اس قسم کی آیتیں بھی قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کبھی **لام تعلیل** کے ساتھ اس قسم کے حکم کو نتیجہ و معلول قرار دیتا ہے:

ليدبروا آياته وليتذكر أولو الالباب (صٓ ۳۸: ۲۹)

تا کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت پکڑیں۔

اور مثلاً:

لتكونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا (البقرة ۲:۱۴۳)

تا کہ لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنیں۔

اور کبھی حرف کیلا سے، جو تعلیل کے لیے آتا ہے، حکم کی ترتیب کا اظہار فرماتا ہے، مثلاً:

كيلا يكون دولة بين الأغنياء منكم (الحشر ۵۹:۷)

یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال ان ہی میں دائم نہ رہے۔

اور کبھی ''باء'' سبب کے ساتھ:

ذالک بما قدمت أيديكم (آل عمران ۳: ۱۸۲)

اور یہ تمہارے ہاتھوں نے پہلے کیا، اس کا نتیجہ ہے۔

بما كنتم تعلمون (یونس ۱۰: ۲۳) تمہارے عمل کا بدلہ ہے۔

بما كنتم تكسبون (یونس ۱۰: ۵۲) تمہارے کسب کا نتیجہ ہے۔

ذالک بأنهم كانوا يكفرون بايآت اللّٰه (البقرة ۲: ۶۱)

یہ اس کا بدلہ ہے جو یہ لوگ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے رہے۔

اور کبھی صریح یا محذوف مفعول کے ذریعے علت و معلول کو واضح فرماتا ہے، مثلاً:

فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء أن تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرى (البقرة ۲: ۲۸۲)

تو ایک مرد اور دو عورتیں جو تمہیں پسندیدہ ہوں، ان کو گواہ بنالو تا کہ اگر کوئی ایک بھول جائے تو دوسرا اسے یاد دلا دے۔

أن تقولوا يوم القيامة إنا كنا عن هذا غافلين (الاعراف ۷: ۱۷۲)

قیامت کے دن تم یہ کہو گے کہ بے شک ہم اس چیز سے غافل تھے۔

ان تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا (الانعام ٦:١٥٧)

تم یہ کہو کہ یہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر ہی اتاری گئی تھی۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ فاء سببیہ کے ساتھ حکم کو ماقبل کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

فكذبوه فعقروها فدمدم عليهم ربهم بذنبهم فسواها (الشمس ٩١:١٤)

اس پر بھی ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے بدلے میں ان پر ہلاکت لا ڈالی اور سب کا پٹرا کر دیا۔

اور مثلاً:

فعصوا رسول ربهم فأخذهم أخذة رابية (الحآقة ٦٩: ١٠)

پس ان لوگوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اس نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا۔

فكذبوهما فكانوا من المهلكين (المؤمنون ٢٣: ٤٨)

غرض! ان لوگوں نے موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کو جھٹلایا تو یہ ہلاک کر دیے گئے۔

یہ اور اس کی مثل دوسری آیتیں ہیں۔ کبھی حرف لما سے جو شرط و جزا پر دلالت کرتا ہے، مثلاً:

فلما اسفونا انتقمنا منهم (الزخرف ٤٣: ٥٥)

پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا۔

اور کبھی حرف " انّ" کے ساتھ:

انهم كانوا يسارعون في الخيرات (الانبيآء ٢١:٩٠)

اس لیے کہ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے۔

انهم كانوا قوم سوء فأغرقناهم اجمعين (الانبيآء ٢١: ٧٧)

یہ نافرمان بڑے بڑے لوگ تھے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

اور کبھی حرف "لولا" کے ساتھ جو اپنے ماقبل کو اپنے مابعد سے مربوط کرتا ہے، یہ حکم ظاہر فرماتا ہے:

فلولا أنه كان من المسبحين للبث في بطنه الی یوم یبعثون (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۴۳-۱۴۴)

تو اگر یونس خدا کی تسبیح و تقدیس کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس دن تک کہ لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے، مچھلی ہی کے پیٹ میں رہتے۔

اور کبھی حرف " لو " سے جو شرط و جزا پر دلالت کرتا ہے، مثلاً:

ولو أنهم فعلوا ما یوعظون به لکان خیراً لهم (النساء ۴: ٦٦)

اور جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا اگر اس کی تعمیل کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن حکیم اول سے آخر تک خیر و شر اور احکامِ تکوینی اور اوامر تشریعی کا ربط اسباب پر بصراحت فرماتا ہے، بلکہ دنیا اور آخرت کے تمام احکام و اوامر اور مصالح و مفاسد کو اسباب و اعمال ہی پر مرتب فرماتا ہے۔ جو شخص اس مسئلے پر پوری عقل مندی اور تفقہ سے کام لے گا اور اس پر کامل طور پر غور و تأمل کرے گا، اسے اس سے انتہا درجے کا نفع پہنچے گا، اس قدر کہ اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے اور اپنی جہالت و بے علمی، عجز و کاہلی، بے عملی، افراط و تفریط کی وجہ سے ساری طاقتیں ضائع کرنے اور قوت عمل برباد کرنے کے لیے صرف اس تقدیر پر کبھی تکیہ اور بھروسہ نہیں کرے گا، جس کے معنی یہ ہیں کہ عاجزی، کاہلی اور بے عملی کو توکل سمجھ لیا گیا ہے، اور توکل اسی عاجزی، کاہلی اور بے عملی کا نام رکھ لیا ہے، بلکہ کامل ترین فقیہ، عقلمند اور سمجھ دار انسان وہی ہے جو تقدیر کو تقدیر سے توڑے اور تقدیر کی تقدیر سے مدافعت کرے۔ تقدیر کے مقابلے میں تقدیر کو لا کھڑا کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اس اصول پر عمل کیے بغیر اس دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ بھوک، پیاس، سردی، گرمی اور ہمہ قسم کے خوف سے نجات پانے اور بچنے کے اسباب تقدیر ہی کی جانب سے ہیں اور دنیا جہاں کی ساری مخلوق ان چیزوں کی مدافعت اسی طرح کر رہی ہے کہ تقدیر سے تقدیر کی مدافعت کی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق میسر آتی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت عطا فرمائی ہے، وہ ہمیشہ مقدر رشدہ اخروی عقوبت و عذاب کی

مدافعت مقدر شدہ تو بہ وانابت سے اور ایمان واعمال صالحہ کے ذریعے کرتا ہے اور یہی وہ تقدیر ہے جس سے دنیا اور آخرت کے تمام خطرات اور تکالیف ومصائب کا مقابلہ اور مدافعت کی جاتی ہے۔ دونوں جہاں کا مالک، رب اور پروردگار ایک ہی ہے۔ اس کی حکمت بھی ایک ہی طریقے پر کام کرتی ہے۔ اس کی حکمتوں اور مصلحتوں میں باہم تضاد اور تناقض نہیں ہے۔ اس کی ایک حکمت و مصلحت دوسری حکمت و مصلحت سے کبھی نہیں ٹکراتی۔ ایک مصلحت دوسری مصلحت کو کبھی باطل اور لغو قرار نہیں دیتی۔ پس تقدیر کا یہ مسئلہ درحقیقت اس شخص کے حق میں جو اس کی قدر و قیمت جانتا ہے اور اس کے حقوق کی کما حقہ رعایت کر سکتا ہے، بڑا ہی اہم ہے اور بڑے بڑے مسائل سے بھی زیادہ شریف اور بزرگ ترین مسئلہ ہے۔ واللہ المستعان۔

لیکن یہاں ابھی دو اہم امور بحث طلب ہیں جن سے انسان کی سعادت وفلاح وابستہ ہے۔ اول یہ کہ انسان خیر وشر کے اسباب اور اس کی تفصیلات سے پوری طرح آگاہ اور باخبر ہو۔ پس انسان اس بارے میں اپنے مشاہدات کو جو دنیا میں اس کے سامنے آ چکے ہیں اور اپنے اندر باہر کے تجربات کو اور قدیم وجدید، اگلی پچھلی قوموں کے حالات وواقعات کو جو اس نے تاریخ میں پڑھے اور سنے ہیں، اپنا نصیر ومددگار بنائے اور اس بارے میں سب سے زیادہ مفید ونفع بخش قرآن حکیم ہے۔ پورے غور وتدبر سے اگر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن حکیم ان تمام امور کا بجمیع وجوہ کفیل وضامن ہے۔ اس کے اندر خیر وشر کے تمام اسباب پوری تفصیل اور پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

قرآن حکیم کے بعد سنت نبوی ؐ کا درجہ ہے۔ سنت نبوی ؐ قرآن کی رفیقہ، بہن اور درجہ دوم کی وحی الٰہی ہے۔ جو شخص ان دو چیزوں میں اپنی توجہ مرکوز رکھے گا، اس کے لیے یہ کافی ہو جائیں گی، اور اسے دوسری تمام چوکھٹوں سے مستغنی اور بے پروا کر دیں گی۔ یہ دونوں چیزیں راہ نمائی اور راہ بری اس طرح کرتی ہیں کہ خیر وشر اور ان کے اسباب اس طرح سامنے آ جاتے ہیں، گویا انہیں جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو۔ اس کے بعد دنیا کی قوموں اور ملتوں کی تاریخ اور اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے حالات وواقعات پر غور کریں تو اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرآن

حکیم اور سنت نبویؐ نے جو کچھ بیان کیا ہے، بالکل صحیح اور درست ہے۔ تاریخ و حالات کا ہر واقعہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے ، اور ایسے تمام تاریخی واقعات و حالات اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں اور وعیدوں کی تفصیل ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ ان حالات میں آفاق و عالم میں اللہ تعالیٰ کی جس قدر نشانیاں ہیں ، وہ راہ نمائی اور راہ بری کریں گی کہ قرآن حکیم بالکل برحق ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے ضرور پورے فرمائیں گے۔ پس تاریخ ان جزئیات و واقعات کی تفصیل ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے اسبابِ خیر و شر کے ضمن میں پیش فرمائے ہیں، اور یہ ان اسباب خیر و شر کے کلیات واصول کی تفصیل ہے، جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے وضاحت فرمائی ہے۔



فصل ۸

توبہ واستغفار کی حقیقت

اسباب کے بارے میں بندہ اپنے نفس کے مغالطے اور دھوکے سے بہت ہوشیار رہے اور اس سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ یہ ایک اہم معاملہ اور نازک ترین امر ہے، کیونکہ ہر بندہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ معصیت و نافرمانی، غفلت اور خدا فراموشی اس کے حق میں ایک خطرناک امر ہے، اس کی ہلاکت و تباہی کا موجب اور سبب ہے۔ اس سے اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ بندے کا نفس اسے دھوکہ اور فریب دیتا رہتا ہے۔ ایسا کبھی اللہ تعالیٰ کے عفوودرگزر اور مغفرت وبخشش کی امید پر ہوتا ہے، کبھی زبانی توبہ و استغفار، کبھی ادنیٰ درجے کی مستحبات کے بھروسے پر اور کبھی علم و منزلت کے غرے پر، کبھی تقدیر کی آڑ لے کر، کبھی اپنے جیسے لوگوں کے اعمال و کردار کو دلیل بنا کر، کبھی ان لوگوں کی اقتدا کی بناء پر جو ریاست و امارت، جاہ و منزلت کے فتنے میں پڑ کر دنیا کے عوض اپنا دین برباد کر چکے ہیں، اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی جو چاہو کرلو، پھر استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ کہہ کر معاف کرالیں گے۔

ایک فقیہ ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ میں تو سارے کام کر گزرتا ہوں۔ اس کے بعد سو مرتبہ **سبحان اللہ و بحمدہ** پڑھ لیتا ہوں، سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے استدلال میں یہ حدیث بیان کی:

من قال فی یوم سبحان اللّٰہ و بحمدہ مائۃ مرۃ حطت خطایاہ ولو کانت مثل زبد البحر

جو آدمی ایک دن میں سو مرتبہ **سبحان اللہ و بحمدہ** پڑھ لے گا، اس کے سارے

گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اگر چہ وہ دریا کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

مکے کا ایک باشندہ مجھ سے کہنے لگا کہ ہم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو غسل کر کے خانۂ کعبہ کا طواف کر لیتے ہیں، اس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک اور صاحب کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح حدیث ہے:

أذنب عبد ذنبا فقال أی رب أصبت ذنبا فاغفرلی فغفر اللّٰہ ذنبه، ثم مکث ماشاء اللّٰہ، ثم أذنب ذنبا آخر فقال أی رب أصبت ذنبا فاغفرلی فقال اللّٰہ عزوجل قد علم عبدی أن له ربا یغفر الذنب و یأخذ به قدغفرت لعبدی (احمد بن حنبل ۲: ۴۰۵)

بندہ گناہ کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے۔ اے پروردگار! مجھ سے گناہ ہو گیا، معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ اس کا گناہ معاف کر دیتا ہے، پھر کچھ عرصے رک کر دوبارہ گناہ کرتا ہے، پھر بارگاہ الٰہی میں رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے اے پروردگار! مجھ سے خطا ہو گئی تو معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کر سکتا ہے اور گرفت بھی کر سکتا ہے۔ اس بندے کا گناہ میں نے معاف کر دیا۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد وہ صاحب کہنے لگے کہ مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ میرا پروردگار ہے جو گناہوں کی مغفرت کر سکتا ہے اور گرفت بھی۔ اس قسم کے لوگ بسا اوقات اسی قسم کی امید و رجا کی نصوص سے چمٹے رہتے ہیں، انہی پر تکیہ کر لیتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے اس قسم کی نصوص کو تھام لیتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں پر اگر گناہوں اور گناہوں کے انہماک پر ملامت و سرزنش کی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت، وسعتِ عفو و مغفرت اور امید و رجا کی ساری نصوص اور اس بارے میں ان کے پاس جس قدر بھی اندوختہ ہوتا ہے، پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور پھر جاہل اور بے علم لوگ تو کچھ عجیب و غریب ہی باتیں کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے:

وکثر ما استطعت من الخطایا — إذا کان القدوم علی کریم

جب تمہیں کریم و بخشش کرنے والے کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے تو پھر جس قدر بھی ہو سکے، گناہ کر لو۔

مثلاً بعض کہتے ہیں کہ گناہوں سے اجتناب کرنا اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت اور وسعتِ عفو و کرم اور وسعتِ مغفرت و بخشش سے بے خبری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ گناہوں سے باز رہنا اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کی خلاف ورزی اور اس کی شان کریمی کی توہین ہے۔

محمد بن حزم کہتے ہیں: میں نے کچھ لوگوں کو دعا میں یہ کہتے سنا ہے کہ اے اللہ! میں عصمت و بے گناہی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ بہت سے لوگ ملیں گے جو مسئلۂ جبر و قدر سے اپنا تعلق و رشتہ جوڑ بیٹھے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال و اعمال میں بالکل بے اختیار اور معاصی و گناہ کے ارتکاب میں مجبورِ محض ہے۔ انہی لوگوں میں سے بعض مسئلۂ ارجاء کے فریب میں مبتلا ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیقِ قلب کا نام ہے۔ اعمال کو ایمان سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ فاسق سے فاسق ترین آدمی کا ایمان اور جبریل و میکائیل کا ایمان برابر ہے۔ انہی میں بہت سے لوگ ہیں جو فقراء، مشائخ، صالح اور نیک بخت بندوں کی محبت، ان کی قبروں کی زیارت، ان کے سامنے تضرع و زاری کرنے، ان کی شفاعت و سفارش حاصل کرنے اور بارگاہ الٰہی میں ان کا وسیلہ لینے اور ان کے حقوق و حرمت کا واسطہ دے کر مانگنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے آباء و اجداد، اسلاف اور بزرگوں کی عظمت و تقدیس کے فریب میں مبتلا ہیں کہ ان کے اسلاف بارگاہ الٰہی میں بلند و بالا مقام اور عظیم الشان درجہ رکھتے تھے، وہ انہیں ہر مصیبت و بلا سے نجات دلا دیں گے۔ کبھی انہیں عذاب میں مبتلا نہ ہونے دیں گے جس طرح سلاطین کی بارگاہ میں ہوا کرتا ہے۔ سلاطین و ملوک اپنے خواص و مقربین کی اولاد اور قرابت داروں کے جرائم، گناہ اور لغزشیں معاف کر دیا کرتے ہیں۔ خواص و مقربین کے عزیزوں اور قرابت داروں میں جب کوئی کسی خطرناک جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا باپ یا دادا اپنی جاہ و منزلت اور تقرب و مرتبت کے زور سے اسے چھڑا لیتا ہے۔

بعض فریب خوردہ اس چکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ بندے کے عذاب سے اللہ تعالیٰ

بالکل مستغنی ہے۔ بندے کو عذاب دینے سے اس کے ملک اور خدائی میں کوئی اضافہ، یا رحم وکرم سے اس کے ملک اور خدائی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کی رحمت کا میں محتاج ہوں، اور وہ بہت بڑا غنی ہے۔ کوئی فقیر و مسکین، مجبور و محتاج اگر کسی ایسے آدمی کے پاس پہنچتا ہے جس کے در پر پانی کی نہر بہہ رہی ہو اور وہ اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہے تو وہ ہرگز اسے منع نہیں کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑا اکریم اور سب سے زیادہ وسیع الرحمۃ ہے، مغفرت و بخشش سے اس کے ملک و خدائی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور عذاب دینے سے اس کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بھلا وہ اپنے بندوں کی مغفرت کیوں نہیں کرے گا؟

کچھ ناقص العقل اور فاسد الفہم تو اپنی غلط فہمی کی بناء پر قرآن وسنت کے بعض نصوص پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں، مثلاً بعض اس آیت پر تکیہ کر کے ارتکاب جرائم پر جری اور نڈر ہو بیٹھے ہیں:

ولسوف یعطیک ربک فترضی (الضحیٰ ۹۳: ۵)

[اور اے پیغمبر] تمہارا پروردگار آگے چل کر تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

یہ آیت پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس بات سے راضی نہ ہوں گے کہ آپ کی امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں جائے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا اور ایسا سمجھنا بدترین قسم کی جہالت اور ایک رسوا کن کذب و بہتان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسی بات سے راضی ہوں گے جس سے اللہ عزوجل راضی اور خوش ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے کہ وہ ظالموں، فاسقوں، خائنوں، بدکرداروں اور کبیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو پھر حاشا اللہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے راضی اور خوش ہو جس سے رب تبارک وتعالیٰ راضی نہیں ہے۔

کچھ لوگ اس آیت پر تکیہ کر بیٹھے ہیں:

إن اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعا (الزمر ۳۹:۵۳)

بلاشبہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

لیکن یہ ایک بدترین قسم کی جہالت ہے، کیوں کہ آیت کے اندر جمیعا میں شرک بھی

آ جاتا ہے جو تمام گناہوں کی جڑ ہے، اور بلا خلاف یہ مسلّم امر ہے کہ یہ آیت توبہ کرنے والوں کے حق میں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ یہ آیت اگر توبہ نہ کرنے والوں کے حق میں وارد ہو تو پھر وعید و عذاب کی ساری نصوص اور اہل توحید کو شفاعت کے ذریعے جہنم سے نجات ملنے کی تمام احادیث و روایات باطل اور بے کار ہو جاتی ہیں۔ پس واضح ہے کہ جو شخص ایسا کہتا ہے تو یہ محض اس کے علم و فہم کی کوتاہی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس جگہ آیت کے اندر عموم و اطلاق اختیار فرمایا ہے جس میں شرک اور تمام گناہ شامل ہیں اور اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ آیت توبہ کرنے والوں کے حق میں وارد ہے۔ توبہ کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، چاہے وہ شرک ہو یا دوسرے گناہ۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ تخصیص و تقیید کے ساتھ بیان فرماتا ہے:

إن اللّٰه لا يغفر ان يشرک به و يغفر ما دون ذالک لمن يشاء (النساء ۴: ۱۱۶)

اللہ اس جرم کو معاف کرنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے اور اس کے سوا سارے گناہ جن کے لیے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ شرک کو معاف نہیں کرے گا، نیز شرک کے علاوہ دوسرے گناہ وہ چاہے تو بخش دے گا۔ یہ آیت اگر توبہ کرنے والوں کے حق میں وارد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ شرک اور دوسرے گناہوں میں فرق نہ فرماتا۔

بعض فریب خوردہ جاہل اس آیت سے دھوکہ کھا رہے ہیں:

يا أيها الانسان ماغرک بربک الکريم (الانفطار ۸۲: ٦)

اے آدم زاد! تجھے کس چیز نے اپنے پروردگار کریم کی جناب میں گستاخ کر دیا؟

اور پھر یہی جاہل آیت کا جواب بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کی مغفرت و بخشش نے ہمیں فریب خوردہ کر دیا ہے، اور بعد ازاں اس سے بھی زیادہ جرأت کر بیٹھتے ہیں کہ ہم فریب خوردگانِ دہر کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے یہ حجت و دلیل پیش کر دی ہے۔ ان کا یہ سمجھنا بدترین قسم کی جہالت و بے وقوفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی فریب اور دھوکے کی تلقین نہیں فرماتا، بلکہ بندے کا

غرور بندے کو دھوکہ دیتا ہے، شیطان اور اس کا نفسِ امارہ اسے دھوکہ دیتا ہے اور عصیان و نافرمانی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کی جہالت، نفس پرستی اور خواہشات اسے دھوکہ دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں لفظ کریم ارشاد فرمایا ہے، اور کریم کے معنی ہیں، سید عظیم، بہت بڑا سردار کہ جس کی اطاعت وفرمان برداری لازم وضروری ہو، جس کے ساتھ کسی حال میں فریب اور دھوکہ درست نہیں، جس کا کوئی حق قابل واگزاری نہیں۔ یہ غلط کیش، غلط رو، مغرور اور فریب خوردہ آدمی آیت کو بالکل غلط، بے محل، خلافِ مقصد معنی میں استعمال کررہا ہے اور اللہ کریم کے ساتھ دھوکہ کررہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب اور دھوکہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

کچھ لوگ اس آیت سے دھوکہ کھارہے ہیں:

لا يصلاها إلا الاشقى الذى كذب و تولى (الليل ٩٢:١٥-١٦)

کہ اس میں وہی بد بخت داخل ہوگا جو دنیا میں دینِ حق کو جھٹلاتا اور روگردانی کرتا ہے۔

نیز اس آیت سے دھوکہ کھارہے ہیں جو جہنم کے متعلق وارد ہے:

أعدت للكافرين (البقره ٢: ٢٤) جہنم کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

یہ مغرور وفریب خوردہ آدمی اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ آیت کے اندر شعلوں والی آگ کا ذکر ہے اور یہ جہنم کے بہت سے طبقوں میں سے ایک مخصوص طبقہ ہے۔ آیت کے اندر نفی وارد ہے۔ وہ اسی طبقے میں داخل ہونے کی نفی ہے کہ بد بخت ہی اس طبقۂ جہنم میں داخل ہوگا، دوسرا نہیں۔ اس سے اگر مطلق جہنم مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ لا يصلاها (اس تک نہیں پہنچتا) نہ فرماتا، بلکہ لايدخلها فرماتا۔ آیت میں صلى (پہنچنے) کی نفی کی گئی ہے، نہ کہ دخول کی، اور صلى دخول سے اخص ہے اور اخص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔ علاوہ ازیں اگر یہ فریب خوردہ آدمی اس آیت کے مابعد کی آیت پر غور کرتا تو اسے معلوم ہوجاتا کہ اگر جہنم میں داخل نہ ہوگا تو یہ بھی نہ ہوگا کہ وہ اس سے بالکل بچ جائے گا اور کسی اور طریقے پر اسے دوزخ کا عذاب نہ ہوگا۔

اب رہی آیت أعدت للكافرين (دوزخ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے) تو سمجھ لینا چاہیے کہ جنت کے متعلق بھی یہ وارد ہے: أعدت للمتقين (جنت متقی پرہیزگاروں کے لیے

بنائی گئی ہے)۔ پس کفار کے لیے جہنم تیار کرنا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس میں فاسق و فاجر اور ظالم و بدکار لوگ بھی داخل کیے جائیں، جس طرح کہ جنت متقی پرہیزگاروں کے لیے بنائی گئی، لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اس میں ایسے لوگ بھی داخل ہوں گے جن کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہوگا اور انہوں نے قطعاً کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔

کچھ لوگ عاشورے اور یومِ عرفہ میں گمراہ ہو رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض تو یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ عاشورے کا روزہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور یومِ عرفہ کے روزے کا اجر و ثواب بطور ذخیرہ جمع رہتا ہے، مگر افسوس کہ فریب خوردگانِ تمنا یہ نہیں سمجھ سکتے کہ رمضان المبارک کے روزے اور پنجگانہ نماز عاشورے اور یومِ عرفہ کے روزوں سے کہیں زیادہ عظیم المرتبہ اور عظیم القدر ہیں۔ ایک رمضان سے دوسرے رمضان اور ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ اسی وقت ہے، جب کہ بندہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔ رمضان المبارک کے روزے اور نمازِ جمعہ بھی صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔ رمضان المبارک اور نمازِ جمعہ کی عظمت و تقدیس اور کبائر سے اجتناب، یہ دو قوتیں مل کر صغیرہ گناہوں کے کفارے کی قوت پیدا کر لیتی ہیں۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ یہ نفل روزے ان کبائر کا کفارہ ثابت ہوں جن کا ارتکاب ہو رہا ہے، جن پر اصرار کیا جا رہا ہے اور جن سے توبہ نہیں کی گئی۔ یقیناً یہ امر محال و ناممکن ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ عاشورے اور یومِ عرفہ کے روزے ہمہ قسم کے گناہوں کا کفارہ ہوں، اور حدیث کے عمومی الفاظ کو اس کے عموم ہی پر رکھا جائے، لیکن یہ وعدہ ان نصوص میں سے ہو جن کے پورا ہونے کے لیے کچھ شرائط اور موانع ہوتے ہیں اور کبائر پر اصرار، کفارۂ گناہ کے موانع میں سے ہے۔ بندہ جب کبائر پر اصرار نہ کرے تو روزے کی قوت اور اصرار نہ کرنے کی قوت دونوں کی باہمی مساعدت گناہوں کے کفارے میں معین و مددگار بن جاتی ہے، جس طرح رمضان کے روزے اور نماز پنجگانہ اور کبائر سے اجتناب دونوں باہم مل کر گناہوں کے کفارے کے لیے معاون و مددگار بن جاتے ہیں اور پھر حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

إن تجتنبوا كبائر ماتنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم (النساء ۴: ۳۱)

جن کبائر سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔ اگر تم ان سے اجتناب کرتے رہے تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے۔

پس یہ بات صاف واضح ہے کہ کسی ایک چیز کو گناہ کے کفارے کا سبب گردانا اس امر کے مانع نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا سبب بھی ہو، اور یہ دونوں مل کر گناہوں کے کفارے کا موجب ہوں اور کفارۂ گناہ کے ایک سبب کے مقابلے میں دو اسباب کی قوت زیادہ مؤثر اور مکمل ہوتی ہے، نیز جس قدر اسباب کی کثرت وفراوانی ہوگی، قوتِ کفارہ اسی قدر زیادہ قوی، مستحکم تر، اکمل واتم اور ہمہ گیر ہوگی۔

بعض لوگ اس حدیث قدسی پر تکیہ کر لیتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار عالم سے نقل فرمائی ہے:

أنا عند حسن ظن عبدی بي فليظن به ماشاء (مسلم : توبه)

میں اپنے بندے کے حسنِ ظن کے ساتھ ہوں، جیسا وہ چاہے مجھ سے گمان رکھے۔

یعنی میرے ساتھ اس کا جیسا گمان ہوگا، ویسا ہی میں اس کے ساتھ پیش آؤں گا۔ یہ امر یقینی ہے کہ حسنِ ظن اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب بندہ احسان اور نیکی کا پابند ہو۔ محسن، نیک عمل اور نیک کردار کا بندہ ہی یہ حسنِ ظن رکھ سکتا ہے کہ اس کا پروردگار اس کی نیکی اور نیک کردار کی وجہ سے اس کے ساتھ احسان کرے، اپنے وعدے کو پورا فرمائے، وعدہ خلافی نہ کرے اور اس کی توبہ قبول فرمائے۔ وہ انسان جو مجرم اور گنہ گار ہے، اور جو کبائر کا ارتکاب کرتا ہے، ظلم و جور کا خوگر ہے، پروردگارِ عالم کے احکام واوامر کی خلاف ورزی کرتا اور اس پر اصرار کرتا رہتا ہے، ایسے انسان میں اس کے معاصی وجرائم اور اس کا ظلم و جور ایسی خطرناک وحشت پیدا کر دیتے ہیں جو پروردگار عالم کے ساتھ حسنِ ظن پیدا ہونے میں سخت رکاوٹ بن جاتی ہے۔ روزمرہ مشاہدے کے مطابق ایک مغرور غلام جو اپنے سید و آقا کا مجرم ہو، اس کی اطاعت وفرماں برداری سے نکل چکا ہو، اپنے سید و آقا کے ساتھ کبھی حسن ظن نہیں رکھ سکتا۔ گناہوں کی وحشت اور حسنِ ظن کبھی یک جا نہیں ہو

سکتے۔ گنہ گار، مجرم اسی قدر متوحش ہو گا جس قدر اس کے جرائم اور گناہ ہوں گے۔ پروردگار عالم کے ساتھ وہی آدمی حسنِ ظن اور زیادہ سے زیادہ نیک گمان رکھ سکتا ہے جو اس کا زیادہ سے زیادہ مطیع وفرماں بردار ہو۔ اس ضمن میں حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے:

إن المؤمن أحسن الظن بربه فأحسن العمل، وإن الفاجر أساء الظن بربه فأساء العمل

مومن اپنے پروردگار کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہے، اس لیے وہ اچھا عمل کرتا ہے اور فاسق و فاجر آدمی اپنے پروردگار کے ساتھ برا گمان رکھتا ہے، اسی لیے وہ بد عملی کا ارتکاب کرتا ہے۔

لہٰذا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے بھاگا بھاگا پھرتا ہے، اس کی خفگی کے مواقع میں دوڑا دوڑا پھرتا ہے اور اس کے غضب کے مواقع پر ڈیرے ڈالے رہتا ہے، ذلت و رسوائی کے میدانوں میں مارا مارا پھرتا ہے، حقوقِ الٰہی کی توہین و ناقدری کرتا ہے، اس کے فرامین کو ٹھکراتا ہے، اس کے محرمات ونواہی کو معمولی چیز سمجھ کر ان کا ارتکاب کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے، وہ بھلا کس طرح اپنے پروردگار کی جناب میں حسن ظن رکھ سکتا ہے؟ وہ شخص جو پروردگار عالم کے مقابلے میں اعلانِ جنگ کر رہا ہے، اولیاء الٰہی اور اللہ کے دوستوں سے دشمنی کر رہا ہے، اس کے دشمنوں سے دوستی کی گرہ باندھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ان صفاتِ کمالیہ کا انکار کر رہا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان کی ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی ہیں۔ اس طرح اس نے ذاتِ خداوندی کے ساتھ سوء ظنی پیدا کر رکھی ہے اور اپنی جہالت کی وجہ سے ان صفاتِ کمالیہ کے متعلق یہ خیال باندھ رکھا ہے کہ ان کے ظاہری معنی ضلالت اور کفر ہے۔ بتایے کہ ایسا شخص پروردگار عالم کے ساتھ حسن ظن کیوں کر اور کس طرح رکھ سکتا ہے؟ وہ شخص بھلا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کر حسنِ ظن رکھ سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا، نہ کسی چیز کا حکم دیتا ہے، نہ کسی بات کی ممانعت کرتا ہے، نہ وہ کسی بات سے راضی ہوتا ہے، نہ کسی بات سے خفا۔ اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مخفی باتوں کو وہ نہیں سنتا، فرماتا ہے:

وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردا کم فأصبحتم من الخاسرین (حٰمٓ السجدة ۴۱: ۲۳)

اور یہ بدگمانی جو تم نے اپنے پروردگار کے حق میں کی ہے، تمہاری بدگمانی ہی نے تو تمہیں تباہ کیا ہے۔

یہ لوگ جب خیال کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بہت سے اعمال وافعال سے بے خبر ہے تو یہ پروردگار عالم کے ساتھ سوءِ ظن نہیں تو اور کیا ہے؟ یقیناً یہ بدترین قسم کی بدگمانی ہے۔

یہ اس شخص کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ اور اوصافِ جلالیہ کا انکار کر رہا ہے، اور ایسی صفات سے ذاتِ الٰہی کو متصف گردانتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ اس قسم کے لوگ اگر یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا کرے گا تو یہ سراسر غرور اور دھوکہ ہے۔ یہ لوگ یقیناً اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور یہ بلاشبہ شیطان کی جانب سے ایک زبردست دھوکہ اور فریب ہے جس کو پروردگارِ عالم کے ساتھ حسن ظن نہیں کہا جا سکتا۔

اس مسئلے پر پوری طرح غور کیجیے، یہ بھی سوچیے کہ لوگوں کو اس کے سمجھنے کی کس قدر شدید ضرورت ہے؟ کسی بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں یکجا کیسے ہو سکتی ہیں۔ آدمی کو اس کا یقین ہو کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس کو حاضری دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ساری باتیں سنتا ہے اور یہ اس کے حضور میں کھڑا ہے۔ اس کے ہر ہر عمل کی وہ باز پرس کرے گا، اور وہ ہے کہ غضب الٰہی کے مواقع پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہے، اس کے احکام و اوامر کو ٹھکرا رہا ہے، اس کے حقوق کو روند رہا ہے، اور پھر ان تمام باتوں کے باوجود یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہے (کہ وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، اور بہترین صلہ دے گا)۔ کیا یہ نفس کا دھوکہ اور غلط آرزوؤں کا فریب نہیں ہے؟

حضرت ابوامامہ سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عروہ بن زبیر، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عائشہؓ فرمانے لگیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں میرے پاس چھ سات دینار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں اللہ

تعالیٰ کی راہ میں دے ڈالو۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف اور آپ ؐ کی تیمارداری کی وجہ سے ایسا نہ کرسکی، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی۔ صحت و عافیت کے بعد آپ ؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے وہ دینار اللہ کی راہ میں دے دیے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ؐ کی بیماری اور تیمارداری کی وجہ سے ایسا نہیں کرسکی۔ اس پر آپ ؐ کچھ ناراض سے ہوئے اور فرمایا:

ما ظن نبی اللّٰہ لو لقی اللّٰہ وھذہ عندہ؟

اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کا گمان کیسا ہوتا، اگر وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا؟

ایک اور روایت میں نبی اللہ کی جگہ محمد کا لفظ ہے۔ غور کیجیے کہ یہ اصحابِ کبائر اور اربابِ ظلم و جور اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیسے حسنِ ظن رکھ سکتے ہیں؟ جبکہ مظالمِ عباد کا بارِ گراں ان کے کندھوں پر لدا ہوا ہے، اور اللہ کے بندوں پر انہوں نے ظلم و جور کے پہاڑ توڑ رکھے ہوں؟ ان کا اگر یہ صرف زبانی دعویٰ ''کہ اے پروردگار! ہم تجھ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں'' انہیں نفع پہنچا سکتا ہے تو پھر نہ کسی ظالم کو سزا ہوسکتی ہے، نہ کسی فاسق و فاجر کو اس کے اعمالِ بد کا بدلہ مل سکتا ہے۔ جو جی چاہے کرتے رہیں اور منہیات و محرمات کا بے خوف و خطر ارتکاب کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ حسنِ ظن لگائے رہیں کہ جہنم کی آگ انہیں چھوئے گی بھی نہیں۔ یہ فریب اور دھوکہ بندوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دے گا؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ائفکا الٰھۃ دون اللّٰہ تریدون فما ظنکم برب العالمین (الصآفات ۳۷: ۸۶-۸۷)

کیا جھوٹ موٹ، اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کے پیچھے پڑے ہو؟ تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟

یعنی تمہارا ظن اور گمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا ہوگا؟ جب تم آخرت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگے اور دنیا میں تمہارا حال یہ رہا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت و پرستش کرتے رہے۔ جو شخص اس مقام کو سمجھے گا اور اس پر پوری طرح غور و تأمل کرے گا، اس پر کامل طور

سے واضح ہو جائے گا کہ حسن ظن باللہ ''حسن عمل'' ہی کا دوسرا نام ہے، کیونکہ بندے کو ''حسن ظن'' پیدا کرنے پر اس کا یہ عقیدہ ہی آمادہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال و افعال کا بدلہ دے گا، نیک اعمال کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا، اس کے اعمال صالحہ قبول فرمائے گا۔ اس کا یہ حسن ظن ہی اس کو عمل صالح پر آمادہ کرتا ہے۔ اس حسن ظن کے حاصل ہونے پر اسے حسنِ عمل کی برکتیں حاصل ہوں گی۔ اگر ایسا نہیں ہے اور صرف نفس و خواہشات کی پیروی کی جاتی ہے اور محض حسنِ ظن رکھا جاتا ہے تو یہ سراسر حماقت اور ایمان کی کمزوری ہے، جیسا کہ حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الكيس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت، و العاجز من أتبع نفسه هواها و تمنى على الله (سنن ابن ماجه : زهد)

عقل مند وہ ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے۔ وہ عاجز (اور بے وقوف) ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے مارا مارا پھرے اور اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی تمنائیں رکھے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حسن ظن تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب نجات کے اسباب پائے جائیں اور ہلاکت و بربادی کی وجوہ ہوں تو حسن ظن پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حسنِ ظن تو ہر حال میں رکھا جا سکتا ہے، اور حسنِ ظن رکھنے کی قوی ترین وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت، اس کی رحمت، اس کا عفو و کرم، اس کا جود و سخا بہت وسیع ہے، اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ بندوں کو عذاب دینے میں اس کا کوئی نفع نہیں۔ وہ بخش دے تو اس کی خدائی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بات تو یہی ہے۔ ذاتِ الٰہی تو اس سے بھی زیادہ ارفع و بلند ہے۔ اس کی جلالتِ شان بہت بلند و بالا ہے، وہ اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین ہے، جود و سخا کے تمام خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں، وہی مالک الملک اور قادر مطلق ہے، لیکن خدائے قدوس ان تمام چیزوں کو اپنے اپنے محل و مقام ہی پر صرف کرتا ہے، اور ان ہی مقامات پر صرف فرماتا ہے جہاں

ان کا صرف مناسب ہے، کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ حکمت والا ہے، عزت وغلبہ، انتقام و بدلہ، قوی البطش، مضبوط گرفت اور مستحق عذاب کو عذاب دینے کی صفات سے بھی تو موصوف و متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات صرف حسنِ ظن ہی کا مرجع ہو سکتی ہیں تو نیک و بد، مومن و کافر اور دوست و دشمن سبھی اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ پس یقینی امر یہ ہے کہ مجرم کے لیے اسمائے الٰہی اور صفاتِ خداوندی سودمند نہیں ہو سکتیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفگی اور اس کے غضب کا بار اپنے کندھوں پر لادے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے کاموں میں اپنا وقت برباد کر چکا ہے، محرمات ومنہیات کا ارتکاب اور اس کی محترم چیزوں کی حقارت وتوہین کرتا رہا ہے، بلکہ حسنِ ظن اس شخص کے لیے سودمند ہے جس نے توبہ وانابت اور ندامت و پشیمانی کے آنسو بہائے اور گناہوں کی جڑیں اپنے اندر سے اکھاڑ پھینکیں، اور گناہوں کو نیکیوں سے دھویا اور اپنی بقیہ عمر خیر و طاعت اور نیک اعمال میں صرف کی، اور پھر حسنِ ظن قائم رکھا۔ حسن ظن کی صحیح ترین صورت اور واقعی حقیقت یہی ہے، پہلی صورت سراسر دھوکہ اور فریب ہے۔ واللہ المستعان

یہ فصل اگرچہ طویل ہو گئی، لیکن تم اسے طویل نہ سمجھنا، ہر شخص کو اس کی ضرورت، بلکہ شدید ضرورت ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد تم حسن ظن باللہ وفریبِ حسنِ ظن میں آسانی فرق و امتیاز کر سکتے ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الـذين آمنوا والذين هاجروا وجاهدوا في سبيل الله أولئك يرجون رحمة الله (البقرة ۲: ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اور جہاد کیا۔ یہی ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ ان صفات کے لوگوں کو امید ورجا کا حقدار قرار دیتا ہے، نہ کہ ظالموں، فاسقوں اور بدکاروں کو۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

ثـم إن ربک لـلـذيـن هـاجـروا مـن بـعـد مافتنوا ثم جاهدوا وصبروا ان ربک من بعدها لغفور رحيم (النحل ۱۶: ۱۱۰)

پھر جن لوگوں نے مبتلائے مصیبت ہو کر گھر بار چھوڑے، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کیے اور تکلیفوں پر جوان کو ترک وطن اور جہاد میں پہنچیں، صبر کیا تو تمہارا پروردگار ان کے بعد قیامت کے دن بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ ان چیزوں پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے حق میں غفور ورحیم ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ عالم وعقل مند امید ورجا کو اپنے محل و مقام پر رکھتا ہے، جب کہ جاہل اور احمق اسے بے محل و بے موقع استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔



فصل ۹

موت کے بعد

جاہل لوگوں میں سے اکثر فقط اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عفو و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے اوامر و نواہی کو پامال کرتے ہیں، اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ رب العزت شدید العقاب بھی ہے۔ مجرموں کو اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جو شخص گناہوں پر اصرار اور صرف عفوِ الٰہی پر اعتماد کرتا ہے، وہ در حقیقت معاند، منکر اور گمراہ ہے۔ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ تم جس کی اطاعت و فرماں برداری نہیں کرتے، اس سے رحمت و فضل کی امید رکھنا ذلت و رسوائی اور حماقت ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ جو ذات صرف تین درہم کی چوری پر دنیا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتی ہے، اس سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے کہ وہ آخرت میں اسی قسم کا عذاب نہیں دی گی۔

کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ ہم آپ کو ہمیشہ روتا ہوا ہی دیکھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا، مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں مجھے آگ میں نہ جھونک دے اور پروا بھی نہ کرے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ ابوسعید! ہم ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا کرتے ہیں جو ہمیں سخت خوف زدہ کر دیتے ہیں، ہمارے دلوں کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم اس قسم کے خوف کا کیا علاج کریں؟ انہوں نے جواب دیا۔ تمہارا ان لوگوں کے پاس بیٹھنا بہت ہی اچھا ہے جو تمہیں ڈرا ڈرا کر امن و راحت کی جگہ پہنچا دیں، ان لوگوں کے مقابلے میں جو تمہیں امن و سلامتی کی باتیں سنا سنا کر خوف و ہلاکت کی منزل کو لے جائیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو بلایا جائے گا اور اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ اس کی آنتیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی اور وہ جہنم میں اس طرح گھومتا پھرے گا، جس طرح چکی کے گرد گدھا گھوما کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر جہنمی لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے: ''اے شخص یہ مصیبت تجھ پر کیوں آئی؟ تو تو ہمیں نیکی اور بھلائی کا حکم دیا کرتا تھا، برائیوں سے ہمیں روکتا تھا''۔ وہ جواب دے گا: ''میں اوروں کو نیکی اور بھلائی کا حکم ضرور دیتا تھا، لیکن خود اس پر عمل پیرا نہیں تھا۔ لوگوں کو برائیوں سے روکتا تھا، مگر خود باز نہ آتا تھا''۔

حضرت امام احمدؒ بن حنبل حضرت ابورافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے گزرے تو فرمایا: ''افسوس تجھ پر''۔ میں سمجھا غالباً آپؐ مجھے فرما رہے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''نہیں! تم سے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ یہ اس شخص کی قبر ہے جسے میں نے فلاں قبیلے کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا۔ اس نے غنیمت کے مال میں سے ایک کمبل اٹھالیا تھا، اور اس وقت اسے اسی کمبل کے برابر آگ کی چادر پہنائی گئی ہے''۔

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی شب مجھے ایسے لوگوں پر سے گزارا گیا جن کے لب آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے فرشتوں سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتوں نے کہا: ''یہ آپؐ کی امت کے خطیب و واعظ ہیں، دوسروں کو نیک کاموں کا حکم دیتے تھے، اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ افسوس یہ لوگ اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے تھے''۔

اسی مسند میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے جب معراج کرائی گئی تو اس وقت میں نے ایسے لوگ دیکھے جن کی انگلیوں پر تانبے کے بڑے بڑے ناخن لگے ہوئے تھے، جن سے وہ اپنے چہرے، گال اور سینے نوچ رہے تھے اور کھرچ رہے تھے۔ میں نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے، (یعنی غیبت کیا کرتے تھے) اور ان کی بے آبروئی کرتے تھے''۔

مسند احمد بن حنبلؒ ہی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

یا مقلب القلوب والأبصار! ثبت قلبی علی دینک (احمد بن حنبل ٦: ١٩)

اے دلوں اور آنکھوں کے لوٹ پھیر کرنے والے! میرے قلب کو تو اپنے دین پر قائم رکھ۔

ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپؐ پر ایمان لے آئے اور جو کچھ آپؐ نے لا کر ہمیں دیا، اس پر بھی ایمان لے آئے۔ کیا پھر بھی ہمارے لیے اس کا خوف و خطر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہیں، جدھر چاہے پھیر دے۔

اسی مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا: ''کیا وجہ ہے جو میں نے کبھی حضرت میکائیل کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؟'' حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ جب سے جہنم پیدا کی گئی ہے، وہ کبھی نہیں ہنسے۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ جن پر دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے انعامات کیے تھے اور وہ جہنم کے حقدار تھے، انہیں بلایا جائے اور انہیں جہنم کے اندر ایک چکر دیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹو! تم نے کوئی خیر اور بہتری اور کوئی نعمت آج تک دیکھی ہے، وہ جواب دیں گے۔ اے پروردگار! قسم تیری ذات کی، ہم نے کبھی کوئی نعمت نہیں دیکھی۔ اس کے بعد ان جنتیوں کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ نامراد تھے اور تکالیف میں دن گزارتے تھے، انہیں جنت میں ایک چکر دیا جائے گا پھر پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹو! کیا تم نے کبھی کوئی تکلیف اٹھائی ہے؟ وہ جواب دیں گے، پروردگار! ہم پر نہ کوئی مصیبت آئی اور نہ ہم نے کبھی تکلیف دیکھی ہے''۔

اسی مسند میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازے میں شریک ہوئے۔ ابھی اسے قبر میں اتارا نہیں تھا کہ آپؐ وہاں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ہم لوگوں نے آپ کے اردگرد حلقہ بنا لیا اور یوں مؤدب اور

خاموش ہوکر بیٹھ گئے، گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک پتلی سی لکڑی تھی جس سے آپؐ زمین کرید رہے تھے، یکا یک آپؐ نے سر مبارک اونچا کیا اور فرمایا:

استعیذوا باللّٰه من عذاب القبر (لوگو! بارگاہِ الٰہی میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگو۔)

یہ کلمات زبانِ مبارک سے دو یا تین بار نکلے، پھر ارشاد فرمایا: بندہ جب دنیا سے رشتہ توڑتا ہے اور آخرت کی طرف جانے لگتا ہے تو آسمان سے ایسے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے نورانی اور روشن ہوتے ہیں، گویا سورج چمک رہا ہو۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے اور مردے کی نگاہوں کے سامنے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد موت کا فرشتہ آتا ہے، اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: ''اے نفس مطمئنہ! خدا کی مغفرت و رضامندی کی طرف نکل چل''۔ چنانچہ اس کی جان اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشکیزے سے پانی، یا دودھ کا قطرہ ٹپک جاتا ہے۔ ملک الموت اسے اٹھالیتا ہے۔ اسی وقت فرشتے دوڑ پڑتے ہیں، وہ ایک لمحہ بھی اسے ملک الموت کے پاس نہیں رہنے دیتے، اور اسے جنت سے لایا ہوا کفن پہنا دیتے ہیں۔ جنت کی خوشبو جو مشک سے بھی زیادہ بہتر ہوتی ہے، اسے لگا دیتے ہیں اور پھر اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، جہاں جہاں سے وہ گزرتے ہیں، فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ کون بہترین روح ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: فلاں ابن فلاں، اور دنیا میں جو اس کا بہترین نام تھا، وہ بتلاتے ہیں۔ فرشتے اسے لے کر دنیا کے آسمان تک لے جاتے ہیں۔ تب آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے فرشتے اس کی متابعت کے لیے اوپر کے آسمان، حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک لے جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے اس بندے کا نام دفتر علیین میں لکھ دو، اور اسے زمین پر واپس بھیج دو، کیونکہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا ہے اور اس کی طرف میں اسے لوٹاؤں گا، اور اسی سے اُسے دوبارہ اٹھاؤں گا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی روح واپس لوٹائی جاتی ہے۔ وہ فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسے بٹھا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے، میرا رب پروردگار عالم ہے، پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے، میرا دین اسلام ہے۔

پھر پوچھتے ہیں، کون سے پیغمبر تمہاری طرف بھیجے گئے تھے؟ جواب میں کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف بھیجے گئے تھے۔ پھر پوچھتے ہیں تمہارے پاس کون سا علم ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے قرآن مجید پڑھا ہے، اس پر ایمان لایا ہوں اور اس کی تصدیق کی ہے۔ اس وقت آسمان سے ندا آئے گی: ''میرا بندہ سچ کہتا ہے اس کے لیے جنت کا فرش بچھادو، اسے جنت کا لباس پہنادو اور جنت کے دروازے اس پر کھول دو''۔ اس کے بعد جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آنے لگیں گی اور اس کی قبر، اس کی حدِ نظر تک وسیع کر دی جائے گی۔ اس کے بعد ایک خوبصورت حسین آدمی اس کے پاس آئے گا جس کا لباس نہایت خوبصورت اور خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا کہ میں تجھے مسرت وآرام کی خوشخبری سناتا ہوں۔ اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ پوچھے گا، تم کون ہو؟ تمہارے چہرے سے خیر و برکت ٹپک رہی ہے، وہ جواب دے گا۔ میں تیرا نیک عمل ہوں، اس کے بعد میت کہنے لگے گی: ''اے پروردگار! تو قیامت جلد قائم کر دے تا کہ میں اپنی بیوی اور بچوں سے جلد مل سکوں''۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کافر مر جاتا ہے اور آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ فام دو فرشتے آتے ہیں جن کے جسم پر سیاہ غلیظ کمبل ہوتے ہیں۔ وہ اس کی نگاہوں کے سامنے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت بھی آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اے خبیث روح! چل، اللہ تعالیٰ کی خفگی اور اس کے غضب کی طرف چل۔ یہ سن کر اس کی روح جسم کے اندر ادھر ادھر بھاگنے لگتی ہے، لیکن فرشتہ اسے اس طرح پکڑتا ہے اور کھینچتا ہے جس طرح قصاب چھریوں سے گوشت کاٹتا ہے۔ وہ دور بیٹھے ہوئے فرشتے آ کر اس روح کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں، اسے لمحے بھر کی بھی مہلت نہیں دیتے، اسے ایک سیاہ بدبودار کمبل پہنا دیتے ہیں۔ اس کی بدبو مردار جانور سے بدتر ہوتی ہے۔ یہ فرشتے اس روح کو لے کر اوپر کی طرف جاتے ہیں، جہاں جہاں سے یہ فرشتے اسے لے کر گزرتے ہیں، دوسرے فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں، یہ کس کی خبیث روح ہے جو اس قدر خراب بدبو آ رہی ہے؟ فرشتے اس کا برے سے برا نام لے کر کہتے ہیں فلاں ابن فلاں۔ اس کے بعد آسمان

کے دروازے کھولنے کی درخواست کرتے ہیں، لیکن وہ اس کے لیے نہیں کھولے جاتے۔ اس موقع پر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لا تفتح لهم أبواب السماء ولا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط (الاعراف ۷: ۴۰)

نہ تو ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت ہی میں داخل ہونے پائیں گے، یہاں تک کہ سوئی کے ناکے سے اونٹ گزر جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اس کا نام دفتر سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں لکھ دو۔ تب اس روح کو وہیں سے نیچے پھینک دیا جائے گا۔ یہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء فتخطفه الطير أوتهوى به الريح في مكان سحيق (الحج ۲۲: ۳۱)

اور جس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانا تو اس کا حال ایسا ہے جیسے وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اس کو راہ میں سے شکاری پرندے اچک کر لے جائیں، اس کو ہوا کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دے۔

اس کے بعد روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی۔ دو فرشتے اس کے پاس آ کر پوچھیں گے: تمہارا رب کون ہے؟ وہ گھبراہٹ کے مارے ہاہ ہاہ کرے گا اور کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں۔ پھر پوچھیں گے: تمہارا دین کیا ہے؟ اس کا بھی وہ یہی جواب دے گا۔ اس کے بعد اس سے پوچھیں گے: تمہارے پاس کون سے پیغمبر آئے تھے؟ اس کا بھی وہ یہی جواب دے گا۔ آسمان سے آواز آئے گی، یہ بندہ جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے جہنم کا فرش لگا دو، اور جہنم کے دروازے اس کے لیے کھول دو تاکہ جہنم کے شعلے اس تک پہنچتے رہیں۔ یوں اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ وہ اسے دبوچ لے گی، اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کو نکل جائیں گی۔ اس کے بعد ایک بدشکل آدمی گندے غلیظ لباس میں اس کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور اسے کہے گا کہ میں تجھے

عذاب کی خبر سناتا ہوں۔ یہی وہ دن ہے جس کے متعلق تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہے گا: تیرے چہرے سے مجھے ڈر لگتا ہے، وہ کہے گا: میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ اس کے بعد وہ کہے گا، پروردگار عالم! تو قیامت نہ قائم کر۔

امام احمدؒ کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کے بعد اس پر ایک ایسا فرشتہ مسلط کر دیا جائے گا جو اندھا، بہرہ اور گونگا ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں اتنا وزنی گرز ہوگا کہ اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر ریت ہو جائے۔ فرشتہ اسے یہ گرز مارے گا جس سے وہ چیخنے لگے گا اور اس کی چیخ پکار جن اور انس کے سوا اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سنے گی۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ اس کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے لیے جہنم کا فرش بچھا دیا جائے گا۔

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے، آپؐ کی نگاہ یکا یک ایک مجمع پر پڑی۔ فرمایا: ''یہ کون لوگ ہیں اور کیوں جمع ہوئے ہیں؟'' جواب ملا کہ قبر کھود رہے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ گھبرائے اور نہایت تیز رفتاری سے صحابہؓ سے آگے ہو گئے، اور قبر تک پہنچے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ میں آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ دیکھوں، آپ کیا کرتے ہیں۔ آپؐ وہاں اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

أي أخواني لمثل هذا اليوم فأعدوا (میرے بھائیو! ایسے دن کے لیے تیاری کیا کرو۔)

اسی مسند میں حضرت بریدہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور بآواز بلند فرمایا: ''لوگو! میری اور تمہاری مثال کیسی ہے، تم جانتے ہو؟'' صحابہ نے جواب دیا: ''اللہ اور اللہ کے رسول خوب جانتے ہیں''۔ فرمانے لگے: ''میری اور تمہاری مثال اس قوم کی سی ہے جو کسی آنے والے دشمن سے ڈر رہی ہو اور اس کی تفتیش کے لیے انہوں نے کسی آدمی کو بھیجا ہو۔ یہ آدمی دشمن کو دیکھ کر ڈرتا ہوا آیا تاکہ قوم کو ڈرائے کہ دشمن سر پر آ گیا ہے۔ اس سے لوگوں کو آگاہ کرے، لوگوں کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی اس نے

کپڑا اہلا کر یہ خبر دی کہ لوگو! دشمن آ گیا، سر پر پہنچ گیا ہے''۔

اور **صحیح مسلم** میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل ماأسکر حرام وان علی اللّٰہ عزوجل عقدا لمن شرب المسکر أن یسقیہ من طینۃ الخبال. قیل وما طینۃ الخبال؟ قال عرق أھل النار او عصارۃ أھل النار (صحیح مسلم : اشربہ)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ شراب پینے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ پختہ عہد ہے کہ وہ اسے دوزخیوں کا پسینہ، یا ان کا نچوڑ پلائے گا۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنی أری ما لا ترون وأسمع مالا تسمعون. أطت السماء و حق لھا أن تئط ما فیھا موضع أربع أصابع الا و علیہ ملک یسبح اللّٰہ ساجداً لو تعلمون ماأعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیراً وما تلذذتم بالنساء علی الفروش و لخرجتم الی الصعدات تجئرون الی اللّٰہ تعالیٰ (ترمذی : زھد)

جو میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے، جو میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے، آسمان فرشتوں کے بوجھ سے کراہ رہا ہے، اور اس کا کراہنا حق بجانب ہے، کوئی چار انگل جگہ ایسی نہیں ہے جہاں فرشتے سجدے میں گر کر اللہ کی تسبیح و تقدیس نہ کرتے ہوں۔ لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو تم ہنسنا چھوڑ دو اور زار و قطار روتے ہی رہو، عورتوں کے ساتھ بستروں پر لذت اندوز ہونا ترک کر دو، اور گھروں سے باہر نکل کر راستوں اور میدانوں میں بھاگتے پھرو، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جھک پڑو۔

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنازے میں شریک تھے۔ قبر پر پہنچے تو آپؐ اس قبر کی ایک جانب بیٹھ گئے اور آنکھیں پھرا پھرا کر قبر کے اندر نگاہ ڈالی۔ اس کے بعد فرمایا:

یضغط المؤمن فیه ضغطة تزول منها حمائله و یملاء علی الکفار نارا
(مسند احمد بن حنبل ۵: ۴۰۷)

مومن کو قبر میں بھیجا جاتا ہے جس سے اس کے سینے کی ہڈیاں ادھر سے ادھر ہو جاتی ہیں اور کافر کی قبر آگ سے بھر دی جاتی ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کا انتقال ہوا تو ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنازے میں شریک ہوئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھ لی، انہیں قبر میں اتارا گیا اور قبر برابر کردی گئی تو آپؐ دیر تک **سبحان اللّٰہ، سبحان اللّٰہ** پڑھتے رہے۔ آپؐ کے ساتھ ہم بھی یہی پڑھتے رہے، پھر آپؐ نے **اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر** کہنا شروع کردیا۔ ہم بھی آپؐ کے ساتھ یہی کہتے رہے۔ بعد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپؐ نے پہلے **سبحان اللّٰہ**، پڑھا پھر **اللّٰہ اکبر** پڑھا، کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرج اللّٰہ عنہ (مسند احمد ۳:۳۶۰)

اللہ کے اس بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو فراخ کردیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مردے کو جنازے میں رکھ کر لوگ کندھوں پر اٹھا کر چلنے لگتے ہیں تو، اگر مردہ صالح اور نیک ہے تو کہتا ہے، مجھے جلد سے جلد لے چلو، اور اگر صالح اور نیک نہیں ہے تو کہتا ہے افسوس! تم لوگ مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ اور اس کی یہ آواز انسانوں کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔ اگر انسان اسے سن لیں تو ہیبت اور دہشت کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سورج ایک میل قریب ہو جائے گا۔ اس کی گرمی اس قدر زیادہ ہوگی کہ اس سے لوگوں کے دماغ اس طرح کھولنے لگیں گے جس طرح چولہے پر ہنڈیا کھولتی ہے، اور لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینے میں غرق ہوں گے، کوئی گھٹنوں تک، کوئی پنڈلیوں تک، اور

کچھ ایسے ہوں گے جو کمر تک ڈوبے ہوں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو منہ تک ڈوبے ہوئے ہوں گے۔

اسی مسند میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قولوا حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل، علی اللّٰہ توکلنا (مسند احمد: ۳۲۶)

لوگو! تم یہ پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور ہم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تعظم فی نفسه أو اختال فی مشیته لقی اللّٰہ وھو علیه غضبان

جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا، یا فخر وغرور سے چلے گا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح آئے گا کہ وہ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔

صحیحین میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن المصورین یعذبون یوم القیامة ویقال لھم احیوا ما خلقتم (صحیح بخاری: کتاب البیوع، صحیح مسلم)

قیامت کے دن تصویریں بنانے والوں کو عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا، جو تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن أحدکم إذا مات عرض علیه مقعده من الغداة والعشی إن کان من أھل الجنة فمن أھل الجنة وإن کان من أھل النار فمن أھل النار فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللّٰہ عزوجل یوم القیامة (صحیح بخاری: کتاب الجنائز، صحیح مسلم)

جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو صبح وشام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے پیش کیا جاتا

ہے۔ جنتی ہے تو جنت کا اور دوزخی ہے تو دوزخ کا، اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ قیامت تک کا تمہارا ٹھکانہ ہے، جب اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اٹھائے گا۔

اور ارشاد فرمایا:

إذا صار أهل الجنة في الجنة وأهل النار في النار، جيْ بالموت يوقف بين الجنة والنار، ثم يذبح ثم ينادي مناد ياأهل الجنة خلود و لا موت. ويا أهل النار خلود ولا موت فيزداد أهل الجنة فرحا إلى فرحهم. ويزداد أهل النار حزنا إلى حزنهم (صحيح بخاری : كتاب الجنائز)

جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی لوگ جہنم میں تو موت کو جنت و دوزخ کے درمیان لا کر کھڑا کر دیا جائے گا، اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ کا منادی پکارے گا۔ اے جنت والو! تمہارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت ہے اور موت نہیں ہے۔ اے دوزخ والو! تمہارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے، اب موت نہیں ہے، یہ سن کر جنتی لوگوں کی مسرت اور بڑھ جائے گی اور دوزخیوں کا رنج وغم اور زیادہ ہو جائے گا۔

مسند احمد میں ہے:

من اشتری ثوبا بعشرة دراهم فيها درهم حرام، لم يقبل الله له صلوة مادام عليه، ثم ادخل اصبعيه في اذنيه، ثم قال صمتا إن لم أكن سمعت النبي صلى الله عليه وسلم (مسند احمد بن حنبل ۲: ۹۸)

جس نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا، اور اس میں سے ایک درہم بھی حرام کا تھا تو جب تک یہ کپڑا اس کے جسم پر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائے گا۔ راوی نے یہاں اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور کہا۔ اگر یہ حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنی ہو تو میں بہرہ ہو جاؤں۔

اسی مسند میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ترک الصلوة سکرا مرة واحدة فکأنما کانت له الدنیا وما علیها فسلبها، ومن ترک الصلوٰة سکرا أربع مرات کان حقاً علی اللّٰه ان یسقیه من طینة الخبال (مسند احمد بن حنبل ۲: ۱۷۸)

جس نے نشہ پی کر ایک وقت کی نماز ترک کر دی تو گویا دنیا و مافیہا سب اسی کی ملکیت تھی جو اس سے چھین لی گئی، اور جس نے نشے کی وجہ سے چار وقت کی نماز ترک کر دی تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہوگا کہ وہ اسے دوزخیوں کا نچوڑا ہوا عصارہ پلائے۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من شرب الخمر شربة لم تقبل له، صلوة أربعین صباحا. فان تاب تاب اللّٰه علیه فلا ادری فی الثالثة او الرابعة قال فان عاد کان حقا علی اللّٰه ان یسقیه من ردغة الخبال یوم القیامة (مسند احمد بن حنبل ۲: ۱۷۶)

جس نے ایک گھونٹ شراب پی تو چالیس دن تک اس کی نماز ہرگز قبول نہ ہوگی۔ وہ اگر توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ راوی کہتے ہیں، تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا: اگر اس نے پھر یہ گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہوگا کہ وہ اسے دوزخیوں کا نچوڑا ہوا خون اور پیپ پلائے۔

حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من مات مدمنا للخمر سقاه اللّٰه من نهر الغوطة، قیل وما نهر الغوطة؟ قال نهر یجری من فروج المومسات یؤذی اهل النار ریح فروجهن (مسند احمد بن حنبل ۴: ۳۹۹)

جو شخص شراب کی مداومت کرتے ہوئے مر گیا تو اللہ تعالیٰ اسے نہر غوطہ سے پانی پلائے گا۔ کسی نے پوچھا نہر غوطہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، یہ نہر بدکار عورتوں کی شرمگاہ سے نکلی ہے، اور یہ ایسی خراب ہے کہ خود دوزخی لوگوں کو بھی اس سے سخت تکلیف ہوگی۔

اور اسی مسند میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یعرض الناس یوم القیامة ثلاث عرضات فأما عرضتان فجدال و معاذیر و أما الثالثة فعند ذالک تطیر الصحف فی الایدی فآخذ بیمینه و آخذ بشماله (مسند احمد بن حنبل ۴: ۴۱۴)

قیامت کے دن تین مرتبہ لوگوں کی پیشی ہوگی۔ دو پیشیوں میں حجت و معذرت ہوگی، تیسری پیشی پر اعمال نامے اڑ اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے، کوئی دائیں ہاتھ میں لے گا اور کوئی بائیں ہاتھ میں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

ایاکم و محقرات الذنوب فانهن یجتمعن علی الرجل حتی یهلکنه (مسند احمد بن حنبل ۱: ۴-۲)

چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی تم اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ جب چھوٹے چھوٹے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے اس کی مثال پیش فرمائی کہ جب لوگ کسی صحرا میں منزل کرتے ہیں اور کھانے پکانے کا وقت آتا ہے تو کوئی لکڑی لے آتا ہے، کوئی اونٹ کی مینگنیاں، حتیٰ کہ ڈھیر لگ جاتا ہے، پھر آگ جلائی جاتی ہے اور جو کچھ اس میں ڈالتے ہیں، سب جل جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم پر پل کھڑا کیا جائے گا، اور سب سے پہلے اس پر سے میں گزروں گا، اس روز تمام پیغمبروں کی دعا یہ ہوگی: ''اللهم سلم (اے اللہ! سلامتی دے، اے اللہ! سلامتی دے)''۔ پل کے دونوں جانب ببول کے کانٹوں کی مانند کانٹے ہوں گے، اور لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان سے الجھیں گے۔ بعض صحیح و سالم نکل جائیں گے، بعض زخمی ہو کر پار ہوں گے، اور نجات پائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلے سے فارغ ہوں گے اور ان بندوں کو جن پر وہ رحم کرنا چاہتا ہے اور وہ کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والوں میں سے ہیں تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ انہیں جہنم سے نکال لو۔ فرشتے انہیں سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سجدوں کے اثر کو جلانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔ یہ نشانیاں دیکھ دیکھ کر فرشتے ان کو باہر نکالیں گے۔ اس وقت ان کا حال یہ ہوگا کہ کھالیں جل چکی ہوں گی، فرشتے ان پر ماء الحیات ڈالیں گے جس سے انہیں دوبارہ زندگی حاصل ہوگی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے لوگوں کا فیصلہ کیا جائے گا، سب سے پہلے شہید کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں گنوائے گا، اور وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ نعمتیں کہاں خرچ کیں؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیری راہ میں لڑتا رہا، تا آنکہ تیری ہی راہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو جھوٹ بولتا ہے، تو اس لیے لڑا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور دنیا میں لوگوں نے تجھے بہادر کہا''، اس کے بعد حکم دیا جائے گا کہ اسے سر کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ، اور جہنم میں ڈال دو، چنانچہ اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد عالم اور قرآن سیکھے ہوئے لوگوں کو بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے انعامات یاد دلائے گا۔ وہ اس کا اعتراف کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے اسے کہاں خرچ کیا؟ وہ کہیں گے کہ لوگوں کو علم اور قرآن پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، تم نے اس لیے پڑھایا تھا کہ لوگ تمہیں عالم وقاری کہیں، اور یہ بات تمہیں دنیا میں حاصل ہوگئی۔ تب حکم دیا جائے گا، انہیں بھی سر کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دو، چنانچہ وہ اس طرح جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو بلائے گا جس کو رزق کی فراوانی اور مال و دولت اور قسم قسم کی نعمتیں دنیا میں دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ جب وہ اس کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے میری نعمتوں کو کہاں صرف کیا؟ وہ جواب دے گا کہ تیری مرضی کی راہ میں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے، تو نے اس لیے خرچ کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور دنیا میں یہ ہو چکا۔ اس کے بعد حکم دیا جائے گا کہ اسے بھی سر کے بل جہنم میں جھونک دو، چنانچہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ یہی لوگ سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے اور انہی سے جہنم سلگائی جائے گی۔

اس روایت کے متعلق میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا ہے کہ سب سے بہترین لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ شریرترین لوگ وہ ہیں جو اپنے کو انبیائے کرام جیسا ظاہر کرتے ہیں، مگر وہ کذاب اور جھوٹے ہیں۔ انبیائے کرام کے بعد سب سے بہتر لوگ علمائے کرام، شہداء، صدیقین اور مخلصین ہیں اور جو ایسے نہیں ہیں، بلکہ ان جیسے بن کر لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں، شریرترین لوگ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كانت عنده لأخيه مظلمة في مال أو عرض فليأته. فليستحلها منه قبل أن يؤخذ وليس عنده دينار ولا درهم فان كانت له حسنات أخذ من حسناته فأعطيها والا أخذ من سيئات فطرحت عليه ثم طرح في النار (صحيح بخاری : وفاق)

جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو، وہ ظلم مال کا ظلم ہو، یا اسباب و متاع کا، یا آبرو کا، اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کے پاس جائے، اور قبل اس کے کہ اس سے مواخذہ ہو اور بدلہ دینے کے لیے اس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں، اس سے معاف کرا کر اپنے لیے جائز گردان لے، کیونکہ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو اس سے لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور نیکیاں نہیں ہیں تو اس کے گناہ اس پر لاد دے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أخذ شبراً من الارض بغير حقه خسف به يوم القيامة الى سبع ارضين (صحيح بخاری : مظالم)

کسی نے ایک بالشت زمین بھی کسی کی ناحق لے لی تو قیامت کے دن سات زمینوں تک اسے دھنسا دیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نارکم هذه التی توقدون جزء من سبعین جزءا من نار جهنم (صحیح بخاری : بداء الخلق)

جو آگ تم دنیا میں جلاتے ہو، یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! عذاب کے لیے تو یہی آگ کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۶۹ حصے زیادہ ہے اور جس کا ایک ایک حصہ اس کے برابر ہے۔

حضرت معاذؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

أوصانی رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال لاتشرک باللّٰه شیئا و ان قتلت او حرقت ولا تعقن والدیک وان أمراک أن تخرج من مالک و أهلک ولا تترکن صلٰوة مکتوبة متعمدا. فان من ترک صلٰوة مکتوبة متعمدا فقد برئت منه ذمة اللّٰه، ولا تشرب خمرا فانه رأس کل فاحشة، وإیاک والمعصیة فان المعصیة سخط اللّٰه (مسند احمد بن حنبل ۵: ۲۳۸)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ گردانو، اگرچہ تم قتل کر دیے جاؤ، یا تمہیں جلا دیا جائے، اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تمہیں تمہارے مال اور تمہاری بیوی کو تم سے علیحدہ کرنے کا حکم دیں۔ فرض نماز کبھی قصداً ترک نہ کرو، کیونکہ جس شخص نے فرض نماز قصداً ترک کی، اس کی جانب سے میں اللہ تعالیٰ سے بری الذمہ ہوں، اور کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب تمام گناہوں کی جڑ ہے اور گناہوں سے بہت دور رہو، کیونکہ گناہ اللہ تعالیٰ کی خفگی کا موجب ہیں۔

اس باب میں اور بھی بے شمار احادیث ہیں۔ نصیحت حاصل کرنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ ان احادیث کی طرف سے آنکھیں نہ بند کر لے، نہ نفس کو خودسر اور آزاد کر دے، اور صرف حسنِ ظن اور حسنِ رجا پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائے۔

حضرت ابوالوفا ابن عقیل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، فریب و مغالطہ کا شکار نہ بنو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو صرف تین درہم کی چوری سے ہاتھ کاٹنے اور سوئی کے ناکے کے برابر شراب

پینے پر حد جاری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایک بلّی سے معمولی غفلت برتنے کی بناء پر اس نے ایک عورت کو جہنم میں ڈال دیا اور مالِ غنیمت میں سے ایک عمامہ اٹھا لینے کے بدلے میں یہی عمامہ آگ کا شعلہ بن کر عذاب کا موجب ہوا، حالانکہ یہ شخص شہید ہوا تھا۔

حضرت امام احمدؒ ایک مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دخل رجل الجنة في ذباب و دخل رجل النار في ذباب

ایک مکھی کے سبب ایک آدمی جنت میں داخل ہوا اور ایک مکھی کے سبب ایک جہنم میں۔

صحابہؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں کر؟'' آپؐ نے فرمایا کہ دو آدمی ایک ایسی جگہ سے گزرے، جہاں ایک بت نصب تھا۔ وہاں کے لوگ کسی آنے جانے والے کو بت پر بھینٹ چڑھائے بغیر گزرنے نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے ایک سے کہا کہ اس بت پر بھینٹ چڑھاؤ، تو آگے جا سکتے ہو، ورنہ نہیں۔ اس نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ایک مکھی ہی بھینٹ چڑھادو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ یہ شخص جہنم میں داخل ہو گیا۔ دوسرے سے کہا کہ تم بھی بھینٹ چڑھاؤ۔ اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھینٹ نہیں چڑھاتا۔ ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ شخص جنت میں داخل کیا گیا۔

انسان کبھی منہ سے ایسا کلمہ بول دیتا ہے جس سے وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے اور بہت سے فریب خوردہ لوگ مال و دولت اور اللہ تعالیٰ کے دنیوی انعامات کے مغالطے میں آ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے، انہیں دوست رکھتا ہے اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ انعامات سے نوازے گا، لیکن یہ تمام باتیں محض اوہام اور دھوکہ ہیں۔ امام احمدؒ بن حنبل تو یہاں تک روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا رأيت الله عزوجل يعطي العبد من الدنيا على معاصيه مايحب فانما هو استدراج (مسند احمد بن حنبل ۴: ۱۴۵)

جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے بندے کو دنیا دیتا ہے جو گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے تو سمجھ

لوکہ یہ استدراج ہے۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم أبواب كل شيءٍ حتى إذا فرحوا بما أوتوا أخذناهم بغتة فاذا هم مبلسون (الانعام ٦: ٤٤)

پھر جس سے ان کو آگاہ کیا گیا وہ بھول بیٹھے تو ہم نے بھی ان کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ان پر طرح طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں، جب ان کو پاکر خوش ہوئے، یکایک ہم نے انہیں پکڑا، اور عذاب کا آنا تھا کہ وہ بے آس ہو کر رہ گئے۔

بعض سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اگر چہ تم گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہو، پھر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ سے بہت ہی ڈرنا چاہیے، کیونکہ یہ استدراج ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ولولا أن يكون الناس أمة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمٰن لبيوتهم سقفا من فضة و معارج عليها يظهرون، ولبيوتهم أبوابا وسررا عليها يتكئون و زخرفا وإن كل ذالک لما متاع الحياة الدنيا والآخرة عند ربک للمتقين (الزخرف ٤٣: ٣٣-٣٥)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے، تو دنیا کے ساز و سامان ہمارے ہاں اس قدر حقیر ہیں کہ جو لوگ منکرِ رحمٰن ہیں، ان کے لیے ان کے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کر دیتے اور چاندی کے زینے کہ ان پر چڑھتے اترتے، اور چاندی ہی کے ان کے گھروں کے دروازے اور چاندی ہی کے تخت کہ ان پر تکیے لگا کر بیٹھتے اور چاندی کے نہیں، بلکہ سونے کے بھی۔ یہ تمام اسی دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں اور آخرت تمہارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔

اور اسی قسم کے خیالات کی تردید اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے:

فـأمـا الانسـان إذا ما ابتلاه ربه فاكرمه و نعمه فيقول ربى أكرمن و أما إذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه فيقول ربى أهانن (الفجر ٨٩:١٥-١٦)

لیکن انسان کا یہ خیال ہے کہ جب اس کا پروردگار اسے آزماتا ہے، اسے عزت و نعمت دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے۔ میرا پروردگار میری تکریم کرتا ہے اور جب وہ اسے آزماتا ہے، اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ بڑبڑاتا ہے، میرا پروردگار مجھے ذلیل کرتا ہے، مگر یہ خیال غلط ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ جنہیں وہ اپنی نعمتوں سے دنیا میں نوازتا ہے اور رزق کی وسعتیں دیتا ہے، انہیں عزت و کرامت سے نوازتا ہے اور جنہیں مصائب و آلام میں مبتلا کرتا ہے اور رزق میں تنگی دیتا ہے، ان کی توہین و بے عزتی کرتا ہے، بلکہ وہ تو ایک کا انعامات کے ذریعے امتحان کر رہا ہے اور دوسرے کو مصائب میں مبتلا کر کے اسی آزمائش سے اسے مکرم بنا رہا ہے۔

یہ روایت مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الـلّـه يـعـطـي الدنيا من يحب و من لايحب. و لا يعطى الايمان إلا من يحب (مسند احمدبن حنبل ١: ٣٨٧)

اللہ تعالیٰ دنیا اسے دیتا ہے جسے وہ دوست رکھتا ہے اور اسے بھی جسے وہ دوست نہیں رکھتا، لیکن ایمان تو اسی کو دیتا ہے جسے دوست رکھتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے نوازتا ہے۔ یہ اس کی جانب سے استدراج اور امتحان ہوا کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ لوگوں سے اس کی تعریف بھی کرائی جاتی ہے، مگر حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں کی پردہ داری کی جاتی ہے جس سے وہ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں اور وہ اس سے ناآشنا ہوتے ہیں۔



فصل ۱۰

انسان، دنیا اور آخرت

سب سے بڑا دنیوی فتنہ اور دھوکہ یہ ہے کہ انسان دنیا کے فوری فوائد کے فریب میں پھنس جائے اور آخرت کے مقابلے میں اسے ترجیح دے۔ انسان دنیا کے قلیل سے قلیل فائدے سے خوش ہو جاتا ہے اور اس قسم کے فریب خوردہ لوگوں کی باتیں بھی کچھ عجیب وغریب ہوا کرتی ہیں۔ بعض تو یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار، اور ادھار کے مقابلے میں نقد زیادہ سودمند ہوتا ہے۔ کچھ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ نقد ذرّہ ادھار موتی سے بہتر ہے، اور کچھ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں یقینی ہیں اور آخرت مشکوک ومشتبہ۔ مشکوک ومشتبہ چیز کے لیے یقینی چیز چھوڑی نہیں جا سکتی۔

یہ تمام باتیں شیطان کا دھوکہ اور فریب ہیں۔ ایسی سمجھ کے انسانوں سے تو جانور زیادہ عقلمند اور سمجھدار ہوتے ہیں۔ مضرت رساں چیز سے تو جانور تک دور بھاگتے ہیں، جانور کو مارا اور پیٹا جائے، تب بھی وہ مضرت رساں چیز کی طرف نہیں بڑھتا، مگر افسوس کہ جان بوجھ کر انسان ایسی چیزوں کی طرف اقدام کرتے ہیں جو ان کے حق میں سخت مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر بھی یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ اس قسم کے لوگ اگر اللہ اور اس کے رسولؐ پر، بارگاہِ الٰہی میں حاضری پر، اور قیامت کی جزا وسزا پر ایمان رکھتے ہوئے ایسا سمجھ رہے ہیں تو ان سے زیادہ کوئی محروم و بدنصیب نہیں۔ ان سے زیادہ حسرت ویاس کا مستحق کون ہو سکتا ہے کہ باوجود علم وایمان کے وہ ایسا کر رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر اگر وہ ایمان ہی نہیں رکھتے تو پھر ان سے زیادہ کوئی محروم و بدنصیب ہو ہی نہیں سکتا۔

ادھار سے نقد بہتر گردانے والے کے لیے جواب ہے کہ یہ اسی وقت ہے جب نقد اور ادھار مساوی اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں، لیکن اگر نقد اور ادھار مساوی اور برابر نہیں، بلکہ ادھار زیادہ اور نفع بخش ہے تو یقیناً اُدھار ہی افضل و بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہو تو پھر دنیا کے نقد کو آخرت کے ادھار سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ جب کہ ابتدا تا انتہا ساری کی ساری دنیا آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر بھی نہیں ہے، جیسا کہ مسند احمدؒ اور ترمذی شریف میں حضرت مستورد بن شداد سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ما الدنيا في الآخرة الا كما يدخل أحدكم اصبعه في اليم فلينظر بما ذا يرجع؟ (ترمذی: زهد)

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ انگلی کے ساتھ کتنا پانی آتا ہے؟

درحقیقت آخرت نقد ہے اور دنیا ادھار۔ اس نقد کو ایسے ادھار کے عوض تباہ و برباد کر دینا ایک بڑا خسارہ اور بدترین جہالت و بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ پوری دنیا کی حیثیت جب آخرت کے مقابلے میں یہ ہے تو پھر ایک انسان کی عمر کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ عاقل کے نزدیک دونوں میں سے کون سی چیز افضل و بہتر ہے؟ اس مختصر سی مدت کی قلیل ترین چیز کو اختیار کرنا، اور آخرت کی دائمی خیر و بھلائی کو ٹھکرا دینا، یا ایک حقیر و کمتر اور جلد سے جلد ختم ہو جانے والی چیز کو اس لیے ترک کر دینا کہ اس کے عوض بیش قیمت چیز حاصل کی جائے جو نہ کبھی انسان کے وہم و گمان میں آ سکی ہے، نہ جس کی بہتات کا کوئی شمار ہے، اور جس کے ختم ہونے کی کوئی میعاد و مدت بھی نہیں ہے۔

دوسرے قول کہ یقینی چیز کو مشکوک و مشتبہ چیز کے مقابلے میں ترک نہیں کیا جا سکتا، کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید اور اس کے پیغمبروں کی صداقت پر اگر یقین ہے تو جو کچھ دنیا کا نقد چھوڑ رہے ہو، اس کی حیثیت ادنیٰ سے ادنیٰ ذرّے سے زیادہ نہیں اور وہ آناً فاناً ختم ہونے والا ہے۔ آخرت یقینی چیز ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں اور وہ کبھی منقطع ہونے

والی بھی نہیں۔ اس میں اگر شک وشبہ ہے تو پروردگار عالم کی آیات اور نشانیوں پر غور کرنا چاہیے جو اس کے وجود، اس کی قدرت، مشیت، وحدانیت، پیغمبروں کی حقانیت وصداقت اور پیغمبروں کے پیش کردہ صراطِ مستقیم کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔ پورے پورے تجرد ویکسوئی کے ساتھ آیات الٰہیہ پر غور کیجیے اور سوچیے، ہمت وعزیمت کے ساتھ کھڑے ہو جایئے، غور وتدبر کیجیے اور بحث ومناظرہ کیجیے تا آنکہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ انبیائے کرام نے خدا کی جانب سے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ بالکل حق اور صحیح ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس دنیا کا خالق بھی وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس کی شان نہایت بلند وبالا ہے۔ ہر قسم کے نقائص سے منزہ اور پاک ہے۔ انبیائے کرام نے اس ذات مقدس کے متعلق جو خبریں پہنچائی ہیں وہ بالکل حق ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی شخص ذات الٰہی کے متعلق کہتا ہے تو وہ خدا کو گالی دے رہا ہے، اسے جھٹلا رہا ہے، اس کی الوہیت وربوبیت، اس کے ملک ومملکت، اور اس کی شہنشاہی کا انکار کر رہا ہے، کیونکہ فطرت سلیم کے حامل ہر شخص کے نزدیک یہ امر محال وممتنع ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک احکم الحاکمین کسی طرح بھی عاجز وبے بس ہے، یا وہ جاہل وبے خبر ہے کہ اس کے علم سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی چھٹی ہوئی ہے، یا وہ سنتا نہیں، کلام نہیں کرتا، بندوں کو مامور نہیں کرتا، بری چیزوں کی ممانعت نہیں کرتا، نیکی کا بدلہ ثواب اور بدی کا بدلہ عذاب نہیں دیتا، عزت وذلت کا مالک نہیں کہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، اپنے ملک ومملکت میں اور مملکت کے اطراف وجوانب میں اپنے پیغمبروں کو نہیں بھیج سکتا، اپنی مخلوق اور رعایا کی پروا نہیں کرتا، ان کے حالات واطوار کی خبر نہیں رکھتا، اس نے ان کو بے کار اور لایعنی چھوڑ دیا اور انہیں مہمل اور آزاد پیدا کیا ہے۔ یہ باتیں تو دنیا کے بادشاہوں کی بھی شان کے خلاف ہیں، چہ جائیکہ مالک الملک، بادشاہِ حقیقی، احکم الحاکمین کی ذاتِ مقدس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں۔

انسان اپنی ابتدائی خلقت، نطفے سے لے کر پیدائش، شیر خوارگی، بچپن اور جوانی کے حالات پر غور کرے تو اسے پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ وہ ذات جس نے انسان کی تخلیق و

تربیت کا یہ نظام قائم کیا اور جس نے اسے ان مختلف حالات سے گزارتے ہوئے اس منزل تک پہنچایا، مختلف اخلاق واطوار سے اسے نوازا، اس کے لیے کیا یہ سزاوار ہے کہ انسان کو بالکل مہمل اور بے کار چھوڑ دے؟ کسی قسم کے حکم سے اسے مامور نہ کرے، کسی چیز سے اسے نہ روکے اور اس پر جو حقوق وفرائض عائد ہوتے ہیں، ان سے اسے آشنا نہ کرے، کسی چیز کا اجر وثواب نہ دے، کسی جرم کی سزا نہ دے، اگر بندہ پوری طرح ان چیزوں پر غور کرے تو اس کی آنکھوں کے سامنے یا اوجھل جو کچھ ہے، اس سب کو توحید ورسالت، معاد وآخرت کی کامل ترین دلیل پائے گا۔ نیز ہر چیز اس پر بھی دلالت کرے گی کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، غرض دنیا کی ہر چیز ان امور کی طرف انسان کی رہنمائی کرے گی۔ ہم اپنی کتاب أیمان القرآن میں حسب ذیل آیت کی تفسیر کے ضمن میں اس کی وجہ استدلال اور طریق دلالت کو پوری طرح واضح کر چکے ہیں۔

فلا أقسم بما تبصرون وما لاتبصرون إنه لقول رسول كريم (الحآقة ۶۹: ۳۸-۴۰)

لوگو! جو چیز تم کو دکھائی دیتی ہے، اور جو چیز تمہیں دکھائی نہیں دیتی، ہم تم سب ہی قسم کھاتے ہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ کلام الٰہی ہے، ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا۔

اور یہ آیت بھی ہے: **فی أنفسکم افلا تبصرون (الذٰریٰت ۵۱:۲۱)** (خود تمہارے اندر بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تم کو سوجھتی نہیں۔)

اس کی تفسیر کے ضمن میں بھی ہم نے وجہ استدلال اور صورتِ دلالت پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اگر کامل طور پر غور وتدبر کیا جائے تو خود انسان کا وجود ہی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ خالق حق سبحانہ وتعالیٰ موجود ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے۔ رسالت ونبوت حق ہے اور اس کی صفات کمالیہ حق ہیں۔

بہر حال! آخرت کو ضائع کرنے والا ہر دو صورت میں فریب اور دھوکے کا شکار ہے۔ تصدیق ویقین کی حالت میں، اور تکذیب وشک کی صورت میں بھی۔

یہ اعتراض کہ معاد وآخرت، جنت ودوزخ کے متعلق تصدیقِ جازم اور یقینِ کامل موجود

ہوتو تخلف عمل کیوں کر ممکن ہے؟ یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ بشری طبائع کے مطابق کسی انسان کو بادشاہ وقت بلاتا ہے کہ کل تم ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ، تمہارے فرائض و اعمال کا جائزہ لیا جائے گا، تم اگر اس میں ناکام ثابت ہوئے تو تمہیں سخت ترین سزا دی جائے گی، اور اگر کامیاب رہے تو تمہاری کامل عزت افزائی کی جائے گی۔ کیا ایسی اطلاع پانے کے بعد وہ شخص غافل اور بے خبر ہو کر سو جائے گا، کیا حضور شاہی میں کل کی حاضری فراموش کر دے گا، نہ وہ کسی قسم کی تیاری کرے گا، نہ اسے کسی قسم کا خوف و ہراس ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض صحیح اور بالکل صحیح ہے۔ اکثر و بیشتر مخلوق پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اور ان پر دو متضاد امور کا مجتمع ہو جانا نہایت تعجب انگیز بھی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم و یقین اور تخلف عمل کے بہت سے اسباب ہیں۔ منجملہ یہ کہ علم کی کمزوری اور یقین کی کمی بھی ایک اہم سبب ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کے مدارج مختلف نہیں ہیں، وہ سراسر غلط کہتا ہے۔ غور کیجیے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو علم تھا کہ پروردگار عالم مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اس کے باوجود بارگاہ الٰہی میں استدعا کرتے ہیں کہ وہ مُردہ زندہ کر کے دکھائے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یقین و اطمینان میں استحکامِ فراواں حاصل ہو جائے اور جو چیز بطور غیب معلوم ہے، بطور حضور و شہود معلوم ہو جائے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لیس الخبر کالمعاینة** (خبر کی حیثیت معاینہ و مشاہدہ کی نہیں)۔ ضعفِ علم و یقین موجود ہو، اور آخرت کے متعلق مذکور چیزیں سامنے متحضر نہ ہوں، اور جو چیزیں معاد و آخرت کے خلاف ہیں، قلب اکثر اوقات ان میں مشغول ہو اور اس اشتغال کی وجہ سے آخرت کی چیزیں قلب سے محجوب و مستور ہو جائیں۔ بنا بریں طبعی متقضیات، خواہشات و شہوات کا استیلا و غلبہ ہی ہو جائے، نفس کی فریب کاری، شیطان کا دھوکہ، وعدہ آخرت بدیر پورا ہونے کی امید، غفلت کی نیند، موجود و حاضر کی محبت، تاویل کی رخصتیں، شب و روز کی مالوفات سے دل بستگی۔ یہ تمام باتیں جب جمع ہو جائیں تو اس وقت ایمان کو قلب انسانی کے اندر وہی ذات قائم اور باقی رکھ سکتی ہے جس نے زمین اور

آسمانوں کو قائم رکھا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ایمان و عمل میں لوگوں کے مدارج مختلف ہوا کرتے ہیں، تا آنکہ کمزوری اور ضعف کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایمان بقدر ذرّہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ تمام اسباب جب یکجا ہو جاتے ہیں تو بصیرت و استقلال کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل صبر و یقین کی مدح و توصیف فرمائی ہے اور صبر و یقین والوں کو امامت فی الدین کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون (السّجدة ٣٢: ٢٤)

اور ہم نے بنی اسرائیل میں پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، کیوں کہ وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔



فصل ۱۱

حسنِ ظن اور عملِ صالح

حسنِ ظن اور فریب و مغالطہ کے فرق سے واضح ہے کہ وہ حسن ظن صحیح اور حق ہے جو بندے کو عمل صالح کے لیے آمادہ اور تیار کرے، عمل صالح کے لیے مساعد و ممد ہو، اعمال صالحہ کی طرف کھینچ لے جائے اور اگر وہ بطالت، بدعملی اور انہماکِ معاصی کی طرف لے جاتا ہے، تو وہ حسنِ ظن نہیں، فریب اور دھوکہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسنِ ظن، رجاوامید ہی کا نام ہے اور رجاوامید وہی صحیح اور حق ہے جو انسان کو اطاعتِ الٰہی کی طرف لے جائے، اور معاصی و نافرمانی سے باز رکھے۔ وہ رجاوامید صحیح نہیں جو انسان کو بطالت و بدعملی پر ابھارے اور بطالت و بدعملی اس میں خواہ مخواہ کی رجاوامید پیدا کردے۔ ایسی رجاوامید سراسر فریب اور دھوکہ ہے۔

ایک شخص بہت سی زمین رکھتا ہے، اسے اس کی شادابی اور پیداواری کی امید ہے، اور وہ اس سے فائدے کا متمنی ہے، پھر بھی وہ زمین کو بیکار چھوڑ دیتا ہے، اس میں تخم ریزی نہیں کرتا، زمین کی خدمت نہیں کرتا، پانی نہیں دیتا تو ایسے شخص کو لوگ احمق اور پاگل ہی کہیں گے۔ یہ حسنِ ظن اور امید نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ اسی طرح کوئی شخص یہ حسنِ ظن اور امید قائم کرے کہ بغیر جماع کے اس کے گھر بچہ پیدا ہو اور بلا طلب علم اور تحصیل علم کی محنت و مشقت کے بغیر وہ اپنے ہم عصروں سے آگے نکل جائے تو لوگ اسے احمق اور پاگل ہی کہیں گے۔

اسی طرح جو شخص بغیر طاعت و بندگی، اور بلا اعمال صالحہ مقربہ اور بلا امتثال اوامر، اور اجتناب منہیات و محرمات کے فوز و فلاح، بلندی مدارج اور جنت کی دائمی نعمتوں کی امیدیں قائم کرتا ہے، اور حسنِ ظن رکھتا ہے تو وہ احمق اور پاگل ہی سمجھا جائے گا۔ اس بارے میں ارشادِ رب

العزت ہے:

ان الذین آمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ اولئک یرجون رحمۃ اللّٰہ (البقرۃ ۲: ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرتیں کیں اور جہاد کیے، یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔

غور کیجیے کہ اللہ جل شانہٗ تو اس آیت میں ان لوگوں کو امید ورجاء کا مستحق قرار دیتا ہے جو مذکورہ طاعات کو انجام دیں، اور فریب خوردہ انسان کے نزدیک رحمتِ الٰہی کا مستحق وہ ہے جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرے، حقوق خداوندی کو ٹھکرا دے، بندگان الٰہی پر ظلم و جور روا رکھے، محرمات ومنہیات کا بے خوف ارتکاب کرے۔

مسئلے کا اصل راز یہ ہے کہ حسنِ ظن اور امید ورجاء ممکن ہے، بشرطیکہ ان اسباب ووسائل کو عمل میں لایا جائے جن کی حکمتِ الٰہی، شریعت الٰہیہ، اس کی تقدیر و قضاء، اس کا ثواب و کرامت مقتضی ہے۔ بندہ ان اسباب کو عمل میں لائے۔ اس کے بعد پروردگار عالم کی بارگاہ میں حسنِ ظن رکھے اور اس کی جناب سے امیدیں وابستہ کرے۔ یہ امید قائم رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان اسباب و وسائل کو بے کار نہ کر دے، مطلوب و مقصود تک پہنچانے میں اسباب کو ممد گردانے، اسباب کا رخ دوسری طرف نہ پھیر دے کہ اسباب ساقط ہو جائیں اور ان کی تاثیرات معطل و بے کار ہو کر رہ جائیں۔



فصل ۱۲

امید ورجاء کے لیے تین باتیں

یہ امر سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ کسی چیز کی امید و رجاء کے لیے تین چیزیں لازم اور ضروری ہیں:

اول: اس چیز کی محبت،

دوم: اس کے فوت ہونے کا خوف و اندیشہ، اور

سوم: اس کے حصول کی حتی الامکان کوشش

جس امید و رجاء میں یہ تین باتیں نہ ہوں، وہ محض امانی، یعنی خیالی آرزو کے اور کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ امید ورجاء اور چیز ہے، اور امانی وآرزو دوسری چیز۔ ہر صاحب امید ورجاء اپنی مطلوب چیز کے فوت ہونے سے خائف رہتا ہے، ایک مسافر جب سفر کا راستہ طے کرتا ہے تو اسے دورانِ سفر میں منزل تک پہنچنے کا خوف رہتا ہے۔ وہ اپنی رفتار تیز کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من خاف أدلج و من أدلج بلغ المنزل، ألا إن سلعة الله غالية، ألا إن سلعة الله الجنة. (ترمذی : قیامه)

جو شخص منزل تک پہنچنے سے ڈرتا ہے، وہ پچھلی رات ہی سے سفر شروع کر دیتا ہے اور جو پچھلی رات سے سفر شروع کر دیتا ہے، منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سامان بہت قیمتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سامان جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ رکھنے والوں کے لیے امید و رجاء کو ضروری گردانا ہے۔ اسی

طرح ان کے لیے خوف اور ڈر بھی لازمی قرار دیا ہے۔اور یہ واضح رہے کہ خوف و رجاء وہی مفید ہے جس کے ساتھ عملِ صالحہ موجود ہو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الـذين هم من خشية ربهم مشفقون، والذين هم بآيات ربهم يؤمنون، والذين هم بربهم لا يشركون، والذين يؤتون ماآتوا و قلوبهم وجلة أنهم الى ربهم راجعون، اولئک يسارعون في الخيرات وهم لها سابقون.

(المؤمنون ٢٣:٥٧-٦١)

جولوگ اپنے پروردگار کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں، جولوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر یقین رکھتے ہیں، اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جتنا کچھ انہیں اللہ دیتا ہے، اس میں سے پروردگار کی راہ میں دیتے ہیں اور پھر بھی ان کے دلوں کو اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان کے لیے لپکتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ''ایسے لوگ کون ہیں؟ کیا وہ لوگ جو شراب پیتے اور زنا اور چوری کرتے ہیں؟ '' آپ نے فرمایا:

لا یاابنة الصدیق، ولکنهم الذین یصومون ویصلون و یتصدقون و یخافون ان لا یتقبل منهم، اولئک یسارعون فی الخیرات. (ترمذی : تفسیر)

اے صدیق کی بیٹی! نہیں ایسے لوگ نہیں، بلکہ وہ لوگ جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، اور پھر ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے اعمال مقبول نہ ہوں۔یہی لوگ خیر اور بھلائی میں جلدی کیا کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہلِ سعادت کی توصیف وتعریف ان کے احسان ونیکی، اور خوفِ الٰہی، اور شقی وبدبخت لوگوں کا ذکر ان کے گناہ اور ان کی بے خوفی کے ساتھ فرماتا ہے۔

کوئی صاحبِ بصیرت اگر صحابہ کرامؓ کے حالات پر غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ اعمال صالحہ سے کس درجے مزین تھے، اس کے باوجود کس درجے خدا سے ڈرتے تھے اور ہم باوجود انتہادرجے کی تقصیر و کوتاہی کے کس قدر بے خوف اور نڈر بنے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری کس قدر غلط فہمی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اکثر فرمایا کرتے تھے:

وددت انی شعرة فی جنب عبد مؤمن (مسند احمد)

میں اسے پسند کرتا ہوں کہ کسی ایماندار کے جسم کے ایک روئیں کے برابر ہی ہوتا۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ حضرت صدیقؓ اکثر اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کرتے تھے:

هذا الذی أوردنی الموارد (اس نے مجھے ہلاکت کے مواقع میں ڈالا ہے۔)

یہ کہہ کر حد سے زیادہ روتے اور فرماتے:

أبكوا، فان لم تبكوا فتباكو (مسند احمد)

خوب رویا کرو، اگر نہ روسکو تو کم از کم رونی شکل ہی بنالیا کرو۔

حضرت صدیق اکبرؓ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خوف الٰہی ایسا طاری ہو جاتا کہ لکڑی کی طرح کھڑے رہتے اور ان کے جسم میں ذرہ بھر جنبش نہ ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک پرندہ آپؓ کے سامنے لایا گیا۔ آپؓ نے اسے ہاتھ میں پکڑا، اور الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر فرمایا کہ اس وقت تک کوئی جانور شکار نہیں بنتا، اور کوئی درخت کاٹا نہیں جاتا، جب تک کہ وہ تسبیح الٰہی کو ترک نہ کر دے۔

آپؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يابنية! انی أصبت من مال المسلمين هذه العباءة وهذا الحلاب وهذا العبد فأسرعي به إلى ابن الخطاب.

بیٹی! میرے پاس مسلمانوں کے مال میں سے یہ چیزیں ہیں۔ ایک عبا، ایک دودھ دوھنے کا پیالہ، اور ایک غلام، تم اسے جلد سے جلد خطاب کے بیٹے عمرؓ کے پاس پہنچادو۔

اور فرمایا:

واللّٰہ لوددت انی کنت ھذہ الشجرۃ تؤکل و تعضد (ترمذی: زھد)

اے کاش! میں درخت ہوتا کہ مجھے جانور کھاتے اور پھر کاٹ دیا جاتا۔

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ مجھ تک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے یہ کلمات پہنچے ہیں:

لیتنی خضرۃ تأکلنی الدواب

کاش میں سبز گھاس ہوتا کہ چوپائے مجھے کھا لیتے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک مرتبہ سورۃ طور پڑھنا شروع کی، جب اس آیت پر پہنچے:

ان عذاب ربک لواقع (الطّور ۵۲:۷)

تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور نازل ہو کر رہے گا۔

اسے پڑھتے ہی شدت سے رونا شروع کر دیا، تاآنکہ اس قدر بیمار ہو گئے کہ لوگ عیادت کے لیے آنے لگے۔ پھر جب بسترِ مرگ پر تھے، اپنے بیٹے سے کہا کہ میرے رخسارے زمین پر رکھ دو، شاید اللہ تعالیٰ مجھے پر رحم فرمائے، نیز فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری مغفرت نہ فرمائے تو میں غارت ہو گیا۔ یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ فرمائے۔ اس کے بعد ہی آپ کی روح قبض ہوئی۔

حضرت عمرؓ فاروق معمولاتِ شب میں روزانہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ آیاتِ وعید پر اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور دنوں گھر میں پڑے رہتے، یہاں تک کہ لوگ بیمار سمجھ کر عیادت کے لیے دوڑ آتے۔ خوفِ الٰہی سے آپ اس قدر رویا کرتے تھے کہ آنسو بہنے کی وجہ سے رخساروں پر دو سیاہ خط سے پڑ گئے تھے۔

موت سے کچھ پہلے حضرت ابن عباسؓ نے آپ سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ملکی فتوحات عطا فرمائیں، آپ نے بڑے بڑے شہر آباد کیے اور یہ کیا، وہ کیا، تمام چیزیں گنوائیں۔ آپؓ نے فرمایا:

وددت انی أنجو لا أجر ولا وزر

میں چاہتا ہوں کہ میری نجات ہو جائے، نہ مجھے اجر ملے، نہ بارِ گناہ مجھ پر لادا جائے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کسی قبر پر پہنچتے تو اتنا روتے کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو جاتی۔ فرماتے کہ اگر مجھے جنت اور دوزخ کے مابین اختیار کا حکم دیا جاتا تو اس سے قبل کہ میں اپنے متعلق یہ سمجھ سکوں کہ کس صورت کو میں زیادہ برداشت کر سکتا ہوں، راکھ ہو جانے کو پسند کروں گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی ہمہ وقت روتے رہتے، تاآنکہ خوفِ الٰہی سے نڈھال ہو جاتے۔ دو باتوں سے خصوصاً ان کا خوف حد سے زیادہ متجاوز ہو جاتا تھا۔

۱۔ طول امل، یعنی دنیوی زندگی کی بڑی بڑی امیدیں

۲۔ خواہشات کی پیروی

فرمایا کرتے کہ طولِ امل آخرت سے غافل کر دیتا ہے اور خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔

ایک بار فرمایا کہ دنیا پیٹھ دے کر بھاگ رہی ہے اور آخرت نہایت تیزی سے قریب آ رہی ہے۔ لوگ ان دونوں کے بال بچے ہیں، دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی۔ تم آخرت والے بنو، دنیا والے نہیں۔ آج عمل کا دن ہے یومِ حساب نہیں، کل حساب ہوگا، عمل نہیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھے اس بازپرس کا خوف ہے کہ تم نے جو کچھ علم سیکھا، اس پر کس قدر عمل کیا؟ اور کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے، تمہیں اگر معلوم ہو جائے تو تم شوق سے کھانا پینا چھوڑ دو، اور گھروں میں نہ رہو، بلکہ پہاڑوں کی طرف نکل بھاگو، ماتم کرو، اور روتے ہی رہو۔ اے کاش! میں درخت ہوتا، کاٹا جاتا، کھا لیا جاتا۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے متعلق بیان ہے کہ آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے نیچے سیاہ نشان پڑ گئے تھے۔

حضرت ابوذرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے: ''کاش! میں درخت ہوتا۔ لوگ مجھے کاٹ ڈالتے۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا''۔ ان کی خدمت میں جب کچھ نان و نفقہ پیش کیا جاتا تو جواب دیتے کہ بکریاں ہمارے پاس ہیں، ہم ان کا دودھ پی لیتے ہیں۔ گدھے ہیں، سواری کی ضرورت ہو تو

ان پر سواری کر لیتے ہیں۔ آزاد کردہ غلام ہیں جو ہماری خدمت کرتے ہیں۔ سیاہ کمبل ہے جسے اوڑھ لیا کرتے ہیں۔ مجھے تو ان ہی چیزوں کے حساب کتاب کا خوف کھائے جاتا ہے، مزید لے کر کیا کروں گا۔

حضرت ابوالدرداؓ نے ایک مرتبہ رات کو سورۃ الجاثیہ پڑھنا شروع کی، جب اس آیت پر پہنچے:

ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا و عملوا الصالحات (الجاثیة ۴۵: ۲۱)

جو لوگ بدکرداریوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ کیا انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔

اسے بار بار پڑھتے اور روتے، تاآنکہ اسی حالت میں صبح ہوگئی۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کہا کرتے تھے کہ اے کاش میں بھیڑ ہوتا۔ میرے گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھا لیتے اور میرا شوربا پی جاتے۔

اس بارے میں اس قدر آثار موجود ہیں کہ تمام کو پیش کرنا دشوار ہے۔ صحیح البخاری میں تو ایک مستقل باب ہے:

خوف المؤمن ان یحبط عملہ وھو لایشعر

مومن کے خوف کا [باب] کہ کہیں اس کے اعمال اس طرح ساقط نہ ہو جائیں کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے۔

ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے اپنے قول و عمل کا جائزہ لیا تو یہی ڈر رہا کہ میں جھوٹ تو نہیں بول رہا ہوں۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں ایسے تیس صحابہؓ سے مل چکا ہوں جو کثرتِ خوفِ الٰہی کی وجہ سے اپنے متعلق نفاق سے ڈرتے تھے۔ پھر بھی ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبریلؑ اور میکائیلؑ کے ایمان کے برابر ہے۔

حضرت حسنؒ فرمایا کرتے تھے کہ مومن ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، منافق نہیں ڈرتا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت حذیفہؓ سے کہتے تھے کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں میں میرا نام گنوایا تھا؟ وہ کہتے ہیں: ''نہیں، لیکن تمہارے سوا کسی اور کی صفائی پیش نہیں کروں گا''۔

ابن تیمیہؒ کی تصریح کے مطابق حضرت حذیفہؓ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ کے سوا نفاق سے کسی اور کی برأت پیش نہیں کروں گا، بلکہ مقصود یہ تھا کہ یہ دروازہ تمہارے سوا کسی اور کے لیے نہیں کھولوں گا کہ ہر شخص اپنی نسبت دریافت کرتا رہے اور میں اس کی وضاحت کرتا رہوں۔

اسی روایت کے قریب قریب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ کسی نے آپؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ میرے حق میں دعا فرمایئے کہ ستر ہزار آدمی جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کیے جائیں گے، ان میں میرا نام بھی ہو۔ آپؐ نے فرمایا، عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ حقدار صرف عکاشہ ہیں، بلکہ یہ کہ اگر اس کے لیے دعا کی جائے گی تو یکے بعد دیگرے بہت سے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہمارے لیے بھی دعا فرمایئے۔ یہ دروازہ جب کھل جاتا ہے تو ممکن ہے ایسے لوگ بھی کھڑے ہو جائیں جو اس کے مستحق نہ ہوں اور کہنے لگیں کہ ہمارے لیے بھی دعا فرمایئے، اس لیے یہاں اس سلسلے کو روک دینا ہی اولیٰ اور بہتر تھا۔ واللہ اعلم۔



فصل ۱۴

شرائع الٰہیہ کی خلاف ورزی

اصل مقصد کی طرف، اب رجوع کیجیے جس کا ذکر آغازِ کتاب میں کیا گیا ہے، یعنی وہ مرض کہ اگر اس کا سلسلہ جاری رہے تو انسان کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، اسی مرض کا علاج مقصود ہے۔

گناہ انسان کے حق میں نہایت مضرت رساں چیز ہے اور یہ یقینی امر ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ امر بھی یقینی ہے کہ گناہ کا زہر قلب میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے، جس طرح انسان کے جسم میں زہر، اور جس درجے کا زہر ہوتا ہے اسی درجے کی اس کی تاثیر ہوتی ہے۔ کیا دنیا اور آخرت کی کوئی مصیبت، کوئی خرابی، کوئی تباہی اور بربادی اور بیماری ایسی ہے جس کی اصل وجہ اور اصل سبب معاصی نہ ہوں؟ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو جنت سے کس چیز نے نکالا؟ اور کس چیز نے انہیں جنت اور جنت کی نعمتوں، لذتوں اور مسرتوں سے محروم کیا؟ اور کس چیز نے انہیں جنت الخلد اور دارِ بہجت و سرور سے نکال کر دارِ محن اور دارِ مصائب و آلام میں ڈال دیا؟ اور کس چیز نے انہیں دنیا کے قید خانے میں مقید کر دیا؟

ابلیس معلم الملکوت تھا، اسے ملکوت سماوات سے کس چیز نے ملعون، مطرود اور مردود بنا دیا؟ کس چیز نے اس کا ظاہر و باطن ایسا مسخ کر دیا کہ اس کی بدترین صورت کے برابر کوئی صورت نہ رہی، اس کے بدترین باطن کے برابر کوئی باطن نہ رہا۔ ایک وقت تھا کہ وہ مقربین بارگاہِ الٰہی میں بلند درجہ رکھتا تھا، لیکن سرکشی کی وجہ سے وہ سب سے بڑا ملعون اور مردودِ بارگاہ بن کر رہ گیا۔ رحمت لعنت سے تبدیل ہوگئی، خوبصورتی بدصورتی میں بدل گئی، وہ جنت کے بدلے شعلہ فگن آگ کا

ایندھن بن کر رہ گیا۔اس کا ایمان کفر میں تبدیل ہو گیا۔خدائے حمید کا دوست تھا،اس کا سب سے بڑا دشمن بن کر رہ گیا۔ وہ جو تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تہلیل کے نعرے لگا تا تھا،اب وہ کفر و شرک، کذب و دروغ،فحش و یاوہ گوئی کا دل دادہ ہے۔اس کا لباسِ ایمان،لباسِ کفر،لباسِ فسق و فجور اور لباسِ عصیاں سے تبدیل کر دیا گیا۔نگاہِ خداوندی میں وہ نہایت درجہ ذلیل و خوار ہوا۔رحمت الٰہی کی بلندیوں سے تحت الثریٰ میں جا گرا۔ پروردگار عالم کا قہر و غضب اس پر ایسا ٹوٹا کہ وہ فجار، فساق، بدکاروں اور جرائم پیشہ لوگوں کا بڑے سے بڑا سرغنہ بن کر رہ گیا۔کہاں وہ عبادات و طاعات میں سب سے پیش پیش تھا اور فرشتوں کی سیادت و قیادت کرتا تھا،اور اب وہ خدا کی ساری مخلوق سے بدتر اور سب سے بڑا منکر و کافر ہے۔

اے خدائے قادر و توانا! تیری نافرمانی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔آہ! وہ کون سی چیز تھی جس نے ساری زمین کے بسنے والوں کو پانی کے ایسے طوفان میں غرق کر دیا جس نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والوں کو بھی نہ چھوڑا؟

قوم عاد پر بادِ صرصر مسلط کر دی؟ یہ لوگ مر کھپ گئے اور زمین پر ایسے مرے پڑے ہیں، گویا درخت زمین پر گر پڑے۔ یہ ہوا ایسی چلی کہ جہاں سے گزری،شہروں،آبادیوں،باغوں اور کھیتوں، چوپایوں اور جانوروں کو تباہ و برباد کرتی چلی گئی اور ایسی قیامت برپا کر دی کہ دنیا کی قوموں کے لیے عبرت کا سامان چھوڑ گئی۔

قوم ثمود پر بادلوں کی گرج بھیجی جس کی آواز سے لوگوں کے دل اور شکم شق ہو کر رہ گئے اور تمام کے تمام ہلاک ہو گئے۔

قومِ لوط کی آبادیوں کو اٹھا کر آسمان کے اس قدر قریب پہنچا دیا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز فرشتے سننے لگ گئے،اور پھر اس طرح اس طبقے کو پلٹ دیا کہ اوپر کو تلے اور تلے کو اوپر کر دیا۔ اس طرح تمام کو ہلاک کر ڈالا، پھر ان پر جہنم کے پکائے ہوئے پتھر آسمان سے گرائے گئے اور انہیں ایسی سخت سزا دی گئی کہ دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔کیا ایسا عذاب ظالموں سے دور رہ سکتا ہے اور ظالم اس سے بچ سکتے ہیں؟

قوم شعیب پر بادلوں کا عذاب بھیجا گیا۔ یہ بادل چھتری کی طرح چھا گئے اور جب ان کے سروں پر مسلط ہوئے تو ان پر آگ برسانے لگے۔

فرعون کی قوم کو دریا برد کر دیا گیا اور ان کی روحوں کو جہنم میں پہنچا دیا گیا۔ حق اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے جسم غرق ہونے ہی کے لیے اور ان کی روحیں جہنم میں جلنے ہی کے لیے تھیں۔

قارون، قارون کے گھر، اس کے مال اور اس کے اہل و عیال کو زمین میں دھنسا دیا۔

حضرت نوحؑ کے بعد مختلف اوقات میں بے شمار قوموں کو انواع و اقسام کے عذابوں سے دوچار کیا گیا اور قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں۔

صاحب یٰسین کی قوم کو بجلی کی کڑک سے اس طرح ہلاک کیا گیا کہ ایک نفر بھی زندہ نہ بچ سکا۔ بنی اسرائیل پر جابر اور ظالم لوگوں کو بھیج کر انہیں تاراج و برباد کرا دیا، ان کے گھر اور مال و اسباب سب کا سب لوٹ لیا گیا۔ مرد قتل کیے گئے، بچے اور عورتیں اسیر کر لی گئیں، شہر کے شہر جلا کر خاکستر کر دیے گئے اور مال و دولت، غارت گری کی نذر ہو گئے، بار بار جابر و ظالم لوگ ان پر بھیجے گئے اور وہ تباہ و برباد کر دیے گئے۔

کون سی چیز تھی جس نے ان اقوام و ملل کو انواع و اقسام کے عذابوں میں مبتلا کیا؟ ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے، قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا۔ کبھی اسیر اور کبھی ان کی آبادیاں تاراج کر دی گئیں۔ یہ بادشاہوں کے جور و ستم کا نشانہ بنے، ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر کی صورتیں دے دی گئیں، اور ان کا آخری انجام یہ ہوا کہ خود پروردگار عالم نے قسم کھا کر ان کی قسمتوں پر مہر لگا دی۔

لیبعثن علیھم الیٰ یوم القیامة من یسومھم سوٓء العذاب (الاعراف ۷: ۱۶۷)

قیامت تک ان لوگوں پر ایسے لوگوں کو اللہ مسلط کرتا رہے گا کہ ان کو برے عذاب کا مزہ چکھاتے رہیں۔

مسند احمد میں عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قبرص فتح ہوا تو وہاں کے باشندے تباہ حال ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ جگہ جگہ سے رونے دھونے اور آہ و بکا کی

آوازیں آ رہی تھیں۔ اس وقت میں نے ابوالدرداءؓ کو دیکھا کہ وہ علیحدہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور کہا: ''ابوالدرداءؓ! آج اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح ونصرت، عزت وعظمت بخشی ہے اور آپ رو رہے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''جبیر! اللہ تیرا بھلا کرے۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے آج اس مخلوق کا کیا حشر ہو رہا ہے؟ یہ لوگ کیسے ذلیل و خوار کر دیے گئے؟ کل یہ قوم ایک قہار، زبردست طاقتور قوم تھی، بہت بڑا ملک اس کے قبضے میں تھا، لیکن اس نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی تو آج اس کا حشر تمہارے سامنے ہے۔''

اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لن يهلك الناس حتىٰ يعذروا من انفسهم (مسند احمد بن حنبل ۴:۲۶۰)

لوگ اس وقت تک ہرگز ہلاک نہیں کیے جاتے جب تک وہ اپنے گناہوں کے لیے کوئی عذر پیش کر سکتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے۔

اذا ظهرت المعاصى فى أمتى عمهم الله بعذاب من عنده

جب میری امت میں گناہوں کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خواص وعوام سب پر اپنا عذاب اتارے گا۔

مسند احمد ہی کی روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے آں حضرتؐ سے پوچھا: ''یارسول اللہؐ! کیا اس وقت صالح اور نیک بندے نہیں ہوں گے؟'' آپ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہوں گے۔ میں نے کہا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

يصيبهم ما أصاب الناس، ثم يصيرون الىٰ مغفرة من الله و رضوان (مسند احمد بن حنبل ۶: ۳۰۴)

جو اور لوگوں پر افتاد آئے گی، ان پر بھی آئے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی

بخشش ہوگی اوران کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اترے گی۔

مراسیل الحسن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تزال هذه الامة تحت يدالله و في كنفه مالم يمالئ قراؤها امراء ها ومالم يزك صلحاء ها فجارها ومالم يهن خيارها شرارها، فاذاهم فعلوا ذالك رفع الله يده عنهم ثم سلط عليهم جبابرتهم فيسومونهم سوء العذاب ثم ضربهم الله بالفاقه والفقر.

میری امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے نیچے اوراس کی بغل میں رہے گی، جب تک کہ علماء امت اور قاری امیروں کی بے جا حمایت نہیں کریں گے۔ نیک لوگ فاسقوں فاجروں کی بے جا صفائی نہیں کریں گے اور شریر لوگ نیک لوگوں کی توہین و بے عزتی نہیں کریں گے۔ جب لوگ ایسا کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ ان پر سے اٹھالے گا، اور جابر و ظالم لوگوں کو ان پر مسلط کردے گا جو ان پر سخت سے سخت عذاب کے پہاڑ توڑیں گے، اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ فقر و فاقہ میں مبتلا کردے گا۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه

آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يوشك أن تداعى عليكم الامم من كل أفق كما تداعى الأكلة على قصعتها. ڈر ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر ہر طرف سے اس طرح ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح بھوکے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

صحابہؓ نے عرض کیا، ''یارسول اللہؐ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟'' آپؐ نے فرمایا:

انتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل. تنزع المهابة من قلوب عدوكم و نجعل في قلوبكم الوهن

اس وقت تمہاری کثرت ہوگی، لیکن تمہاری حالت اس وقت سیلاب کے خس و خاشاک جیسی ہوگی، تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں ''وہن'' پیدا ہو جائے گی۔

صحابہؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہؐ! وہن کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا:

حب الحياة و كراهية الموت (مسند احمد بن حنبل ۵۵:۲۷۸)

زندگی سے محبت، اور موت کا ڈر۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لما عرج بي مررت بقوم لهم أظفار من نحاس يخمشون وجوههم و صدورهم فقلت: من هؤلاء ياجبريل؟ فقال هؤلاء الذين يأكلون لحوم الناس وقعون في أعراضهم (مسند احمد بن حنبل ۳: ۲۳۴)

جب مجھے معراج کے لیے لے گئے تو مجھے ایسے لوگوں پر سے گزارا گیا جن کے ناخن تانبے کے تھے، وہ ان سے اپنا منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، یہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے، (یعنی غیبت کرتے تھے) اور ان کی آبروریزی کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

يخرج في آخر الزمان قوم يختلون الدنيا بالدين و يلبسون للناس مسوك الضأن من اللين، ألسنتهم أحلى من السكر و قلوبهم قلوب الذئاب. يقول الله عزوجل: أبي تغترون؟ أم علي تجترؤن؟ فبي حلفت لأ بعثن على أولئك فتنة تدع الحليم منهم حيرانا (ترمذي: زهد)

آخر زمانے میں ایسے لوگ نکل کھڑے ہوں گے جو دین کو فریب کا ذریعہ بنا کر دنیا کمائیں گے، لوگوں کو دکھانے کی غرض سے بکریوں کی نرم کھال اوڑھ لیں گے، ان کی زبانیں شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوں گی، لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں

گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کہے گا، کیا تم میرے نام پر اتراتے رہے؟ تم نے میرے خلاف جرأت کی؟ میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو ایسے فتنے اور عذاب میں ڈالوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران ہو کر رہ جائیں گے۔

ابن ابی الدنیا حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

یأتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام إلا اسمہ' ولا من القرآن إلا رسمہ مساجدھم یومئذ عامرۃ وھی خراب من الھدی، علماء ھم أشر من تحت أدیم السماء، منھم خرجت الفتنۃ و فیھم تعود

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، اور قرآن کے صرف حروف رہ جائیں گے۔ اس وقت مسجدیں ان کی بڑی عالی شان ہوں گی، مگر ہدایت سے خالی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے زیادہ برے لوگ ہوں گے، انہی سے فتنے کھڑے ہوں گے اور ان ہی میں گھوم کر لوٹ آئیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

اذا ظھر الربا والزنا فی قریۃ أذن اللہ عزوجل بھلا کھا

جب کسی آبادی میں سود اور زنا پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دینے کا حکم صادر فرماتا ہے۔

اور مراسیل الحسن میں ہے:

إذا أظھر الناس العلم وضیعوا العمل و تحابوا بالالسن وتباغضوا بالقلوب وتقاطعوا بالارحام لعنھم اللہ عزوجل عند ذالک فأصمھم وأعمی أبصارھم

جو لوگ علم کا مظاہرہ کرنے لگیں اور عمل کو چھوڑ بیٹھیں، اور زبان سے تو محبت کا اظہار کریں اور دلوں میں بغض و کینہ رکھیں، اور رشتہ داریاں توڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان پر لعنت بھیجتا ہے، اور انہیں بہرا اور اندھا بنا دیتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس آدمیوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ آپ ؐ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

یامعشر المهاجرين! خمس خصال أعوذ بالله ان تدركوهن، ما ظهرت الفاحشة في قوم حتى أعلنوا بها إلا ابتلوا بالطواعين والاوجاع التي لم تكن في أسلافهم الذين مضوا، ولا نقص قوم المكيال إلا ابتلوا بالسنين وشدة المؤنة وجور السلطان، وما منع قوم زكوة أموالهم إلا منعوا القطر من السماء، ولولا البهائم لم يمطروا، ولا خفر قوم العهد الا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم فأخذوا بعض مافي ايديهم، ومالم تعمل أئمتهم بما أنزل الله في كتابه إلا جعل الله بأسهم بينهم (۱) (سنن ابن ماجه: فتن)

اے گروہ مہاجرین! پانچ چیزوں سے میں تمہارے حق میں بارگاہ الٰہی سے پناہ مانگتا ہوں:

۱۔ جس قوم میں بدکاری پھیل جائے اور علانیہ بدکاری ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ ان میں طاعون اور دوسری قسم کی بیماریاں بھیج دیتا ہے جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں۔

۲۔ جو لوگ ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں قحط سالی اور تنگی معاش کی مصیبت بھیج دیتا ہے، اور ظالم بادشاہ ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

۳۔ جو لوگ مال کی زکوۃ دینا بند کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش روک دیتا ہے، اور اگر چوپائے نہ ہوتے تو ان کے لیے پانی کبھی نہ برستا۔

۴۔ جو لوگ عہد توڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر باہر کا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کی مملوکہ چیزوں میں سے بعض کو چھین لیتا ہے۔

۵۔ ان کے ائمہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو لڑا مارتا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجه: باب الفتن میں حدیث کے الفاظ قدرے مختلف ہیں، مگر مفہوم یہی ہے

نیز مسند اور سنن میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ ایسے تھے کہ جب ان میں کوئی گناہ کرتا تو روکنے والے دوڑ پڑتے اور اسے اللہ سے ڈراتے، لیکن دوسرے ہی دن وہ اس کے ساتھ خلا ملا کر لیتے، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے۔ گویا گزشتہ روز اس کا گناہ انہوں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کے دلوں میں باہم عداوت پیدا کر دی اور پھر ان کے پیغمبر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ان پر لعنت کرائی۔ ایسا اس لیے کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دو۔ ظالموں اور حق کے خلاف اقدام کرنے والوں کو روکو، وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں بھی عداوت پیدا کر دے گا، اور تم ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے لگو گے، جس طرح کہ تم سے پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔

ابن ابی الدنیا سے منقول ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشعؑ بن نون کو بذریعہ وحی یہ خبر بھیجی تھی کہ تیری قوم میں سے چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار شریر بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ پروردگار عالم! شریروں کو ہلاک کرنا تو بجا، لیکن بھلے لوگوں نے کیا خطا کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ یہ اس لیے کہ جب میں ان شریروں پر خفا تھا تو یہ لوگ ان پر کیوں خفا نہ ہوئے۔ یہ لوگ ان کے ساتھ کیوں کھاتے پیتے رہے؟

ابن عبدالبر نے ابو عمران سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کسی آبادی کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے بھیجے کہ اسے تباہ و برباد کر دو۔ یہ فرشتے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! اس آبادی میں تیرا فلاں بندہ بھی تو ہے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آبادی کے ساتھ اس کو بھی ہلاک کر ڈالو، کیونکہ میرے لیے اس کی پیشانی پر نہ کبھی بل پڑے، نہ اس نے کبھی نافرمانوں پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

حمیدی نے حضرت مسعر کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آبادی کو ہلاک کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتے نے کہا کہ پروردگار عالم! اس آبادی میں فلاں عابد موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ پہلے اسے ہلاک کرو، پھر آبادی کو، کیونکہ میرے لیے کبھی اس کی پیشانی پر شکن نہیں پڑی۔

ابن ابی الدنیا حضرت وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داوٗد علیہ الصلوۃ السلام سے خطا ہوگئی تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی، اے پروردگار عالم! میری مغفرت فرما، اللہ نے فرمایا، تیرا گناہ میں معاف کرتا ہوں، لیکن اس کا بوجھ بنی اسرائیل پر ڈالتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا، یہ کیسے ہوسکتا ہے، تُو حاکم عادل ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، گناہ میں کروں اور سزا دوسرے بھگتیں؟ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تم سے جب خطا ہوئی تو ان لوگوں نے فوراً اس کی مخالفت کیوں نہ کی۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں اور ایک شخص حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ ام المومنین! زلزلے کے بارے میں کوئی حدیث بیان فرمایے۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگ جب زناکاری کو جائز قرار دے لیں، شراب خوری کرنے لگیں اور گانے بجانے کے آلات استعمال کرنے شروع کردیں تو آسمان پر غیرتِ الٰہی جوش میں آجاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو زلزلے کا حکم دیتا ہے۔ لوگ جلد سے جلد توبہ کرلیں اور معاصی ترک کردیں تو فبہا، وگرنہ اللہ تعالیٰ آبادی کو منہدم کردیتا ہے۔ حضرت انسؓ نے سوال کیا کہ ام المومنین! کیا یہ ان کے حق میں عذاب ہوگا؟ انہوں نے فرمایا نہیں، یہ ایمان والوں کے حق میں پند و موعظت اور رحمت ہے اور کافروں کے لیے عذاب اور خدا کا قہر و غضب۔ حضرت انسؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے ایسی خوش کن، فرحت آگین حدیث کوئی نہیں سنی۔

ابن ابی الدنیا نے ایک مرسل حدیث روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زلزلہ آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: ''رک جا، ابھی تیرے لیے اس کا وقت نہیں آیا''۔ اس کے بعد آپ صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

إن ربكم ليستعتبكم فاعتبوه

تمہارا پروردگار تمہیں گناہوں سے تائب ہونے کا حکم دیتا ہے، توبہ کرو۔

عہد فاروقی میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا تو حضرت فاروق ؓ لوگوں سے مخاطب ہوئے کہ یہ زلزلہ تمہاری کسی غلطی اور گناہ کی وجہ سے ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، دوبارہ اگر یہ زلزلہ آیا تو میں تم میں ہرگز ہرگز نہیں رہوں گا۔

ابن ابی الدنیا، مناقبِ فاروقی میں کہتے ہیں کہ عہد عمرؓ میں زلزلہ آیا تو حضرت فاروق ؓ نے زمین پر اپنا ہاتھ مارا اور کہا کہ اے زمین تجھے کیا ہوا؟ تجھے کیا ہوا؟ اگر قیامت آنے والی ہوتی تو اپنے احوال بیان کرتی۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

إذا كان يوم القيامة فليس فيها ذراع و لا شبر الا وهو ينطق

جب قیامت آئے گی تو ایک ہاتھ بھر اور ایک بالشت بھر زمین نہ ہوگی جو بول نہ اٹھے۔

امام احمدؒ نے حضرت صفیہؓ سے روایت کی ہے کہ عہدِ فاروقی میں مدینہ منورہ میں زلزلہ آیا تو حضرت فاروق ؓ نے فرمایا کہ لوگو! یہ کیا ہے؟ تم نے اتنی جلدی کیا کام کیے جو یہ زلزلہ آ گیا؟ اس کے بعد اگر کوئی زلزلہ آیا تو مجھے مدینے میں نہ پاؤ گے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ زمین پر جب گناہ ہونے لگتے ہیں تو زمین خوف الٰہی کے مارے لرزنے لگتی ہے اور زلزلہ آ جاتا ہے۔ اس طرح زمین پر بسنے والوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں زلزلہ آیا تو انہوں نے ساری قلمرو میں ایک فرمان جاری کر دیا جس میں حمد و صلوۃ کے بعد لکھا کہ یہ ایک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو عتاب فرماتا ہے۔ میں نے تمام شہروں اور آبادیوں میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ فلاں فلاں مہینے میں فلاں فلاں دن تم شہروں اور آبادیوں سے باہر نکلو اور جس کے پاس کچھ ہے وہ صدقہ خیرات نکالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قد أفلح من تزكى و ذكر اسم ربه فصلى (الاعلیٰ ۸۷: ۱۴-۱۵)

تحقیق جو پاک صاف رہا اور اپنے پروردگار کا نام لیتا رہا، نماز پڑھتا رہا وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

اور یہ دعا پڑھا کرو جو حضرت آدمؑ پڑھا کرتے تھے:

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرين (الاعراف ۷: ۲۳)

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا، اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم یقیناً نامرادوں میں سے ہوں گے۔

اور وہ جو حضرت نوحؑ پڑھا کرتے تھے:

وإلا تغفرلي و ترحمني أكن من الخاسرين (هود ۱۱: ۴۷)

اگر تو میرا قصور معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں نامرادوں میں سے ہوں گا۔

اور وہ دعا بھی جو حضرت یونسؑ پڑھا کرتے تھے:

لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين (الانبيآء ۲۱: ۸۷)

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ذات ہے، میں ظلم کرنے والوں میں سے ہو گیا ہوں۔

حضرت امام احمدؒ حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے:

اذا ضن الناس بالدينار والدرهم و تبايعوا بالعينة (۱) واتبعوا أذناب البقر (۲) وتركوا الجهاد في سبيل الله أنزل الله بهم بلاء فلا يرفعه عنهم حتى يراجعوا دينهم

---

۱) بیع عینہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز مقرر قیمت پر میعادِ مقررہ کے وعدے پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جائے کہ مقررہ میعاد کے بعد بیچنے والا اس سے کم قیمت پر اسے واپس خرید لے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک قسم کا سود ہے اور بیع عینہ سود سے بچنے کا حیلہ۔ یہود عموماً اس قسم کا کاروبار کیا کرتے تھے اور مقصد یہ تھا کہ محرمات الٰہیہ کو حیلوں کے ذریعے حلال کر لیا جائے اور یہ سراسر بے ایمانی ہے، رضاءِ الٰہی اور منشاءِ خداوندی کے خلاف ہے۔

(۲) ''بیلوں کی دموں کے پیچھے لگے رہنے'' کے معنی یہ ہیں کہ صرف کھیتی پر تکیہ کر لیا جائے، سستی اور کاہلی اختیار کر لیں اور جہاد کا سلسلہ بند کر دیں۔ یہ بات مصیبت کا موجب اور سبب بن جاتی ہے۔

جب لوگ دینار و درہم میں بخل سے کام لینے لگیں اور بیع عینہ کے طریقوں پر لین دین کرنے لگیں گے اور بیلوں کی دموں کے پیچھے ہی لگے رہیں گے اور جہاد ترک کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر بلا اتارے گا اور جب تک وہ دین کی طرف رجوع نہیں کریں گے، یہ بلا ان سے دور نہیں کی جائے گی۔

ابوداؤد نے اس حدیث کو باسناد حسن روایت کیا ہے۔

حضرت حسن کہتے ہیں، قسم خدا کی ''بیع عینہ'' لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

بخت نصر کے عہد کے بعض پیغمبروں نے جب بخت نصر کا عذاب اور ظلم دیکھا تو فرمانے لگے کہ اے اللہ! یہ ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے، تو نے ایسے شخص کو ہم پر مسلط کر دیا ہے جو تجھے پہچانتا نہیں اور ہم پر رحم نہیں کرتا۔

بخت نصر نے ایک مرتبہ حضرت دانیالؑ نبی سے پوچھا کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے مجھے تمہاری قوم پر مسلط کر دیا؟ انہوں نے جواب دیا، تیرے بڑے بڑے گناہوں نے اور میری قوم کے ظلم نے، جو خود انہوں نے اپنی جانوں پر کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت عمارؓ ابن یاسر اور حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا أراد اللّٰه بالعباد نقمة أمات الأطفال وأعقم أرحام النساء فتنزل النقمة وليس فيهم مرحوم

جب اللہ تعالیٰ بندوں پر عذاب بھیجنا چاہتا ہے تو بچوں کو موت دے دیتا ہے، اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، اس وقت ان پر عذاب اترتا ہے، ان میں ایک شخص بھی رحم کے قابل نہیں ہوتا۔

مالک ابن دینار کے بقول حکمت کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو لوگ میری اطاعت کریں گے، ان پر بادشاہوں سے رحم کراؤں گا اور جو میری نافرمانی کریں گے، ان پر ان سے عذاب۔ پس تم

بادشاہوں کو گالیاں نہ دیا کرو، بلکہ اللہ کی جناب میں توبہ کروتا کہ وہ بادشاہوں کو تم پر مہربان کر دے۔

مراسیل الحسن میں ہے:

إذا أراد اللّٰہ بقوم خیراً جعل أمرھم إلیٰ حلمائھم وفیئھم عند سمحائھم وإذا أراد اللّٰہ بقوم شراً جعل أمرھم الیٰ سفھائھم وفیئھم عند بخلائھم

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے اختیارات ان کے سمجھداروں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور مال سخاوت کرنے والوں کو دیتا ہے، اور جب کسی قوم کے لیے برائی چاہتا ہے تو شریروں، احمقوں کو ان کا سردار بنا دیتا ہے، اور مال بخیلوں کو دیتا ہے۔

حضرت امام احمدؒ وغیرہ حضرت قتادہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت یونسؑ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی: ''اے پروردگار! تو آسمان پر ہے اور ہم زمین پر، تیرے غضب اور تیری رضامندی کی نشانی کیا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں تم پر اچھے لوگوں کو حاکم اور سردار بناؤں تو یہ میری رضامندی کی علامت ہے اور شریر بدمعاشوں کو تم پر حاکم بناؤں تو یہ میری خفگی اور ناراضگی کی نشانی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے فضیل بن عیاض سے روایت کی ہے:

أوحی اللّٰہ الیٰ بعض الانبیاء إذا عصانی من یعرفنی سلطت علیہ من لا یعرفنی

بعض پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی ہے کہ مجھے پہچاننے والا جب میری نافرمانی کرتا ہے تو میں اس پر ایسے شخص کو مسلط کر دیتا ہوں جو مجھے نہیں پہچانتا۔

نیز حضرت ابن عمرؓ سے ایک مرفوع روایت بھی منقول ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے امیروں اور بدکار وزیروں، خائن اعوان و انصار، قبیلوں اور جماعتوں کے ظالم سرداروں،

چودھریوں اور فاسق و بدکار قراء اور علماء کو جن کی پیشانیاں راہبوں کی سی ہوں گی اور دل مردار جانوروں سے زیادہ متعفن و بدبودار، جن میں قسم قسم کی خواہشات موجزن ہوں گی، دنیا میں بھیج نہیں لے گا۔ جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے، ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے خطرناک تاریک فتنے کھڑے کردے گا جن میں یہ لوگ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اسلام کی زنجیر پارہ پارہ کردی جائے گی، تا آنکہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا بھی باقی نہیں رہے گا۔ لوگو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اشرار کو مسلط کردے گا۔ وہ تمہیں بد سے بدتر عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ اس وقت اچھے لوگ تمہارے حق میں دعا کریں گے، لیکن وہ مقبول نہ ہوگی۔ لوگو! امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو بھیجے گا جو تمہارے چھوٹوں پر رحم نہیں کریں گے، اور تمہارے بڑوں کی توقیر و عزت نہیں کریں گے۔

معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگ جب ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ بارش روک لے گا، زنا کی کثرت ہو جائے گی تو موت عام ہو جائے گی، سودخواری پھیل جائے گی تو ان پر جنون مسلط ہو جائے گا، قتل و غارت گری کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ان پر مسلط کردے گا، لواطت کی کثرت ہو جائے گی تو لوگ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ترک کردیں گے تو ان کے نیک اعمال اوپر کو نہیں جائیں گے اور ان کی دعاؤں کی شنوائی نہ ہوگی۔

یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت سعیدؓ سے روایت کی ہے اور **مسند** میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں میرے یہاں تشریف لائے کہ آپؐ کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ چہرے سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ آپ بہت ہی پریشان ہیں۔ آپؐ نے کسی سے بات چیت نہ کی اور وضو کر کے فوراً حجرے سے باہر تشریف لے گئے۔ میں حجرے کے ایک کونے سے چمٹ کر کھڑی ہوگئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو گئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اللہ

تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا کرو، قبل اس کے تمہاری دعا قبول نہ کی جائے، تم نصرت وامداد چاہو اور تمہاری مدد نہ کی جائے، تم مانگو اور تمہارا سوال رد کر دیا جائے، اور تمہیں کچھ نہ دیا جائے۔

حضرت عمری الزاھد کا قول ہے کہ تمہاری غفلت اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی یہ دلیل ہے کہ تمہارے سامنے اللہ کی مرضی کے خلاف کام ہو رہا ہو اور تم دیکھتے رہو اور چشم پوشی کر جاؤ، اور مخلوق کے ڈر سے جو تمہیں کسی قسم کا نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتی، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کر دو۔

ان ہی کا قول ہے کہ جو شخص مخلوق کے ڈر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دیتا ہے، اس سے طاعت کی قوت سلب کر لی جاتی ہے اور پھر اس کی اولاد اس کے حقِ پدری، اور اس کے غلام اس کے حق آقائی کا پاس نہیں کرتے۔

امام احمدؒ اپنی مسند میں حضرت قیس بن ابی حازم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔ لوگو! تم ہمیشہ اس آیت کی تلاوت کرتے ہو اور بے محل اس کا حکم چلاتے ہو۔

یاأیها الذین آمنوا علیکم أنفسکم لایضرکم من ضل إذا اهتدیتم (المائدة ۵: ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنی خبر رکھو۔ جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے، تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے:

ان الناس إذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه، وفی لفظ إذا رأوا المنکر فلم یغیروه أو شک أن یعمهم الله بعقاب من عنده (مسند احمد بن حنبل ۱: ۷)

جب لوگ دیکھیں کہ ظالم ظلم کر رہا ہے، پھر بھی وہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑتے۔ دوسرے الفاظ یہ ہیں۔ جب لوگ منکر امر کو دیکھیں، اور اسے نہ روکیں تو ڈر ہے کہیں اللہ تعالیٰ اپنا

عذاب سب پر عام نہ کردے۔

امام اوزاعی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا أخفيت الخطيئة فلا تضر إلا صاحبها وإذا ظهرت فلم تغير تضر العامة

گناہ جب چھپا رہتا ہے تو گناہ کرنے والے کے سوا کسی اور کو نقصان نہیں پہنچاتا اور جب ظاہر ہو جاتا ہے تو عام نقصان پہنچانے سے باز نہیں رہتا۔

امام احمدؒ، حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت کرتے ہیں۔ ڈر ہے کہ آباد اور معمور بستیاں ویران ہو جائیں۔ پھر فرمانے لگے یہ اس وقت ہوگا جب فاسق و فاجر لوگ نیک لوگوں کے مقابلے میں ابھر آئیں گے۔ قوم کے سردار منافق لوگ ہوں گے۔

امام اوزاعیؒ حضرت حسانؓ بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے اشرار، اخیار کے مقابلے میں ابھریں گے، اور ایسے ابھریں گے کہ ایمان والے لوگ اس طرح چھپا کریں گے جس طرح آج منافق ہم سے چھپتے ہیں۔

ابن ابی الدنیا حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا، مومن کا دل پانی میں نمک کی طرح گھل کر رہ جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا کہ منکرات دیکھیں گے، لیکن روکنے کی ان میں طاقت نہ ہوگی۔

امام احمدؒ، حضرت جریرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہو اور بدکرداروں کے مقابلے میں دوسرے لوگ غالب ہوں، اور پھر بھی وہ ان کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ تمام پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جہنم میں اس کی آنتیں تک نکل پڑیں گی، وہ دیوانہ وار اس طرح جہنم میں چکر لگائے گا جس طرح چکی کے گرد گدھا

چکر لگاتا ہے۔ یہ دیکھ کر دوسرے جہنمی اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے کہ تیرا یہ حال کیوں ہے؟ تو تو ہمیں اچھے کاموں کا حکم دیا کرتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں تمہیں اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا، لیکن میں خود عمل نہیں کرتا تھا۔ بری چیزوں سے روکتا تھا، مگر بری چیزوں سے خود باز نہیں رہتا تھا''۔

امام احمد بن حنبل حضرت مالکؒ بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک زبردست عالم تھا جو اپنے مکان پر ہمیشہ مردوں اور عورتوں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے نیکی پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے دیکھا کہ اس کا لڑکا کسی عورت کو آنکھیں مار رہا ہے۔ وہ بولا بیٹا یہ کیا ہو رہا ہے؟ بیٹا یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس کے بعد وہ فوراً تخت سے نیچے آ گرا اور اس کا بھیجا پھٹ گیا۔ اس کی بیوی بھی گر پڑی اور اس کے لڑکے قتل کر دیے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے پیغمبر کو وحی سے خبر دی کہ فلاں عالم کو خبر دے دو کہ تیری پشت میں اب کوئی صدیق پیدا نہیں ہوگا۔ میرے لیے تیرا غصہ بس صرف اس قدر تھا۔

امام احمدؒ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں جس کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ یہ گناہ جمع ہو کر بندے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال پیش فرمائی کہ لوگوں کا قافلہ جب جنگل میں کسی میدان میں منزل کرتا ہے تو کھانا پکانے کے لیے کوئی ادھر ادھر سے لکڑی لے آتا ہے، کوئی اونٹ کی خشک مینگنیاں لے آتا ہے، کوئی کیا اور کوئی کیا، تا آنکہ ایندھن کا ڈھیر لگ جاتا ہے، پھر آگ سلگائی جاتی ہے تو ہرا سوکھا سب اس میں جل جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ تم ایسے کام کیا کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے باریک اور معمولی نظر آتے ہیں، لیکن ہم ایسے کاموں کو عہد نبوی میں مہلکات میں شمار کرتے تھے۔

صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک عورت کو اس لیے عذاب دیا گیا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا، اسے نہ کھلاتی پلاتی تھی، نہ کھولتی تھی، حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ بلی مرگئی۔

ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہؓ سے ایک دن پوچھا گیا کہ بنی اسرائیل نے اپنا دین ترک کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، بلکہ جب انہیں کسی بات کا حکم دیا جاتا تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے تھے، کسی چیز سے روکا جاتا تو وہ اسے ضرور کرتے تھے، انہوں نے اپنے دین کا چولا اس طرح اتار پھینکا تھا، جیسے آدمی اپنی قمیص اتار پھینکتا ہے۔

بعض اسلاف کا قول ہے کہ معاصی کفر کے اس طرح قاصد ہیں جس طرح بوسہ جماع کا قاصد ہے، گانا زنا کا، نگاہ عشق کی اور بیماری موت کی قاصد ہے۔

حلیۃ الاولیاء ہی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے گناہ کرنے والے! تو نگاہ کے فتنے اور اس کے انجام بد سے بے خوف نہ رہنا، کیونکہ یہ اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ تیرے دائیں اور بائیں دو فرشتے ہیں، ان سے شرم و حیا نہ کرنا اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے، تمہارا ہنسنا اور اس کا اندازہ نہ کرنا کہ اس کے بدلے تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ یہ اس ہنسی سے بھی بڑا گناہ ہے۔ گناہ پر تمہارا خوش ہونا، اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ گناہ کرنا اور اس پر نادم نہ ہونا گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ ہوا تمہارے دروازے کے پردے کو حرکت دے، پھر بھی تم گناہ میں مشغول رہو اور دل میں یہ خوف پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے، تو یہ اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔

حضرت ایوبؑ نے کیا گناہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سخت ترین بیماری میں مبتلا کر دیا اور ان کا سارا مال چھین لیا؟ گناہ تو صرف اتنا ہی تھا کہ ایک غریب مسکین نے ایک ظالم کے ہاتھ سے چھڑانے کی ان سے درخواست کی اور انہوں نے اس کی فریاد نہ سنی اور ظالم کو نہ روکا۔

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن سعد کہا کرتے تھے، یہ نہ دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ تم کس کی نافرمانی کر رہے ہو؟

حضرت فضیلؒ بن عیاض فرماتے ہیں کہ گناہ کو تم جس قدر چھوٹا سمجھو گے، اسی قدر وہ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہو جائے گا، اور گناہ کو تم جس قدر بڑا سمجھو گے، اسی قدر وہ اللہ کے نزدیک چھوٹا ہو جائے گا۔

کتابوں میں یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کے ذریعے یہ فرمایا کہ اے موسیٰؑ! میری مخلوق میں سے سب سے پہلے جسے موت نے گھیرا، وہ ابلیس ہے۔ میری نافرمانی سب سے پہلے اسی نے کی۔ جو لوگ میری نافرمانی کرتے ہیں ان کو میں مردہ ہی سمجھتا ہوں۔

مسند اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، وہ توبہ کر لے اور گناہ چھوڑ دے تو سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے۔ زیادہ گناہ کرے تو زیادہ سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں، تا آنکہ اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے، اور یہی وہ سیاہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون (المطفّفین ۸۳: ۱۴)

نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان ہی کے اعمال کے زنگ بیٹھ گئے ہیں۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اوپر بیان کی گئی حدیث صحیح ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں، بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور گناہ کرتے کرتے اس کا سارا دل گرد آلود بکری کی مانند ہو جاتا ہے۔

امام احمدؒ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے قریش! اس حکومت کے حقدار تم ہی ہو، لیکن اس وقت تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔ نافرمانی کرو گے تو وہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تمہیں چھیل ڈالیں گے اور تمہاری کھال اس طرح اتاریں گے جس طرح لکڑی چھیل دی جائے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اس لکڑی کی طرف اشارہ فرمایا جو آپ کے ہاتھ میں تھی، اور لکڑی کی چھال اتار دی تو سفید چکنی لکڑی اندر سے نکل آئی۔

امام احمدؒ، حضرت وہبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اللہ رب العالمین نے

فرمایا تھا کہ میری اطاعت اور پیروی کی جائے تو میں خوش ہوتا ہوں، برکت دیتا ہوں اور میری برکت کی کوئی حد نہیں ہوتی اور جب میری نافرمانی کی جائے تو میرا غضب نازل ہوتا ہے اور میری لعنت نافرمانی کرنے والے کی ساتویں اولاد تک پہنچتی ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں انہوں نے لکھا:

اما بعد: فان العبد إذا عمل بمعصية الله عاد حامده من الناس ذاما

اما بعد! جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والے بھی اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔

ابونعیم حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں: ''آدمی کو چاہیے کہ ایمان والوں کی لعنت سے اپنے آپ کو بچائے، کیونکہ وہ نازل ہوتی ہے تو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا''۔ اس کے بعد فرمایا کہ جانتے ہو کس طرح؟ پھر فرمایا، بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دلوں میں اس کی جانب سے اس طرح نفرت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔

عبداللہ بن امام احمدؒ **کتاب الزهد** میں روایت کرتے ہیں کہ امام محمد بن سیرینؒ کچھ قرض دار ہو گئے اور اس غم میں بہت پریشان رہتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ اس غم اور پریشانی کا سبب مجھے اچھی طرح معلوم ہے، یہ اس گناہ کا نتیجہ ہے جو آج سے چالیس سال بیشتر مجھ سے سرزد ہوا تھا۔

یہاں ایک باریک نکتہ ہے، جس کے سمجھنے میں عموماً لوگوں نے غلطی کی ہے، اور وہ نکتہ یہ ہے کہ گناہ کی تاثیر فوری طور پر نظر نہیں آتی اور بندہ گناہوں کو بھول کر خیال کرنے لگتا ہے کہ گناہ کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ یوں اس کے خیالات اس شعر کے مطابق ہو جاتے ہیں:

إذا لم يغبر حائطاً في وقوعه   فليس له بعد الوقوع غبار

جب دیوار کے گرتے وقت غبار نہ اٹھا تو گر جانے کے بعد کیا غبار اٹھے گا۔

اللہ، اللہ! اس دقیق نکتے سے بے خبری کے سبب اللہ کی کتنی مخلوق ہلاک و برباد ہو گئی۔ اللہ

کے بندے اس کی بڑی بڑی نعمتوں سے محروم ہو گئے؟ اور کیسے کیسے عذاب انہوں نے اپنے سروں پر اٹھا لیے۔ جہاں بڑے بڑے علماء وفضلاء دھوکہ کھا گئے، وہاں احمقوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہ فریب خوردہ لوگ نہیں جانتے کہ عرصے کے بعد گناہوں کا پھوڑا پھوٹے بغیر نہیں رہے گا، تلوار اور نیزے کا زخم بھر جاتا ہے، مگر معمولی سی بے اعتدالی اور بد پرہیزی اسے تازہ کر دیتی ہے۔

امام احمدؒ، حضرت ابوالدرداؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تم اس طرح کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو، اور اپنے آپ کو مردہ سمجھو، نیز یہ سمجھ لو کہ تھوڑا سا جو تمہیں کافی ہو جائے، غفلت میں ڈالنے والے کثیر سے بہتر ہے۔ نیکی پرانی نہیں ہوتی، اور گناہ کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے۔

ایک بزرگ نے ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا اور اس کی خوبصورتی پر کچھ دیر غور کرتے رہے۔ جب رات کو وہ سو گئے تو خواب میں وہ لڑکا ان کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ اس کا انجام تم چالیس سال کے بعد دیکھو گے۔ گناہوں کا اثر گو بدیر ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس کا کچھ نہ کچھ اثر فوری طور پر ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں کہ انسان رات کو مخفی طور پر گناہ کرتا ہے، لیکن صبح کو وہ اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کی ذلت اس کے سر پر سوار ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازیؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس عقل مند پر تعجب ہوتا ہے جو یہ دعا مانگتا ہے **اللھم لاتشمت بی الاعداء** (اے اللہ دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسا)، لیکن افسوس وہ خود دشمنوں کو اپنے اوپر ہنساتا ہے۔ کسی نے پوچھا، کیونکر؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے جس سے قیامت کے دن یقیناً اس کی ہنسی اڑائی جائے گی۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں جو شخص چھپ چھپا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مخفی چیز کو ظاہر کر دے گا اور اس کا راز فاش کر دے گا۔



فصل ۱۴

گناہ کے مذموم اثرات

گناہوں کے بے شمار اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ گنہ گار علم سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ علم نور الٰہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں القا فرماتا ہے، گناہ اس نور کو بجھا دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ سے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت امام مالکؒ سے درس لینے لگے تو ان کی فطانت وذہانت اور فہم وبصیرت کی بے پناہ کثرت وفراوانی نے امام مالکؒ کو انتہائی حیرت میں ڈال دیا اور فرمانے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلب میں نور القا فرما دیا ہے، کہیں تم اس نور کو گناہوں کی ظلمت سے بجھا نہ دینا۔ ایک موقع پر حضرت امام شافعیؒ نے یہ شعر کہے:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي　　فأرشدني إلى ترك المعاصي

وقال اعلم بان العلم فضل　　وفضل الله لا يؤتاه العاصي

امام وکیع کے سامنے میں نے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ اور فرمایا سمجھ لو کہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام نافرمانوں کو نہیں ملا کرتا۔

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ انسان کی روزی اور رزق میں تنگی ہو جاتی ہے جیسا کہ مروی ہے:

أن العبد ليحرم الرزق بالذنب يصيبه (مسند احمد بن حنبل ۵:۲۷۷)

بندہ اپنے ارتکابِ گناہ سے روزی ورزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

تقویٰ اور پرہیزگاری روزگار کو کھینچ لاتے ہیں اور انحراف واعراض فقر وافلاس کو جلب کرتا

ہے۔ حصول رزق اور فراخی معاش کے لیے ترک گناہ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ گنہ گار کے قلب اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک خطرناک نامانوسیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ نامانوسیت اس قدر خطرناک ہوتی ہے کہ دنیا و مافیہا کی ساری لذتیں بھی گنہ گار کو میسر آ جائیں تو وہ بے کیف ہی رہتا ہے۔ کوئی لذت و سرور اسے مسرور نہیں کر سکتی، لیکن یہ حقیقت اللہ کا وہی بندہ سمجھ سکتا ہے جس کا دل زندہ ہو اور جس کا قلب بیدار ہو۔ مردے کو تو کوئی سا بھی زخم لگایا جائے، اسے تکلیف نہیں پہنچتی۔ پس اگر اس وحشت سے بچنے اور وحشت کے گڑھے سے محفوظ رہنے کے لیے گناہوں کا ترک کرنا ہی مفید ہے تو صاحبِ عقل و بصیرت گناہوں سے بچنے کے لیے صرف یہی ایک سبب کافی ووافی سمجھ لے۔

کسی شخص نے بعض عارفین کے سامنے اپنی قلبی وحشت کی شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ گناہوں کی وجہ سے تم وحشت میں مبتلا ہو تو گناہ ترک کیوں نہیں کر دیتے؟ گناہ ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ سے تمہیں انس پیدا ہو جائے گا اور تمہیں سکون واطمینان حاصل ہوگا، لہذا سمجھ لینا چاہیے کہ پے در پے گناہ کرنے سے قلب پر وحشت کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے، اور اس سے بدتر اور خطرناک بوجھ کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ واللہ المستعان۔

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ گنہ گار کو لوگوں سے وحشت ہو جاتی ہے۔ ارباب خیر وصلاح سے خصوصاً اسے کچھ ایسی نفرت ہو جاتی ہے کہ وہ ان سے دور بھاگتا ہے اور جس قدر یہ وحشت ترقی کرتی جاتی ہے، اسی قدر وہ ایسے لوگوں سے دور بھاگتا رہتا ہے۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے گریز کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ ایسے لوگوں سے استفادہ کرنے سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ جس قدر رحمانی گروہ سے دور ہوتا ہے، شیطانی گروہ سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اس کی وحشت شدہ شدہ اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ اسے اپنے بیوی بچوں، اقرباء، اعزہ، بلکہ اپنی جان تک سے وحشت ونفرت ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ سلف صالحین میں سے بعض کا قول ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے تو اس کا اثر اپنی سواری کے جانور اور اپنی بیوی کے برتاؤ سے محسوس کر لو۔

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ گنہ گار کے معاملات میں طرح طرح کی مشکلات اور دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس کام کا وہ عزم وارادہ کرتا ہے، اسے اس کا دروازہ بند نظر آتا ہے، یا وہ اسے سخت دشوار پاتا ہے۔ اس کے برخلاف جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اس کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔ بس جو شخص تقویٰ اور پرہیزگاری کو چھوڑ دیتا ہے، اس کے سارے کام مشکل اور دشوار ہو جاتے ہیں۔

گناہوں کا ایک اثر یہ ہے کہ نافرمان آدمی اپنے قلب میں ایک خطرناک ظلمت و تاریکی اس طرح محسوس کرتا ہے جیسے آدمی تاریک رات کی ظلمت اور تاریکی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طاعت وعبادت ایک نور ہے اور معصیت ایک تاریکی۔ معصیت جب بڑھ جاتی ہے تو گنہ گار کی حیرانی و پریشانی بھی بڑھ جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ شخص ہمہ قسم کی بدعات اور گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مہلک اور خطرناک امور میں پھنس کر اس کی جان وبال میں پڑ جاتی ہے، اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ اسے اپنی اس حالت کا شعور واحساس تک نہیں رہتا۔ اس کی حالت ایک ایسے اندھے کی سی ہو جاتی ہے جو اندھیری رات میں نکل کھڑا ہوا اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرے۔

اور پھر یہ ظلمت و تاریکی رفتہ رفتہ اس قدر بھاری ہوتی جاتی ہے کہ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہونے لگتی ہے، اور پھر شدہ شدہ اس کے منہ اور چہرے پر بھی چھا جاتی ہے۔ یہ سیاہی ایسی نمودار ہو جاتی ہے کہ ہر شخص اسے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

إن للحسنة ضياء في الوجه و نور في القلب وسعة في الرزق وقوة في البدن و محبة في قلوب الخلق، وإن للسيئة سوادا في الوجه و ظلمة في القبر والقلب ووهنا في البدن و نقصا في الرزق و بغضة في قلوب الخلق

نیکی سے چہرے پر روشنی، قلب میں نور، رزق میں فراخی، بدن میں قوت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ گناہ سے چہرے پر سیاہی آ جاتی ہے، قبر اور دل میں ظلمت

اور تاریکی پیدا ہوتی ہے اور جسم میں کمزوری، روزی میں تنگی ہو جاتی ہے، اور مخلوق کے دلوں میں بغض ونفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

گناہوں کا ایک اثر یہ ہے کہ معاصی سے قلب اور بدن کمزور اور بزدل ہو جاتا ہے۔ قلب کی کمزوری تو ظاہر ہے۔ یہ بڑھتے بڑھتے بالآخر زندگی کو ختم کر دیتی ہے۔

جسم کی کمزوری کی حقیقت یہ ہے کہ مومن کی قوت کا دارومدار اس کے قلب کی قوت پر ہے۔ مومن کا قلب قوی اور مضبوط ہے تو اس کا جسم بھی قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔ فاسق وفاجر کا حال اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ اگرچہ جسم وبدن کے لحاظ سے کتنا ہی قوی اور مضبوط کیوں نہ ہو، لیکن بزدل وکمزور ہوتا ہے اور بوقت ضرورت اس کی جسمانی طاقت بے کار ثابت ہوتی ہے۔ جان بچانے کے موقع پر اس کی ساری قوتیں اس سے بے وفائی کر جاتی ہیں۔ اہل فارس وروم کے بہادروں کو دیکھیے کہ یہ لوگ کس قدر قوی اور مضبوط تھے، لیکن عین تحفظ ودفاع کے مواقع پر ان کی قوتوں اور طاقتوں نے ان کے ساتھ کیسی خیانت اور بے وفائی کی اور اہل ایمان اپنی ایمانی قوت اور جسم وقلب کی طاقت سے ان پر کس طرح غالب اور مسلط ہو گئے۔

گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ انسان اطاعت خداوندی سے رک جاتا ہے۔ صرف یہی ایک سزا اس کے لیے طاعت وعبادت کا راستہ بند کر دیتی ہے۔ اگر صرف یہی سزا ہوتی تو یہ بھی بندے کے لیے بہت ہی سخت تھی، مگر یہ سزا اس کے لیے اطاعت وعبادت کا دوسرا راستہ بھی بند کر دیتی ہے، پھر اس کے لیے تیسرا راستہ منقطع ہو جاتا ہے، اور بعد ازاں چوتھا، یہاں تک کہ یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے طویل ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح بندے کے لیے بہت سی طاعتوں کی راہیں بند ہو جاتی ہیں، حالانکہ اس کے حق میں ہر طاعت وعبادت دنیا و مافیہا سے بہتر، قیمتی اور موجب خیر وبرکت تھی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی کسی ایسی چیز کا لقمہ کھا لیتا ہے جو اسے ایک طویل مرض میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر وہ اس کے سبب طویل عرصے تک لذیذ غذاؤں سے محروم ہو جاتا ہے جن کا ہر لقمہ کہیں زیادہ لذیذ اور بہتر تھا۔

گناہوں کی ایک تاثیر یہ ہے کہ گناہ عمر کو تباہ کر دیتے ہیں، اور عمر کی ساری برکتیں بندے

سے چھن جاتی ہیں۔ یہ لازمی امر ہے کہ نیکی جس طرح عمر کو بڑھاتی ہے، فسق و فجور سے عمر کوتاہ ہوتی ہے۔

اس مقام پر علمائے کرام میں کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک گناہ سے عمر کی کوتاہی کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی برکتیں کم ہو جاتی ہیں، اور عمر اس کے حق میں موجب زحمت و وبال بن جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی معنی حق اور صحیح ہیں، کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ گناہوں کی تاثیر سے عمر کی برکتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ گناہ حقیقتاً عمر کو اس طرح کم کر دیتے ہیں جیسے روزی کم ہو جاتی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے رزق و روزی میں خیر و برکت عطا کرنے کے بہت سے اسباب رکھے ہیں، جن کے ذریعے وہ رزق و روزی میں برکت و فراوانی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے عمر میں برکت عطا کرنے کے لیے بھی بہت سے اسباب رکھے ہیں۔ ان علماء کا یہ کہنا ہے کہ ان کے اس مسلک پر کہ ان اسباب سے عمر بڑھتی اور گھٹتی ہے، کوئی اعتراض اور استحالہ لازم نہیں آتا، کیوں کہ روزی، عمر، اجل، سعادت، شقاوت، صحت و مرض، غنا و فقر وغیرہ تمام امور قضائے الٰہی سے وابستہ ہیں۔ باوجود اس کے حق سبحانہ وتعالیٰ ان اسباب کے ذریعے جو اپنے مسببات کے مقتضی ہیں، اپنی مشیت و ارادہ ہی سے فیصلہ اور حکم فرماتا ہے، اسی پر عمر کے مسئلے کو بھی قیاس کر لیجیے۔

تیسرے گروہ کی رائے میں عمر کم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے حقیقی عمر فوت ہو جاتی ہے، کیونکہ حقیقی اور اصلی زندگی یہ ہے کہ انسان کا قلب زندہ ہو، چنانچہ اسی معنی کی رو سے اللہ تعالیٰ نے کافر کو مردہ کہا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

أموات غير أحياء (النحل ۱۶: ۲۱) کافر مردے ہیں جن میں جان نہیں۔

پس حقیقی زندگی قلب کی زندگی ہے اور انسان کی عمر اس کی اسی زندگی کے زمانے کا نام ہے۔ انسان کی عمر اس کے وہی اوقات زندگی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گزریں اور یہی اوقات اس کی عمر کی حقیقی ساعتیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری، طاعت اور عبادت ان اوقات میں اضافہ اور خیر و برکت پیدا کرتی ہیں۔ یہ انسان کی حقیقی عمر ہے جس کے بغیر عمر کی کوئی حقیقت نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی جناب سے گریز کرتے ہوئے معاصی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی وہ حقیقی زندگی فنا ہو جاتی ہے جس کے فنا ہو جانے کا افسوس اسے اس دن ہوگا جس دن اس کی زبان سے بے ساختہ نکلنے لگے گا:

یالیتنی قدمت لحیاتی (الفجر ۸۹: ۲۴)

کاش کہ میں اپنی آخرت کی اس زندگی کے لیے پہلے سے کچھ حاصل کر چکا ہوتا۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بندے کی کئی حالتیں ہیں۔ وہ اپنی دنیوی اور اخروی مصالح سے بے خبر ہے یا باخبر۔ ان مصالح سے اگر بالکل بے خبر ہے تو ساری عمر رائیگاں گئی، اور بے خبر نہیں تو پھر بھی معاصی میں گرفتار ہے، کیوں کہ راہ کے عوائق و مشکلات کی وجہ سے اصل راہ اس کے لیے طویل ہوگئی اور خیر و صلاح کے اسباب اس کے لیے اسی قدر دشوار ہو گئے جس قدر خیر و صلاح کی اضداد اور مخالف امور میں اس کی مشغولیت رہی۔ بندے کی یہ حالت بھی اس کی حقیقی عمر کا بڑا نقصان ہے۔

مسئلے کا حقیقی راز یہ ہے کہ انسان کی عمر حقیقتاً اس کی زندگی کی مدت کا نام ہے۔ انسان کی زندگی یہی ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرے، اس کی محبت و ذکر سے لذت اندوز ہو اور اس کی رضامندی و رضاجوئی کو سب سے مقدم سمجھے۔



فصل ۱۵

گناہ در گناہ

گناہوں کا خاصہ یہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کے لیے بیج کا کام کرتا ہے۔ اس طرح ایک سے دوسرا، اور دوسرے سے تیسرا گناہ پیدا ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ آدمی کے لیے گناہ کو چھوڑنا اور اس بھنور سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض سلف صالحین کہتے ہیں کہ ایک گناہ کی سزا دوسرے گناہ کی شکل میں ملتی ہے اور نیکی کا صلہ مابعد کی نیکی کے صلے میں حاصل ہوتا ہے۔ ایک بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دوسری قریبی نیکی کہتی ہے کہ مجھے بھی انجام دیتے چلو۔ وہ جب اسے انجام دے لیتا ہے تو ایک اور نیکی اسے یہی دعوت دیتی ہے۔ اس طرح نیکیوں کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس سے بندے کو بے حساب نفع حاصل ہوتا ہے، اور اس کی نیکیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ جو شکل نیکیوں کی ہے، وہی گناہوں کی بھی ہے۔ طاعات و معاصی بندے کے حق میں نہ مٹنے والی تصویروں اور غیر منفک صفات کی طرح ثابت و لازم بن جاتی ہے۔ جس وقت کسی نیکوکار آدمی سے کوئی نیکی رہ جاتی ہے تو وہ اپنے لیے تنگی اور تکلیف محسوس کرتا ہے اور اس غفلت کی وجہ سے اس پر زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس مچھلی کی طرح پاتا ہے جو پانی سے الگ کر لی گئی ہو اور وہ پانی میں جانے کے لیے بے تاب ہو۔ مچھلی کو پانی میں جا گرنے ہی سے سکون ملتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

یہ حالت ایک گنہ گار کی ہے، جب وہ کسی معصیت کو چھوڑ کر نیکی کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس پر بھی زمین تنگ ہو جاتی ہے اور سینے میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دوبارہ جب تک یہ گناہ نہ کر لے، زندگی کی ساری راہیں اس پر تنگ ہو جاتی ہیں، تا آنکہ بعض فاسق و فاجر لوگوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ بلا کسی لذت و لطف، بلا داعیہ اور خواہش کے بھی ارتکابِ گناہ کرتے رہتے ہیں، اور

بات صرف یہی ہوتی ہے کہ گناہوں کی مفارقت سے انہیں تکلیف ہوا کرتی ہے، چنانچہ اس گروہ کے شیخ حسن بن ہانی (۱) کا شعر ہے:

وكأس شربت على لذة　　　وأخرى تداويت منها بها

ایک جامِ شراب میں نے لذت سے نوش کیا اور دوسرے جام سے پہلے جام کی پیدا شدہ مرض کا علاج کیا۔

اور کسی دوسرے شاعر نے کہا ہے:

وكانت دوائي وهي دائي بعينه　　　كما يتداوىٰ شارب الخمر بالخمر

میری دوا بعینہ میرے لیے بیماری تھی جس طرح کہ شرابی آدمی شراب سے اپنا علاج کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ جب طاعت الٰہی کا اہتمام والتزام کرتا ہے، اور طاعت وعبادت سے اسے خاص قسم کا انس اور الفت ومحبت ہو جاتی ہے تو اسے ہر چیز سے مقدم سمجھتا ہے۔ بندے کی اس حالت میں حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے لیے اپنی رحمت کے فرشتے بھیجتا ہے جو ہر طرح اس کی امداد کرتے ہیں، اسے طاعتِ الٰہی اور عبادت کا شوق دلاتے ہیں، اس کے ایمانی جذبات کو ابھارتے ہیں، بستر تک چھڑا دیتے ہیں، کسی حالت اور کسی بھی مجلس میں بیٹھا ہوا ہو، اسے اٹھا کر طاعت وعبادت میں لگا دیتے ہیں۔

اسی طرح جب کوئی بندہ معاصی اور گناہوں سے الفت کرنے لگتا ہے، گناہوں کو محبوب رکھتا ہے اور خیر ونیکی کے مقابلے میں گناہوں کو ترجیح دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ شیاطین کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ یہ شیاطین معاصی اور گناہوں میں اس کی معاونت کرتے ہیں اور اس کے شیطانی ونفسانی جذبات کو ابھارتے ہیں۔

پس پہلا بندہ وہ ہے جس کی اعانت وامداد کے لیے طاعت وعبادت کا پورا لشکر موجود ہوتا ہے جو اس کی پشت پر رہ کر اس کی بھرپور امداد کرتا ہے، اور اس لشکر کی امداد سے بندہ نہایت قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ دوسرا بندہ وہ ہے جس کی پشت پر معصیت اور گناہوں کا لشکر ہوتا ہے، معصیت اور گناہوں میں اس کی اعانت وامداد کرتا ہے، اور یہ شیطانی لشکر اسے معصیت وگناہ میں قوی اور مضبوط بنا دیتا ہے۔

---

(۱) مشہور شاعر ابونواس

فصل ۱۶

توبہ سے انحراف

آثارِ معاصی میں سے ایک خطرناک اور مہلک امر یہ بھی ہے کہ گناہ بندے کے قلب کو کمزور اور پست ہمت بنا دیتے ہیں، توبہ کے ارادے کو آہستہ آہستہ کمزور کرتے رہتے ہیں اور معصیت و گناہ کے جذبات اور ارادے کو قوی و مستحکم کر دیتے ہیں، نتیجۃً بندے سے توبہ وانابت کی توفیق بتدریج مفقود ہو جاتی ہے، اور شدہ شدہ اس کے قلب سے توبہ وانابت کا مقصد وارادہ کلیۃً ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس بندے کا آدھا قلب مر چکا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ واستغفار کے لیے جھکتا بھی ہے تو اس کی توبہ واستغفار جھوٹی ہوتی ہے۔ زبان سے بہت کچھ کہتا ہے، لیکن قلب معصیت سے آلودہ ہوتا ہے اور باوجود توبہ واستغفار کی تکرار کے وہ گناہوں پر اصرار ہی کرتا رہتا ہے۔ اس کا عزم وارادہ گناہوں کے موقعوں کی تلاش میں رہتا ہے اور حقیقتاً یہ انسان کے لیے ایک شدید مرض ہے اور ہلاکت سے قریب تر ہونے کی حالت ہے۔



فصل ۱۷

گناہ پر فخر

آ ثارِ معاصی میں سے ایک یہ ہے کہ انسان گناہ کرتے کرتے اس کا عادی بن جائے تو دل سے گناہ کی قباحت و برائی ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً وہ گناہوں کو برا نہیں سمجھتا اور لوگوں کی موجودگی میں بے باک و برملا گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اربابِ فسق و فجور کے نزدیک تو یہ بات دل بہلانے کی دلچسپ چیز ہوتی ہے جس میں وہ انتہا درجے کی لذت محسوس کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ تو معصیت پر برملا فخر بھی محسوس کرتے ہیں، لوگوں میں بیٹھ کر انہیں اپنے گناہوں کو فخر و غرور کے ساتھ بیان کرنے میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں ہوتی۔

اس درجے کے جرائم پیشہ لوگوں کے لیے خیر و عافیت کے دروازے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں۔ توبہ وانابت اور استغفار کی راہیں قطعاً منقطع ہو جاتی ہیں۔ سمجھ لیجیے کہ اس قسم کے لوگوں کے لیے اکثر و بیشتر توبہ و انابت کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں، جیسا کہ آں حضرت ؐ کا ارشاد ہے:

كل امتى معافى إلا المجاهرون و إن من الاجهار أن يستر الله على العبد ثـم يـصبح يفضح نفسه ويقول يافلان علمت يوم كذا و كذا كذا و كذا فيهتك نفسه و قدبات يستره ربه

میری ساری امت کو معافی حاصل ہے، مگر خود رسوا ہونے والوں کے لیے معافی نہیں، اور یہ رسوائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ستر پوشی فرماتا ہے، لیکن بندہ خود صبح ہوتے ہی اپنے آپ کو رسوا اور ذلیل کر لیتا ہے۔ لوگوں سے کہتا ہے کہ اے فلاں میں نے فلاں فلاں اور یہ یہ

اور ایسا ایسا کیا ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر لیتا ہے، حالانکہ پروردگار نے اس کی ستر پوشی فرمائی تھی۔

یہ بھی آثارِ معاصی میں سے ہے کہ سارے گناہ دنیا کی اگلی امتوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، کسی نہ کسی امت کا ترکہ اور میراث ہیں، مثلاً لواطت، قوم لوط کا ترکہ ہے۔ لین دین میں لیتے وقت حق سے زیادہ لینا اور تولنا اور دیتے وقت حق سے کم دینا اور تولنا قوم شعیب کا ترکہ ہے۔ زمین پر اکڑنا اور فساد کرنا فرعون اور قوم فرعون اور تکبر و غرور، جبر و زیادتی قوم ہود کا ترکہ ہے۔ گنہ گار اور نافرمان آدمی ان میں سے جس امت کا گناہ کرے گا، اسی میں اس کا شمار ہوگا، حالانکہ یہ امتیں اللہ تعالیٰ کی دشمن تھیں۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن احمد اپنی تصنیف کتاب الزھد میں اپنے والد، اور وہ حضرت مالکؒ بن دینار سے روایت کرتے ہیں:

أوحى اللّٰه الى نبي من انبياء بني اسرائيل أن قل لقومك: لاتدخلوا مداخل اعدائي، ولاتلبسوا ملابس اعدائي، ولا تركبوا مراكب أعدائي ولاتطعموا مطاعم أعدائي فتكونوا أعدائي كماهم أعدائي

انبیاء بنی اسرائیل میں سے کسی پیغمبر پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ تم اپنی قوم سے کہہ دو کہ میرے دشمن جہاں داخل ہوں، وہاں تم داخل نہ ہونا، میرے دشمنوں نے جو لباس پہنا تھا تم نہ پہننا، میرے دشمن جس سواری پر سوار ہوئے تھے تم سوار نہ ہونا، میرے دشمن جو کھانا کھاتے تھے تم نہ کھانا، تم اگر ایسا کرو گے تو جیسے وہ میرے دشمن ہیں، تم بھی میرے دشمن ہو۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعثت بالسيف بين يدي الساعة حتى يعبداللّٰه وحده لاشريك له' وجعل رزقي تحت ظل رمحي' وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري ومن تشبه بقوم فهو منهم (مسنداحمد بن حنبل ۲: ۵۰)

میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں تا کہ دنیا میں صرف اللہ وحدہ لاشریک

کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق اللہ تعالیٰ نے میرے نیزے کے سائے تلے رکھا ہے
اور میری مخالفت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی لازم کر دی ہے اور
جو شخص بہ تکلف کسی دوسری قوم سے تشبہ اختیار کرے گا، وہ ان ہی میں شمار ہو گا۔



فصل ۱۸

ذلتِ معاصی

بندہ گناہ کرنے سے پروردگارِ عالم کے نزدیک بے وقعت ہو کر اس کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے بچا لیتا ہے اور جو اس کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے تو دنیا میں کوئی بھی اس کی عزت نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن يهن الله فماله من مكرم (الحج ۲۲: ۱۸)

جس کو اللہ ذلیل کرے، اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

لوگ اگرچہ ایسے افراد کی ان کے خوف اور ڈر کے مارے اور ان کے شر سے بچنے کے لیے بظاہر عزت کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وہ انتہائی ذلیل اور حقیر ہوا کرتے ہیں۔

یہ بھی معاصی کا اثر ہے کہ بندہ بکثرت اور پے در پے گناہ کرنے لگ جائے تو پھر بڑے سے بڑا گناہ بھی اس کی نگاہ میں چھوٹا ہو جاتا ہے، اور یہی اس کی ہلاکت کی علامت ہے، کیونکہ بندے کی نگاہ میں گناہ چھوٹا ہو، اللہ کے نزدیک بہت بڑا بن جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن المؤمن يرى ذنوبه كانها فى أصل جبل يخاف أن يقع عليه، وإن الفاجر يرى ذنوبه كذباب وقع على أنفه فقال به هكذا فطار (صحيح بخاری)

صاحب ایمان گناہوں کو پہاڑ سمجھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں یہ پہاڑ اس کے سر پر نہ آ گرے، اور فاجر آدمی اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے، گویا ناک پر مکھی بیٹھی ہے، ہاتھ اٹھایا اور مکھی اڑ گئی۔

فصل ١٩

گناہوں کی نحوست

گناہ گار کے گناہوں کی نحوست بے گناہ انسانوں ہی کو نہیں، جانوروں تک کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اپنے ظلم و گناہ سے خود تو جل مرتا ہی ہے، لیکن دوسرے بے گناہ انسانوں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ظالم کے ظلم کی وجہ سے چڑیاں اپنے گھونسلوں میں مرجاتی ہیں۔

مجاہد کا قول ہے کہ قحط سالی میں جانور چوپائے ظالم انسانوں پر لعنت بھیجتے ہیں کہ ان کی وجہ سے برسات رک گئی ہے۔

عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے جانور، کیڑے مکوڑے، چھپکلیاں اور بچھو تک چلاّ اٹھتے ہیں کہ بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم پر برسات رک گئی۔

پس گنہ گار کو صرف اس کے گناہوں کی سزا ہی بس نہیں کرتی، بے گناہوں کی لعنت اور پھٹکار بھی اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔



فصل ۲۰

معصیت باعث تذلیل ہے۔

یہ یقینی حقیقت ہے کہ معصیت انسانوں کو ذلیل وحقیر کر دیتی ہے، کیونکہ دنیا جہاں کی ساری عزتیں طاعتِ الٰہی سے وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من كان يريد العزة فللّٰه العزة جميعا (فاطر ۳۵: ۱۰)

جو آدمی عزت کا طلب گار ہے، تو عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔

بندے کو چاہیے کہ وہ طاعت الٰہی کے ذریعے خواستگارِ عزت ہو۔ عزت فقط طاعتِ الٰہی سے میسر آ سکتی ہے۔ بعض صالحین سلف کی یہ دعا تھی:

اللّٰهم أعزني بطاعتك ولا تذلني بمعصيتك

اے اللہ! اپنی طاعت سے مجھے عزت عطا فرما، نافرمانی سے مجھے ذلیل نہ کر۔

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ لوگ اگرچہ قوی اور خوبصورت خچروں پر سوار ہو کر دوڑتے پھریں، کھر بجاتے پھریں اوران کی تیز رفتاری پر فخر ونخوت کے ڈھول پیٹتے رہیں، لیکن گناہوں کی ذلت جوان پر لازم ہو چکی ہے، وہ کبھی دور نہیں ہو سکتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے اشعار ہیں:

رأيت الذنوب تميت القلوب وقد يورث الذل ادمانها

وترك الذنوب حياة القلوب وخير لنفسك عصيانها

وهل أفسد الدين الا الملوك وأحبار سوء و رهبانها

میں نے دیکھا کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں، اور گناہوں کی مداومت ذلت کا موجب ہوتی ہے۔ گناہ سے بچنا دلوں کی زندگی ہے۔ اور تمہارے لیے خیر یہ ہے کہ تم گناہوں کی مخالفت کرو۔ اور دین کو بادشاہوں اور مشائخ سوء اور برے تارک الدنیا کے سوا کسی نے خراب نہیں کیا۔

فصل ۲۱

عقل اور معصیت

معاصی سے عاقل کی عقل خراب ہو جاتی ہے۔ عقل ایک نور ہے، معصیت اس نور کو یقیناً بجھا دیتی ہے۔ اس نور کے بجھ جانے سے عقل کمزور ہو جاتی ہے۔ بعض سلف صالحین کا مقولہ ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اس کی عقل غائب ہو جاتی ہے۔ عقل کا غائب ہونا بالکل واضح ہے۔ عقل اگر موجود ہوتی تو اسے معصیت سے کیوں باز نہ رکھتی؟ وہ یہ کیوں نہ سمجھتا کہ اس کی جان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کے قہر و غلبہ کے ماتحت، اس کے کردار سے اللہ تعالیٰ ہر طرح باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے گھر میں اسی کے فرش پر بیٹھا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، جو کچھ وہ کرتا ہے، فرشتے دیکھ رہے ہیں۔ قرآن مجید کا واعظ گناہوں سے احتراز کرنے کی اسے ہدایت کر رہا ہے، ایمان کا واعظ گناہ سے روکتا ہے، موت کا واعظ اور جہنم کا واعظ اسے معصیت سے منع کر رہے ہیں۔ معصیت سے اس کی دنیا و آخرت کی خیر و فلاح جو ضائع ہو رہی ہے، وہ اس کے اس عارضی سرور اور ناپائیدار وقتی لذت سے بدرجہا قیمتی ہے تو کیا کوئی صاحبِ عقل و بصیرت ان تمام امور کی ناقدری کر سکتا ہے، اور کیا کوئی عقلِ سلیم اسے گوارا کر سکتی ہے؟



فصل ۲۲

کثرتِ گناہ سے دل کی کیفیت

گناہوں کی جب کثرت ہو جاتی ہے تو گنہ گار کے قلب پر مہر لگ جاتی ہے، اور وہ غافل اور بے خبر ہو کر رہ جاتا ہے، جیسا کہ بعض سلف صالحین نے آیت:

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (المطفّفین ۸۳: ۱۴)

نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان ہی کے کرتوت سے زنگ بیٹھ گئے ہیں۔

کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس میں ران کے معنی پے درپے گناہ کرنے کے ہیں۔

حسن بصریؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ پے درپے گناہ کرتا رہا، تا آنکہ قلب اندھا ہو کر رہ گیا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ گناہوں کی کثرت ہو جائے تو وہ دلوں کو گھیر لیتے ہیں۔ اس بارے میں اصل بات یہ ہے کہ معاصی سے قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جب معاصی کی کثرت ہو جاتی ہے تو زنگ غالب آ جاتا ہے، تا آنکہ دل کا بڑا حصہ زنگ گرفتہ ہو جاتا ہے، پھر جب معاصی اور بڑھ جاتے ہیں تو یہ انسان کی طبیعت بن جاتی ہے، پھر قلب پر قفل لگ جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ گنہ گار کا قلب غلافوں اور پردوں میں مستور ہو جاتا ہے۔ معصیت اور گناہوں کی یہ کیفیت ہدایت و بصیرت کے بعد ہو تو معاملہ بالکل ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قلب کا بالائی حصہ نیچے رہ جاتا ہے اور نیچے کا اوپر، اور پھر اس کا دشمن پوری قوت سے اس پر غالب آ جاتا ہے۔ یہ دشمن جہاں چاہتا ہے، اسے ہنکائے پھرتا ہے۔



فصل ۲۳

معاصی پر لعنت

آثارِ معاصی میں یہ بھی ہے کہ بندہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کی زد میں آ جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے گناہوں پر لعنت بھیجی ہے۔ جو شخص ان معاصی کا ارتکاب کرے گا، وہ بدرجۂ اولیٰ اس لعنت کا مستحق ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو بدن پر گودے لگوا کر اس میں رنگ بھریں اور بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑ کر انہیں لمبا کریں، اور جو ایسا کرنے کا پیشہ اختیار کریں اور چہرے سے بال اکھاڑیں اور اپنے دانتوں کو گھس کر تیز کریں اور ایسا کرنے کو بطور پیشہ اپنائیں۔

آپؐ نے سود لینے والے، دینے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے۔

آپؐ نے حلالہ کرنے والے، اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت کی ہے۔

آپؐ نے چور پر، شراب پینے والے، پلانے والے، بنانے والے اور اس پر جس کے لیے بنائی جائے، اور اس کے بیچنے والے، خریدنے والے، اس کی قیمت لینے والے، اس کے اٹھانے والے اور جس کے لیے اٹھائی جائے، سب پر لعنت بھیجی ہے، نیز ان پر لعنت بھیجی ہے جو حد بندی کے نشانات ادھر ادھر ہٹا دیں۔

والدین پر لعنت بھیجنے والوں پر، غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والوں پر، مخنث پر، اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔

دین میں بدعت جاری کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے، تصویر بنانے والے، لواطت کرنے والے، ماں باپ کو گالی دینے والے، اندھے کو راستے میں بھٹکا دینے والے، اور کسی چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے، اور جو کسی جانور کے چہرے پر داغ دے، یا اس کی شکل بگاڑے، مسلمانوں کو ضرر پہنچانے والے اور انہیں دھوکہ دینے والے، قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں، قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں، اور قبروں پر چراغ جلانے والوں، عورت کو اس کے شوہر کے خلاف اور غلام کو اس کے آقا کے خلاف ورغلانے والے، بیوی کے ساتھ دبر میں جماع کرنے والے پر آپؐ نے لعنت بھیجی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنے شوہر سے سرکش ہو کر علیحدہ سونے والی عورت پر صبح تک فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ جو شخص اپنے کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کا بیٹا گردانے، اس پر بھی لعنت ہے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان بھائی کو کسی ہتھیار سے ڈرائے، اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ صحابہؓ کو گالی دینے والے پر بھی آپؐ نے لعنت بھیجی ہے۔ لوگوں میں فساد کرانے والے، قطع رحمی کرنے والے، اللہ اور اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات و ہدایت کو چھپانے والوں، ایماندار و پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں اور اس آدمی پر جو کافروں کی راہ کو مسلمانوں کی راہ سے بہتر کہیں، ہر ایک پر لعنت بھیجی ہے۔ وہ مرد جو عورت کے کپڑے پہنے، اور عورت جو مرد کے کپڑے پہنے، اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔ ان امور کے علاوہ دوسرے بہت سے امور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔ کوئی شخص اگر صرف یہی سمجھ لے کہ یہ گناہ ایسے ہیں کہ اللہ، اس کا رسولؐ اور اس کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں تو یہ اس کی تنبیہ کے لیے کافی ہے۔ اس کا صرف یہ سمجھ لینا ہی اسے ان معاصی سے اجتناب کی تلقین کرے گا۔



فصل ۲۴

معصیت کا مرتکب، دعا سے محروم ہے۔

گناہ کرنے والا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کی دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔ خدائے قدوس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا ہے کہ ایمان والے مردوں اور عورتوں کے حق میں آپ استغفار کرتے رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الذین یحملون العرش و من حوله یسبحون بحمد ربهم و یؤمنون به و یستغفرون للذین آمنوا. ربنا وسعت کل شیء رحمة و علما. فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک و قهم عذاب الجحیم، ربنا و أدخلهم جنٰت عدن التی وعدتهم و من صلح من آبائهم وأزواجهم و ذریاتهم انک انت العزیز الحکیم، وقهم السیئاٰت (المؤمن ۴۰:۷-۹)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے اردگرد ہیں، اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے لیے مغفرت مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم سب چیزوں پر حاوی ہے، تو جو لوگ توبہ کرتے ہیں اور تیرے راستے پر چلتے ہیں انہیں بخش دے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اور اے ہمارے پروردگار! انہیں بہشت کے ہمیشہ کے رہنے والے باغوں میں بھی پہنچا کر داخل کر، جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیبیوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں، انہیں بھی، بیشک تو ہی زبردست ہے اور حکمت والا ہے اور انہیں ہر طرح کی خرابیوں سے محفوظ رکھ۔

فرشتوں کی یہ دعا ان ایمان والوں کے لیے ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہوں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اتباع کریں۔ پس جو لوگ ان سے متصف نہیں ہیں، اس دعا میں شمولیت کی ہرگز توقع نہ رکھیں۔



فصل ۲۵

عذابِ الٰہی کی لرزہ خیز مثالیں

گناہوں کی کچھ سزائیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد صحابہؓ سے اکثر دریافت فرماتے کہ آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ صحابہؓ میں سے جس جس نے خواب دیکھا ہوتا، اپنا اپنا خواب بیان کرتا۔ ایک صبح خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آج میرے پاس دو آدمی آئے، مجھے اٹھایا اور کہا کہ آپؐ ہمارے ہمراہ تشریف لے چلیں، میں ان کے ہمراہ ہولیا، ہم آگے چلے تو ایک آدمی کو چت لیٹے دیکھا۔ اس کے پاس ایک شخص پتھر لے کر کھڑا تھا، اور اس کے سر پر زور زور سے مار رہا تھا۔ اس دوران میں اس کا سر بھیجا نکلنے کے باوجود بار بار اصلی حالت میں آجاتا ہے۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ یہ دیکھ کر میں نے سبحان اللہ کہا، اور پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ آگے تشریف لے چلیے۔ ہم آگے بڑھے، تو دیکھا کہ ایک آدمی اوندھے منہ لیٹا ہوا ہے اور دوسرا اس کے پاس لوہے کے کانٹے لے کر کھڑا ہے، سوئے ہوئے کے گالوں اور منہ پر وہ اس طرح مارتا ہے کہ اس کے گال، آنکھیں، ناک، گردن کی طرف کھنچ آتے ہیں، پھر وہ دوسری طرف مارتا ہے جس سے اس کا وہی حال ہو جاتا ہے۔ اس عرصے میں اس کی دوسری جانب اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ پھر اس کا وہی حال ہوتا ہے جو پہلے ہوا تھا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ میں نے کہا۔ سبحان اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آگے تشریف لے چلیے۔

ہم آگے بڑھے۔ ایک بہت بڑا تنور دیکھا جس سے چیخ پکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم

نے جا کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں نظر آئیں جن کے نیچے شعلے بھڑک رہے تھے اور وہ چیختے چلاتے آگ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا آگے تشریف لے چلیے۔ آگے چلے تو ایک نہر کا پانی خون کی طرح سرخ تھا اور ایک آدمی اس میں تیر رہا تھا اور دوسرا نہر کے کنارے بے شمار پتھروں کا ڈھیر لگائے کھڑا تھا۔ تیرنے والا تیرتے تیرتے تھک کر نہر کے کنارے آیا تو کنارے پر کھڑے آدمی کے سامنے آکر اپنا منہ کھولا۔ اس نے اس کے منہ میں ایک پتھر ڈال دیا، پھر وہ پانی میں تیرنے لگا۔ یہ حالت اس کی جاری رہی۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے، آگے تشریف لے چلیے۔

آگے ایک دہشت ناک کریہہ المنظر آدمی دیکھا۔ وہ آگ کے کنارے کھڑا آگ کو دھونک رہا تھا اور اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ میں نے کہا، یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا، آگے تشریف لے چلیے۔

آگے بڑھے تو ایک خوبصورت عمدہ وسیع خیمہ دیکھا جو پوری طرح سجایا گیا تھا۔ اس کے نیچے ایک طویل القامت، لمبا تڑنگا آدمی کھڑا تھا۔ اس کی لمبائی اس قدر تھی کہ اس کا سر آسمان کے ساتھ لگا ہوا تھا، اس کے اردگرد بے شمار خوبصورت لڑکے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا، آگے تشریف لے چلیے۔

ہم آگے بڑھے تو ایک عظیم الشان خوبصورت درخت دیکھا، ایسا کہ اس قسم کا درخت ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا، اس پر چڑھ جایئے۔ ہم اس پر چڑھ گئے تو ایک ایسے شہر میں پہنچ گئے جس کی عمارتیں سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنی تھیں۔ ہم شہر کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا، اندر گئے۔ ہمیں بے شمار آدمی ملے جن کا آدھا جسم نہایت خوبصورت تھا اور آدھا بدصورت۔ میرے ساتھیوں نے ان سے کہا، جاؤ اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ یہ نہر نہایت عمدہ اور چوڑی تھی اور اس کا پانی دودھ جیسا سفید و شفاف تھا۔ یہ لوگ نہر میں نہا کر ہمارے پاس آئے۔ ان کی ساری سیاہی ڈھل چکی تھی اور بدصورتی خوبصورتی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور آپ ؐ کا مقام۔ میں نے نیچے سے اوپر تک اس عمارت پر نظر ڈالی۔

یہ محل نہایت خوبصورت سفید تھا۔ انہوں نے کہا یہ آپ کے لیے ہے۔ میں نے ان سے کہا، بارک اللہ! مجھے اندر جانے دو، انہوں نے کہا ابھی نہیں، آپ تو اس کے اندر جائیں گے ہی۔ میں نے ان ساتھیوں سے کہا کہ آج رات کو میں نے یہ عجیب وغریب چیزیں دیکھی ہیں؟ انہوں نے کہا، ہم آپ کو مطلع کیے دیتے ہیں کہ جس کا سر کچلا جا رہا تھا، وہ آدمی ہے جس نے قرآن یاد کیا، لیکن پھر بھول گیا تھا اور فرض نماز ترک کر کے سو جایا کرتا تھا۔ وہ جس کا منہ اور باچھیں لوہے کے کانٹوں سے چیری جاتی تھیں، اپنے گھر سے نکل کر لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا۔ تنور میں جو ننگے مرد اور عورتیں جل رہی تھیں، وہ زنا کار مرد اور عورتیں تھیں، اور نہر کے اندر جو آدمی تیر رہا اور پتھر نگل رہا تھا، وہ سود خور تھا۔ آگ کے کنارے کھڑا دہشت ناک کریہہ المنظر آدمی جو آگ دھونک رہا تھا وہ خازن جہنم تھا اور وہ آدمی جس کا سر آسمان سے لگا ہوا تھا، وہ حضرت ابراہیمؑ تھے اور ان کے گرد جو لڑکے جمع تھے وہ فطرت پر مرے تھے (البرقانی کی روایت میں ہے کہ جو فطرت پر پیدا ہوئے تھے)۔ کچھ لوگوں نے اس موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا یہ مشرکوں کی اولاد تھی؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! یہ مشرکوں کی اولاد تھی۔ اور وہ لوگ جن کے آدھے جسم خوبصورت اور آدھے بدصورت تھے، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کرنے کے ساتھ ہی ساتھ گناہ بھی کیے، اللہ تعالیٰ انہیں درگزر فرمائے۔



فصل ۲۶

گناہ اور دنیوی آفات

زمین پر مختلف قسم کی آفتیں نازل ہوتی ہیں۔ پانی، ہوا، زراعت اور پھلوں اور گھروں پر تباہیاں آ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت أیدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون (الرُّوم ۳۰: ۴)

خشکی اور تری میں ہر جگہ لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے خرابیاں ہو چکی ہیں تا کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز آ جائیں۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ ظالم حاکم جب ظلم وفساد شروع کر دیتا ہے تو برسات روک دی جاتی ہے۔ کھیتیاں اور آبادیاں برباد ہو جاتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ظلم وفساد پسند نہیں۔ استدلال میں مجاہد نے مذکورہ بالا آیت پڑھی اور فرمایا کہ آیت میں لفظ **بحر** وارد ہے، اس سے دریا نہیں، بلکہ ہر وہ آبادی مراد ہے جو جاری اور بہنے والے پانی کے کناروں پر واقع ہے، اسی جاری پانی کو **بحر** کہا گیا ہے۔

عکرمہؒ کہتے ہیں کہ **بحر** سے مراد دریا نہیں، بلکہ پانی کے کناروں کی آبادیاں ہیں۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ آیت میں **بـــر** سے مراد خیمے اور ڈیرے لگانے والے لوگ ہیں، اور **بحر** سے اہل دیہات اور صحرا کے لوگ۔

شیریں پانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے **بحر** فرمایا ہے:

وما یستوی البحران هذا عذب فرات سائغ شرابه و هذا ملح أجاج (فاطر ۳۵:۱۲)

دونوں دریا ایک طرح کے نہیں ہیں۔ایک ایسا ہے کہ اس کا پانی میٹھا، خوش ذائقہ، خوش گوار ہے اور ایک کا پانی کھاری، کڑوا۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی رُکا ہوا دریا میٹھا نہیں، بلکہ ندیوں اور نہروں کا پانی میٹھا ہوا کرتا ہے اور سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے۔وہ آبادیاں جو ندیوں اور نہروں کے کناروں پر واقع ہوں، انہی کو اس پانی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ابن زید کہتے ہیں **ظهر الفساد فی البر والبحر** میں **فساد** کے لفظ سے مراد گناہ ہیں، مگر میری رائے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ فساد و بربادی کا سبب ہیں۔فساد سے مراد اگر عین معصیت ہے تو **لیذیقهم بعض الذی عملوا** میں وارد "لام تعلیل" ہوگا۔پہلے معنی کی رو سے فساد سے مراد نقصان، خرابیاں اور مصائب و آلام ہیں جو بندوں کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین پر بھیجتا ہے۔بندے گناہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ مصائب و آلام اور آفتیں بھیج دیتا ہے، جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے کہ تم گناہ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنی فرمانروائی میں عقوبتیں اور سزائیں بھیج دیتا ہے۔ظاہر یہی ہے کہ فساد سے مراد گناہ اور گناہ کے موجبات ہیں اور اس معنی پر آیت کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے: **لیذیقهم بعض الذی عملوا** (اللہ ان کے بعض اعمال کا انہیں مزہ چکھائے)۔

یہ تو دنیا کے عذاب کا حال ہے جو بندوں کے گناہوں اور بداعمالیوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔تمام اعمال اور گناہوں کی اگر سزا دی جائے تو زمین پر کوئی جاندار چیز باقی نہیں رہ سکتی۔

آثارِ معاصی میں سے یہ بھی ہے کہ زمین شق ہونے لگتی ہے۔آبادیاں زمین کے اندر دھنس جاتی ہیں، زلزلے آنے لگتے ہیں، زمین کی برکتیں اور اس کی روئیدگی کم ہو جاتی ہے۔ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قومِ ثمود کی آبادیوں سے گزرنے والوں کو حکم دیا تھا کہ یہاں سے روتے ہوئے جلد سے جلد نکل جاؤ، ان آبادیوں کا پانی نہ پیو، تا آنکہ حکم فرمایا کہ اس پانی سے جو آٹا گوندھ لیا گیا ہے، پھینک دو، اپنے اونٹوں کو بھی نہ کھلاؤ۔یہ حکم آپ نے اس لیے فرمایا تھا کہ قومِ ثمود کے گناہوں کی نحوست اس پانی میں بھی سرایت کر گئی تھی۔

غرض گناہوں کا اثر پھلوں اور دیگر اشیاء میں بھی آ جاتا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل ایک حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ بنی اُمیہ کے خزانے میں، میں نے ایک تھیلی دیکھی جس میں کھجور کی گٹھلی کے برابر گیہوں کے دانے بھرے ہوئے تھے اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ عدل وانصاف کے زمانے میں ایسے ہی گیہوں پیدا ہوا کرتے تھے۔ یہ تمام آفتیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے بھیجی ہیں، نیز بعض بدویوں اور دیہاتیوں نے مجھ سے بیان کیا کہ آج کل جو پھل یہاں پیدا ہو رہے ہیں، ان سے بہت بڑے پھل یہاں پیدا ہوتے تھے، جو آفتیں آج کل آ رہی ہیں، پہلے نہ تھیں۔ کچھ تھوڑے ہی زمانے سے یہ آفتیں آ رہی ہیں۔

صورتوں اور خلقتوں پر بھی گناہوں کا اثر ہوتا ہے۔ جامع ترمذی میں وارد ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت آدمؑ کو پیدا کیا تو انسان کا قد ساٹھ ذراع کا تھا۔ یہ قد کم ہوتے ہوتے اتنا رہ گیا جسے آج دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب ظلم وجور، خیانت، فسق وفجور سے زمین کو پاک کرنے کا ارادہ فرمالے گا تو اہل بیت نبوت میں سے اپنے ایک بندے کو بھیجے گا، یہ آکر زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح آج یہ زمین ظلم وجور سے پُر ہوگئی ہے، اس وقت عدل وانصاف سے پُر ہو جائے گی۔ یہ مسیح یہود ونصاریٰ کو قتل کرے گا، اور وہ دین جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا تھا، پھر سے قائم اور مضبوط ہو جائے گا۔ زمین پہلے کی طرح اپنی برکتیں اُگلنے لگے گی۔ تب اس قدر برکت ہوگی کہ ایک انار سے ایک پوری جماعت سیر ہو جائے گی۔ انار اس قدر بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے ایک جماعت سایہ لے سکے گی۔ انگور کا ایک خوشہ اونٹ کے بوجھ کے برابر ہوگا اور ایک بکری کا دودھ پوری جماعت کو سیراب کر دے گا۔

یہ برکت اس لیے ہوگی کہ زمین گناہوں سے پاک ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اِن برکتوں کے آثار نمایاں ہوں گے جو گناہوں کی وجہ سے سلب کر لی گئی تھیں۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ وہ عقوبتیں اور سزائیں کہ اگلی امتوں پر نازل ہوئی تھیں، ان کے اثرات آج بھی زمین پر موجود ہیں۔ اسی قسم کے گناہ ان اثرات کو باقی رکھتے ہیں، جس طرح یہ معاصی اور گناہ اگلی سزایافتہ امتوں

کے آ ثارِ معاصی ہیں، ان کی سزاؤں کے آ ثار بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور عالمِ کون و فساد اور اس کے فیصلے سے یہ بات اولاً اور آ خراً متناسب ہے کہ گناہ جس قسم کا ہوتا ہے، سزا اسی قسم کی ہوتی ہے۔ بڑے گناہ کی بڑی سزا اور چھوٹے گناہ کی چھوٹی۔ اسی طریقے پر اللہ تعالیٰ عالمِ برزخ میں لوگوں کے فیصلے کرے گا اور دار الجزاء میں بھی۔

غور کیجیے کہ شیطان سے رشتہ جوڑنے اور بندوں پر اس کے مسلط ہونے سے عمر، عمل، قول وفعل، روزی اور رزق کی برکتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ زمین پر شیطان کی اتباع و پیروی عام ہو جائے تو ساری زمین سے برکتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ آ خرت میں بھی تو یہی ہونا چاہیے، چنانچہ اربابِ معاصی کے لیے آ خرت میں کوئی سکون و اطمینان کا ٹھکانہ نہ ہوگا۔ جہنم کے اندر راحت، رحمت و برکت اور سکون واطمینان کا نام تک نہ ہوگا۔



فصل ۲۷

غیرتِ محمودہ اور غیرتِ مذمومہ

معاصی کی ایک سزا یہ ہے کہ انسان کے دل سے وہ غیرت فنا ہو جاتی ہے جس سے قلب کی حیات و اصلاح وابستہ ہے۔ قلب کی زندگی کے لیے غیرت وہی حکم رکھتی ہے جو جسم کی زندگی کے لیے حرارت غریزیہ۔ جسم بغیر حرارت غریزیہ کے جس طرح زندہ نہیں رہ سکتا، قلب بغیر غیرت کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ غیرت کی حرارت ہی قلب کی خباثت اور ناپاکی، مذموم صفات، ذلیل و خسیس اوصاف کو جلاتی ہے۔ آگ کی بھٹی سونے، چاندی اور لوہے کا زنگ ختم کر دیتی ہے۔ دنیا میں اسی طرح سب سے زیادہ شریف، بلند رتبہ، بلند حوصلہ، بلند مرتبہ، عالی قدر اور عالی ہمت شخص اپنے خواص اور بندگانِ خدا کے لیے انتہا درجے کی غیرت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حق میں ساری دنیا سے زیادہ غیور تھے اور اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ غیور، جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أتعجبون من غيرة سعد؟ لأنا أغير منه. والله أغير مني (۱)(صحيح

---

(۱) حضرت سعدؓ بن عبادہ سے لوگوں نے ایک دن کہا۔ یا ابا ثابت! اب تو اللہ تعالیٰ نے حدود کا حکم فرما دیا، مگر یہ تو بتاؤ کہ اگر تم اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ حرام کاری کرتے دیکھو تو کیا کرو گے؟ حضرت سعدؓ نے جواب دیا میں تو اسی وقت دونوں کو قتل کر دوں گا۔ کیا میں اس حالت میں دیکھ کر چار گواہ تلاش کرنے کو نکلوں گا؟ اتنی دیر میں تو وہ اپنا کام کر کے چلتا بنے گا۔ حضرت کا یہ قصہ صحابہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا تو آپؐ نے وہ کلمات فرمائے جو صحیح بخاری میں مروی ہیں۔

بخاری: توحید)

کیا سعدؓ بن عبادہ کی غیرت پر تمہیں تعجب ہو رہا ہے۔ یقین کرو میں ان سے زیادہ غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔

اور صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سورج گرہن کے موقع پر فرمایا:

یاأمة محمد ما أحد أغیر من اللّٰہ أن یزنی عبدہ أوتزنی أمته (صحیح بخاری: کسوف)

اے امت محمد! اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیور نہیں کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے۔

نیز مروی ہے:

لا أحد أغیر من اللّٰہ. من أجل ذالک حرم الفواحش ماظھر منھا وما بطن. ولا أحد أحب الیه العذر من اللّٰہ. من أجل ذالک أرسل الرسل مبشرین و منذرین. وما أحد أحب الیه المدح من اللّٰہ. من أجل ذالک أثنی علی نفسه. (صحیح بخاری: توحید)

اللہ سے زیادہ کوئی غیور نہیں، اور اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور باطنی فواحش کو حرام قرار دیا ہے اور اللہ سے زیادہ کوئی معذرت کو پسند کرنے والا نہیں، اسی لیے اس نے اپنے پیغمبروں کو جنت کی بشارت اور دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور اللہ سے زیادہ مدح وتعریف کا پسند کرنے والا کوئی نہیں، اسی لیے اس نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

اس حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیرت کو جس کی اصل قبائح، ذمائم اور جرائم سے کراہت وبغض ہے، اور معذرت کو جس کی اصل کمالِ عدل، کمالِ رحمت اور کمالِ احسان ہے، ایک جگہ جمع فرما دیا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ انتہا درجے کا غیور ہے، لیکن پھر وہ اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں معذرت خواہ ہو کر آئے اور وہ اس کی معذرت قبول فرمائے، نیز جن امور سے غیرت وحمیت بھڑک اٹھتی ہے، ان کے ارتکاب پر اللہ فوراً مواخذہ اور بازپرس نہیں کرتا

تا کہ بندہ اس کی بارگاہ میں معذرت پیش کرے۔ اسی غرض سے اس نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور بندوں کی طرف اپنی کتابیں بھیجیں تا کہ پیغمبر انہیں بارگاہ خداوندی میں معذرت خواہی اور اس سے ڈرنے کی تلقین فرمائیں۔ یہ انعام واحسان اللہ کی انتہائی عظمت وجلالت اور غایت درجے کے احسان وکمال کی دلیل ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ بافراط غیرت کے حامل افراد شدت غیرت سے بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں اور فوراً عقوبت وسزا کا ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ ملزم کو نہ معذرت کا موقع دیتے ہیں، اور نہ اس کی معذرت ہی قبول کرتے ہیں۔ بسا اوقات بات فی الواقع معذرت کی ہوتی ہے، نفس الامر میں وہاں جرم نہیں پایا جاتا اور بات عذر پذیری کی ہوتی ہے، لیکن شدت غیرت کی وجہ سے عذر قطعاً قبول نہیں کیا جاتا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اندر غیرت کا مادہ ہی سرے سے کم ہوتا ہے، اور وہ معذرت قبول کرنے اور عذر پذیری ہی کو بہترین کام سمجھتے ہیں، تا آنکہ اس قسم کے لوگوں کے یہاں معذرتوں اور عذر پذیرائیوں کی راہیں بہت وسیع اور کشادہ ہو جاتی ہیں۔ ان امور کو بھی عذر سمجھا جاتا ہے جو فی الواقع عذر نہیں ہوا کرتے، اور بے شمار انسانوں کو بلا عذر خواہی کے معذور قرار دے کر درگزر کر دیتے ہیں۔ بات بالکل واضح ہے کہ غیرت اور معذرت علی الاطلاق پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ قابل تعریف وستائش یہ ہے کہ ہر دو اپنے اپنے درجے اور مرتبے میں نمایاں ہوں۔ افراط وتفریط کسی طرح بھی قابلِ ستائش نہیں ہے، چنانچہ حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أن من الغيرة ما يحبها الله ومنها ما يبغضها الله. فالتي يبغضها الله الغيرة من غير ريبة (مسند احمد بن حنبل ۵: ۴۴۶)

غیرت کی بعض صورتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور بعض ناپسند۔ ناپسندیدہ غیرت وہ ہے جو خواہ مخواہ شک وشبہ کی بنا پر کی جائے۔

حقیقت میں قابل ستائش یہ ہے کہ غیرت اور معذرت پذیری دونوں ہم دوش وہم رکاب رہیں۔ غیرت کی جگہ غیرت سے کام لیا جائے اور عذر پذیری کی جگہ عذر پذیری سے۔ ہر وہ شخص جو ان دونوں کے مواقع اور ان کی رعایت کو اچھی طرح سمجھے، مدح وثناء اور تعریف وستائش کا زیادہ

مستحق ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ میں تمام صفاتِ کمالیہ چونکہ بدرجۂ اتم موجود ومجتمع ہیں، اس لیے وہ سب سے زیادہ مستحقِ مدح وستائش ہے۔ وہ اس مدح کا مستحق وسزاوار ہے جو اس نے خود اپنے لیے کی ہے، اور جس مدح وستائش کا وہ مستحق ہے، کوئی دوسرا اتنی مدح وستائش نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی غیور بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں سے کسی ایک صفت میں بھی اس کی موافقت کرلے تو یہ اس کی قیادت ورہبری کرتی ہے اور اس کی باگ پکڑ کر اسے بارگاہِ رب العالمین میں پہنچادیتی ہے۔ پروردگار کی رحمت کے قریب لاکر اسے کھڑا کردیتی ہے اور بالآخر اسے اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ بنادیتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ رحیم ہے اور رحم کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، کریم ہے اور کرم کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، علیم ہے علماء کو محبوب رکھتا ہے، قوی ہے اور قوی الایمان مومن کو محبوب رکھتا ہے۔ ضعیف الایمان مومن کے مقابلے میں قوی الایمان مومن اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ حیّ ہے، اہل حیا کو زیادہ محبوب رکھتا ہے، جمیل ہے اہل جمال کو محبوب رکھتا ہے، وتر یعنی طاق ہے، ارباب وتر وطاق کو زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

گناہ کا، اگر کوئی دوسرا اثر نہ بھی ہو تو صرف یہی بہت بڑی سزا ہے کہ گنہ گار انسان ان مقدس اور پاکیزہ صفات کی اضداد سے متصف ہوجاتا ہے، اور یہ اضداد اسے ان مقدس صفات سے متصف ہونے سے روک دیتی ہیں، کیونکہ قلب میں موجود خطرہ بالآخر وسوسے کی شکل اختیار کرلیتا ہے، اور ارادہ عمل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ چیز ایک صفت لازمہ وثابتہ اور ہیئت راسخہ بن کر رہ جاتی ہے اور جب نوبت اس درجے تک پہنچ جاتی ہے تو بندے کے لیے اس سے رستگاری اور نجات مشکل ہوجاتی ہے، جس طرح کہ طبعی صفات کو ترک کرنا مشکل اور متعذر ہو جاتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ انسان میں جس قدر گناہوں کی شدت اور کثرت ہوتی چلی جائے گی، اسی قدر اس کے قلب سے غیرت وحمیت کا جوہر کم ہوتا چلا جائے گا۔ پھر اسے اپنے حق میں غیرت آئے گی، نہ اپنے اہل وعیال کے حق میں اور نہ عام لوگوں کے حق میں، غیرت کا مادہ یکسر ختم ہو جائے گا۔ وہ کسی قباحت وگناہ کو قباحت وگناہ ہی نہیں سمجھے گا۔ انسان جب اس درجے تک پہنچ جاتا

ہے تو سمجھ لیجیے کہ وہ ہلاکت وتباہی کے دروازے میں داخل ہوگیا ہے۔اس قسم کے لوگوں میں اکثر کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ کسی قباحت و گناہ کو قباحت و گناہ ہی نہیں سمجھتے، بلکہ گناہوں اور ظلم و جور، فسق و فجور کو ایک پسندیدہ مشغلہ بنالیتے ہیں۔ دوسروں کو بھی ظلم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ظلم کو مستحسن کام بنا کر لوگوں کو اس پر آمادہ اور برانگیختہ کرتے، اور ظالموں کی امداد کرتے ہیں۔یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے دیوث کو خبیث ترین مخلوق کہا گیا ہے۔غور کیجیے کہ غیرت کی کمی نے دیوث کو کس درجے تک پہنچادیا۔اس سے معلوم ہو جائے گا کہ غیرت اصل دین ہے، جس کے اندر غیرت نہیں، اس کے اندر دین نہیں۔ غیرت قلب میں حرارت اور گرمی پیدا کرتی ہے۔قلب گرم ہو جائے تو سارے جسم میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور اسی حرارت و گرمی کے زور سے وہ برائیوں اور فسق و فجور کی مدافعت کرتا ہے۔ غیرت نہیں ہوتی تو قلب مرجاتا ہے، اور قلب مرجائے تو جسم اور اعضاء بھی مر جاتے ہیں اور پھر اس میں جرائم کی مدافعت کی طاقت ہی باقی نہیں رہتی۔قلب کے اندر غیرت کا ہونا ایسا ہی ہے جیسا انسان کے اندر امراض کی مدافعت کے لیے قوت کا ہونا، کہ اس قوت کی وجہ سے وہ ہمیشہ مرض کی مدافعت اور مقابلہ کرتا رہتا ہے۔قوت جب ختم ہو جاتی ہے تو مرض پوری شدت سے اس پر قابو پالیتا ہے، اور آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ مرض اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ غیرت انسان کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو بھینس اور بیل وغیرہ کے نزدیک سینگ کا درجہ ہے۔ان ہی سینگوں کے زور سے وہ اپنی اور اپنے بچوں کی دشمن سے حفاظت کرتے ہیں۔اگر سینگ ٹوٹ جائیں تو پھر ہر دشمن ان پر حملہ آور ہونے لگتا ہے۔



فصل ۲۸

حیا: قلب کا جوہر حیات

معاصی کی سزاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ حیا جو قلب کا اصلی جوہرِ حیات ہے، فنا ہو جاتی ہے۔ ہر خیر و فلاح کی اصل جڑ حیا ہی ہے۔ یہی فنا ہو جائے تو خیر و فلاح کی امید ہی نہیں قائم کی جا سکتی۔ صحیح بخاری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

الحیاء خیر کله (صحیح بخاری: ایمان)

حیا سراسر خیر و بھلائی ہے۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان مما أدرک الناس من کلام النبوة الاولی اذا لم تستح فاصنع ماشئت (صحیح بخاری: انبیاء)

لوگوں نے پچھلی نبوت کے کلام میں سے جو کچھ پایا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حیا نہ کرو، تو پھر جو جی چاہے کر گزرو۔

اس کلام کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ اولاً یہ وعید کے طور پر کہا گیا ہے کہ تم نے شرم و حیاء چھوڑ دی تو پھر جو چاہو کرو، برائیاں بھی جو چاہو کر گزرو، کیونکہ برائیوں سے باز رکھنے والی چیز صرف شرم و حیاء ہی ہے۔ یہی جب ختم ہو گئی تو پھر کون سی چیز برائیوں سے انسان کو روک سکتی ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابوعبیدؒ نے کی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں اللہ تعالیٰ سے حیا دامن گیر نہ ہو سکے، وہ تم کر سکتے ہو، کیونکہ جس کام میں اس سے حیا دامن گیر ہو وہ قابل ترک ہے۔ یہ تفسیر بروایت ابن

ہانیؒ ،امام احمدؒ نے کی ہے۔

پہلی تفسیر کی رو سے یہ کلام وعید،تہدید اور تنبیہ ہے،جیسا کہ سورۃ **حم سجدہ** میں ہے:

اعملوا ماشئتم (حٰمٓ السّجدہ ۴۱: ۴۰)

جو چاہو سو کرو (اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے)۔

دوسری تفسیر کی رو سے یہ کلام ایک قسم کی رخصت واباحت ہے،یعنی جس کام میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے حیا دامن گیر نہ ہو،اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس کلام کو ہر دو معنی پر ایک ساتھ محمول کر سکتے ہیں؟ تو میرے خیال میں ہرگز نہیں۔اس شخص کے قول کے مطابق کہ لفظ مشترک اپنے تمام معانی پر مستعمل ہے، یہ کلام اپنے ہر دو معانی پر محمول نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایک معنی کی رو سے یہ ایک وعید،تہدید اور تنبیہ ہے، اور دوسرے معنی کی رو سے اباحت ورخصت۔اور ظاہر ہے کہ وعید وتہدید اور اباحت ورخصت میں منافات ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک معنی کا اعتبار کیا جائے تو دوسرے معنی کا اعتبار بھی لازم و ضروری ہے۔

مقصود یہ ہے کہ گناہوں سے جوہر حیا نہ صرف ضعیف وکمزور ہو جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات ختم ہو جاتا ہے،تا آنکہ گنہ گار اس قدر بے حیا اور بے شرم بن جاتا ہے کہ لوگوں کے دیکھنے، سننے سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔لوگ جب اس کے برے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس کی برائیوں اور اعمال بد کے برے نتائج سے آگاہی حاصل کرتے ہیں تو بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس لیے کہ حیا کا اصل جوہر اس میں بالکل فنا ہو جاتا ہے،کسی انسان کی حالت اس درجے تک پہنچ جائے تو پھر اس کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ایسے شخص کی حالت ابلیس دیکھتا ہے،تو بہت خوش ہوتا ہے،اسے شاباش دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے فلاح وخیر سے محروم! میں تجھ پر قربان، تو میرا سچا رفیق ہے۔

لفظ حیا،''حیات'' سے مشتق ہے۔برسات کو حیات کہا جاتا ہے، کیونکہ زمین کی روئیدگی، درختوں، کھیتوں، گھاس اور ہر جاندار کی زندگی اس سے وابستہ ہے۔اسی طرح ''حیا'' کو بھی دنیا اور

آخرت کی حیات یعنی برسات کہا گیا ہے۔جس آدمی کے اندر حیاء نہ ہو، وہ ایک مردہ انسان ہے۔ ایسا انسان آخرت میں سب سے بڑا شقی و بد بخت ہوگا، گناہ اور بے حیائی میں، گناہ اور بے غیرتی میں باہم تلازم ہے۔ بے حیائی اور بے غیرتی جہاں پائی جائے، گناہ ضرور پائے جائیں گے، مگر جب آدمی اللہ تعالیٰ سے حیاء وشرم کرتا ہے اور گناہوں سے احتراز تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اسے سزا دینے میں شرم وحیاء برتے گا، اور جو اس سے شرم وحیا نہ رکھے اور گناہ کرے تو اللہ بھی قیامت کے دن سزا دینے میں کسی قسم کی حیا نہیں برتے گا۔



فصل ۲۹

عزت وذلت اللہ کے اختیار میں ہے۔

گناہوں کی سزا کے طور پر انسان کے دل میں پروردگار عالم کی عظمت وجلالت کم ہو جاتی ہے۔ ایسی عظمت وجلالت اور وقار وہیبت جو اس کے دل میں ہونی چاہیے، قطعاً باقی نہیں رہتی۔ قلب میں اگر اس کی عظمت وہیبت موجود ہو تو وہ کبھی عصیان ونافرمانی کی جرأت نہ کرے۔

بسا اوقات بعض فریب خوردہ انسان اللہ کی بارگاہ سے بڑی امیدیں رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے عفو وکرم کی فراوانی ہم سے گناہ سرزد کراتی ہے۔ اس کی عظمت وجلالت ہمارے قلوب میں بے پایاں موجود ہے، ذرا بھی کم نہیں ہوتی، لیکن یہ بات ان کے نفس کا ایک خطرناک مغالطہ اور دھوکہ ہے، کیونکہ گناہ کرنے والے بندوں کے قلوب میں اگر اس کی عظمت وجلالت اور اس کی محرمات کی اہمیت ہوتی تو وہ گناہ کا ارتکاب ہی کیوں کرتے؟ اس کی عظمت وجلالت، اس کے محرمات کی اہمیت کا احساس بندوں اور گناہوں کے درمیان ایک زبردست دیوار ہے۔ یہ دیوار بندوں کو گناہوں سے روکتی ہے۔ گنہ گار درحقیقت حق تعالیٰ اور اس کے اوامر ونواہی کی کوئی قدر وعظمت ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ اللہ کی قدر ہی کیا کر سکتے ہیں اور ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ ایک محال سے محال اور ناممکن سے ناممکن امید ہے۔

عاصی ونافرمان بندوں کے حق میں صرف اتنی سزا بہت کافی ہے کہ ان کے قلوب سے اللہ جل جلالہ کی قدر وعظمت ختم ہو جائے اور اس کے محرمات کی اہمیت باقی نہ رہے۔ کسی بندے کو یہ سزا دی جاتی ہے، اور پھر اس سزا سے ایک دوسری سزا تجویز کی جاتی ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ اس کی عظمت وہیبت نکال دیتا ہے۔ جس طرح بندہ احکامِ الٰہی کو بے وقعت بنا دیتا ہے، اسی

طرح وہ خود بھی لوگوں کی نظروں میں ذلیل و بے وقعت بنا دیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے کے دل میں جس قدر اللہ کی محبت راسخ ہوگی، اسی قدر لوگ اس سے محبت کریں گے۔ اس میں جس قدر اللہ کا خوف ہوگا، لوگ اس سے ڈریں گے۔ وہ محرمات الٰہی کی جتنی عظمت و تعظیم کرے گا، لوگوں میں اس کی عظمت و تعظیم ہوگی۔ حقوق اللہ کی بے قدری کرنے کے بعد یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اللہ لوگوں کی نظروں میں اسے بے قدر اور ذلیل نہ کرے۔ کیا معاصی و گناہ کو بے قدر و بے وقعت سمجھنے کے بعد ممکن ہے کہ مخلوق اسے بے قدر و بے وقعت نہ سمجھے؟ خدائے قدوس نے قرآن حکیم میں جہاں معاصی کا تذکرہ کیا ہے، وہاں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اربابِ معاصی کے قلوب پر ان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے پردے ڈال دیے گئے، گناہوں کی وجہ سے ان کے قلوب پر مہریں لگا دی گئیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بھلا دیا جس طرح انہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ انہیں اس نے ایسا ذلیل ورسوا کر دیا جیسا انہوں نے اس کے دین کو ذلیل ورسوا کیا۔ انہیں اسی طرح تباہ و برباد کیا جس طرح لوگوں نے اس کے احکام واوامر کو تباہ و برباد کر دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل وخوار کرے، اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

و من يهن الله فماله من مكرم (الحج ٢٢: ١٨)

اور اللہ جسے ذلیل کرتا ہے تو اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

لوگ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے کے حکم کی بے قدری اور بے وقعتی کریں اور سجدہ سے جان چرائیں تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں ذلیل کر دیتا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے، اس کا اکرام واحترام کون کر سکتا ہے؟ اور جسے وہ قدر وعظمت دے، اسے کون ذلیل کر سکتا ہے؟



فصل ۳۰

معاصی کی سخت ترین سزا

معاصی کی ایک اور سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہ گار بندے کو بھلا دیتا ہے اور اسے اسی کے نفس اور شیطان کے حوالے کر دیتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو بندہ ہلاکت کے عمیق غار میں جا گرتا ہے اور اس کی نجات کی کوئی امید ہی نہیں رہتی۔ ارشاد ہوتا ہے:

یاأیها الذین آمنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد. واتقوا اللّٰه إن اللّٰه خبیر بما تعملون. ولاتکونوا کالذین نسوا اللّٰه فأنساهم أنفسهم اولئک هم الفاسقون (الحشر ۵۹:۱۸-۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کل قیامت کے لیے اس نے کیا عمل کر کے رکھا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی پوری خبر ہے اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کی ایسی مت ماری کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے۔ یہی لوگ تو بڑے نافرمان ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ تقویٰ و پرہیز گاری کا حکم فرماتا ہے اور مومنوں کو ان بندوں کی مشابہت سے روکتا ہے جو تقویٰ کی راہ سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ اگلے لوگوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جو تقویٰ کی راہ چھوڑ بیٹھے تھے اور اپنے مصالح کو، عذاب سے نجات دینے والے دائمی حیات بخش امور، کمالِ لذت و سرور اور کمالِ انعام کی موجب چیزوں کو بھلا بیٹھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ یہ لوگ عظمتِ الٰہی، خوفِ خداوندی اور احکامِ ربانی کو فراموش کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سزا دی۔ عاصی و نافرمان بندہ جب اپنی

بھلائی کوفراموش کردے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے ذکر سے اس کے قلب کو غافل و بے خبر کر دیتا ہے اور بندہ ہوائے نفسانی کا پیرو بن جاتا ہے۔ خود بندہ اپنی بھلائی کو برباد کرنے میں اعتدال کی حدود کو توڑ کر افراط و تفریط کی دلدل میں پھنس جائے تو لازمی طور پر اس کی ساری دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اس افراط و تفریط کی نذر ہو جاتی ہیں، حالانکہ دنیا کی لذتیں اور مسرتیں اس قدر بے وقعت ہیں کہ ان کی حیثیت موسم گرما کے بادلوں یا وہم و خیال کے انباروں سے زیادہ نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

احلام نوم او کظل زائل　　ان اللبیب بمثلها لا یخدع

خواب کی باتیں ہیں یا چلتی پھرتی چھاؤں۔ عقل مند انسان کو ایسے امور سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

سخت ترین سزا یہ ہے کہ بندہ خود اپنی جان کو بھلا دے اور اپنے اس حصے کو ٹھکرا دے جو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرنے والا ہو، اپنے اس حصے کو وہ کھوٹے داموں اور رذیل و ذلیل امور کے عوض فروخت کر دیتا ہے اور ایسی چیز کو ضائع کر دیتا ہے جس کے عوض کوئی دوسری چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ایسی چیز کے عوض ضائع اور برباد کر دیتا ہے جس سے انسان بالکل مستغنی ہے، جو اس کے معاوضے کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔ کسی شاعر کا قول ہے:

من کل شیئ اذا ضیعته عوض　　ولیس فی اللہ ان ضیعته من عوض

ہر چیز کا، اگر تم اسے ضائع کر دو، عوض ممکن ہے، لیکن اللہ کو چھوڑ دو، اس کا عوض ممکن نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے مستغنی ہے، مگر کوئی اس سے مستغنی نہیں۔ ہر شے سے وہ بندے کو محروم کر سکتا ہے۔ بندے کو کوئی شے اللہ سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔ ہر چیز کو اس کی جناب میں پناہ حاصل ہے۔ کوئی چیز بندے کو اللہ سے پناہ نہیں دے سکتی۔ جس اللہ کی شان یہ ہو اس سے بندہ ایک لمحے کے لیے بھی کیوں مستغنی ہو سکتا ہے؟ بندہ اگر بندہ ہے تو اس کے ذکر سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا، اس کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں خود بندے ہی کا نقصان ہے۔ اس طرح بندہ خود اپنی جان کو بھلا دیتا ہے اور اپنے آپ کو سخت ترین خسارے میں

ڈال دیتا ہے۔ اپنی جان پر سخت سے سخت ظلم کرتا ہے۔ پروردگار تو اپنے کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ خود بندہ ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ پروردگار عالم نے اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کیا، بلکہ بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔



فصل ۳۱

توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

گناہوں کی ایک سزا یہ ہے کہ بندے کو اس کے گناہ دائرۂ احسان سے خارج اور محسنین کے اجر وثواب سے محروم بنا دیتے ہیں۔ بندے کے قلب میں جب احسان جاگزین ہو جائے تو وہ اسے معاصی سے روکتا ہے۔ ایسا بندہ عبادت اس طرح انجام دیتا ہے گویا اللہ اس کے سامنے موجود ہے۔ یہ حالت تب ہی ممکن ہے کہ بندے کے قلب میں ذکر الٰہی ہو، اس کی محبت ہو اور اللہ سے خوف کا اس پر غلبہ ہو، تاکہ وہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو بندے کو معاصی کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے، بلکہ ارتکابِ گناہ کے ارادے تک سے اسے دور لے جاتی ہے۔ کوئی بندہ جب دائرۂ احسان سے خارج ہو جائے تو اپنے رفقائے خصوصی اور اللہ کے کامل ترین بندوں کی رفاقت اور تائید سے محروم ہو جاتا ہے۔

باوجود اس کے اگر اللہ تعالیٰ اس قسم کے کسی بندے کے لیے بھلائی چاہتا ہے تو اسے عام مومنین، عام اہل ایمان کے دائرے میں برقرار رکھتا ہے، تاہم بندہ گناہوں سے احتراز نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بالآخر اسے عام اہل ایمان کے دائرے سے بھی خارج کر دیتا ہے، جیسا کہ حدیث نبویؐ میں آیا ہے:

لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولايشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن، ولايسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن، ولا ينهب نهبة ذات شرف يرفع اليه الناس فيها أبصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن (ابن ماجه : فتن)

زانی زنا کے وقت مومن نہیں رہتا، اور شرابی شراب نوشی کے وقت مومن نہیں رہتا اور چور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا اور لٹیرا ڈاکو جب ایسی چیز لوٹتا ہے جس پر لوگوں کی نگاہیں اٹھتی ہیں تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا۔

پس اے اللہ کے بندو! اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ، توبہ کرو کہ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔



فصل ۳۲

ایمان اور خیر وفلاح سے دوری

مومنین کی رفاقت سے محروم اور دائرۂ ایمان سے خارج بندہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ اہل ایمان کی بہترین مدافعت سے بھی محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جانب سے مدافعت کرتا ہے۔ بندہ اپنے آپ کو دائرۂ ایمان سے خارج کر چکا ہو تو خیر وفلاح سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ جن قیمتی خصوصیات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایمان سے وابستہ قرار دیا، وہ تقریباً ایک سو ہیں۔ ان میں سے ہر خصوصیت سے دنیا و مافیہا کی خیر وفلاح وابستہ ہے۔

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم سے نوازتا ہے۔ ارشاد ہے:

وسوف یؤت اللّٰہ المؤمنین اجراً عظیما (النسآء ۴: ۱۴۶)

اور اللہ ایمان والوں کو بڑے بڑے اجر دے گا۔

دنیا اور آخرت کے شر اور برائیوں سے اللہ انہیں بچاتا اور ان کی مدافعت کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

ان اللّٰہ یدافع عن الذین آمنوا (الحج ۲۲ : ۳۸)

اللہ ایمان والوں سے ان کے دشمنوں کے شر کو ہٹاتا رہتا ہے۔

عرش کو اٹھانے والے فرشتے ایمان والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

الذین یحملون العرش و من حولہ یسبحون بحمد ربھم و یؤمنون بہ و یستغفرون للذین آمنوا (المؤمن ۴۰: ۷)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش کے ارد گرد تعینات ہیں۔ اپنے پروردگار کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد وثناء کرتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان

والوں کے لیے مغفرت مانگا کرتے ہیں۔

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے، اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اللّٰہ ولی الذین آمنوا (البقرۃ ۲: ۲۵۷)

اللہ، ان لوگوں کا جو ایمان لائے ہیں، ولی و مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان والوں کو ہمیشہ ثابت قدم رکھیں اور ان کی امداد و اعانت کرتے رہیں۔ ارشاد ہے:

اذ یوحي ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنوا (الانفال ۸: ۱۲)

(اے پیغمبر) یہ وہ وقت تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عزت و توقیر عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وللّٰہ العزۃ ولرسولہ و للمؤمنین (المنٰفقون ۶۳: ۸)

اور عزت صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

و ان اللّٰہ مع المؤمنین (الانفال ۸: ۱۹)

اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

دنیا و آخرت میں ایمان والوں کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

یرفع اللّٰہ الذین آمنوا منکم و الذین أوتوا العلم درجات (المجادلۃ ۵۸: ۱۱)

تم لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم دیا گیا ہے، اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ دوہری رحمت عطا فرماتا ہے، اور ایسا نور عطا فرماتا ہے جس کی روشنی میں ایمان والے چلتے پھرتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ محبت عام کر دیتا ہے اور یہ اس طرح کہ وہ خود انہیں کو محبوب رکھتا ہے۔ اپنے فرشتوں میں اور پھر اپنے پیغمبروں اور صالح بندوں میں انہیں محبوب بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو شدید ترین خوف و ہراس کے وقت بھی امن و اطمینان عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فمن امن و أصلح فلا خوف عليهم و لاهم يحزنون (الانعام ۶: ۴۸)

جو ایمان لایا اور اس نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں پر نہ کسی طرح کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔

ایمان والے ان لوگوں میں شامل کر لیے جاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے انعامات کیے ہیں۔ جن کی راہ طلب کرنے کے لیے دن رات میں سترہ مرتبہ ہمیں حکم دیا گیا ہے(۱)۔

ایمان والوں کے لیے قرآن حکیم ہدایت اور شفا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قل هو للذين آمنوا هدى و شفاء والذين لايؤمنون فى آذانهم وقر وهو عليهم عمى اولئك ينادون من مكان بعيد (حٰم السجده ۴۱: ۴۴)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ جو ایمان رکھتے ہیں، ان کے لیے یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے، اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور یہ قرآن ان کے لیے نابینائی ہے۔ گویا وہ دور سے پکارے جا رہے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ ایمان ہر خیر و برکت کو جلب کرتا ہے اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کا سبب ہے۔ حقیقت جب یہ ہے تو پھر بندہ اس اہم ترین چیز کو معمولی اور بے قدر کیسے سمجھ سکتا ہے؟ اور وہ کام جو اسے دائرۂ ایمان سے خارج کر دے، اور بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جائے

---

(۱) شب و روز میں سترہ رکعت نماز فرض ہے۔ ان میں سے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے جس کے اندر **اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم** پڑھا جاتا ہے۔

اس کا ارتکاب وہ کیوں کر کر سکتا ہے؟ مومن اگرچہ دائرۂ ایمان سے خارج نہ ہو، لیکن گناہوں پر اگر بندہ اصرار ہی کرتا رہے تو خوف ہے کہ اس کا پورا قلب زنگ آلود ہو جائے اور بالآخر اس بندے کو اسلام سے خارج ہی کر دے۔ اعاذنا اللّٰہ من ھذا۔ اور یہی وہ مقامِ خوف ہے جس سے سلف صالحین ہمیشہ ڈرتے رہے اور بہت ہی زیادہ ڈرتے رہے، جیسا کہ بعض اسلاف کا قول ہے:

أنتم تخافون الذنوب. وأنا أخاف الكفر

تم گناہوں سے ڈرتے ہو، مگر میں تو کفر سے ڈرتا ہوں۔



فصل ۳۴

سیر الی اللہ میں رکاوٹیں

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ انسان کا قلب سیر الی اللہ میں پژمردہ، سلوکِ آخرت میں افتادہ پا، کاہل، ست اور پست ہمت ہو جاتا ہے، یا پھر فلاح ونجات کی راہ میں حجاب آ جاتے ہیں۔ معاصی اقدامِ سفر میں کاہلی اور سستی پیدا کر دیتے ہیں۔ گنہ گار کی ہمت اس قدر پست ہو جاتی ہے کہ اللہ کی طرف اس کا قدم اٹھنا ہی دشوار ہو جاتا ہے اور یہ بھی اس وقت، جب کہ معاصی اور گناہ اسے دوسری جانب نہ موڑ دیں۔ اس صورت میں گناہ منزل تک پہنچنے میں حجاب بن جاتے ہیں اور سیر الی اللہ میں رکاوٹیں ڈال دیتے ہیں، پھر طالب کو گمراہ کر کے دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ انسانی قلب کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی قوت وطاقت ہی کے بل پر اللہ کی طرف بڑھتا ہے، جب معاصی اور گناہ اسے بیمار کر دیتے ہیں تو قلب کمزور ہو جاتا ہے اور اس کی قوتِ اقدام اور طاقتِ سیر بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ قلب کی یہ قوت وطاقت بالکلیہ ختم ہو جائے تو سمجھ لیجیے کہ وہ اللہ سے بالکل ہی منقطع ہو گیا اور اس کا تدارک ناممکن ہو جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

پس معلوم ہوا کہ گناہ قلب کو مردہ یا پھر خطرناک مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں، یا قلب کی قوتوں کا ہونا لابدی اور ضروری ہے۔ قلب کی یہ کمزوری ان آٹھ صفات پر جا کر منتہی ہوتی ہے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگا کرتے تھے، اور وہ یہ ہیں:

اللّٰهم إنى أعوذبک من الهم والحزن والعجز والكسل والجبن والبخل وضلع الدين و غلبة الرجال (صحيح بخارى : جهاد)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، فکر اور غم سے، اور ناتوانی اور سستی سے، اور بزدلی اور

بخل سے، اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبے سے۔

ان آٹھ میں سے ہر دو دو چیزیں قریب المعنی ہیں۔ هم (غم، دکھ) اور حزن قریب المعنی ہیں۔ رنج وغم جو قلب پر وارد ہوتا ہے، مستقبل کی متوقع مصیبت سے متعلق ہے تو وہ هم ہے اور اگر ماضی کی وجہ سے ہے تو حزن۔ عجز و کسل قریب المعنی ہیں۔ بندہ بوجہ عدمِ قدرت کے اسبابِ خیر و فلاح سے محروم ہے تو یہ عجز ہے اور ارادے کی کمزوری کی وجہ سے محروم ہے تو یہ کسل ہے۔ جبن اور بخل قریب المعنی ہیں۔ اگر بندہ جسم و بدن اور قلب کی کاہلی کی وجہ سے انتفاع سے محروم ہے تو جبن ہے، اگر حبِ مال کی وجہ سے اس کے انتفاع سے محروم ہے تو بخل ہے۔ ضلع الدين اور قهر [غلبة] الرجال قریب المعنی ہیں۔ کسی حق کی بناء پر دوسرا اس پر غالب آ جائے تو یہ ضلع الدين ہے اور اگر باطل طریقے پر دوسرا اس پر غالب آ جائے تو وہ قهر [غلبة] الرجال ہے۔

مقصود یہ ہے کہ گناہ ان آٹھ چیزوں کے جلب کرنے کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں اور یہ ان چیزوں کو اسی طرح جلب کرتے ہیں جس طرح دوسری حدیث کی رو سے جهد البلاء ودرك الشقاء وسوء القضاء وشماتة الاعداء (صحیح بخاری: قدر) (بلاء کی سختی، بدبختی کی گرفت، فیصلے کے برے نتائج اور دشمنوں کی ہنسی) کو جلب کرتے ہیں۔ انعامات الٰہیہ اور خیر و عافیت کو اللہ کی لعنت و خفگی سے تبدیل کر دیتے ہیں، نیز یہ امور اللہ کی خفگی و ناراضگی کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں۔



فصل ۳۴

انعاماتِ الٰہیہ سے محرومی

گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ کے انعامات سے محروم ہو جاتا ہے اور اللہ کی ناراضی و خفگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کسی بندے سے جب کوئی نعمت سلب کر لی جاتی ہے، یا وہ کسی نکبت و عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کا سبب اس کی نافرمانی اور عصیان ہی ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

مانزل بلاء إلا بذنب ولا رفع بلاء إلا بتوبة

جو مصیبت نازل ہوتی ہے، گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور جو مصیبت رفع ہوتی ہے، توبہ کی وجہ سے رفع ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وماأصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفوا عن كثير (الشوریٰ ۴۲: ۳۰)

اور تم پر جو مصیبت پڑتی ہے خود تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پڑتی ہے اور بہت سی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

اور ارشاد ہے:

ذلک بأن اللّٰه لم يک مغيرا نعمة انعمها علی قوم حتیٰ يغيروا ما بانفسهم (الانفال ۸: ۵۳)

یہ اس وجہ سے کہ جو نعمت اللہ نے کسی قوم کو دی ہے جب تک وہ لوگ خود اپنے اندر تغیر نہ پیدا کر لیں، اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے کہ ان نعمتوں میں کوئی ردو بدل کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ وہ جس قوم یا جس شخص پر انعام فرماتا ہے اور اسے اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے، اسے اس وقت تک اس نعمت سے محروم نہیں فرماتا، جب تک وہ خود اپنے آپ کو محرومی کا حقدار اور مستحق نہ بنا لے۔ بندہ جب غلط راہ پر چل پڑتا ہے اور اللہ کی اطاعت وعبادت کی جگہ معصیت و گناہ اور شکر گزاری کی جگہ کفرانِ نعمت کرنے لگتا ہے، اسباب رضامندی کی جگہ اسبابِ خشم و ناراضی پیدا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے، اور اسے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسے بداعمالی کی سزا ٹھیک ٹھیک دی جاتی ہے، جیسا عمل ویسی سزا۔ وما ربک بظلام للعبید (تمہارا پروردگار بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے)۔ بندہ اگر طاعت وعبادت کو معصیت و گناہ سے تبدیل کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی خیر وعافیت کو عقوبت و عذاب سے اور عزت کو ذلت سے بدل دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إن اللّٰه لا يغير مابقوم حتىٰ يغيروا مابأنفسهم. وإذا أراداللّٰه بقوم سوء فلا مرد له ومالهم من دونه من وال (الرعد ۱۳: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک میں ہرگز کوئی تغیر وتبدل نہیں کرتا۔ جب تک وہ قوم خود اپنے اندر کوئی تغیر وتبدل نہ کر بیٹھے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حق میں برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، اور نہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی حمایتی مل سکتا ہے۔

بعض آثارِ الٰہیہ، یعنی احادیث قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وعزتي و جلالي لايكون عبد من عبيدى على ماأحب. ثم ينتقل عنه الى ما أكره إلا انتقلت له مما يحب إلى ما يكره ولا يكون عبد من عبيدى على ما أكره فينتقل عنه الا ماأحب إلا انتقلت له مما يكره إلى مايحب

قسم میری عزت وجلال کی جب میرا کوئی بندہ وہ کام کرتا ہے جو مجھے محبوب ہے اور پھر وہ اسے چھوڑ کر وہ کام کرنے لگتا ہے جو مجھے ناپسند ہے تو میں بھی اسے اس کی محبوب چیز سے محروم کر دیتا ہوں اور جو اسے مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، اس کی طرف منتقل کر دیتا ہوں، اور

جب میرا کوئی بندہ مکروہ اور ناپسندیدہ کام کرتا ہے، اور پھر وہ اسے ترک کر کے ایسا کام کرنے لگتا ہے جو مجھے محبوب ہے، تو میں اسے اس کی ناپسندیدہ چیز سے الگ کر کے اس کی محبوب و پسندیدہ چیز کی طرف لے جاتا ہوں۔

اور کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

إذا كنت في نعمة فارعها　　فان الذنوب تزيل النعم

جب تمہیں کوئی نعمت حاصل ہو تو اس کی رعایت کرو، کیونکہ گناہ نعمت کو زائل کر دیتے ہیں۔

وحطها بطاعة رب العباد　　فرب العباد سريع النقم

رب العباد کی طاعت سے گناہوں کو جھاڑ دو، کیونکہ رب العباد بہت جلد انتقام لیا کرتا ہے۔

وإياك والظلم مهما استطعت　　فظلم العباد شديد الوخم

جہاں تک ہو سکے بندوں پر ظلم کرنے سے بچو، کیونکہ ظلم کرنا بہت بھاری بوجھ ہے۔

وسافر بقلبك بين الورى　　لتبصر آثار من قد ظلم

اپنے قلب سے دنیا کا سفر کرو، تاکہ ظلم کرنے والوں کے آثار کا تمہیں پتہ چلے۔

فتلك مساكنهم بعدهم　　شهود عليهم لاتتهم

ظالموں کے یہ مکانات ان کے مرنے کے بعد ان کے خلاف شہادت دیتے ہیں اور نہ انہیں جھٹلا نہیں سکتے۔

وما كان شيىء عليهم أضر　　من الظلم وهو الذى قدقصم

ان کے حق میں ظلم سے زیادہ کوئی مضر چیز نہ تھی، اسی نے انہیں توڑ کر رکھ دیا۔

فكم تركوا من جنان ومن　　قصور و أخرى عليهم أطم

ان لوگوں نے کتنے ہی باغ اور کتنے ہی محل چھوڑے، اور خود ان پر ملبوں کے ڈھیر لگ گئے۔

صلوا بالجحيم وفات النعم　　وكان الذى نالهم كالحلم

لیکن مرنے کے بعد سیدھے جہنم رسید ہوئے اور ساری نعمتیں ختم ہو گئیں اور جو کچھ دنیا میں انہیں ملا تھا، خواب سا بن کر رہ گیا۔

فصل ۳۵

طاعت: عبادت کا ایک مضبوط قلعہ

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان بندے کے دل میں مرعوبیت اور خوف پیدا کر دیتا ہے۔ گنہ گار آدمی کو تم ہمیشہ مرعوب و خوف زدہ پاؤ گے، کیونکہ طاعت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دنیا اور آخرت کی عقوبتوں سے بندے کو محفوظ رکھتی ہے۔ طاعت، عبادت اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہی اللہ تعالیٰ کا ایک مضبوط قلعہ ہے، جو آدمی اس میں داخل ہو جائے گا، دنیا و آخرت کی تکالیف سے محفوظ ہو جائے گا۔ جو اس قلعے سے باہر نکلے گا، وہ خوف و ہراس اور مسائل و آلام کا شکار ہو جائے گا۔ جو بندہ طاعتِ الٰہی کو اپنا شیوہ بنا لے گا، ہمہ قسم کا خوف و ہراس اس کے لیے امن وسکون اور اطمینان و تسکین میں تبدیل ہو جائے گا۔ عاصی و نافرمان کا حال ہمیشہ تم ایسا پاؤ گے، گویا اس کا دل کسی پرندے کے پروں میں جوڑ دیا گیا ہے۔ دروازہ کھٹکا، سمجھا، شکاری آ گیا، قدم کی آہٹ سنی، سمجھا، عزرائیل آ گیا۔ کہیں سے کوئی آواز آئی، سمجھا، اسی کو کچھ کہا جا رہا ہے اور ہر نا گوار چیز گویا اس کی تلاش میں پھر رہی ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہر خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور جو اس سے نہیں ڈرتا، ہر چیز اسے ڈراتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا اچھی بات کہی ہے:

بـدأ قضاء الله بين الخلق مذ خلقوا　　أن المخاوف والاجرام في قرن

جب سے مخلوق پیدا ہوئی، اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ رہا کہ مخاوف اور جرائم ہمیشہ ہم قرین رہے۔

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ قلوب کے اندر خطرناک قسم کی وحشت پیدا کر دیتے ہیں۔ گنہ گار انسان ہمیشہ متوحش رہے گا۔ اپنی جان سے متوحش، پروردگار سے متوحش، اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے متوحش۔ جس قدر گناہ زیادہ کرے گا، اس کی وحشت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور یہ بالکل

واضح ہے کہ توحش وخوف کی زندگی تلخ ترین زندگی ہوا کرتی ہے اور بہترین زندگی وہ ہوتی ہے جو سکون و مانوسیت کی زندگی ہو۔ایک عقلمند انسان لذتِ گناہ اور وحشتِ گناہ کا موازنہ کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ گنہ گار کی حالت کس قدر خراب ہے، وہ کس قدر گھاٹے اور خسارے میں ہے۔ اور افسوس کرے گا کہ اس نے طاعت کی مانوسیت، طاعت کے امن وسکون اور طاعت کی حلاوت وشیرینی کو معصیت کی وحشت، اور معصیت کے خوف و ہراس کے عوض کیوں فروخت کر دیا ہے؟ کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

اذا كنت قد أوحشتك الذنوب   فدعها اذا شئت و استأنس

جب گناہ تجھے وحشت میں مبتلا کر دیں تو گناہ کو ترک کر دے اور مانوسیت حاصل کر لے۔

مسئلے کا اصل راز یہ ہے کہ طاعت وعبادت تقرب الٰہی کی موجب ہے، یہ تقرب جس قدر زیادہ ہوگا، مانوسیت، طمانیت اور سکون زیادہ ہوگا۔ گناہ پروردگار سے دور لے جاتے ہیں۔ جس قدر گناہ زیادہ ہوں گے، وحشت زیادہ ہوگی۔ مانوسیت و وحشت کا اصل راز یہی ہے۔ دشمن کتنا ہی قریب ہو، لیکن اس سے وحشت ہی ہوگی اور محبوب کتنا ہی دور رہے، مگر اس سے محبت اور انس ہی ہوگا۔

وحشت کا اصل سبب حجابِ قلب ہے۔ یہ حجاب جس قدر گہرا ہوگا، اسی قدر وحشت زیادہ ہوگی۔ وحشت کا موجب گو غفلت ہے، لیکن معصیت و گناہ کی وحشت غفلت کی وحشت سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور پھر معصیت کی وحشت سے زیادہ وحشتِ کفر ہے۔ اہل معاصی کو دیکھ لیجیے کہ جس درجے کے معاصی کے مرتکب ہوں گے، اسی قسم کی اور اسی درجے کی انہیں وحشت ہوگی۔ بڑے معاصی کی وحشت بڑی ہوگی اور چھوٹے کی چھوٹی۔ جس قدر معاصی بڑے ہوں گے، وحشت بڑی ہوگی، اور جس قدر زیادہ ہوں گے وحشت زیادہ ہوگی۔ پھر وحشت کا یہ حال ہو جائے گا کہ گنہ گار کا قلب وحشتوں سے لبریز ہو جائے گا، اس کے چہرے سے وحشت برسنے لگے گی، اور ساری مخلوق سے وہ متوحش اور مخلوق اس سے متوحش ہو جائے گی۔



فصل ۳۶

گناہوں سے اجتناب اور آخرت کی نعمتیں

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ قلب کی صحت وتندرستی بگڑ جاتی ہے اور وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اس کی بیماری رفتہ رفتہ لاعلاج ولا دوا ہو جاتی ہے، اور بالآخر کوئی دوا اور کوئی خوراک اسے نفع نہیں دیتی۔ بیماریاں جس طرح جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں، گناہ قلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ قلوب کے حق میں گناہ ایسی خطرناک بیماری ہے جس کی کوئی دوا ہی نہیں ہے۔ اس کی دوا اور اس کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ انسان گناہ کرنا چھوڑ دے۔

اربابِ سیر وسلوک کا اس پر اتفاق ہے کہ قلب اپنے مقصد میں صرف اسی وقت کامیاب ہوتا ہے، جب وہ اپنے مولیٰ کو پا جائے اور اسے تقرب حاصل ہو جائے۔ یہ تقرب اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب قلب صحیح وسالم ہو۔ قلب اسی وقت صحیح وسالم ہوتا ہے جب بیماری دور ہو جائے۔ بیماری دور ہوگی تو صحت یقینی ہے، اور یہ تب ممکن ہے جب نفسانی خواہشوں کی پیروی چھوڑ دی جائے، کیونکہ قلب کی بیماری یہی خواہشات ہیں۔ خواہشات کی خلاف ورزی قلب کی اصل شفاء اور تندرستی ہے، لیکن اگر مرض مزمن ہو گیا تو پھر مریض موت کا لقمہ بن جائے گا، یا قریب الموت ہو کر رہ جائے گا۔ خواہشات سے کنارہ کشی کرنے والے کے لیے تو مرنے کے بعد جنت ہی ٹھکانہ ہے، لیکن اس کے قالب کو دنیا ہی میں جنت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو لذت وسرور کی زندگی اسے حاصل ہوتی ہے، بڑی بڑی نعمتوں اور ثروتوں کے مالکوں کو بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی اور دنیاداروں کی لذتوں اور مسرتوں میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے، جتنا دنیا وآخرت کی لذتوں اور مسرتوں میں ہے۔ اس حقیقت کی تصدیق ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس نے ان لذتوں کا تجربہ کیا ہو۔ قرآن حکیم میں ہے:

إن الأبرار لفی نعیم و إن الفجار لفی جحیم (الانفطار ۸۲: ۱۴)

بے شک نیکوکار لوگ مزے میں ہوں گے اور بے شک بدکردار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔

اسے انسان صرف آخرت کی نعمت اور آخرت ہی کی جہنم میں محصور نہ سمجھے، بلکہ یہ انسان کے ہر دور اور ہر سہ مقامات .... مقامِ دنیا، مقام آخرت، مقام برزخ .... کے لیے وارد ہے۔ یہ ان ہر سہ مقامات پر مشتمل ہے۔ ان تینوں مقامات میں ابرار نعیم میں ہوں گے اور فجار جہنم میں۔ نعیم و سرور تو در حقیقت وہی ہے جو قلب کو حاصل ہو اور عذاب بھی وہی ہے جو قلب کو محسوس ہو۔ ظاہر ہے کہ خوف و ہراس، حزن و ملال، ضیق صدر، اعراض عن اللہ اور تعلق غیر اللہ اور اللہ سے کٹ جانے سے زیادہ کون سا عذاب ہو سکتا ہے؟ یہ ضروری ہے کہ ان میں سے ہر وادی ایک جداگانہ شعبہ رکھتی ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز سے تعلق اور رشتہ جوڑتا ہے، جس سے بھی محبت و الفت کا رشتہ قائم کرتا ہے، اس سے اس کو تکلیف پہنچنا لازمی ہے۔ جو آدمی اللہ کے سوا دوسری چیز سے محبت کرتا ہے، اسے تین مرتبہ عذاب و تکلیف لازمی ہے۔ سب سے پہلے تحصیل کی تکلیف، تحصیل کے بعد اس کے سلب اور فوت کے خوف کی تکلیف، اور وہ تکلیف مزید جو اس کے تحصیل تحفظ میں ہے اور مخالف اسباب کے مقابلے اور توڑ میں ہوتی ہے، اور طرح طرح کی مشقتوں کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ تیسری مرتبہ وہ عذاب ہے جب اللہ تعالیٰ اس چیز کو اس سے سلب کر لیتا ہے۔ یہ تین قسم کا عذاب تو اسے اس دنیا ہی میں ملتا ہے۔

عالم برزخ میں بھی تین ہی قسم کا عذاب اور تکلیف ہوتی ہے۔ ''الم فراق'' کہ اب دوبارہ اسے وہ چیز نہیں مل سکتی۔ ''فوتِ نعیم عظیم'' یعنی مسرت عظمیہ کے فوت کا الم و رنج اور تکلیف کہ دنیا میں وہ ایسے کام کرتا رہا ہے جو اس نعیم عظیم کے سراسر خلاف تھے اور جس نعمت و سرور کے لیے اس نے خلاف ورزی کی تھی، اب وہ بھی فوت ہو گئی ہے۔

دوسرا ''الم حجاب'' اور ''الم حسرت'' کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک زبردست حجاب حائل ہو جاتا ہے اور ایسا حجاب جس کے تصور سے بھی دل کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ غم و ہم، حسرت و حزن، رنج و الم ان لوگوں کے اندر وہ کام کرتے ہیں جو جسم انسانی کے اندر جراثیم اور

کیڑے کیا کرتے ہیں۔ جسم کے جراثیم کے کام کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے، لیکن ان ہموم وغموم کا کام تو ہمیشہ کے لیے جاری رہتا ہے، تا آنکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

تیسرا ''الِمِ عذاب'' قیامت کے دن کا عذاب ہے، جب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ اس دن کا عذاب اللہ کی پناہ! بڑا ہی سخت، بڑا ہی خطرناک اور بڑا ہی دردناک ہوگا۔ بھلا کہاں یہ عذاب اور کہاں وہ نعمتیں اور مسرتیں۔ پروردگار عالم سے انس اور اس سے محبت، اس کے دیدار کا اشتیاق، اس کے ذکر کی حلاوتیں اور لذتیں اور ان تمام برکتوں کو سامنے رکھ کر قلوب کی مسرتیں! اور یہ خوشیاں اور مسرتیں کیسی اور کس قسم کی ہوتی ہیں، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حالتِ نزع میں بعض مخصوص بندوں کی زبان سے مارے خوشی کے یہ نکل جاتا ہے واطـــربـــا (رب کی ملاقات، کس قدر مسرت آگیں ہے!)

اور بعض اللہ والوں کی زبان سے نزع کے وقت یہ کلمات نکل گئے کہ جو حالت اور کیفیت اس وقت ہے، اگر اہل جنت کو میسر آجائے تو ان کی عیش اور زندگی خوشگوار تر ہو جائے۔

بعض کی زبان سے یہ نکل گیا: ''یہ مساکین اہل دنیا، دنیا چھوڑ کر چلتے بنے، لیکن افسوس انہوں نے زندگی کی لذتیں نہیں چکھیں۔ افسوس وہ ان لذتوں سے محروم گئے جو ان کی لذتوں سے کہیں زیادہ قیمتی اور بہتر تھیں''۔

اللہ کے بعض بندے اس حالت میں یہ کہتے نظر آئے کہ ہمیں جو چیز میسر ہے، اگر بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کو معلوم ہو جائے تو وہ ہماری گردنیں اڑا دیں۔

بعض یہ کہہ اٹھے: ''دنیا میں بھی ایک جنت ہے اور جو شخص اس جنت میں داخل نہیں ہوا، وہ آخرت کی جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا''۔

اے وہ انسان کہ جس نے ایک قیمتی چیز کو کھوٹے سکوں کے عوض فروخت کر ڈالا۔ افسوس تو نے بڑے سے بڑا خسارہ اٹھایا، اور اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ تو اس خسارے کو سمجھ بھی نہ سکا۔ افسوس اگر تو اس متاعِ گراں بہا کی قیمت نہیں جانتا تھا تو تو نے ان لوگوں سے کیوں نہ پوچھ لیا جو اسے خوب جانتے پہچانتے اور سمجھتے تھے۔ یاللعجب! تیرے پاس جو متاع اور سامان تھا، اس کا

خریدار خود اللہ تعالیٰ تھا جس کی قیمت جنت الماویٰ کے چمن تھے، جس کے ہاتھ بیع و شراء، خرید و فروخت کا سودا ہو رہا تھا، اور جو اللہ کی جانب سے قیمت کی ذمہ داری لے رہا تھا، وہ خود سفیر الٰہی، رسولوں، پیغمبروں کے امام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ افسوس پھر بھی تو نے اپنا مال و اسباب کم اور گھٹیا داموں فروخت کر دیا۔ کیا ہی خوب کہا گیا:

إذا كان هذا فعل عبد بنفسه　　فمن ذاله من بعد ذالك يكرم

جب بندہ خود اپنی جان کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے تو پھر کون ہے جو ایسا کرنے کے بعد اس کی تکریم کرے گا۔

ومن يهن اللّٰه فماله من مكرم إن اللّٰه يفعل مايشاء (الحج ۲۲: ۱۸)

اور جسے اللہ ذلیل کرے، اُسے کوئی عزت دینے والا نہیں، اللہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔



فصل ۳۷

روزِ محشر: گناہوں کا اثر

گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گناہوں سے قلب کی بصارت اور نور رفنا ہو جاتا ہے۔ علم و ہدایت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ گناہ علم و ہدایت کی راہ میں حجاب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ نے جب امام شافعیؒ کے اندر غیر معمولی ذہانت اور علم و فضل کی صلاحیت دیکھی تو فرمایا:

إنی أری اللّٰه تعالیٰ قد ألقی علی قلبک نورا فلا تطفئه بظلمة المعصية

میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے قلب میں اللہ تعالیٰ نے نور ڈال دیا ہے، معصیت کی ظلمت سے تم اسے بجھا نہ دینا۔

گناہوں سے نورِ قلب مضمحل اور کمزور ہو جاتا ہے اور ظلمت و تاریکی قوی تر ہو جاتی ہے۔ مسلسل گناہوں کا سلسلہ جاری رہے تو دل اندھیری رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے اور اندھے کی طرح اندھیری رات میں بھٹکتا پھرتا ہے۔

اللہ اللہ! کجا یہ تقویٰ و پرہیز گاری کی عافیت و سلامتی؟ اور کجا یہ مشقتوں کی گراں باریاں؟

اور پھر گناہوں کی سیاہی قلب سے جسم اور اعضاء کی طرف آتی ہے اور جس قدر معاصی ہوتے ہیں، اسی قدر منہ اور چہرے کو سیاہ اور بے نور کر دیتے ہیں۔ پھر جب انسان مر کر عالمِ برزخ میں پہنچتا ہے تو اس کی قبر تاریک ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن هذه القبور ممتلئة علی اهلها ظلمة و إن اللّٰه ينورها بصلاتی عليهم

(صحیح مسلم : جنائز)

گنہ گاروں کے لیے یہ قبریں ظلمت سے پر ہو جاتی ہیں۔ میری صلاۃ و دعا سے اللہ تعالیٰ

ان کو منور کر دیتا ہے۔

پھر جب قیامت وحشر کا دن آئے گا تو یہ ظلمت پوری قوت سے گنہ گار کے منہ پر چھا جائے گی اور اس کا چہرہ کوئلے کی مانند سیاہ ہو جائے گا، جسے لوگ دیکھیں گے۔ اللہ، اللہ! یہ کیسی عقوبت اور سزا ہو گی کہ دنیا و مافیہا کی تمام اگلی پچھلی لذتیں بھی اس کے مقابلے میں رکھی جائیں، تو اس عقوبت وسزا کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ پس اے تلخ عیش، تنگ دل، درماندہ انسان! تو کس دن، کب اور کس طرح انصاف کرے گا؟ حالانکہ دنیا کی اس زندگی کی حیثیت ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ **واللہ المستعان**



فصل ۳۸

نفس کی ذلت ورسوائی

گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گناہوں سے نفس ذلیل، حقیر اور ناپاک ہو جاتا ہے، تاآنکہ ہر چیز ہر بات میں وہ حقیر و بےتوقیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ طاعت وعبادت نفس میں نمو پیدا کرتی ہے، اسے پاک کرتی ہے، آدمی کو باوقار و پرعظمت بنا دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قد أفلح من زكاها و قد خاب من دساها (الشمس ۹۱: ۹-۱۰)

جس نے اپنی روح کو پاک کیا، وہ اپنی مراد کو پہنچا اور جس نے اسے دبا دیا، وہ ضرور گھاٹے میں رہا۔

معنی یہ ہیں کہ جس نے نفس کو بڑھایا اور طاعت الٰہی کے ذریعے بلند کیا، اس نے فلاح پا لی اور جس نے اسے پست کیا، حقیر کیا، مصیبتوں میں مبتلا کر کے چھوٹا کر دیا، وہ خسارے میں ہے۔

آیت میں لفظ **دس** وارد ہے۔ یہ **تدسیه** سے ماخوذ ہے، اور **تدسیه** کے معنی خفاء کے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

يدسه في التراب (النحل ۶: ۵۹) (اس کو مٹی میں دبا دیتا ہے)۔

گنہ گار اپنے نفس کو معصیت میں چھپاتا ہے اور اس معصیت کو بھی مخلوق سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ رسوائی نہ ہو، حالانکہ وہ خود اپنی نگاہوں میں گر چکا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک گر چکا، اللہ کی دوسری مخلوق کے نزدیک گر چکا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ طاعت وعبادت اور نیکی بندے کو بڑا بناتی ہے، عزت بخشتی ہے، عالی مرتبت بنا دیتی ہے تاآنکہ اسے ہر چیز سے

اشرف، بزرگ، پاک اور رفیع المرتبہ بنا دیتی ہے اور باوجود ان ہمہ قسم کی عزتوں، سربلندیوں کے بھی جب وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جھکا دیتا ہے اور حقیر و ذلیل بنا لیتا ہے تو اسی ذلت وحقارت کی وجہ سے اسے عزت وشرافت اور سربلندی حاصل ہو جاتی ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ معصیت و گناہ سے زیادہ بندے کو ذلیل وحقیر کر دینے والی کوئی چیز نہیں، اور طاعت وعبادت سے زیادہ شرافت اور سربلندی عطا کرنے والی کوئی چیز نہیں۔



فصل ۳۹

شیطنت کی اسیری

گنہ گار کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ شیطان کا اسیر اور شہوات و خواہشات کا قیدی رہتا ہے، گویا وہ ایک دائمی قیدی ہے، اور اس سے بدحال قیدی کون ہو سکتا ہے کہ اپنے سب سے بڑے عدو، سخت سے سخت دشمن کا اسیر بن جائے۔ خواہشات کے جیل خانے سے زیادہ کوئی تنگ و تاریک جیل خانہ نہیں ہو سکتا، اور شہوات کی قید سے زیادہ کوئی قید نہیں ہو سکتی۔ پس جو آدمی کہ اسیر ہو، جیل خانے میں ہو، مقید ہو، وہ اللہ کو کیوں کر پہچان سکتا ہے؟ اور کیوں کر اس کی جانب جھک سکتا ہے؟ جب کسی انسان کا قلب قیدی بن جاتا ہے تو پھر ہر جانب سے اس کے لیے آفتیں ہی آفتیں ہیں، اور جس قسم کی اسیری ہوگی، اسی قسم کی آفتیں اتریں گی۔ قلب کا حال پرندے کا سا ہے۔ پرندہ جس قدر اونچی پرواز کرے گا، اسی قدر وہ آفات سے محفوظ رہے گا اور جس قدر اس کی پرواز نیچی رہے گی، آفات کا نشانہ بن جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے:

الشیطان ذئب الانسان (مسند احمد بن حنبل ۵: ۲۳۳)

شیطان انسان کے حق میں بھیڑیا ہے۔

وہ بکری جس کا کوئی چرواہا یا رکھوالا نہ ہو، وہ بہت جلد بھیڑیے کے منہ میں چلی جاتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اللہ جب اس کا چرواہا، یا رکھوالا نہیں ہوگا تو لازمی ہے کہ وہ بھیڑیے کا شکار بن جائے گا، اور اللہ کی جانب سے اسے محافظ، نگہبان اسی وقت میسر ہوگا جب وہ تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار بنا لے۔ تقویٰ ایک دیوار ہے اور بھیڑیوں سے بچنے کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری دنیا اور آخرت کی عقوبتوں، آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کی

زبردست دیوار اور قلعہ ہے۔ بکری جب اور جس قدر اپنے چرواہے سے قریب ہوگی، اسی قدر وہ بھیڑیوں سے محفوظ ہوگی اور جس قدر دور ہوگی، بھیڑیوں سے قریب ہوگی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو قلب اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا، مصائب و آلام اور آفات سے دور رہے گا اور مصائب و آلام اس سے دور بھاگیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دوری کے بے شمار درجات ہیں، بعض درجے معمولی ہیں اور بعض بہت سخت اور خطرناک ہیں۔ غفلت بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے، لیکن معصیت و گناہ کی دوری اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ بدعت کی دوری اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے، اور نفاق، کفر اور شرک کی دوری سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔



فصل ۴۰

اللہ اور مخلوق کے درمیان دوریاں اور قربتیں

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ اللہ اور بندوں کی نگاہ میں گنہ گار کی جاہ و منزلت اور عزت و کرامت ختم ہو جاتی ہے، اور قدر و منزلت اسی کی بڑھتی ہے جو اللہ کی زیادہ اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے۔ بندے کی جیسی طاعت و عبادت ہوگی، ویسی ہی اس کی قدر و منزلت ہوگی۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ کی نگاہوں سے گر جاتا ہے اور بندوں کی نگاہوں سے بھی۔ جس کی قدر و منزلت مخلوق اور بندوں میں نہ رہی اور ان کی نگاہوں میں وہ بے قدر اور بے عزت ہو گیا تو مخلوق اس کے ساتھ برتاؤ اور سلوک بھی ویسا ہی کرے گی جو اس کی قدر و منزلت کے خلاف ہے۔ وہ خستہ حال، بے عزت، بے آبرو، بے وقعت، بے دست و پا اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جائے گا، اور پھر وہ ہمہ قسم کی مسرتوں سے محروم ہو جائے گا اور جاہ و عزت کا خاتمہ ہو جائے گا اور اب وہ سرتاپا رنج و غم، حزن و ہم بنا رہے گا۔ اس کی زندگی کی تمام ساعتیں اور سارے لمحے فرحت و مسرت سے خالی ہوں گے۔ پس اگر شہوت کا نشہ اسے بدمست نہ کر دیتا تو اسے پتہ چلتا کہ شہوت رانی اور شہوت کی لذت اندوزی کے مقابلے میں معصیت و نافرمانی کے یہ مصائب و آلام کس قدر دل دوز اور دردناک ہیں؟

خدائے ذوالجلال و ذوالجبروت کی یہ بڑی نعمت اور اس کا زبردست انعام ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کا ذکرِ خیر عام کر دے، دنیا میں اس کے نام کو بلند کر دے اور اس کی جاہ و منزلت، قدر و عظمت، عزت و مقبولیت، اس کا ذکر جمیل اور شہرت اس قدر بڑھا دے کہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذكر عبادنا ابراهيم و اسحاق و يعقوب اولى الايدى والابصار. انا اخلصناهم بخالصة ذكرى الدار (صٓ ۳۸: ۴۵-۴۶)

اور اے پیغمبر! ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو، وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے، ہم نے انہیں خاص یادِ آخرت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

یعنی ان پیغمبروں کو ہم نے ایک مخصوص خصوصیت سے نوازا، اور ان کے ذکرِ جمیل کو ہم نے جہاں میں عام کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے بارگاہ خداوندی میں لسانِ صدق سے ذکرِ جمیل کی دعا کی تھی، اس دعا کی مقبولیت کا یہ ثمر تھا کہ آپ کا ذکر جمیل رہتی دنیا تک ہر خاص و عام میں جاری رہے گا۔ قرآن حکیم میں یہ دعا اس طرح منقول ہے:

واجعل لی لسان صدق فی الآخرین (الشُّعراء ۲۶: ۸۴)

اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کے متعلق قرآن حکیم ناطق ہے:

ورفعنا لک ذکرک (الم نشرح ۹۴: ۴)

اور ہم نے تمہارے ذکرِ خیر کا آوازہ بلند کر دیا۔

پس وہ لوگ جو رسولوں کی اتباع و پیروی کرتے رہے، ان کو بھی ان کی اطاعت و پیروی، متابعت و فرنبرداری کے مطابق ذکرِ جمیل، اور ذکرِ خیر، جاہ و منزلت کا حصہ حاصل ہوگا۔ جو ان کی مخالفت کریں گے، معصیت اور گناہوں سے اپنے آپ کو آلودہ کریں گے، وہ بقدرِ مخالفت و معصیت پیغمبروں کی اس میراث اور ترکے سے محروم رہیں گے۔



فصل ۴۱

گناہ: مدح وقدح کے سنگم پر

گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ مدح وستائش، شرافت و بزرگی کے جس قدر بھی نام ہوتے ہیں، وہ گنہ گار سے سلب کر لیے جاتے ہیں اور ان کی بجائے تحقیر و مذمت سے اسے یاد کیا جاتا ہے، یا تو وہ مومن، محسن، نیک، متقی، پرہیز گار، اطاعت گزار، منیب، ولی، متورع، مصلح، عابد، خائف من اللہ، کثیر التوبہ، طیب، اللہ کا پسندیدہ بندہ وغیرہ صفات سے یاد کیا جاتا ہے، یا اب اسے فاسق، فاجر، بدکار، نافرمان، دشمنِ دین، بدعمل، بدکردار، مفسد، خبیث، مردود، زانی، چور، قاتل، کذاب، خائن، لوطی، عہد شکن، قاطع رحم وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام نام فسق وفجور کے نام ہیں اور بہت ہی برے نام ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (الحجرات ۴۹: ۱۴)

اور ایمان لانے کے بعد فاسق نام بہت ہی برا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ آخر الذکر اسماء ایمان سے محرومی، خدائے منتقم کے قہر وغضب، دخولِ جہنم اور رسوائی و ذلت کے موجب ہیں۔ پہلے نام ایمان، رضامندی رحمٰن، دخولِ جنت اور اس شرافت و بزرگی کے موجب ہیں جو بندے کو دوسرے انسانوں کے مقابلے میں شرافت و بزرگی اور برتری بخشتے ہیں۔

معصیت و گناہ کی اگر گنہ گار کو کوئی اور سزا نہ دی جائے اور اسے صرف ان برے ناموں ہی کا مستحق بنا دیا جائے، تب بھی عقلِ سلیم معصیت سے باز رہے گی اور طاعت و عبادت کا صرف یہی صلہ کافی ہے کہ نیک نامی حاصل ہوتی ہے اور نیکی کے ان مقدس ناموں سے بندہ یاد کیا جاتا ہے جو

پسندیدہ ہیں تو عقل سلیم طاعت وعبادت سے وابستگی وگرویدگی کا حکم دے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر وفلاح سے نوازے، وہ کامیاب ہے اور اسے کوئی چھین نہیں سکتا، اور جس پر وہ اپنی خیر وفلاح کے دروازے بند کردے، انہیں کوئی کھولنے والا نہیں۔ جسے وہ اپنی بارگاہ سے دور کردے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں اور جسے وہ اپنا مقرب بنالے، اسے کوئی دھتکارنے والا نہیں۔

ومن يهن اللّٰه فما له من مكرم إن اللّٰه يفعل مايشاء (الحج ۲۲: ۱۸)

اور جسے اللہ ذلیل کرے، اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔



فصل ۴۲

اولوالالباب سے خطاب

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ یہ عقلِ انسانی کو خراب کر دیتے ہیں۔ دو ایسے آدمیوں کا موازنہ کیجیے جو عقل مند کہے جاتے ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرماں بردار ہے اور دوسرا عاصی و نافرمان۔ مطیع وفرماں بردار آدمی کی عقل وخرد یقیناً وافر اور مکمل، اور اس کی فکر ورائے صحیح اور سلجھی ہوئی ہو گی۔ اصابتِ رائے سے وہ زیادہ قریب ہو گا۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم کا زیادہ تر خطاب اولوالالباب اور اولوالعقل سے ہے، مثلاً:

واتقون یا أولی الألباب (البقرة ۲: ۱۹۷)

اے عقل مندو! تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اور

فاتقوا للّٰه یا أولي الألباب (المآئده ۵: ۱۰۰)

(اے عقل مندو!) تم اللہ سے ڈرتے رہو۔

إنما یتذکر أولوا لألباب (الزُّمر ۳۹: ۹)

نصیحت عقل مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اس قسم کی بے شمار آیتیں موجود ہیں۔ اس شخص کو کون عقل مند کہے گا جو اس ذات کی نافرمانی کرے جس کے قبضۂ قدرت میں اس کی جان ہے؟ جس کے گھر میں یہ رہتا ہے؟ اور اچھی طرح جانتا ہے کہ صاحبِ خانہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی تمام حرکات وسکنات کا وہ مشاہدہ کر رہا ہے۔ کوئی چیز اور اس کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں، اور پھر یہ کہ وہ صاحبِ خانہ کی ناراضی پسند نہیں کرتا، اس کی نعمتوں سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے ہمہ

اوقات یہ وہی کام کرتا رہتا ہے جس پر اللہ کا غضب، قہر اور لعنت برستی رہتی ہے۔ وہی کام کرتا رہتا ہے، جو اسے اس کی رحمت سے دور پھینک دیتے ہیں کہ وہ اسے اپنے دروازے سے نکال دے۔ وہ کام اس کے لیے موجب ذلت ورسوائی ہیں اور اسے اس کے دشمن نفس اور شیطان کے حوالے کر دیتے ہیں، جو اس کے سخت ترین دشمن ہیں۔ اللہ کی نگاہوں سے اسے گرا دیتے ہیں اور اس کی رضامندی ومحبت سے اسے دور پھینک دیتے ہیں، اور حال یہ ہے کہ بندوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اللہ کی نزدیکی اور تقرب ہی میں ہے اور اسی کے تقرب میں فوز وفلاح کی برکتیں میسر آ سکتی ہیں۔ اسی کے تقرب سے اولیاء اللہ میں اسے شمولیت نصیب ہوسکتی ہے اور اللہ کا دیدار نصیب ہوسکتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی بے شمار ولاتعداد نعمتیں، کرامتیں اور عزتیں اہل طاعت کے لیے موجود ہیں۔

جو عقوبتیں اور سزائیں اوپر بیان کی گئی ہیں، اور ان سے بھی کہیں زیادہ سزائیں اہل معصیت کو دی جائیں گی۔ پس اس عقل کو عقل کون کہے گا جو گھڑی بھر کی، یا ایک دن کی، یا چند دنوں کی لذت ومسرت کو جس کی حیثیت ایک خواب سے زیادہ نہیں، آخرت کی دائمی نعمت، دائمی فوز وفلاح اور عظیم ترین کامیابی وکامرانی کے مقابلے میں ترجیح دے؟ آخرت کی فوز وفلاح تو وہ چیز ہے جس سے دنیا وعقبیٰ کی تمام تر سعادتیں وابستہ ہیں۔ کسی کے پاس اگر وہ عقل نہیں ہے جو اس کے حق میں حجت کا کام دے سکے تو وہ یقیناً مجنون اور دیوانہ ہے، بلکہ مجنون و دیوانہ تو اس سے اچھا ہے کہ اسے انجام کی سلامتی اور آخرت کی عافیت ونجات تو میسر آئے گی۔

یہ تو عقل کی کوتاہی پر ایک حیثیت سے روشنی ڈالی گئی، اب عقل عیشی اور عقل معاشرتی کی کوتاہی پر بھی غور کیجیے۔ اگر مذکورہ نقصانات میں عقل عیشی کے نقصانات کا اشتراک نہ بھی سمجھا جائے تو ایک موٹی سی بات عقل عیشی کی کوتاہی وخرابی کی جانچ کی یہ ہے کہ ہم ایسے دو آدمیوں کو سامنے رکھیں جن میں ایک ہمارا مطیع وفرماں بردار ہے اور دوسرا نافرمان وسرکش۔ صاف واضح ہو جائے گا کہ دونوں میں سے کون عقل مند ہے؟ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ کوتاہ عقلی کی مصیبت عام ہو چکی ہے، بلکہ درجۂ جنون کو پہنچ چکی ہے۔ ظاہر ہے الجنون فنون۔ جنون کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن یہ ایسا جنون ہے کہ اللہ کے مخصوص بندوں کے علاوہ ہر چھوٹا بڑا اس میں مبتلا ہے۔ یاللعجب! یہ

کیسی عقلیں اور کیسی عقل مندیاں ہیں؟ اگر عقلیں صحیح ہوتیں تو یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ لیتیں کہ حقیقی لذت و فرحت، حقیقی سرور اور خوشگوار عیش و زندگی تو وہی ہے جس میں منعمِ حقیقی کی رضامندیاں موجود ہوں، کیونکہ ہمہ قسم کی نعمتیں اسی کی رضامندی سے اور ہمہ قسم کے مصائب و آلام اس کی خفگی اور ناراضی ہی سے وابستہ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک، تسکینِ قلب، سرورِ نفس، حیاتِ قلب، لذتِ روح، لذت آگیں عیش، خوشگوار زندگی تو وہی ہے جس میں منعم حقیقی کی رضامندیاں شامل ہوں۔ جو قیمتی اور انمول نعمتیں اسے منعم حقیقی کی رضامندی سے حاصل ہوں گی، وہ اس قدر بیش بہا ہوں گی کہ اگر اس کا شمہ برابر بھی دنیا و مافیہا کی نعمتوں کے مقابلے میں رکھا جائے تو دنیا کی نعمتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں گی۔ کسی انسان کو اس نعمت میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ، معمولی سے معمولی حصہ بھی مل جائے تو وہ دنیا و مافیہا کو بھی اس کے عوض میں منظور نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ معمولی سا حصہ اس قدر قیمتی ہوگا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے بھی زیادہ ہوگا۔ آخرت کی مختصر سے مختصر نعمت بھی ایسی ہوگی کہ وہ ان تمام مشقتوں اور انواع و اقسام کے ہموم و غموم سے پاک ہوگی جو دنیاداروں کو دنیوی نعمتوں کی تحصیل میں برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ آخرت کی نعمتوں کا تو یہ حال ہے کہ ابھی دو نعمتیں بلا کسی مشقت و تکلیف کے مل گئیں، اور دوسری دو نعمتوں کا انتظار ہے اور اگر وہ بھی بلا مشقت و محنت کے حاصل ہو گئیں تو اگلی کا انتظار کرو۔ پس حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے:

إن تكونوا تألمون فانهم يألمون كما تألمون و ترجون من الله و ما يرجون (النساء ۴: ۱۰۴)

اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو جیسے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے اور تمہیں اللہ سے وہ امیدیں ہیں جو انہیں نہیں۔

لاالـه الا اللّٰـه ! وہ آدمی کس قدر کوتاہ عقل اور کم سمجھ کہا جائے گا جو موتی کو مینگنی کے عوض اور مشک کو گوبر کے عوض فروخت کر ڈالتا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت کے مقابلے میں ان لوگوں کی رفاقت کو ترجیح دیتا ہے، جن پر اللہ کا غضب اتر چکا ہے اور جن پر اس نے لعنت بھیجی ہے اور جن کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے، جو بہت ہی برا مقام ہے۔

فصل ۴۳

پروردگار عالم سے رشتہ منقطع ہو جائے تو---

معاصی کی ایک بڑی سزا یہ بھی ہے کہ بندے اور پروردگارِ عالم کا رشتہ گناہوں کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے، اور جب یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو خیر وفلاح کے تمام اسباب و ذرائع اس سے منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے فساد وشر کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ جس کے لیے خیر وفلاح کے دروازے بند ہو جائیں اور صلاح ونجات کے اسباب و ذرائع منقطع ہو جائیں اور اپنے مالک اور پروردگار سے، اپنے مولیٰ و آقا سے اس کا رشتہ کٹ جائے، اور ایسے مالک، پروردگار اور مولیٰ سے کہ جس سے بندہ ایک لمحے کے لیے بھی مستغنی نہیں ہو سکتا، جس کے بغیر بندے کو چارہ نہیں، جس کے رشتے کا کوئی بدل ممکن نہیں، اس ذات سے رشتہ توڑنے کے بعد بندے کو کون سی فلاح ونجات میسر آ سکتی ہے؟ اور وہ کون سی امیدیں اور کس سے امیدیں قائم کر سکتا ہے؟ اور کون سی خوش گوار زندگی اسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اس رشتے کے ٹوٹنے کے بعد فساد و شر کے وہ تمام اسباب و ذرائع اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں جو بندے کو اس کے دشمنوں کے پھندوں میں جکڑ دیتے ہیں، اس پر دشمن کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور اسے اپنے حقیقی مولیٰ کی اطاعت سے دور پھینک دیتے ہیں۔ کون سمجھ سکتا ہے کہ پروردگارِ عالم سے رشتہ کٹ جانے اور اللہ کے دشمنوں سے رشتہ وابستہ ہونے کے بعد کس کس قسم کے آلام ومصائب اور کس کس قسم کے عذاب اس کے لیے مقدر ہیں؟

بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ وہ بندے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور شیطان کے درمیان لیٹا ہوا پاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بندے سے اعراض کرتا ہے تو شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور

اس کی ولایت وحکومت قائم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور بندے پر اس کی نگرانی رہتی ہے تو شیطان اس پر کسی طرح قابو نہیں پا سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس. كان من الجن ففسق عن امر ربه أفتخذونه و ذريته أولياء من دوني و هم لكم عدو بئس للظالمين بدلا (الكهف ۱۸: ۵۰)

جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سبھی نے سجدہ کیا۔ یہ جنات کی قسم میں سے تھا۔ اپنے پروردگار کے حکم سے نکل بھاگا تو لوگو! کیا ہمیں چھوڑ کر ابلیس اور اس کی نسل کو تم اپنا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے قدیمی دشمن ہیں۔ ظالموں کے حق میں یہ بدلہ بہت ہی برا ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اس آیت میں اپنے بندوں کو خطاب فرماتا ہے کہ تمہارے دادا آدم کو میں نے کرامت، عزت اور بزرگی بخشی۔ دوسروں کے مقابلے میں اس کی قدر ومنزلت کو اونچا کیا اور اُسے اس قدر فضیلت و برتری عطا کی کہ اپنے فرشتوں کو میں نے حکم دیا کہ آدم کی تکریم وعزت کرو، اور اس کے سامنے تم تکریمی سجدہ بجالاؤ۔ فرشتوں نے میرے حکم کی تعمیل کی، لیکن میرے اور آدم کے دشمن شیطان نے میرا حکم نہیں مانا، میری مخالفت کی، میری اطاعت سے روگردانی کی۔ اے بندو! پھر کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ میرے اور اپنے دشمن اور اس دشمن کی ذریات کو اپنا دوست اور مددگار بناؤ اور مجھے چھوڑ دو؟ اور میری نافرمانی کرو اور ان کی اطاعت کرو؟ میری مرضی اور رضامندی کے خلاف ان سے موالات ودوستی کرو؟ حالانکہ یہ تمہارے سخت ترین دشمن ہیں۔ تم میرے دشمنوں سے رشتہ قائم کر رہے ہو؟ حالانکہ میں نے تمہیں حکم دیا کہ تم میرے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ کے دشمنوں سے جو شخص دوستی رکھتا ہے، وہ بھی بادشاہ کا دشمن ہے اور ویسا ہی دشمن ہے جیسا کہ پہلا دشمن ہوتا ہے۔ محبت، طاعت اور فرماں برداری کی تکمیل تو جبھی ہوتی ہے جب اپنے مطاع اور مولیٰ کے دشمنوں کو بھی اپنا دشمن سمجھے اور مولیٰ کے دوستوں سے محبت اور

دوستی رکھے۔ یہ بھی اس وقت ہے کہ بادشاہ کا دشمن تمہارا دشمن نہ ہو، لیکن وہ حقیقی معنوں میں تمہارا بھی سخت ترین دشمن ہے۔ تمہارے اور اس کے درمیان بکری اور بھیڑیے کی عداوت و دشمنی سے زیادہ عداوت ہے تو پھر تم اسی سے دوستی کا رشتہ کیسے قائم کر سکتے ہو؟ عقل مند آدمی کے لیے کس طرح یہ سزاوار ہے کہ وہ اپنے اور اپنے مولیٰ کے دشمنوں سے دوستی کا رشتہ جوڑے، خصوصاً جب کہ وہ ایسا مولیٰ اور ایسا مددگار ہے کہ حقیقی معنی میں اس کے سوا کوئی مولا اور مددگار ہے ہی نہیں۔ خدائے قدوس نے اس دشمن سے موالات و دوستی رکھنے کو نہایت ہی برا بتلایا ہے اور صاف صاف فرمادیا ہے:

وھم لکم عدو (الکھف ۱۸: ۵۰) یہ تمہارے سخت ترین دشمن ہیں۔

اور پھر اس موالات کو ویسا ہی برا قرار دیا ہے جیسا کہ اس دشمن کو برا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ففسق عن امر ربه (الکھف ۱۸: ۵۰)

اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔

ان دو بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شیطان پروردگارِ عالم کا دشمن ہے اور ہمارا بھی۔ ان میں سے ہر دشمنی کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے سخت ترین عداوت و دشمنی رکھی جائے۔ پس بتلایے کہ شیطان سے یہ موالات و دوستی کیسی؟ اور یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ خیر وفلاح کو شر اور برائی کے عوض فروخت کر دیا جائے؟ یقین کیجیے کہ یہ ظلم، بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم کرنے والوں کا بدلہ بہت ہی سخت اور برا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ایک لطیف قسم کا یہ عتابی خطاب بھی ہے کہ شیطان میرا دشمن اس لیے ہے کہ تمہارے دادا آدمؑ کو اس نے سجدہ نہیں کیا، میرے حکم کو اس نے ٹھکرا دیا۔ میرے دوست فرشتوں نے میرے حکم کو مانتے ہوئے آدمؑ کو سجدہ کیا تو شیطان سے میری دشمنی صرف تمہاری ہی وجہ سے ہے اور اب اس عداوت اور دشمنی کا یہ نتیجہ؟ کہ تم اس سے مصالحت و دوستی کا رشتہ جوڑ رہے ہو۔



فصل ۴۴

گناہوں سے دین و دنیا کی برکتوں میں کمی

معاصی اور گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ عمر، رزق، علم وعمل اور طاعت وعبادت کی برکتیں چھن جاتی ہیں۔ دین و دنیا کی خیر و برکت گنہ گار سے سلب کر لی جاتی ہے۔ نافرمان بندے کو آپ سب سے زیادہ بے خیر و برکت پائیں گے۔ نہ اس کی عمر میں برکت ہوگی، نہ اس کے دین و دنیا کے کسی کام میں۔

واقعہ تو یہ ہے کہ مخلوق کے گناہوں کی وجہ سے زمین کی برکتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو أن اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض (الاعراف ۷: ۹۶)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کا دروازہ ان کے لیے کھول دیتے۔

مزید ارشاد ہے:

و أن لو استقاموا على الطريقة لأسقيناهم ماء غدقا. لنفتنهم فيه (الجن ۷۲: ۱۶-۱۷)

اور اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر قائم رہتے تو ہم انہیں پانی کی ریل پیل سے سیراب کرتے تاکہ برسات کی نعمت میں ہم ان کا امتحان کریں۔

گناہوں کے ارتکاب سے بندہ رزق وروزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ حدیث شریف

میں ہے:

إن روح القدس نفث في روعي أنه لن تموت نفس حتى تستكمل رزقها، فاتقوا اللّٰه وأجملوا فى الطلب فانه لاينال ماعند اللّٰه الا بطاعته، وإن اللّٰه جعل الروح والفرح فى الرضاء واليقين، وجعل الهم والحزن فى الشک والسخط (سنن ابن ماجه : تجارت)

روح القدس نے میرے قلب میں یہ بات القاء فرمائی ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اچھے طریقے سے اس سے طلب کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مل سکتا ہے، اس کی طاعت ہی سے مل سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے رحمت اور فرحت اپنی رضامندی اور یقین ہی میں رکھی ہے۔ شک اور خفگی میں ہم وحزن کے سوا کچھ نہیں۔

اور وہ حدیث قدسی جو امام احمدؒ نے کتاب الزھد میں بیان کی ہے جسے پہلے بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں:

أنا اللّٰه. إذا رضيت باركت. وليس بعدكتي منتهى. وإذا غضبت لعنت ولعنتي تدرک السابع من الولد

میں اللہ ہوں، میں راضی ہو جاؤں تو برکت دیتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور جب میں خفا ہوتا ہوں تو لعنت بھیجتا ہوں، اور میری لعنت اس کی ساتویں اولاد تک پہنچتی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ رزق وعمل کی وسعتیں اس کی کثرت وفراوانی کی وجہ سے نہیں ہیں۔ عمر کی زیادتی، مہینوں اور برسوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں، بلکہ رزق وعمر کی کثرت ووسعت یہ ہے کہ اس میں برکت پیدا ہو۔

بندے کی عمر اس کی مدتِ زندگی ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسری جانب مشغول ہو جائے، اس کی زندگی کہاں؟ اس زندگی سے تو چوپایوں کی زندگی اچھی ہے۔ انسان کی

زندگی تو اسی وقت ہے جب اس کا قلب اور روح زندہ ہو، اور قلب کی زندگی اس وقت ہے جب وہ اپنی خاطر خالق کی معرفت حاصل کرے، اس سے محبت کرے اور اس کی عبادت کرے اور اسی کی بارگاہ میں رجوع کرے، اسی کی چوکھٹ پر سر جھکائے، اسی کے ذکر سے طمانیت وسکون اور اس کے تقرب سے انس حاصل کرے۔ جس نے یہ زندگی کھودی، اس نے ہر قسم کی خیر وفلاح کھودی، چاہے اسے کچھ دنیا بھی مل گئی ہو، لیکن اس زندگی کے عوض تو ساری دنیا بھی مل جائے تو ہیچ ہے۔ بندہ جس چیز کو بھی کھو بیٹھے، اس کا عوض اور بدل ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کھو بیٹھنے کا کوئی عوض اور بدل ہی نہیں ہے۔

فقیر ومحتاج بالذات غنی بالذات کا بدل، عاجز بالذات قادر بالذات کا عوض اور مردہ زندے کے برابر کیوں کر ہوسکتا ہے؟ مخلوق خالق کا بدل کس طرح ہوسکتی ہے؟ وہ مخلوق جس کا وجود بالذات نہیں، جس کی کوئی چیز بالذات نہیں، اس ذات کے عوض اور بدلے میں کیوں کر لی جا سکتی ہے، جس کا غنا بالذات، جس کی حیات کمال وجود، رحمت سب کچھ بالذات اور لوازماتِ ذات میں سے ہیں۔ جو شخص ایک ذرے کا بھی مالک نہیں، اس ذات کے بدلے میں کیوں کر لایا جا سکتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی مالک اور مختار ہے؟

معصیت سے رزق وعمر کی برکتیں اس لیے سلب ہو جاتی ہیں کہ معصیت اور ارباب معصیت پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور ان پر اس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ اہل عصیان کے تمام دفاتر اس کے پاس ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیطان کا قرب جسے بھی ہوگا، اس سے برکت سلب کر لی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے، کپڑے پہننے، سواری، جماع وغیرہ مواقع میں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کہنا شارع نے مشروع فرمایا ہے، کیوں کہ ذکر الٰہی خیر وبرکت کا موجب ہے۔ اس سے شیطان بھاگتا ہے اور حصولِ برکت کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ اللہ کی برکت کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ہو، اس سے برکت چھین لی جاتی ہے، کیونکہ برکت تو پروردگار عالم ہی کی بارگاہ سے اترتی ہے۔ ساری برکتیں وہیں سے آتی ہیں اور ہر وہ چیز جو اس کی طرف منسوب ہو، مبارک ہوتی ہے۔ اس کا نام مبارک ہے۔ اس کا رسول

مبارک ہے۔اس کا وہ بندہ مبارک ہے جو ایمان رکھتا ہے، اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچاتا ہے۔ بیت اللہ الحرام مبارک ہے، ملک شام مبارک ہے، سرزمین شام کی برکتوں کا ذکر قرآن حکیم میں چھ آیتوں میں کیا گیا ہے۔ پس دنیا میں اس کی ذات کے سوا کوئی مبارک نہیں۔ ہر وہ چیز جو اس سے نسبت نہیں رکھتی، یعنی اس کی محبت ورضا سے نسبت نہیں رکھتی، اس میں کسی قسم کی برکت نہیں ہوتی۔

یوں تو ساری کائنات اس کی ربوبیت و خالقیت سے نسبت رکھتی ہے، لیکن اس کی ربوبیت و رضامندی کی نسبت نہ ہو تو وہ بے برکت ہے۔ دنیا کی ہر وہ چیز خواہ وہ اعیان واشخاص ہوں، خواہ اقوال وگفتار یا اعمال و کردار، جو بھی اللہ سے بعید اور دور ہے، اس میں خیر و برکت نہیں، جو چیز اس سے قریب ہوگی، بقدرِ قربت اس میں خیر و برکت ہوگی۔ برکت لعنت کی ضد ہے۔ پس وہ زمین جس پر اللہ نے لعنت کی، یا وہ آدمی جس پر اس کی لعنت ہو، یا وہ کام جس پر اللہ کی لعنت ہو، خیر و برکت سے دور اور بہت ہی دور ہوگا۔ وہ چیزیں بھی خیر و برکت سے محروم ہوں گی جن کا ان ملعون چیزوں سے کسی قسم کا تعلق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن ابلیس پر لعنت بھیجی اور اپنی ساری مخلوق سے اسے دور تر پھینک دیا، اس لیے ہر وہ چیز جسے ابلیس سے کسی قسم کی نسبت اور تعلق ہوگا، اس پر بقدرِ نسبت و تعلق لعنت ہوگی۔

ظاہر ہے کہ عمر، رزق، علم اور عمل وغیرہ سے برکتوں کے سلب ہونے میں گناہوں کا بڑا دخل ہے، اور معاصی کے اثرات بہت دور رس ہیں۔ پس وہ وقت جس کے اندر تم اللہ کی نافرمانی کرو، یا وہ مال جس کے ذریعے اللہ کی نافرمانی ہو، یا وہ جسم اور مال، قوت، جاہ ومنزلت اور علم وعمل جس کے ذریعے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو، وہ اللہ کے یہاں نافرمانی کرنے والے کے خلاف حجت ہے، اور یہ اس کے حق میں قطعاً مفید نہیں۔ صرف وہی چیز کار آمد ہوگی جو طاعت الٰہی میں صرف کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ سو سو برس زندہ رہتے ہیں، لیکن انہیں بمشکل بیس سال کی عمر نصیب ہوتی ہوگی۔ بعض کے پاس سونے چاندی کے انبار ہوتے ہیں اور مال و دولت سے ان کے خزانے پُر ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت اس میں سے ایک ہزار درہم بھی ان کی قسمت میں نہیں ہوتے۔ یہی حال جاہ ومنزلت اور علم کا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

الدنیا ملعونة. ملعون ما فیها إلا ذکر اللّٰہ عزوجل وما والاہ أو عالم أو متعلم (ترمذی : زھد)

دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے، سوائے ذکر اللہ کے یا جو اس سے تعلق رکھے، یا عالم یا متعلم۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ملعونة ملعون ما فیھا إلا ما کان للّٰہ (ترمذی : زھد)

دنیا ملعون ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے ملعون ہے، سوا اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

جو چیز اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اسی میں اللہ تعالیٰ کی خیر و برکت ہوا کرتی ہے۔ **واللہ المستعان**



فصل ۴۵

ایسی بلندی، ایسی پستی: الامان!

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گناہ انسان کو سفلہ اور پست کر دیتے ہیں، حالانکہ انسان علو و رفعت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق دو قسم کی پیدا کی ہے: علیہ (رفیع المرتبہ) اور سفلہ (پست)۔

پہلی قسم کا مقام علیین ہے، اور دوسری کا اسفل السافلین۔ اہل طاعت کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں علو و رفعت عطا فرماتا ہے اور اہل معصیت کو دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و پست کر دیتا ہے۔ اہل طاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنی عزیز ترین مخلوق بنایا اور ساری مخلوق سے زیادہ انہیں عزیز رکھا ہے۔ معصیت کو اس نے ذلیل ترین چیز قرار دیا ہے۔ اہل طاعت کو اس نے ہمیشہ عزت دی اور نافرمانوں کو ذلیل و خوار کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جعلت الذلة والصغار على من خالف أمرى (مسند احمد بن حنبل ۲:۵۰)

میرے حکم کی مخالفت کرنے والے پر ذلت و خواری لازم کر دی گئی ہے۔

انسان جب گناہ اور اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اپنے درجات سے نیچے گرتا چلا جاتا ہے اور جوں جوں گناہ کرتا رہے گا، نیچے گرتا چلا جائے گا، تا آنکہ وہ اسفل ترین درجے میں جا گرے گا اور جب وہ طاعت و عبادت سے اپنے کو مزین و آراستہ کرے گا، درجہ بدرجہ بلند ہوتا چلا جائے گا، تا آنکہ وہ اعلیٰ علیین تک پہنچ جائے گا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنی زندگی میں ترقی و رفعت کے کام انجام دیتا

ہے اور تنزل و انحطاط کے بھی۔ اس صورت میں اس کی شمولیت اسی جانب ہوگی جو جانب غالب ہوگی۔ ایک آدمی سو درجے ترقی کرتا ہے، اور ایک درجہ نیچے گرتا ہے، اس کا حال وہ نہیں ہے جو اس کے برعکس عمل کرنے والے کا ہے کہ سو درجے نیچے گرتا ہے، اور صرف ایک درجہ ترقی کرتا ہے۔

بعض لوگوں کو یہاں سخت مغالطہ ہو جاتا ہے کہ انسان کبھی کسی بڑے گناہ کی وجہ سے اس قدر نیچے گر جاتا ہے کہ مقامِ رفعت سے بہت دور جا پڑتا ہے، اتنا دور جیسے مشرق سے مغرب یا زمین سے آسمان۔ اب اس تنزل کے مقابلے میں وہ ہزار درجے ترقی کر جائے، اس کی تلافی ناممکن ہوتی ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن العبد ليتكلم بالكلمة الواحدة لا يلقي لها بالاً يهوى بها في النار أبعد ما بين المشرق والمغرب (صحیح بخاری : ایمان)

بندہ کبھی لاپروائی کی وجہ سے کوئی ایک بات ایسی کہہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم کے ایسے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے جس کی گہرائی مشرق و مغرب کے فاصلے سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اس قسم کے تنزل و انحطاط کی تلافی کس بلندی اور کون سی ترقی سے ہوسکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تنزل و انحطاط تو انسان کے لیے لابدی چیز ہے، لیکن اس کی شکلیں مختلف ہیں۔ بعض لوگ غفلت کی وجہ سے نیچے گر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جب بیدار ہوتے ہیں تو اپنے اصل درجے، بلکہ اس سے بھی بلند ہو جاتے ہیں۔ جس قدر بیداری ہوگی، اسی قدر بلندی و رفعت بھی ہوگی۔

بعض لوگ کسی مباح چیز میں الجھ جانے کی وجہ سے نیچے گر جاتے ہیں۔ طاعت و عبادت کا ارادہ ہی ان میں بیدار نہیں ہوتا۔ اس قسم کے لوگوں کی حالت مختلف ہوا کرتی ہے۔ جب اس قسم کے لوگ طاعت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو کبھی وہ اپنی ترقی و بلندی کے اصل درجے تک پہنچ جاتے ہیں، کبھی اس سے بھی بلند مقام تک اور کبھی اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں، کبھی ایسے لوگوں میں ہمت پہلے سے زیادہ آجاتی ہے، کبھی یہ ہمت پست ہو جاتی ہے اور کبھی ویسی ہی ہمت آجاتی ہے جو پہلے تھی۔

بعض لوگ معصیت اور صغیرہ یا کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اصل درجے سے نیچے گر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اپنے اصل درجے تک پہنچنے کے لیے توبۂ نصوح اور انابتِ صادقہ ضروری ہے۔ یہاں اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ کیا توبہ کرنے سے گنہ گار آدمی اپنے اصل مقام اور اصل درجے تک پہنچ سکتا ہے؟ اور اس طور پر کہ گناہ کا اثر بالکل محو ہو جائے اور کسی قسم کا اثر بھی باقی نہ رہے، یا وہ اپنے اصل مقام اور اصل درجے تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور توبہ کا اثر صرف اس قدر ہے کہ عقوبت وسزا اس سے ساقط ہو جائے گی۔ تقرب کا درجہ جو اس نے کھو دیا ہے، وہ حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

علماء اس بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان جن اوقات میں گناہ کرتا ہے، ان میں وہ طاعت وعبادت میں مشغول رہ کر ترقی کے چند مدارج اور طے کر سکتا تھا۔ اس کے اندر ترقی مدارج کی استعداد وقابلیت موجود تھی، اس لیے وہ اپنے سابق صالح اعمال اور نیکیوں کے ساتھ ترقی کر سکتا تھا، آگے بڑھ سکتا تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک انسان روزانہ اپنے مال کے ذریعے تجارت کرتا ہے، مال جس قدر زیادہ ہوتا ہے، زیادہ منفعت حاصل کرتا ہے۔ معصیت یا تعطل کے زمانے میں یہ ترقی اور منفعت اپنے اعمالِ صالحہ اور اصل رأس المال کے ساتھ رک جاتی ہے۔ وہ جب دوبارہ عمل شروع کرے گا تو نئے سرے سے نیچے سے اوپر کی طرف صعود وترقی کرے گا، لیکن اس سے پیشتر وہ مسلسل ترقی ہی کر رہا تھا۔ اگر نہ رکتا تو کتنی ترقی کرتا۔ ترقی دوبارہ عمل شروع کرنے پر ہوئی، مگر ظاہر ہے کہ ان ہر دو ترقیوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

بعض علماء اس کی تمثیل یوں پیش کرتے ہیں کہ دو آدمی دو الگ الگ زینوں پر چڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کچھ نیچے اتر گیا اور اس نے پھر چڑھنا شروع کیا۔ ظاہر ہے جو اترا نہیں، وہ آگے ہی ہو گا اور جو اترا، وہ ہمیشہ نیچے ہی رہے گا۔ بات بالکل صاف ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس بارے میں ایک نہایت ہی عمدہ فیصلہ کیا ہے جسے تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ مسئلے کی تحقیق یہ ہے کہ بعض لوگوں کی توبہ اس قدر وزنی ہوتی ہے کہ ان کا نیکی کا پلہ بہت ہی جھک جاتا ہے، ان کی ترقی کا درجہ پہلے سے بھی بلند ہو جاتا ہے اور بعض اپنے سابقہ درجے کے برابر کوئی درجہ پا لیتے ہیں۔ بعض اپنے سابقہ درجے تک نہیں پہنچ

پاتے اور بعض اپنے سابقہ درجے تک ہی پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔

میری رائے میں یہ کمی بیشی اور اختلافِ مدارج ہر ایک کی توبہ وانابت اور استغفار کی کیفیت کی بناء پر ہے۔ گنہ گار بندہ جب اپنے معاصی کی وجہ سے شرمندہ اور شرمسار ہوتا ہے اور اس میں ذلت وخواری، عاجزی وانکسار، خاکساری وفروتنی، خضوع وخشوع، رجعت الی اللہ، اجتنابِ معاصی، خوف وخشیت اور تضرع وزاری کی خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ چیزیں کبھی کسی کے اندر پوری قوت سے نمود کرتی ہیں، جس سے توبہ کرنے والا اس درجے سے بھی آگے نکل جاتا ہے، جہاں وہ گناہ کرنے سے پہلے تھا اور گناہ کرنے سے پیشتر وہ جس درجے کا نیک تھا، اس سے کہیں زیادہ نیک بن جاتا ہے۔ ایسے آدمی کے حق میں گناہ ایک رحمت بن جاتا ہے۔ گناہ سے قبل اس کا قلب غرور آشنا تھا، عجب ونخوت اس کے اندر بھری ہوئی تھی، اسے اپنے نفس پر اعتماد تھا، اپنے اعمال پر تکیہ اور بھروسہ تھا۔ گناہ کی وجہ سے یہ تمام برائیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور اب وہ اپنے مولیٰ، سید، آقا کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی ٹیک دیتا ہے اور عاجزی وانکسار، فروتنی اور خاکساری کے ساتھ اپنے رخسار اس کی دہلیز پر رگڑنے لگتا ہے، اللہ کی قدر ومنزلت پہنچاننے لگتا ہے، اپنی محتاجی اور بے کسی وبے بسی کا اعتراف اپنے قلب کی گہرائیوں سے کرنے لگتا ہے، اپنی حفاظت اور عفو وترحم، مغفرت ونجات کے لیے اپنے کو اپنے سید ومولیٰ اور خالق کا سراسر محتاج سمجھنے لگتا ہے، اس کے قلب سے صولت وتمکنت اور عبادت وطاعت کا غرور جو پہلے تھا، ختم ہو جاتا ہے، طاعت وعبادت کی شیخیاں اور کبر ونخوت نکل جاتے ہیں، خود بینی وخودستائی کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے اور خطا کاروں، گنہ گاروں کی صف میں آ کر اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور شرم وندامت اور خوف ورجا کے ساتھ اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ لرزتے ہوئے، کانپتے ہوئے، اپنے کو حقیر و ہیچ اور اپنی طاعتوں اور عبادتوں کو لاشئ محض، اپنے گناہوں کو بھاری اور وزنی جرم سمجھ کر اس کے سامنے سرخم کر کے کھڑا ہو جاتا ہے، اور اپنی جان کو سراسر ناقص، ناچیز، ناپاک، ناکارہ اور بدترین خلائق سمجھنے لگتا ہے اور اپنے رب کو ہمہ قسم کے کمالات اور حمد وثنا کا واحد مستحق سمجھتا ہے اور اسی کو اپنا حاجت روا ماننے لگتا ہے۔

فصل ۴۶

توبہ کرنے کے بعد

ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ مل جاتا ہے اور جو نعمت بھی عطا کر دی جاتی ہے، چھوٹی ہو یا بڑی، اسے بہت زیادہ اور بہت بڑی نعمت تصور کرتا ہے۔ اپنی ذات کو وہ اس سے کمتر سمجھتا ہے، حقیر سے حقیر نعمت کا بھی اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا اور اپنے آپ کو نہ صرف ہر ابتلاء و مصیبت کا اہل اور مستحق، بلکہ بڑی سے بڑی مصیبت کا بھی اپنی ذات کو مستوجب سمجھتا ہے۔ اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ احسان ہی کیا ہے کہ گناہ و جرم کی مقدار کے مقابلے میں اسے کچھ بھی سزا نہیں دی، کیونکہ جرم کے مقابلے میں جس سزا کے وہ لائق تھا، وہ ایسی تھی کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ ایک عاجز و کمزور بندہ؟ کیونکہ گناہ اگرچہ چھوٹے سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، مگر اس عظیم ترین ذات کے مقابلے میں ہے، جس سے کوئی بھی بڑا نہیں، جس سے کوئی جلیل و بزرگ اور کبیر و برتر نہیں۔ چھوٹی بڑی تمام نعمتوں کا دینے والا وہی ایک اکیلا ہے، دوسرا کوئی نہیں۔ اس کا مقابلہ کس قدر قبیح، شنیع اور ناجائز ہو سکتا ہے۔

دنیا کی ہر قوم مومن اور کافر اپنے عظماء، اجلاء اور سرداروں کا مقابلہ ایک قبیح ترین حرکت سمجھتی ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا مقابلہ وہی آدمی کرتا ہے جو سب سے زیادہ رذیل ہوتا ہے جس میں جوہرِ مروت نام کو نہیں ہوتا۔ اس قسم کے لوگوں کا مقابلہ اگر ذلیل ترین حرکت ہے تو پھر اس ذات کا مقابلہ کس قدر رذیل و ذلیل حرکت ہوگی، جو سب سے بڑی، سب سے زیادہ بااختیار اور زمینوں آسمانوں کی مالک، حاکم اور سلطان اور معبود ہے۔ اگر اس کی رحمت اس کے غضب پر، اس کی مغفرت اس کی عقوبت پر غالب نہ آتی تو ساری زمین زلزلوں سے پاش پاش ہو جاتی۔ اگر حلم و

بردباری اور مغفرت وبخشش نہ ہوتی تو بندوں کے گناہوں کی وجہ سے آسمان وزمین اپنی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اور دنیا تباہ ہو جاتی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللّٰہ یمسک السمٰوٰت والارض أن تزولا ولئن زالتا إن امسکھما من أحد من بعدہ إنہ کان حلیماً غفورا (فاطر ۳۵: ۴۱)

بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں کواور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو،اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔تو پھر اس کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جو انہیں تھام سکے۔بے شک اللہ تعالیٰ بڑا تحمل والا اور بخشنے والا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے دو نام آئے ہیں۔ان پر غور کیجیے۔یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اسماء میں سے ان دو ناموں کا ذکر فرمایا ہےاور آیت کوان دو پر ختم کیا ہے کہ وہ **حلیم و غفور** ہے۔سوچیے کہ اللہ کے کیا کیا راز اس میں مضمر اور پوشیدہ ہیں؟ اللہ تعالیٰ اگر مجرموں اور گنہ گاروں کے ساتھ حلم و بردباری اور مغفرت ودرگزر سے کام نہ لیتا تو آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جاتے اور دنیا تباہ ہو جاتی،چنانچہ سورہ مریم میں کافروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

تکادالسمٰوٰت یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ھدا (مریم ۱۹:۹۰)

جس کی وجہ سے عجب نہیں آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ صرف ایک گناہ کی پاداش میں اللہ نے ہمارے والدین آدمؑ اور حواؑ کو جنت سے باہر کر دیا،اور صرف ایک ہی گناہ اور ایک ہی بات کی خلاف ورزی کی پاداش میں ابلیس کو راندۂ درگاہ،عالمِ ملکوت سے خارج اور آسمانوں سے نکال باہر کیا،لیکن پھر بھی ہم احمقوں کا حال وہی ہے،جو کسی شاعر نے کہا ہے:

نصل الذنوب الی الذنوب و نرتجی درج الجنان لذی النعیم الخالد

ہم گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور امید یہ رکھتے ہیں کہ نعمت لازوال کے ساتھ جنت ملے گی۔

ولقد علمنا اخرج الا بوین من ملکوتها الا علی بذنب واحد

حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے والدین (آدمؑ اور حواؑ) کو اللہ نے صرف ایک گناہ کی بناء پر اپنے عالم ملکوت سے نکال باہر کیا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ بندہ توبہ کرنے کے بعد قبلِ گناہ سے بھی بہتر ہو جاتا ہے، جو درجہ اسے پہلے حاصل تھا، اس سے بلند تر مقام پر جا پہنچتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گناہ اس کی ہمت توڑ دیتا ہے، جس سے اس کے تمام عزائم اور ارادے پست ہو جاتے ہیں اور قلب کی صحت اس قدر خراب ہو جاتی ہے کہ توبہ بھی اگلی صحت تک پہنچنے میں اس کی امداد نہیں کرتی، اس لیے وہ اپنے فوت شدہ درجے کو پھر حاصل ہی نہیں کر سکتا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرض زائل ہو جاتا ہے اور اسے وہی صحت حاصل ہو جاتی ہے جو پہلے حاصل تھی۔ اب وہ اسی کے مثل عمل کرنے لگتا ہے اور اپنے اصل درجے کو پا لیتا ہے، لیکن یہ تمام باتیں اسی وقت ہوتی ہیں جب انسان کا تنزل وانحطاط گناہ ومعصیت کی وجہ سے ہوا ہو۔ یہ تنزل و انحطاط اگر کسی ایسے امر کی وجہ سے ہے جو اصل ایمان میں خلل انداز ہے، مثلاً تنزل شکوک و شبہات اور ریب وتردد اور نفاق وغیرہ کی وجہ سے ہے تو اس کا تدارک نئے سرے سے ایمان لائے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ایسے آدمی کی ترقی کی کوئی امید نہیں۔



فصل ۴۷

اللہ کی ہر مخلوق: معاصی کی مخالفت میں

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ خدا کی ہر مخلوق گنہ گار کے خلاف جری اور دلیر ہو جاتی ہے۔ شیاطین بھی جری اور دلیر ہو جاتے ہیں اور اسے ایذا اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں اور ایسی چیزوں اور باتوں سے اسے غافل کر دیتے ہیں، جن سے اس کی مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں اور جنہیں فراموش کرنے سے اسے سخت سے سخت نقصان پہنچتا ہے۔ شیاطین اس پر اس قدر غالب آ جاتے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کی طرف اسے زبردستی دھکیل کر لے جاتے ہیں، نیز انسانی شیاطین بھی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اسے ہر ممکن ایذا دینے اور تکلیفیں پہنچانے لگتے ہیں۔ اس کے گھر کے لوگ، خدام، نوکر چاکر، اس کی اولاد اور پڑوسی سب کے سب اس کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اسے ستانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حیوانات اور چوپائے بھی اس کے خلاف جری اور دلیر ہو جاتے ہیں، اسی لیے اسلاف میں بھی بعض بزرگوں نے کہا ہے:

إنی لأ عصی اللّٰہ فأعرف ذالک فی خلق امرأتی و دابتی

جب کبھی مجھ سے اللہ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو اس کا اثر مجھے اپنی بیوی اور سواری کے جانوروں تک میں محسوس ہوتا ہے۔

اسی طرح حکام اس کے خلاف اقدام کرتے ہیں اور عدل وانصاف کی مسند پر بیٹھ جاتے ہیں تو اس پر پوری پوری حدود جاری کرتے ہیں اور سخت ترین سزائیں دیتے ہیں۔

خود اس کا نفس بھی اس کے خلاف جری ہو جاتا ہے جو شیر کی طرح اس پر حملہ آور ہوتا ہے

اور اسے مشکلات اور دشواریوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اسے اس قدر مجبور اور بے دست و پا کر دیتا ہے کہ اگر کبھی وہ نیکی کا ارادہ بھی کرے تو نفس سرکشی کرتا ہے اور اتباع نہیں کرتا۔ اسے خواہ مخواہ گھسیٹ کر اسی طرف لے جاتا ہے، جہاں اس کی ہلاکت وتباہی کے سارے سامان جمع ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں اور کس لیے ہوتا ہے؟ اس لیے کہ طاعت الٰہی اور عبادت خداوندی رب العالمین کا ایک مستحکم ومضبوط قلعہ ہے اور اس میں جو بھی داخل ہو جاتا ہے، اسے کامل امن مل جاتا ہے اور جو اس سے باہر نکل آتا ہے، اس پر ڈاکو اور راہزن وغیرہ حملہ کر دیتے ہیں۔

معاصی اور گناہ جس قسم کے اور جس درجے کے ہوں گے، اسی قسم کی اور اسی درجے کی آفتیں اس پر حملہ آور ہوں گی، جنہیں کوئی روک ہی نہیں سکتا۔

ذکرِ الٰہی، طاعتِ خداوندی، صدقہ، خیرات، جہلاء کو ہدایت وتلقین، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایسی زبردست اور مقدس چیزیں ہیں کہ وہ بندے کی حفاظت اسی طرح کرتی ہیں، جس طرح انسان کی قوت آنے والے، یا آئے ہوئے مرض کی مقاومت اور مدافعت کرتی رہتی ہے۔ یہ قوت اگر ختم ہو جائے تو مرض پوری قوت سے حملہ کر دیتا ہے اور بالآخر اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ آدمی کے لیے وہ قوت ضروری ہے جو دفاع کر سکے، کیونکہ نیکیوں اور گناہوں کے نتائج ایک دوسرے کی مدافعت کرتے ہیں جو غالب آجاتا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے۔

اہل ایمان کی جانب سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ مدافعت کرتا رہتا ہے اور ایمان نام ہے قول وعمل کا، جس قدر قوتِ ایمانی زیادہ ہوگی، قوتِ مدافعت بھی زیادہ ہوگی۔ واللہ المستعان



فصل ۴۸

گناہ، قلب اور نفس مطمئنہ

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گناہ بندے کے معاد و معاش کی ضروریات میں خلل پیدا کر دیتے ہیں۔ ہر انسان اس امر کا سخت محتاج ہے کہ وہ اپنے معاد و معاش، آخرت اور دنیا کے مفادات و نقصانات کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرے۔ گناہ اس معرفت اور سمجھ سے انسان کو قطعاً محروم کر دیتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل سب سے زیادہ وہی جان سکتا ہے، جو معاد و معاش کی معرفت رکھتا ہو۔ سب سے زیادہ قوی، عقل منداور زیرک وہی ہے، جو اپنے نفس و ارادہ پر غالب اور حاوی ہو اور اپنے ارادے کو اسی جگہ استعمال کرے، جہاں اسے نفع مل سکے اور ان چیزوں سے باز رہے، جن سے اسے نقصان پہنچتا ہو، اور اس بارے میں لوگوں کی ہمتیں، معرفت و ادراک، مقامات اور منزلیں مختلف و متفاوت ہیں۔ سب سے بڑا عارف وہ ہے جو سعادت و شقاوت کے اسباب کی پوری پوری معرفت رکھتا ہو اور سب سے بڑا دانش مند و زیرک اور راز آگاہ وہ ہے، جو شقاوت کے مقابلے میں سعادت کو ترجیح دے اور وہ شخص بڑا ہی بے وقوف اور احمق ہے، جو سعادت کے مقابلے میں شقاوت کو ترجیح دے۔

انسان کو اس علم کی تحصیل میں جن امور کی ضرورت ہے، ان میں معاصی اور گناہ اس کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ انسان اپنی آخرت کے اعلیٰ و اشرف اور دائمی حصے کو دنیا کے خسیس، ادنیٰ، فانی اور منقطع ہونے والے حصے کے عوض ضائع کر دیتا ہے۔ معاصی اس علم کی تحصیل و تکمیل کی راہ میں حجاب بن جاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں جو امور انسان کے لیے مفید، بہتر اور نفع بخش ہوتے ہیں، ان کی مشغولیت سے باز رکھتے ہیں۔

انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے اور اس سے گلوخلاصی کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو گنہ گار انسان کا قلب، اس کا نفس اور اس کے اعضاء و جوارح اس کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے، جس کے پاس تلوار موجود ہو، مگر نیام میں پڑی پڑی زنگ خوردہ ہو چکی ہو۔ مالک اس سے کام لینا چاہتا ہے، لیکن زنگ نے اسے ایسا پکڑ لیا ہے کہ نیام سے نکل ہی نہیں سکتی۔ ایسی حالت میں اس کا دشمن اس کے سر پر آ جاتا ہے اور اسے قتل کر دینا چاہتا ہے، وہ اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالتا ہے اور اسے کھینچتا ہے، لیکن وہ نکلنے کا نام نہیں لیتی اور دشمن وار کر کے اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔

انسان کے قلب کی بھی یہی حالت ہے۔ گناہوں سے زنگ آلود ہو جاتا ہے، معاصی سے وہ اپاہج جیسا ہو جاتا ہے، اسے جب دشمن سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو مقابلے کے لیے اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی۔ انسان جب کسی سے جنگ کرتا ہے تو قلب اور قلب کی طاقت ہی کے ذریعے جنگ کرتا ہے، قلب کی قوت ہی سے حملہ کرتا ہے، قلب ہی کی طاقت سے اقدام کرتا ہے، جسم اور جسم کے اعضاء تو قلب کے تابع ہوتے ہیں اور جب قلب کے پاس جو جسم و جوارح کا بادشاہ ہے، قوت و طاقت نہ ہو تو وہ مدافعت ہی کیا کر سکتا ہے؟ اور کیسے کر سکتا ہے اور پھر جب کہ بادشاہ ہی سرے سے نہ ہو تو انجام کیا ہو گا؟

جو حال قلب کا ہے وہی حال نفس کا ہے۔ نفس شہوات و خواہشات، معاصی اور گناہوں کی وجہ سے خبیث و ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کے تمام قویٰ ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں نفس سے مراد نفسِ مطمئنہ ہے، کیوں کہ نفس امارہ تو شہوات و خواہشات اور گناہوں سے اور زیادہ قوی، مضبوط، دلیر اور درندہ صفت بن جاتا ہے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ نفس امارہ قوی و طاقتور ہو جائے تو نفس مطمئنہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں صرف نفس امارہ کی فرماں روائی قائم ہو جاتی ہے۔ نفس مطمئنہ اس طرح موت کے گھاٹ اتر جائے تو اس کے بعد اس کی زندگی کی کوئی توقع نہیں رہتی۔ سمجھ لیجیے کہ وہ دنیا میں مر چکا اور برزخ میں بھی مر چکا اور اب اسے آخرت میں بھی کوئی زندگی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ اس کی قسمت اور نصیب میں صرف آلام و مصائب اور تکالیف و اذیات ہی کی زندگی ہے اور بس۔

مقصد یہ ہے کہ ایک گنہ گار آدمی جب کسی مصیبت اور آفت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا قلب، اس کی زبان، اس کے ہاتھ پیر اس سے بے وفائی کرتے ہیں اور ان امور میں جو اس کے حق میں مفید اور نفع بخش ہوتے ہیں، خیانت کرتے ہیں۔ توکل علی اللہ سے اس کا قلب گریز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے بھاگتا ہے، کسی طرح اسے جمعیت خاطر حاصل نہیں ہوتی۔ وہ بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری نہیں کر سکتا۔ اس کے حضور میں جو تذلل وانکسار کرنا چاہیے، نہیں کر سکتا۔ ذکر الٰہی میں اس کی زبان، اس کی موافقت سے گریز کرتی ہے اور اگر وہ زبان سے اللہ کو یاد بھی کر لیتا ہے تو قلب کی جمعیت مفقود ہوتی ہے۔ قلب وزبان یکسو نہیں ہوتے کہ ذکر لسانی قلب پر اثر انداز ہو اور وہ کلمہ جو اس کے ذکر وورد میں زبان پر جاری ہوتا ہے، اس میں بھی قلب وزبان یکسو نہیں ہوتے، بلکہ زبان ذکر الٰہی یا دعا میں مصروف ہوتی ہے تو اس کا قلب یکسر اس سے غافل اور بے خبر ہوتا ہے اور اس سے ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔ اعضاء وجوارح کے ذریعے اگر وہ قلب کی اعانت کرنا چاہتا ہے کہ اس کی مصیبتیں دور ہوں تو قلب اس کی اطاعت نہیں کرتا۔ اس قسم کی تمام باتیں معاصی اور گناہوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی تمثیل یوں سمجھیے کہ ایک بادشاہ ہے جس کے پاس بہت بڑا لشکر ہے، اس لشکر سے وہ دشمنوں کی پوری طرح مدافعت کر سکتا ہے، لیکن اس نے اسے بیکار کر رکھا ہے۔ خوراک، پوشاک اور لشکر کی دوسری ضروریات پوری نہ کر کے اس نے اسے کمزور بنا رکھا ہے، اور عین اس وقت جب دشمن حملہ آور ہوتا ہے، اس لشکر سے وہ دشمن کی مدافعت چاہتا ہے۔ بتایئے! یہ کمزور لشکر کس طرح دشمن کی مدافعت کرے گا۔

یہ تو معاصی اور گناہوں کا ایک پہلو ہے، لیکن اس سے زیادہ خوفناک، دردانگیز، تلخ ترین ایک اور پہلو ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان جب اس دنیا سے رخصت ہو کر بارگاہ الٰہی کی طرف جانے کی تیاری کرتا ہے اور حالت نزع اس پر طاری ہوتی ہے تو اس کا قلب اور زبان دونوں اس سے بے وفائی کرتے ہیں۔ بسا اوقات اس کی زبان پر کلمۂ شہادت تک جاری نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ اکثر لوگ کر چکے ہیں۔ بعض لوگوں کو حالتِ نزع میں کہا گیا کہ **لا الہ الا اللّٰہ** کہو۔ ان کی زبان سے نکلا ''آہ آہ، مجھ میں یہ کہنے کی قدرت نہیں ہے''۔ کسی سے کہا گیا کہو! **لا الــہ الا اللّٰــہ** تو اس کے منہ

سے نکلا: ''شاہ اور رخ(۱) تم سے بازی لے گیا''۔ کسی سے کہا گیا کہو! لا الـہ الا اللّٰہ تو اس کی زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا۔

یـارب قـائـلة یـومـا و قد تعبت أیـن الـطـریق الی حمام منجاب

اے وہ کہ ایک دن تکان سے چور چور تھی اور کہہ رہی تھی کہ حمام منجانب کا راستہ کدھر ہے۔

اور یہ شعر پڑھتے ہوئے اس نے جان دے دی۔

کسی سے کہا گیا، لا الہ الا اللّٰہ کہو، اس نے کہنا شروع کر دیا: ''تا دھنا دھن''، یعنی گانے کا ساز درست کرنے لگا، پھر کہنے لگا تم مجھے کیا تلقین کر رہے ہو؟ اس سے مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور دنیا کا تو کوئی گناہ میں ترک نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اس کی جان نکل گئی۔

کسی دوسرے سے کہا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی نماز پڑھی ہو۔ اس کے بعد اس نے جان دے دی۔

ایک اور آدمی سے یہی کہا گیا تو اس نے کہا جو تو کہتا ہے، اس سے میں انکار کرتا ہوں، میں ہرگز نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد اس کی روح نکل گئی۔

کسی اور سے کہا گیا تو اس نے جواب دیا۔ میں یہ کہنے کا ارادہ کرتا ہوں، لیکن زبان رک جاتی ہے۔

ایک شخص نے بعض پیشہ ور گداگروں کا حال مجھ سے بیان کیا کہ فلاں کی موت کے وقت میں اس کے پاس تھا۔ عین نزع کے وقت اس کے منہ سے یہ کلمات نکلنے لگے: ''اللہ کے نام پر ایک پیسہ، اللہ کے نام کا ایک پیسہ''، اور اسی حالت میں وہ مر گیا۔

ایک تاجر نے اپنے ایک قرابت دار کی حالت بیان کی کہ لوگوں نے اسے کہا: لا الـہ الا الـلّٰہ کہو تو اس کے منہ سے یہ کلمات نکلنے لگے: ''یہ ٹکڑا سب سے ارزاں ہے، یہ خریدو، بہت اچھا

---

۱) شاہ اور رخ شطرنج کے دو مہروں کے نام ہیں۔ کہنے والا شطرنج کھیلنے کا عادی تھا۔ نزع کے وقت کلمۂ شہادت کی تلقین کی گئی تو اس کے منہ سے بجائے کلمۂ شہادت کے شاہ اور رخ کے نام جاری ہو گئے۔

ہے'' ،اور اسی حالت میں وہ مر گیا۔

سبحان اللہ! ذاتِ الٰہی بڑی پاک ذات ہے۔ اس قسم کے واقعات تو لوگوں نے بے شمار اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ مرنے والوں کے وہ حالات جو ہم سے پوشیدہ ہیں۔ ان واقعات سے کہیں زیادہ دردناک ہیں۔

انسان جب حضورِ ذہن، قوتِ دماغ اور قوتِ ادراک کے زمانے میں شیطان کو اپنے اوپر قابض اور مسلط کر لیتا ہے تو شیطان جدھر چاہتا ہے، اسے گھسیٹ کر لے جاتا ہے، ذکرالٰہی سے اسے غافل اور بےخبر کر دیتا ہے۔ اس کی زبان کو اس کے ذکر سے معطل کر دیتا ہے اور خود اسی کے اعضاء کو اس کے خلاف استعمال کرتا ہے تو اس وقت جب اس کی ساری قوتیں ختم ہو جاتی ہیں، نزع کی تکالیف میں وہ مبتلا ہوتا ہے، شیطان پوری قوت سے اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور اپنی ساری طاقتیں جمع کر کے آدھمکتا ہے تاکہ اس سے انتقام لے، کیونکہ یہ بندے کا آخری عمل ہوتا ہے۔ اس وقت شیطان پوری قوت سے آراستہ ہوتا ہے اور یہ خود اس وقت کمزور، ضعیف، نحیف اور ہر قسم کی طاقتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ بتایئے کہ اس وقت اسے کون بچا سکتا ہے؟ اس حالت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کی حفاظت کرتا ہے اور وہی ایمان قائم اور ثابت رکھتا ہے اور بس۔

يثبت اللّٰه الذين آمنوا بالقول الثابت في الحيوٰة الدنيا و في الآخرة. و يضل اللّٰه الظالمين ويفعل اللّٰه مايشاء (ابراهيم ۱۴: ۲۷)

جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ ان کی پکی بات پر (یعنی کلمہ توحید کی برکت سے) اللہ دنیا میں ایمان پر ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

وہ شخص جس کا قلب ذکرِ الٰہی سے ہمیشہ غافل رہا، خواہشات کے پیچھے مارا مارا پھرا، اللہ کے احکام کو ہمیشہ ٹھکراتا رہا، اسے خاتمہ بالخیر کی توفیق کیوں کر میسر آ سکتی ہے؟ جس کا قلب اللہ سے دور، اللہ سے غافل، خواہشات کا پیرو، شہوات کا پرستار ہو، جس کی زبان ذکرالٰہی سے ناآشنا، ہاتھ پیر طاعتِ الٰہی سے معطل اور جس کا سارا وقت معصیت الٰہی میں صرف ہوا ہو، اسے حسن

خاتمہ کی توفیق کیوں کر حاصل ہوگی۔

اللہ اکبر! سوئے خاتمہ کے خوف سے تو بڑے بڑے متقی، پرہیز گار لرز اٹھتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ گنہ گار، ظالم، ستم گار اور جفا پیشہ لوگ خدا کی قسمیں کھا کھا کر امیدیں باندھ رہے ہیں۔

أم لكم أيمان علينا بالغة الى يوم القيامة ان لكم لما تحكمون. سلهم أيهم بذالک زعيم (القلم ۶۸: ۳۹-۴۰)

یا تم نے قسمیں لے رکھی ہیں، جو روز قیامت تک چلی جائیں گی کہ تم جس چیز کی فرمائش کرو گے، وہی تمہارے لیے موجود کر دی جائے گی؟ اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ لیتا ہے؟

کسی شاعر نے اس حقیقت کو کس قدر واضح کیا ہے:

یا آمنا من قبیح الفعل یصنعه　　　هل اتاک تواقیع ام انت تملکه

اے اپنی بدکرداریوں پر مامون ہو کر بیٹھنے والے! کیا تیرے پاس حکم آ چکا ہے، یا خود تجھے خدائی قوت حاصل ہے۔

جمعت شیئین أمنا و اتباع هوی　　　هذا و احداهما وفی المرء تهلکه

تو نے دو چیزیں جمع کر رکھی ہیں، بے خوفی اور اتباع خواہشات۔ اور حال یہ ہے کہ ان میں سے ایک چیز بھی ہو تو انسان کی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔

والمحسنون علی درب المخاوف قد　　　ساروا و ذالک درب لست تسلکه

نیکیاں کرنے والے تو خوف الٰہی کے کوچے میں چلتے رہتے ہیں۔ اور یہ کوچہ وہ ہے جس میں تو نے قدم ہی نہیں رکھا ہے۔

فرطت فی الزرع وقت البذر من سفه　　　فکیف عند حصاد الناس تدرکه

تو نے بیج ڈالنے کے وقت کھیتی میں اپنی حماقت سے کوتاہی کی۔ لوگ کھیتی کاٹیں گے، اس وقت تو کیا پائے گا۔

هذا وأعجب شيء منك زهدك في دار البقاء بعيش سوف تتركه

یہ تو تیری عجیب حرکت ہے کہ دنیا کی فانی زندگی کے عوض دارالبقاء چھوڑ بیٹھا ہے۔

من السفیه اذا؟ بالله انت أم المغبون في البيع غبنا سوف تدركه؟

اس وقت بے وقوف کون ہے؟ قسم خدا کی تو، یا پھر اپنے سودے میں ایسا دھوکہ کھا رہا ہے کہ عنقریب دیکھ لے گا۔



فصل ۴۹

انسانی کمال کے دو اصول

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ اس سے قلب اندھا ہو جاتا ہے۔ گناہ، اگر قلب کو بالکل اندھا نہیں کرتا تو بصیرتِ قلبی کو کمزور ضرور کر دیتا ہے۔ قلب اندھا اور کمزور ہو تو ہدایت کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ ایسا شخص اپنی ذات پر حق کا نفاذ نہیں کر سکتا اور کسی دوسرے پر نفاذِ حق کی قوت بالکل کمزور ہو جاتی ہے، کیوں کہ قوتِ بصیرت کمزور ہو جاتی ہے۔

انسانی کمال کا مدار دو بنیادی امور پر ہے۔ اول: حق و باطل کی معرفت، دوم: باطل کے مقابلے میں حق کے اختیار کرنے کی قوت۔

دنیا و آخرت میں مخلوق کی منزلوں میں فرق و تفاوت اسی قدر رہوتا ہے جس قدر ان میں دو امور میں تفاوت ہوتا ہے۔ ان ہی دو امور کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

واذكر عبادنا ابراهيم و اسحاق ويعقوب أولي الأيدى والأبصار (صٓ ۳۸: ۴۵)

اور اے پیغمبر! ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو۔ وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔

الأيدى (قوت) سے مراد یہی تنفیذِ حق کی قوت ہے اور **الأبصار** سے دینی بصیرت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی مدح و توصیف، ادراکِ حق اور تنفیذِ حق کے کمال کی وجہ سے کی ہے۔

ان دو امور کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ انبیاء کرام ان میں سے اعلیٰ ترین و

اشرف ترین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جوان لوگوں کے بالکل برعکس اوران کی ضد ہیں، انہیں نہ دین کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اور نہ تنفیذ حق کی قوت ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں زیادہ تر مخلوق اسی قسم کی ہے۔ ایسے لوگوں کو دیکھنے سے آنکھوں میں چبھن ہوتی ہے، روح کو بخار اور قلب کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ بستیوں کو تنگ کر دیتے ہیں، بازاروں میں نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ ان کی صحبت سے ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو رشد و ہدایت کی بصیرت و معرفت تو رکھتے ہیں، لیکن کچھ ایسے کمزور واقع ہوتے ہیں کہ تنفیذِ حق اور دعوت الی الحق کی قوت نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ ضعیف قسم کے مومن ہوتے ہیں اور قوی مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضعیف سے زیادہ بہتر اور اسے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جو قوی، صاحبِ قوت، صاحبِ عزیمت و ہمت تو ہیں، لیکن دینی بصیرت میں کمزور ہوتے ہیں۔ ان میں اس کی تمیز نہیں ہوتی کہ وہ پہچان سکیں کہ اولیاء الرحمٰن کون ہیں؟ اور اولیاء الشیطان کون؟ بلکہ ہر کالی چیز ان کے نزدیک کھجور ہوتی ہے، اور ہر سفید چیز چربی۔ یہ لوگ ورم کو چربی کا اضافہ خیال کرتے ہیں اور اگر انہیں کوئی نفع بخش دوا پیش کی جاتی ہے تو اسے زہر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں امامت فی الدین کی صلاحیت قطعاً نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ سوائے پہلی قسم کے لوگوں کے کسی میں بھی امامت فی الدین کی صلاحیت نہیں ہوتی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا و كانو بآ ياتنا يوقنون

(السّجدة ۳۲: ۲۴)

اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے، جبکہ وہ ایذاؤں پر صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین بھی رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ان حضرات نے صبر و یقین کے ذریعے امامت فی الدین کا درجہ

حاصل کیا ہے اور خاسرین کی جماعت سے صرف انہی حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زمانے کی قسم کھاتا ہے جس میں خاسرین اپنے خسران اور گھاٹے کی کوششیں کرتے ہیں، اور رابحین اپنے ربح اور منافع کی تحصیل کی کوششیں کرتے ہیں، اور قسم کے بعد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے سوا تمام لوگ خسران اور گھاٹے میں ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:

والعصر إن الانسان لفی خسر إلا الذین آمنوا وعملوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر (العصر ۱۰۳: ۱-۳)

قسم ہے زمانے کی! آدمی گھاٹے میں ہیں، مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ ایک دوسرے کو حق کی ہدایت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے۔ وہ البتہ گھاٹے میں نہیں ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ صرف ایمان و مغفرت اور صبر علی الحق پر اکتفاء نہیں فرماتا، بلکہ فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت و تلقین کریں، ایک دوسرے کی ہدایت و راہ نمائی کرتے رہیں اور ان کو حق و صبر پر آمادہ کریں۔

جب ایسے لوگوں کے سوا تمام خسران اور گھاٹے میں ہیں تو معلوم ہوا کہ معاصی اور گناہ بصیرتِ قلب کو ضائع کر دیتے ہیں۔ گناہ کرنے والے ادراکِ حق سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کی تمام قوتیں، عزیمتیں، ہمتیں پست اور کمزور ہو جاتی ہیں اور وہ حق کے لیے صبر و ثبات کی طاقت ہی اپنے اندر نہیں رکھتے، بلکہ معاصی کا حملہ اور وار قلوب پر ہر وقت جاری رہتا ہے، تا آنکہ اس کی قوت مدرکہ بالکل دوسری راہ اختیار کر لیتی ہے اور جس طرح اس کے اعمال و افعال کی راہ دوسری سمت جاتی ہے، اس کی راہ بھی غلط اور کج ہوتی جاتی ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ باطل کو حق سمجھتا ہے اور حق کو باطل، معروف کو منکر سمجھنے لگتا ہے اور منکر کو معروف، اور جب وہ غلط راہ پر بلا کسی رکاوٹ کے چل کھڑا ہو تو وہ سفر الی اللہ، سفر الی دار الاخرت سے بالکل بھٹک جاتا ہے اور صرف باطل پرست، ردی الاخلاق اور ردی الاعمال لوگوں کے مستقر کی طرف سرپٹ دوڑا چلا جاتا ہے جو صرف دنیا کی زندگی پر قناعت کیے ہوئے ہیں، اور اسی پر مطمئن ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کی

آیات سے بالکل غافل، بےخبر اور لقائے الٰہی سے بالکل محروم ہو چکے ہیں۔

گناہوں کی سزا اور کچھ نہ ہو، بلکہ صرف اتنی ہی ہو تو کافی ووافی ہے۔ اتنی ہی عقوبت کا تصور دعوت دیتا ہے کہ انسان معاصی اور گناہوں سے پوری طرح اجتناب کرے اور اللہ کی نافرمانی قطعاً ترک کر دے۔ واللہ المستعان

طاعت و عبادت قلب کو روشن کرتی ہے، قلب کو جلا دیتی ہے۔ قلب کو صیقل کر کے منور و چمکدار، قوی اور مضبوط کرتی ہے۔ طاعت و عبادت کی کثرت سے قلب صاف و شفاف، نورانی، چمکدار اور آئینے کی طرح عکس ریز ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات عجیب و غریب ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اس قسم کے قلب والے آدمی کے پاس اگر کبھی شیطان پہنچ جائے تو اس کا نور اور اس کے قلب کی روشنی کا پرتو شیاطین پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے، جس طرح آسمان کے فرشتوں کی باتیں چرانے والے شیاطین پر شہابِ ثاقب ٹوٹنے سے ہوتا ہے۔ اس قسم کے قلوب سے شیاطین اس قدر ڈرتے ہیں، جس قدر بھیڑیا شیر سے ڈرتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ بسا اوقات روشن قلب انسان شیاطین کو پچھاڑ دیتا ہے۔ دوسرے شیاطین ہمدردی کے لیے دوڑ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے اس کی وجہ دریافت کرنے لگ جاتے ہیں کہ کیا ہوا؟ جواب ملتا ہے کہ کسی انسان نے اسے پچھاڑ دیا ہے۔ اسے کسی انسان کی نظر لگ گئی ہے۔

فیا نظرة من قلب حر منور　　　یکاد لها الشیطان بالنور یحرق

کیا کہنا ہے، نورانی قلب کی نظر و نگاہ کا کہ اس کے نور سے شیطان بھی جلنے لگتا ہے۔

کیا یہ روشن، نورانی قلب اور تاریک و سیاہ قلب برابر ہو سکتے ہیں جس کی امیدیں تاریک اور خواہشات خبیثہ بے شمار ہوں اور جس کو شیطان اپنا ٹھکانا بنا چکا ہے، اور ہر صبح اٹھتے ہی اسے یہ مبارک باد پیش کرتا ہے کہ اے خانہ خراب! جس کی دنیا اور آخرت دونوں خراب گئیں۔ میری جان تجھ پر فدا۔

أنا قرينک فی الدنيا و فی الحشر　　　بعدها فأنت قرين لی بكل مكان

میں دنیا اور اس کے بعد حشر میں بھی تیرا ساتھی ہوں اور تو ہر جگہ میرا ساتھی ہے۔

فان کنت فی دار الشقاء فاننی و أنت جمیعا فی شقاً وھوان

اگر تو شقاوت و بدبختی کے گھر میں جائے تو میں اور تو دونوں شقاوت اور رسوائی کے (شریک حال ہیں)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطاناً فھوله قرین. وانھم لیصدونھم عن السبیل و یحسبون أنھم مھتدون. حتی اذا جآء نا قال یلیت بینی و بینک بعد المشرقین فبئس القوین. ولن ینفعکم الیوم إذ ظلمتم أنکم فی العذاب مشترکون (الزخرف ۴۳: ۳۶-۳۹)

اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غافل ہو کر زندگی بسر کرتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان تعینات کر دیا کرتے ہیں، اور وہ اس کے ساتھ رہتا ہے، اور باوجودیکہ شیاطین گنہ گاروں کو راہ سے بھٹکا دیتے ہیں، تاہم گنہ گار اپنے تئیں خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب گنہ گار ہمارے حضور میں حاضر ہوگا تو شیطان کو دیکھ کر کہے گا، اے کاش مجھ میں اور تجھ میں پورب اور پچھم کا فاصلہ ہوتا، تو برا ساتھی ہے، اور کچھ فاصلہ نہیں تمہیں آج کے دن، چونکہ تم نے (ساتھ ہی) نافرمانی کی ہے، (اس لیے) عذاب میں بھی تم دونوں ایک دوسرے کے شریک حال ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ رحمٰن کے ذکر، یعنی قرآن حکیم کو جو اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور جس میں برکتیں ہی برکتیں ہیں، جس نے بھلا دیا اور اعراض کیا، اس کے پڑھنے سے آنکھیں بند کر لیں، اس کے فہم و بصیرت اور اس پر غور و تدبر کرنے سے، اور اس سے مرادِ الٰہی کے سمجھنے سے آنکھیں پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا یہ دیتا ہے کہ اس پر اس کے شیطان کو مسلط کر دیتا ہے، اور وہ اس کا ایسا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے کہ نہ حضر میں اس کا ساتھ چھوڑتا ہے نہ سفر میں، گھر میں نہ باہر، یہی اس کا مولیٰ، دوست، رفیق، ساتھی اور کنبہ دار بن جاتا ہے۔

رضيعا لبان ثدى أم تقاسما   بأسحم داج عوض لا يتفرق

ایک ہی ماں کی چھاتیوں سے دودھ پینے والے مستقبل میں کبھی متفرق نہیں ہو سکتے۔

پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ جو راہ میری اور میری جنت کی طرف جاتی ہے، شیطان اپنے رفیق کو اس سے بھٹکا دیتا ہے اور دور پھینک دیتا ہے۔ اس پر بھی یہ گمراہ اپنے کو رشد وہدایت کا علمبردار سمجھتا ہے، تا آنکہ جب یہ دونوں کے دونوں قیامت کے دن پروردگار عالم کے حضور میں حاضر ہوں گے تو یہ اپنے شیطان کو دیکھ کر کہے گا۔

یالیت بینی و بینک بعد المشرقین (الزخرف ۴۳: ۳۸)

کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی۔

ارے او شیطان! تو نے دنیا میں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا اور مجھے راہ حق سے بھٹکا دیا۔ ہدایت ورشد سے دور کر دیا، تا آنکہ مجھے ہلاک کر دیا اور آج بھی تو میرا ساتھ نہیں چھوڑتا؟

یہ قاعدہ ہے کہ کوئی مصیبت زدہ کسی دوسرے کو اپنی جیسی مصیبت میں پھنسا دیکھتا ہے تو ایک گونہ اسے تسلی ہو جاتی ہے کہ یہ بھی اسی بلاء میں مبتلا ہے جس میں میں مبتلا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ خبر دیتا ہے کہ یہاں اسے اس قسم کی تسلی بھی میسر نہیں ہوگی۔

ایک ساتھی اپنے ساتھی کو اپنی مصیبت میں شریک پاتا ہے تو اسے ایک گونہ راحت، فرحت اور تسلی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت خنساءؓ نے اپنے بھائی صخر کی موت پر کہا ہے:

ولو لا كثرة الباكين حولی   علی إخوانهم لقتلت نفسي

اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنی جان کو ہلاک کر لیتی۔

وما یکون مثل اخی ولکن   أعزی النفس عنه بالتاسی

اور گو وہ لوگ میرے بھائی جیسے لوگوں پر نہیں روتے، لیکن پھر بھی نفس کو کچھ نہ کچھ تسلی ضرور ہو جاتی ہے۔

الا یاصخر لا أنساک حتی   أفارق عیشتی و ورود رمسی

اے صخر! میں تمہیں اس وقت تک نہیں بھولوں گی، جب تک میں زندہ ہوں اور میری لاش قبر میں نہ جائے گی۔

ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ اہل دوزخ کو اس قسم کی تسلی بھی نصیب نہیں ہوگی۔

ولن ینفعکم الیوم اذ ظلمتم انکم فی العذاب مشترکون (الزخرف ۴۳: ۳۹)

اور کچھ فائدہ نہیں تمہیں آج کے دن جب تم ظالم ٹھہرے۔ بے شک تم عذاب میں شامل ہو۔



فصل ۵۰

قلبِ انسانی: حزب اللہ اور حزب الشیطان کی آماج گاہ

معاصی کی یہ بھی ایک سزا ہے کہ انسان خود اپنے دشمن شیطان کو اپنے خلاف اسلحہ مہیا کر دیتا ہے جس کے ذریعے شیطان اس پر ظفریاب ہوتا ہے۔ گناہ شیطان کا لشکر ہے، وہ اس کے ذریعے انسان کے خلاف لڑتا ہے اور اس پر غالب آتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کا کچھ ایسے دشمن سے پالا پڑا ہے جو چشم زون کے لیے بھی اس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ سوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، جاگتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان سو جاتا ہے، لیکن شیطان نہیں سوتا۔ انسان غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے، مگر شیطان غافل اور بے خبر نہیں ہوتا۔ انسان شیطان کے کنبے کو نہیں دیکھتا، البتہ شیطان اسے اور اس کے سارے کنبہ کو دیکھتا ہے اور تاک میں لگا رہتا ہے۔ ہر حالت میں وہ اپنی عداوت کا کام کرتا رہتا ہے۔ مکر، فریب، دھوکہ بازی اور دھوکہ دہی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ جہاں کہیں شیطان اسے لے جانا چاہتا ہے، گھسیٹ لے جاتا ہے، مقررہ جگہ پر پہنچا ہی دیتا ہے، اور انسان پر غلبہ پانے کے لیے وہ اپنے ابنائے جنس، یعنی شیاطینِ انس و جن کی پوری پوری مدد حاصل کر لیتا ہے۔

شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے غوائل و ضلالت کے پھندے ہر جانب ڈال رکھے ہیں۔ وہ اور اس کے ساتھی نہایت ترکیب سے شرک باللہ کی نشر و اشاعت کرتے رہتے ہیں، ہر جگہ، ہر گلی کوچے میں دامِ تزویر بچھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ سب سے بڑا شیطان اپنے اعوان و انصار اور دیگر شیاطین کو ہر طرح ورغلاتا ہے کہ دیکھنا یہ انسان تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا ازلی دشمن ہے، کسی طرح بھی یہ تمہارے داؤ سے بچنے نہ پائے۔ کسی طرح بھی ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ تو

جنت میں جائے اور تم دوزخ کا ایندھن بنو، رحمت اس کے حصے میں جائے اور تمہارے حصے میں لعنت ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے اور تم نے اس کی وجہ سے کیسی کیسی ذلتیں برداشت کی ہیں۔ ہمارے لیے لعنت، پھٹکار اور رحمتِ خداوندی سے دوری کا اصل سبب یہی انسان ہے۔ پوری پوری کوشش کرو، تاکہ اس مصیبت و ابتلاء میں انسان بھی تمہارا شریک اور ساجھی بن کر رہے۔ انسانوں کے نیک اور صالح بندوں نے جنت میں ہمیں اپنا شریک اور ساجھی نہیں رہنے دیا تو تم بھی اسے جنت میں چین سے کیوں رہنے دو؟ جہنم کا ساتھی بنا کر چھوڑو۔

اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ آدم اور اولادِ آدم اس سخت ترین دشمن سے دوچار ہے، اور شیطان اس پر پوری طرح مسلط ہے۔ اس نے انسان کی امداد و اعانت فرمائی اور بڑی بڑی فوجیں اس کے زیر کمان دے دیں، تاکہ وہ اپنے اس ازلی دشمن کا پوری قوت سے مقابلہ کرے۔ ساتھ ہی ساتھ انسان کے دشمن شیطان کی بھی بڑے بڑے لشکر دے کر مدد کی، تاکہ وہ اولادِ آدم کے ساتھ پورا پورا مقابلہ کرے اور اس دنیا کو جو آخرت کے مقابلے میں ایک سانس اور ایک لمحے کی سی حیثیت رکھتی ہے، جہاد کا میدان قرار دیا تاکہ اولادِ آدم زندگی بھر اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کرتی رہے۔

ان اللّٰه اشترى من المؤمنين أنفسهم و أموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون في سبيل اللّٰه فيقتلون و يقتلون (التوبة ٩: ١١١)

اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں کہ ان کے بدلے ان کو جنت دے گا۔ یہ لوگ (جان و مال کی پروا نہ کر کے) اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو دشمن کو مارتے اور خود مارے جاتے ہیں۔

اور پھر اس نے یہ بھی خبر پہنچا دی کہ جنت کا وعدہ بالکل پختہ وعدہ ہے، کبھی اس کے خلاف نہ ہوگا۔ اپنی بڑی بڑی کتابوں، تورات، انجیل اور قرآن حکیم میں اس وعدے کو پوری پختگی کے ساتھ اللہ نے دہرایا اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ وعدے کا ایفاء کرنے والا اللہ کی ذات سے بڑھ کر کوئی ہو نہیں سکتا۔ جو لوگ اس سودے کی قدر کریں گے، انہیں جنت کی خوش خبری سناتا ہوں۔

اب یہ بندوں کا فرض ہے کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ سودا کون کر رہا ہے؟ خریدار کون

ہے؟ اوراس بیش بہا سامان کی قیمت کیا مل رہی ہے؟ ان تمام باتوں پر غور کریں کہ اس سے بڑھ کر کون سی فلاح میسر آ سکتی ہے اور اس سے زیادہ سودمند کون سی تجارت مل سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پورے وثوق کے ساتھ مومن بندوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یاأیها الذین آمنوا هل أدلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم. تومنون باللّٰه و رسوله و تجاهدون فی سبیل اللّٰه بأموالکم وأنفسکم ذالکم خیرلکم إن کنتم تعلمون. یغفرلکم ذنوبکم و یدخلکم جنات تجری من تحتها الانهار و مساکن طیبة فی جنات عدن ذالک الفوز العظیم. واخریٰ تحبونها نصر من الله و فتح قریب. و بشرالمومنین (الصف ۶۱: ۱۰-۱۳)

اے ایمان والو! میں تمہیں ایسی سوداگری بتاؤں؟ جو تمہیں عذابِ دردناک سے بچا لے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑادو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، بشرطیکہ تمہیں سمجھ ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تمہیں بہشت کے باغوں میں لے جا کر داخل کرے گا، جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور نعمتیں بھی ہیں۔ جنہیں تم پسند کرتے ہو، اللہ کی جانب سے تمہیں مدد ملے گی اور تم عنقریب ملک فتح کروگے۔ مسلمانوں کو خوشخبری سنادو۔

اللہ تعالیٰ کی یہ مخصوص عنایت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں پر شیطان کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔ مومن بندہ ساری مخلوق سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے محبوب ترین عمل، یعنی جہاد اس پر لازم کردیا۔ اس محبوب ترین عمل کا انجام دینے والا ساری مخلوق سے زیادہ بلند مرتبہ اور ارفع و اعلیٰ شان کا مالک گردانا گیا۔ جہاد تقربِ الٰہی کا سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اس لیے جہاد و جنگ کا مقدس عَلَم اس نے اسی کے ہاتھ میں دے دیا، جو ساری مخلوق میں مخصوص وممتاز درجے کا حامل ہے، اور وہ انسان کا قلب ہے۔ قلب ہی معرفتِ الٰہی، محبتِ خداوندی، عبودیت واخلاص، توکل، وانابت کا محل اور مقام ہے۔ اس نے اسی کے ہاتھ میں اس جنگ کی باگ ڈور دے دی اور قیادت سپرد کی۔ فرشتوں کا لشکر اس کے ساتھ کردیا کہ کسی حال میں بھی وہ مومن بندے سے علیحدہ نہ ہو۔

له معقبات من بين يديه و من خلفه يحفظونه من امر اللّٰه (الرعد ۱۳: ۱۱)

اس کے آگے اور اس کے پیچھے باری باری سے موکل لگے رہتے ہیں جو بامرالٰہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

یعنی ایک کے پیچھے ایک لشکر کے فوجی دستے چلے آتے ہیں۔ ایک لشکر آیا، یہ گیا تو دوسرا آیا، وہ گیا تو اس کی جگہ تیسرا آیا۔ ایک طرف لشکروں کا ورود ہو رہا ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ میدانِ جہاد میں اسے ثابت قدمی کی برکتیں عطا فرماتا ہے، خیر و فلاح کی بشارتیں بھیجتا ہے اور انعامات و اکرامات کے بڑے بڑے وعدے فرماتا ہے، صبر و ثبات کی تاکید کرتا ہے اور بار بار اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کہتے ہیں کہ گھڑی بھر صبر کرلو اور ابدی دائمی استراحت اور انعاماتِ لم یزلی کے مالک بن جاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی امداد کے لیے ایک اور لشکر بھیج دیا، وحی، یعنی کلام کا لشکر اور اپنا رسول بھیجا۔ اس رسول پر اپنی کتاب بھیجی۔ ایک طاقت کے بعد دوسری طاقت، ایک مدد کے بعد دوسری مدد، ایک اعانت کے بعد دوسری اعانت کا سلسلہ اس نے جاری رکھا۔ ان اعانتوں کے بعد یہ انعام کیا کہ عقل کو اس کا وزیر اور مدبر، معرفتِ حق کے لیے اس کا مشیر و ناصح مقرر کر دیا۔ ایمان دیا کہ ثابت قدم رہ کر عملی اقدام کرے اور ہمیشہ اس کا موید و ناصر بنا رہے۔ یقین عطا فرمایا تا کہ حقیقت امر پوری طرح اس پر واضح ہو جائے کہ دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کرنے پر اللہ نے جو وعدے کیے ہیں، ان پر ایسا یقین رکھے، گویا موعودہ چیزوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

عقل بندے کی عسکری تنظیم کی قائد ہے اور معرفت، امورِ جنگ، اسبابِ حرب اور مواقع جنگ کی ناظم، اور ایمان ثابت قدمی کے شعبے کا محافظ کہ ہمہ وقت اس میں صبر و ثبات کی روح پھونکتا رہتا ہے۔ یقین، جذباتِ جہاد کو برافروختہ اور بیدار کرنے والا واعظ ہے، تا کہ وہ پوری قوت سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری ظاہری، باطنی امداد سے بھی اسے نوازا، تا کہ پوری پوری استعداد و قابلیت سے جہاد کا فرض انجام دے۔ آنکھ کو مقدمۃ الجیش گردانا، کانوں کو خبر رساں دستہ قرار دیا اور زبان کو اس دستے کا ترجمان اور ہاتھوں اور پاؤں کو اعوان و انصار گردانا۔ پھر فرشتوں اور

حاملینِ عرش کو ان کی پشت پر کھڑا کر دیا کہ اس کے حق میں دعاء واستغفار کرتے رہیں کہ گناہوں اور لغزشوں سے اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے اور اسے جنت کا حقدار گردانے اور پھر حقیقی مدافعت ودفاع کا کام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پاس رکھا۔ فرمایا:

اولئک حزب اللّٰہ ألا إن حزب اللّٰہ هم المفلحون (المجادلة ۵۸: ۲۲)

یہ خدائی گروہ ہے سنو جی! خدائی گروہ ہی آخر کار فلاح پائے گا۔

اور اسی گروہ کو **حزب اللّٰہ** کہا جاتا ہے جو ہمیشہ غالب ومنصور رہتا ہے۔

وان جندنا لهم الغالبون (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۷۳)

اور بے شک ہمارا لشکر ضرور غالب آ کر رہے گا۔

اور پھر اللہ نے اپنے بندوں کو جہاد کی کیفیت اور طریقہ سکھلایا کہ کس طرح بندے جہاد کریں؟ اور چار ہی کلمات میں کیفیتِ جہاد کو واضح کر دیا، فرمایا:

یا أیها الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون (آل عمران ۳: ۲۰۰)

مسلمانو! اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں، برداشت کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تعلیم دو، اور آپس میں بھی مل جل کر رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔

یہ وہ چار چیزیں ہیں جن کے بغیر جہاد انجام ہی نہیں پا سکتا۔ صبر، دشمن کے مقابلے میں ثبات اور استقلال سے حاصل ہوتا ہے۔ دشمن سے مقابلہ کرنے کی صورت یہی ہے کہ پوری ہمت وصبر سے اس کی مقاومت اور مقابلہ کیا جائے اور ہر ممکن طریقے سے اسے پست کر دیا جائے۔

جب صبر وثبات کے ذریعے دشمن کے مقابلے میں کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر ایک دوسری چیز کی ضرورت رہتی ہے، وہ یہ کہ آئندہ کے لیے دشمن سے اپنا تحفظ کر لیا جائے، چنانچہ سرحدوں کا تحفظ لازمی چیز ہے، اور اس کی شکل یہ ہے کہ قلب کے مورچوں اور ناکوں کی پوری پوری نگرانی کی جائے، تاکہ دشمن ان مورچوں کے ذریعے اندر گھس نہ آئے۔ آنکھ، کان، زبان، شکم، ہاتھ پاؤں یہ تمام ناکے ہیں۔ ان کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔ دشمن ان ناکوں کی تاک

میں لگا رہتا ہے اور پوری ہوشیاری سے حالات کا تجسس کرتا رہتا ہے، نہایت خاموشی سے اندر گھس آتا ہے اور جو کچھ شہروں اور آبادیوں میں پاتا ہے، تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ان مورچوں اور ناکوں کی حفاظت اور عسکری نگرانی کی صورت یہ ہے کہ مورچوں اور ناکوں کا کامل ہوشیاری سے التزام کیا جائے اور کسی طرح انہیں خالی نہ چھوڑا جائے۔ دشمن ان ناکوں کے قریب بھی نہ پہنچنے پائے۔ ناکوں سے ذرا بھی غفلت برتی جائے گی، دشمن اندر گھس پڑے گا۔

غور کیجیے! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، انبیاء کرام اور مرسلین عظام کے بعد سب سے اعلیٰ و افضل مرتبے کے حامل تھے اور شیطان رجیم سے بالکل محفوظ تھے، جن کی حفاظت و حراست اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ کر رہا تھا، لیکن جنگِ احد کے موقع پر اس مورچے اور ناکے سے غفلت برتی گئی جس کی حفاظت کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ کسی حال میں بھی اس مورچے سے نہ ہٹنا۔ اس کا انجام یہ نکلا کہ دشمن وہاں سے گھس آیا اور جو کچھ ہونا تھا، ہوا۔

اوپر کی ان تین چیزوں کی اصل و اساس تقویٰ ہے۔ دشمن کے مقابلے میں صبر و ثبات اور مورچوں کا تحفظ اسی وقت ممکن ہے، جب تقویٰ موجود ہو۔

اب ہر دو متقابل لشکروں کے تصادم پر غور کیجیے کہ دشمن کس طرح غالب آتا ہے؟ کفر والحاد کا بادشاہ اپنا لاؤ لشکر لے کر حملے کی تیاریاں کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ انسان کا قلب اپنی کرسی مملکت پر ایک محفوظ قلعے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے اعوان و انصار پوری طرح اس کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اس کا لشکر پوری دیانت داری کے ساتھ اس کی حفاظت کر رہا ہے اور اس کے دشمنوں سے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ لڑ رہا ہے۔ اس کی عزت و حرمت اور دشمنوں کی مدافعت میں پوری سرگرمی دکھا رہا ہے۔ اب وہ یہ دیکھتا ہے کہ جب تک قلب کے امراء و رؤساء، لشکر اور لشکر کے سرداروں کو فریب اور دھوکہ نہیں دیا جائے گا، اس کا مقابلہ ناممکن ہے۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ قلب کے خواص اور لشکر کے خصوصی سردار اور اس کے مقربِ بارگاہ کون کون ہیں؟ اسے جواب ملتا ہے کہ نفس اس کا خاص الخاص معتمد علیہ ہے۔

یہ معلوم کر کے وہ اپنے اعوان و انصار کو حکم دیتا ہے کہ اس کے نفس کو تم اپنے قابو میں لے آؤ۔

مختلف قسم کی خواہشات لے کر اس کے پاس پہنچو اور اس کی محبت کے مواقع تلاش کرو۔ اسے جو چیزیں محبوب ہیں ان کی جستجو کرو، اور اس سے بڑے بڑے وعدے کرو، اسے بڑی بڑی امیدیں دلاؤ، اس کے محبوب کی صورت مختلف انداز میں اس پر منقش کرو، اس کی بیداری کے وقت بھی، اور سو جائے تو اس وقت بھی۔ جب نفس کو وعدوں پر پورا اطمینان ہو جائے تو پھر اس کے سامنے شہوات و خواہشات کی رسیاں اور کانٹے پھینکو۔ جب وہ پھنس جائے اور کانٹے کو پکڑ لے تو رسی اور ڈور کھینچو۔ جب نفس تمہارے فریب میں آ جائے تو پھر آنکھیں، کان، زبان، منہ، ہاتھ پاؤں کے مورچوں پر قبضہ جمانے کی کوشش کرو۔ بہت جلد یہ مورچے تمہارے قبضے میں آ جائیں گے۔ اس کے بعد پوری قوت سے تم ان مورچوں پر اپنی طاقت جمالو اور پھر مورچوں کی راہ سے قلب تک پہنچ جاؤ۔ جب قلب تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کہ تم نے اسے مار لیا۔ تم اسے اپنا اسیر بنالو، یا پھر وہ تمہارے وار جھیل جھیل کر زخمی اور نیم جاں ہو کر رہ جائے گا۔ ان مورچوں کو تم کسی حال میں بھی نہ چھوڑنا۔ دشمن کی فوج یا اس کے کسی فوجی دستے کو ان مورچوں تک نہ پہنچنے دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قلب تک پہنچ جائیں، اور قلب پھر ان مورچوں کے ذریعے تمہیں پیچھے دھکیل دے، مورچوں سے بے دخل کر دے۔

پھر تم ظفریاب ہو جاؤ تو دشمن کی فوجوں اور فوجی دستوں کو توڑ دو، کمزور کر دو اور ان کی ہمتیں پست کر دو تاکہ یہ یہاں سے اپنے فرمانروا، یعنی قلب تک پہنچ نہ سکیں۔ اگر پہنچیں تو بے حیثیت ہو کر پہنچیں۔ ان مورچوں پر غلبہ پالو تو آنکھ کا مورچہ تاکو اور اس پر قبضہ جمالو۔ نگاہ کو تم غور و فکر کا موقع نہ دو، بلکہ اسے لہو، لعب، تفریح، ظاہری خوبصورتی اور نمائشی مظاہر اور کھیل کود میں لگا لو اور اگر کبھی عبرت و تدبر کی جھلک اس تک پہنچ جائے تو فوراً اسے غفلت، ظاہر پرستی اور شہوات کے جھمیلوں میں پھنسا دو، کیونکہ یہ چیزیں قلب کے قریب ہوتی ہیں۔ اس کا نفس ان چیزوں سے زیادہ وابستہ ہوتا ہے۔ یہ چیزیں بظاہر اسے زیادہ گراں بھی نہیں گزرتیں۔

دیکھو! نگاہ کا مورچہ پوری طرح سنبھال لینا۔ تمہاری تمام آرزوئیں اس سے پوری ہو جائیں گی۔ میں نے نگاہ ہی کے ذریعے اولادِ آدم کو ہمیشہ خراب و تباہ کیا ہے۔ نگاہ ہی کے ذریعے اس کے قلب میں شہوت کے بیج ڈالتا ہوں اور پھر تمناؤں اور آرزوؤں کا پانی دیتا ہوں اور طرح

طرح کے وعدے کرتا ہوں اور طرح طرح کی تمناؤں کے میدان اس کے سامنے دھر دیتا ہوں، تا آنکہ اس میں عزم اور ارادے پیدا کر دیتا ہوں، پھر شہوات کی لگام چڑھا کر اسے عصمت کے تخت سے نیچے گرا دیتا ہوں۔

دیکھو! اس مورچے کو کبھی نہ چھوڑنا، تاامکان اس مورچے کو دشمن کے حق میں تباہ و برباد کر دو۔ اس کی اہمیت اس کے دل سے نکال دو، اسے یہ کہو کہ اے نظر و نگاہ! تو یہ حسین و جمیل صورتیں دیکھ، یہ تو اپنے خالق و رازق کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔ ان سے تو اللہ اور اللہ کی صفات پر غور و تدبر کرنے کی راہیں کھلتی ہیں۔ اللہ نے یہ صورتیں ہی اس لیے بنائی ہیں کہ انہیں ہم دیکھیں۔ اس لیے تو نہیں بنائیں کہ یہ ہم سے چھپائی جائیں۔ اگر کسی اجڈ بے وقوف سے پالا پڑ جائے تو اسے اس طرح فریب دو کہ ارے یہ صورتیں تو حق تعالیٰ کے مظاہر ہیں۔ اس کا جمال انہیں مظاہر میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے خالق و مخلوق کے اتحاد و وحدت کی دعوت دو۔ اگر اتحاد و وحدت کی دعوت میں تمہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکے تو اسے حلول عام اور حلول خاص(۱) کی وادیوں میں بھٹکا دو اور پوری کوشش کرو۔ کم از کم اس منزل تک تو اسے تم ضرور پہنچا دو۔ اس سے وہ کم از کم نصاریٰ کا بھائی تو ضرور ہو جائے گا۔ جب وہ اس منزل تک پہنچ جائے، تو پھر تم اسے عفت و عصمت، اجتنابِ معاصی، عبادت، زہد فی الدنیا کی تلقین کرو اور جاہلوں کو ان کے پھندوں میں پھنسا دو۔ جاہل لوگ اس کا شکار بن جائیں گے، تو پھر یہ تو میرا مقرب خلیفہ اور میری فوج کا سردار بن جائے گا، بلکہ میں خود بھی اس کے لشکر کا ایک سپاہی بن جاؤں گا اور اس کے معاونین میں شریک ہو جاؤں گا۔

---

۱) مذہب اتحاد اور مذہب حلول میں فرق یہ ہے کہ اتحاد اس عقیدے کا نام ہے کہ خالق اور مخلوق اس قدر متحد ہو گئے کہ دونوں مل کر ایک ہو گئے۔ مخلوق کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ خالق کے ظاہر ہونے کے مظاہر ہیں۔ حلول کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں حلول کر آیا۔ حلول کی بھی دو قسمیں ہیں۔ حلول عام اور حلول خاص۔ حلول عام یہ ہے کہ تمام مخلوق میں خدا حلول کر آیا، اور حلول خاص کے یہ معنی ہیں کہ کسی خاص مخلوق میں حلول کر آیا۔ غرض اتحاد و حلول دونوں مذہب غلط اور خلاف شرع ہیں۔

فصل ۵۱

حق و باطل کی تمیز ختم کرنے میں شیطان کا کردار

پھر بڑا شیطان اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ تم کان کا مورچہ سنبھال لو، جو تمہارے کاموں کو خراب کرے، ایسی کوئی بات اور کوئی چیز کانوں کے اندر گھسنے نہ پائے۔ پوری کوشش کرو کہ فاسد اور خراب باتوں کے سوا کوئی چیز اس مورچے سے اندر جانے نہ پائے۔ باطل اور فاسد باتوں کو مزین، آراستہ و پیراستہ، ملیح و مقبول بنا کر نفس کے سامنے پیش کرنا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں۔ شیریں الفاظ اور نرم کلامی اختیار کرو۔ اگر کچھ سمجھدار لوگوں سے پالا پڑ جائے تو سحر آفریں کلام اختیار کرو اور گفتگو میں ایسی باتوں کی آمیزش کرو کہ نفس فوراً انہیں قبول کر لے۔

پہلے تو ایک کلمہ، ایک جملہ پیش کرو۔ دیکھو کہ وہ کان دھرتا ہے تو دوسرا کلمہ، دوسرا جملہ پیش کرو۔ جب دیکھو کہ اس نے ایک بات اچھی سمجھ کر قبول کر لی تو اس بات کو بار بار دہراؤ اور دہراتے چلے جاؤ۔ پوری پوری نگرانی رکھو کہ اس مورچے سے اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا کلام، رسول کی باتیں، یا ناصحین دین کی کوئی بات نہ پہنچنے پائے۔ اگر تم کبھی مغلوب ہو ہی جاؤ اور اس تک کوئی نصیحت کی چیز پہنچ ہی جائے تو پینترا بدل لو، اس کے فہم و تدبر، غور و تفکر، نصیحت و موعظت کے راستے میں رکاوٹیں ڈالو۔ جو چیزیں اس کے خلاف ہوں، شاندار پیرایہ میں اس کے سامنے پیش کرو۔ اگر ایسی چیزیں تم نے اس کے سامنے قرینے سے پیش کر دیں تو فہم و تدبر کی راہ میں وہ حائل ہو جائیں گی اور نفس فوراً اثر قبول کر لے گا اور سمجھنے لگے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کی باتیں تو بڑی بوجھل ہیں۔ ہم کس طرح اٹھا سکیں گے؟ یا نفس کو اس طرح ورغلاؤ کہ بہت معمولی بات ہے، یا یہ سمجھاؤ کہ اس پر عمل کرنا تو ان لوگوں کا کام ہے جو بڑے درجے کے لوگ ہوں اور لوگوں میں

امتیازی درجہ رکھتے ہوں، معزز اور مقبول ہوں۔ یہ ان مخلص بندوں کا کام ہے جو مقبولیت کے بلند مراتب کے حامل ہوں اور ان مخصوص بندوں کے اوصاف کچھ ایسے بیان کیے جائیں کہ دنیا میں ان صفات کا آدمی میسر ہی نہ آسکے، یا پھر یہ کہو کہ بھائی! حق تو آج کل بالکل مہجور ومتروک ہو چکا ہے، حق بات کہنے سے تو ساری دنیا دشمن بن جاتی ہے، اب تو کسی نہ کسی طرح لوگوں سے اپنا مطلب نکال لو۔ یہ اور اس قسم کی باتیں پیش کر کے اسے حق بات سے بھٹکا دو۔

غرض یہ کہ شیاطین باطل کو مختلف قالبوں میں ڈھال کر نفس کے نزدیک مرغوب اور مقبول بنا دیتے ہیں اور حق کو مکروہ قالب میں ڈھال کر ناقابلِ عمل بنا کر دور پھینک دیتے ہیں۔

اگر تمہیں شیاطین کے کارناموں کا کچھ اندازہ لگانا ہو تو تم ان شیاطین کے بھائی، انسانی شیاطین کے کارناموں پر غور کرو کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم الشان فریضے کو کس طرح لوگوں کی لغزشیں تلاش کر کے فضول باتوں میں الجھا دیتے ہیں اور ناقابل برداشت مصائب کھڑے کر دیتے ہیں، کیا کیا فتنے پیدا کر دیتے ہیں۔ کس طرح اتباعِ سنت سے اور صفاتِ الٰہیہ سے جو خود اللہ نے اپنے لیے بیان کی ہیں، ہٹا کر تشبیہ، تجسیم اور تکییف وغیرہ کے قالبوں میں ڈھال دیتے ہیں؟ اور کہتے ہیں کہ علو اور استویٰ علی العرش کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہ اعتبار تحیز اپنی مخلوقات سے متباین ہے۔ آسمان دنیا پر اللہ کے نزول اور من يسئلني فأعطيه (جو مجھ سے سوال کرتا ہے، میں اسے دیتا ہوں) کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اللہ حرکت کرتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور اللہ نے اپنی ذات کے لیے جو يد (ہاتھ) اور وجه (چہرہ) کہا ہے، اسے ویسا ہی چہرہ کہتے ہیں، جو انسان کا ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کو حادث اور اس کی صفات کو اعراض کہا کرتے ہیں، اور کچھ کلیات گھڑ لینے کے بعد ان سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ اس غلط استدلال کے ذریعے اللہ نے جو اوصاف اپنی ذات کے لیے ثابت کیے ہیں، ان کی نفی کرتے ہیں اور ناتجربہ کار، بے علم جہلاء کو تو ہم اور شکوک میں مبتلا کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ نے جن صفات کا اللہ کی ذات کے لیے اثبات کیا ہے، اس سے یہ سب باتیں لازم آتی ہیں، اس لیے بعینہ یہ صفات مراد نہیں، بلکہ کچھ اور ہے۔ اس طرح وہ صفات الٰہیہ کو بالکل

معطل کر کے اس تعطیل کو تنزیہ، تقدیس اور تعظیم کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں اکثریت بے عقل لوگوں کی ہے۔ یہ کسی ایک چیز کو ایک لفظ کے ساتھ مان لیتے ہیں، اور دوسرے لفظ سے اس کی تردید کر دیتے ہیں۔ ان کی عقل کا نہ کوئی معیار ہے، نہ ان کی فہم و دانش کا۔ اس قسم کے لوگوں کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وكذالك جعلنا لكل نبي عدواً شياطين الانس والجن يوحي بعضهم الى بعض زخرف القول غروراً (الانعام ٦: ١١٢)

اور اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا تھا کہ دھوکہ دینے کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پھونکتے رہتے تھے۔

اس آیت میں اس قسم کی باتوں کو زخرف کہا گیا ہے اور زخرف قول باطل کو کہتے ہیں، کیونکہ اس قسم کی باتیں کرنے والے اپنی باطل باتوں کو مزین اور آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں، اور باطل کی تزئین میں اپنا پورا زور لگا دیتے ہیں۔ باطل کو عمدہ لباس پہنا کر فریب خوردہ لوگوں کے سامنے کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ دھوکہ کھائے بغیر نہیں رہتے۔

مقصود یہ ہے کہ شیطان پورے التزام سے کانوں کے ناکے کی مورچہ بندی کرتا ہے کہ کسی طرح بھی کوئی مفید اور نفع بخش بات انسان کے کانوں تک پہنچنے نہ پائے۔ حق بات کو کسی طرح بھی اس کے کانوں میں جانے نہ دیا جائے اور وہی باتیں پہنچائی جائیں جو انسان کے حق میں ضرر رساں ہوں۔ کبھی بلا قصد و ارادہ کوئی حق بات اور مفید چیز پہنچ بھی جائے تو ہزار فریب سے باطل اور فاسد باتیں القاء کر کے حق کو ناحق بنا دیا جائے۔



فصل ۵۲

کان کے بعد زبان کی مورچہ بندی

پھر یہ بڑا شیطان اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ اب تم انسان کی زبان کے مورچے پر قبضہ جما لو، کیونکہ زبان انسان کا ایک اہم اور زبردست ناکہ ہے۔ یہ ایسا مورچہ ہے کہ بادشاہ (قلب) کے بالکل سامنے ہے۔ انسان کی زبان سے تم ایسے الفاظ اور کلمات نکلواؤ کہ اس کے حق میں سراسر مضرت رساں ہوں، کسی حال میں بھی اس کے حق میں مفید نہ ہوں۔ ذکرِ الٰہی، استغفار، توبہ، انابت، تلاوت قرآن، نصائح، پند و موعظت، تعلیم دین وغیرہ جو اس کے حق میں مفید ہوں، اس کی زبان پر مت آنے دو۔ اگر تم اس مورچے پر قابو پالو گے اور اس کی حفاظت کرو گے تو تمہیں دو اہم عظیم الشان چیزیں مل جائیں گی اور دو میں سے اگر ایک بھی حاصل ہوگئی تو بہت کچھ کامیابی حاصل ہوگی، اس لیے اس کی تحصیل کے لیے پوری پوری کوشش کرو۔

پہلی چیز یہ ہے کہ زبان پر باطل الفاظ اور فاسد کلمات کے سوا کوئی بات جاری نہ ہونے دو۔ بدزبانی اور بدگفتاری کرنے والا تمہارا بھائی ہے، تمہاری فوج کا سردار اور سرغنہ ہے، تمہارا بہت بڑا معاون اور مددگار ہے، اس کی پوری پوری قدر کرنا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ تم اس کی زبان پر قابو پالو گے تو وہ حق بات کہنے سے رک جائے گا، اور جو آدمی حق بات سے اپنی زبان روک لے، وہ تمہارا گونگا بھائی ہے۔ پہلی قسم کا آدمی تمہارا بدگفتار بھائی ہے اور یہ تمہارا گونگا بھائی ہے۔ بسا اوقات بدگفتار بھائی کے مقابلے میں گونگا بھائی تمہارے حق میں زیادہ مفید ہوتا ہے۔ کیا تم نے کسی واعظ ناصح کا مقولہ نہیں سنا؟

المتكلم بالباطل شيطان ناطق والساكت عن الحق شيطان أخرس

بدگفتار آدمی بولنے والا شیطان ہے اور حق سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

دیکھو میرے بیٹو! اس مورچے پر اپنے گھوڑے باندھے رکھو اور پوری قوت مہیا رکھو۔ اس کی پوری پوری حفاظت کرو۔ خیال رہے کہ اس کی زبان سے کوئی حق بات نکلنے نہ پائے، بدگفتاری ہی اس کی زبان سے جاری رہے۔ باطل اور فاسد باتیں خوب مزین اور آراستہ کر کے اس کے سامنے دہراتے رہو تا کہ بدگفتاری جاری رہے۔ حق بات سے اس کی زبان کو روک دو، اور اسے ڈراؤ کہ حق بات زبان سے نکالی تو مارے گئے۔

میرے پیارے بیٹو! خوب سمجھ لو کہ زبان ہی کے مورچے سے میں نے اولادِ آدم کو ہلاک کیا ہے، زبان ہی کے ذریعے میں اسے تباہ کرتا ہوں، منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا ہوں، بہت سوں کو اس کے ذریعے قتل کے گھاٹ اتار دیتا ہوں، بہت سوں کو اسیر و قیدی بنا دیتا ہوں، بہت سوں کو زخمی اور نیم جان کر کے رکھ دیتا ہوں۔ یہ نہایت اہم مورچہ ہے اور اس قسم کے بے شمار کام اس سے انجام پاتے ہیں۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس مورچے کی پوری پوری حفاظت کرنا۔ تم میں سے اگر کوئی کسی آدمی کی زبان سے برے الفاظ، برے کلمات کہلوا دے تو دوسروں کا فرض ہونا چاہیے کہ سننے والوں کی زبانوں پر قابو پالیں اور ان سے کہلوا دیں کہ واہ بھائی واہ! کیسی اچھی بات کہی ہے اور پھر اس کی بات کی پوری پوری عظمت و وقعت کا اسے احساس دلا دو، مستعجبانہ لہجے میں تعریف و توصیف کرا دو تا کہ اصل بات کرنے والا دوبارہ انہی الفاظ و کلمات کو خوش ہو کر دہرانے لگے۔

میرے بیٹو! تم اس بارے میں ان لوگوں کے معاون بن جاؤ اور ان کی پوری پوری معاونت کرو۔ ہر دروازے کے اندر جا گھسو، ہر جگہ جا بیٹھو اور گھات میں لگے رہو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے رب کے سامنے یہ قسم کھائی ہے؟

فبما أغويتني لأقعدن لهم صراطك المستقيم ثم لآتينهم من بين أيديهم ومن خلفهم وعن أيمانهم وعن شمائلهم ولا تجد أكثرهم شاكرين (الاعراف ۷:۱۶-۱۷)

جیسی تو نے میری راہ ماری ہے، میں بھی بڑے سیدھے رستے پر بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں تو سہی، پھر ادبدا کر ان کے آگے سے آؤں، ان کے پیچھے سے آؤں اور ان کی دائیں طرف سے آؤں اور ان کی بائیں طرف سے آؤں اور تو اکثر بنی آدم کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں اولاد آدم کے تمام راستے گھیرے بیٹھا رہتا ہوں؟ کسی ایک کا راستہ بھی چوکتا نہیں اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے، اپنا مقصد پورا کر لیتا ہوں۔ یہ مقصد اگر مکمل طور سے حاصل نہیں ہوتا تو کچھ نہ کچھ تو ضرور حاصل کر لیتا ہوں۔

شیطان کے مکائد سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ان الشیطان قد قعد لابن آدم بطرق کلھا

یہ حقیقت ہے کہ بنی آدم کے تمام راستوں پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔

شیطان اسلام کے راستے پر جا بیٹھتا ہے۔ جب کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اسے ورغلاتا ہے کہ کیا تو اپنا اور اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ رہا ہے؟ آدمی اس کی مخالفت کرتے ہوئے بھی اسلام قبول کر لے تو وہ اس کی ہجرت کی راہ پر جا بیٹھتا ہے، اور اسے ورغلاتا ہے کہ ارے تو اپنا قدیم وطن، قدیم آسمان وزمین چھوڑ رہا ہے۔ اس کی جب یہ بات بھی نہ مانی جائے تو اس کے جہاد کے راستے پر آ بیٹھتا ہے اور اسے ورغلاتا ہے کہ او بھلے آدمی! خواہ مخواہ اپنی جان دیتا ہے، تیرا مال دوسرے کھائیں گے، تیری بی بی کسی اور سے نکاح کر لے گی، لیکن مومن بندہ اس کی بات نہیں سنتا اور جہاد کرتا ہے۔

بڑا شیطان اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ پیارے بیٹو! تم اولادِ آدم کی خیر وفلاح کے ہر راستے پر جا بیٹھو۔ انہیں ورغلاؤ، بہکاؤ، خیرات وصدقات کی راہیں گھیرو اور نفس سے کہو کہ ارے او بھلے آدمی! تو اپنا سب کچھ خرچ کر ڈالتا ہے، اس سے تو ایک دن میں فقیر بن جائے گا، سنا نہیں کہ ایک شخص سے کسی سائل نے صدقے کی درخواست کی تو میں نے اس کی زبان سے کہلوا دیا کہ ہم اپنا مال اگر تمہیں دے دیں تو تمہاری ہی طرح بھکاری نہ ہو جائیں۔ حج کا ارادہ کرنے والے کو

گھیرو اور اسے کہو کہ او نیک بخت! حج کا راستہ تو بڑا خوف ناک ہے، مشقتوں سے لبریز اور جان و مال کے خطرے سے پر ہے۔

اسی طرح اس کے ہر خیر و فلاح کے راستے پر دھرنا دے بیٹھو! اسے نیک کام سے روک دو۔ اس عمل کی صعوبتیں اور آفتیں بتلا بتلا کر اسے راستے سے بھٹکا دو۔ اس کے بعد معاصی اور گناہوں کو ہاتھ میں لو۔ بنی آدم کی نگاہوں کے سامنے معاصی کو حسین بنا کر پیش کرو۔ انسان کے قلب میں گناہوں کو آراستہ و پیراستہ کر کے پہنچاؤ، اور اس سلسلے میں عورتوں کو اپنی سب سے بڑی معاون بنالو۔ عورتوں کے ذریعے ان لوگوں میں جا گھسو۔ عورتیں تمہاری پوری پوری مددگار ثابت ہوں گی۔

اب ہاتھ پاؤں کے مورچے سنبھال لو اور جو چیز اپنے مقصد کے خلاف پاؤ، اسے ادھر جانے مت دو، پوری قوت سے روک دو، نہ ہاتھ کو آگے بڑھنے دو، نہ پاؤں کو۔

میرے بیٹو! اچھی طرح سمجھ لو کہ ان تمام مورچوں میں تمہارا سب سے بڑا معین نفس امّارہ ہے۔ تم اسے اپنا بناؤ، اس سے رشتہ جوڑو اور اس کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کرو۔ تم اس کی پشت پناہی کرو، اور اسے اپنا پشت پناہ بنالو۔ اس کے ساتھ رہ کر نفس مطمئنہ سے جنگ کرو اور اسے توڑ دو، شکست دے کر اس کی ساری طاقتیں ختم کر دو اور پوری کامیابی تو تمہیں اس وقت حاصل ہو گی جب تم نفس مطمئنہ کا اصل مادہ ہی ختم کر دو گے۔ پھر نفس امّارہ قوی تر ہو جائے گا اور نفس امّارہ کے تمام اعوان و انصار تمہاری اتباع کرنے لگیں گے۔ اس وقت تم قلب اور قلب کے قلعے میں جا گھسو، اسے گرفتار کر لو اور تختِ مملکت سے معزول کر کے نفس امّارہ کو اس کی جگہ بٹھا دو۔ اب نفس امارہ وہی حکم جاری کرے گا جو تم چاہو گے۔ تمہارے خلاف کبھی کوئی اقدام نہیں کرے گا، بلکہ تمہارے اشاروں پر دوڑتا رہے گا۔

اگر تم محسوس کرو کہ قلب اپنی مملکت کی بازیابی کے لیے جنگ کرنا چاہتا ہے اور تم اس کے خطرات سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو قلب اور نفس کے درمیان عقد نکاح باندھ دو۔ نفس کو زینت و جمال سے پوری طرح آراستہ کرو اور بہتر سے بہتر دلہن کی صورت میں اس کے سامنے پیش کرو۔

اسے کہو کہ ذرا وصل و وصال کی شرینی تو چکھ لو، عروسِ نو کی ہم آغوشی کا مزہ تو دیکھ لو، جنگ کا مزہ تو خوب چکھ لیا، زخم کھائے، لڑائی کی تلخیاں بھی چکھ چکے، اب صلح وسلامتی کی لذتیں بھی تو دیکھ لو۔ صلح و جنگ کی لذتوں کا موازنہ کرو کہ کون سی چیز بہتر ہے؟ جنگ ختم کرو، جنگ کا اسلحہ زمین پر ڈال دو، ارے بھائی! یہ تو زمانے کی گردش ہے، جنگ تو اس وقت ختم ہو گی جب مریں گے اور تمہاری طاقتیں جواب دے دیں گی۔ تم ہمیشہ جنگ جاری نہیں رکھ سکتے، پھر ابھی سے جنگ ختم کر کے چین کی زندگی کیوں نہ گزارو؟

اے میرے بیٹو! تمہیں اپنی جنگ جاری رکھنے کے لیے دو قسم کی فوجیں درکار ہیں۔ یہ دو قسم کی فوجیں اگر تمہارے پاس ہیں تو تم کبھی کسی حال میں مغلوب نہیں ہو سکتے۔

پہلی فوج غفلت کا لشکر ہے۔ بیٹو! اولادِ آدم کو اللہ اور آخرت سے غافل کر دو۔ ہر ممکن طریقے سے ان کے قلوب کو غفلت و بے خبری کی دلدل میں پھنسا دو۔ تمہیں اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ قلب کو جب تم غفلت میں ڈال دو گے تو اس پر اس کے تمام اعوان وانصار پر تمہاری حکومت قائم ہو جائے گی۔

دوسری فوج شہوات وخواہشات کا لشکر ہے۔ انسان اور انسان کے قلوب اور نگاہوں میں شہوات وخواہشات کو پوری زینت اور آراستگی کے ساتھ پہنچاؤ۔ میرے پیارے بیٹو! ان ہر دو لشکروں کے ساتھ ان پر حملے کیا کرو۔ بنی آدم پر غالب آنے کے لیے ان دو لشکروں سے بہتر تمہیں کوئی لشکر نہیں مل سکتا۔ شہوات وخواہشات کے ذریعے انہیں غفلت میں ڈال دو اور غفلت کے ذریعے شہوات وخواہشات میں الجھا دو۔ دو غافل انسانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرو اور اپنے ساتھ لے لو۔ ان دو غافل انسانوں کے ساتھ ایک ذاکر انسان کو بھی شامل کر لو۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ ایک ذاکر پانچ مخالف افراد پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ دو غافل آدمی ہوں گے، ان کے ہمراہ ان کے دو شیطان اور ایک ذاکر کا شیطان، بتلاؤ! ایک ذاکر ان پانچ کے مقابلے میں کیونکر غالب آئے گا؟

اور پھر اگر تم دیکھو کہ کوئی گروہ ذکرِ الٰہی میں مشغول اور اللہ کے اوامر ونواہی اور دین وملت کے مذاکرے میں مصروف ہے؟ اور تم میں اگر طاقت نہیں کہ اس گروہ کو منتشر اور پراگندہ کر سکو تو تم

انہی لوگوں میں سے چند اوباشوں کو اپنے ساتھ لے لو اور پوری طرح انہیں گمراہ کر کے اس گروہ کے خلاف چھوڑ دو اور کہہ دو کہ جاؤ ان کے اندر تشویش و پراگندگی پھیلاؤ، اور شور و شغب سے انہیں وحشت زدہ کر دو۔

غرض یہ کہ انہی کے اقران، ہم جنس، ہم نواؤں کو اپنا معین و مددگار بنالو۔ انسان کے اندر اس کے ارادے کی راہ سے گھس جاؤ اور شہوات و خواہشات کے ذریعے باغیانہ قوت بڑھادو اور شہوات و خواہشات کی تحصیل میں اس کی پوری پوری امداد کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جب اولادِ آدم کو صبر و ثبات اور باہمی صبر و ثبات کے روابط بڑھانے اور تمہارے خلاف مورچہ بند ہونے کا حکم دیا تو تمہارا یہی فرض ہے کہ اولادِ آدم کے خلاف تم بھی صبر و ثبات اور باہمی صبر و ثبات کے روابط قائم کرنے کی کوشش کرو، اور پوری قوت سے ان کے مقابلے میں مورچے قائم کرو۔ شہوات و خواہشات اور غیظ و غضب کے اوقات کا انتظار کرو۔ ان دو مواقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔ بنی آدم کو اپنا شکار بنانے کے لیے ان دو مواقع سے بہتر کوئی موقع تمہیں نہیں مل سکتا۔

یہاں یہ سمجھ لو کہ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر شہوات کا تسلط ہوا کرتا ہے، اور غیظ و غضب کا بادشاہ بالکل مغلوب و مقہور ہوا کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو شہوات و خواہشات ہی کے راستوں میں گھیر لو۔ غیظ و غضب کی راہ سے تعرض ہی مت کرو۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر غیظ و غضب کی فرماں روائی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو غیظ و غضب کے راستوں میں دھر لو، لیکن ان کی شہوات و خواہشات کے مورچوں کو خالی نہ چھوڑو، کیونکہ اس قسم کے لوگ بسا اوقات اپنی جان پر قابو رکھنے سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، لیکن شہوت کے وقت اپنے نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں۔ ان کے بعد تم ان کی قوتِ غیظ و غضب اور قوتِ شہوت میں عقد زوجیت جوڑ دو۔ پھر غیظ و غضب کی راہ سے شہوت کو بلا لو اور شہوت کی راہ سے غیظ و غضب کو۔ اس طرح تمہارا کام بڑی خوبی سے انجام پاتا رہے گا۔

خوب سمجھ لو کہ آدم کی اولاد کو زیر کرنے کے لیے یہ دو چیزیں زبردست ہتھیار ہیں۔ ان

کے والدین کو میں نے شہوت کے ذریعے جنت سے نکال باہر کیا۔ غیظ وغضب کے ذریعے ان میں عداوتوں کی آگ مشتعل کردی اور ان کے رشتے توڑ دیے ہیں۔ خون ریزیوں کے میدان گرم کیے ہیں۔ اسی غیظ وغضب کے ذریعے آدم کے ایک بیٹے کے ہاتھوں اس کے بھائی کو قتل کرایا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ غیظ وغضب اولادِ آدم کے قلوب میں ایک انگارہ ہے اور شہوت آگ کا شعلہ، جو قلب کے انگارے سے مشتعل ہوتا ہے، اور یہ آگ وضو، نماز، ذکر الٰہی، تکبیر وتہلیل، تسبیح اور تلاوتِ قرآن سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ تم نہایت ہوشیاری سے کام لو۔ غیظ وغضب اور شہوت کے اوقات میں انہیں وضو اور نماز وغیرہ کے قریب نہ جانے دو کہ اس سے ان کے غیظ وغضب اور شہوت کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعوں پر انہیں وضو اور نماز کی تاکید کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

إن الغضب جمرة فى قلب ابن آدم، أما رأيتم من احمرار عينيه وانتفاح أوداجه فمن احس بذالک فليتوضاء (ترمذی : فتن)

غصہ انسان کے قلب میں ایک انگارا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اس (غصے والے) کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور کن پٹیاں پھول جاتی ہیں جو شخص غصہ محسوس کرے، اسے چاہیے کہ فوراً وضو کر لیا کرے۔

اور پھر فرمایا: إنما تطفأ النار بالماء (یہ آگ پانی ہی سے ٹھنڈی کر لی جائے)۔

اور خود اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ تمہارے خلاف وہ صبر وثبات سے کام لیں اور نماز سے استعانت حاصل کریں، لہٰذا تم انہیں وضو اور نماز سے بھٹکا دو، انہیں اللہ سے غافل اور بے خبر کر دو اور شہوت وغضب کی آگ مشتعل کر کے ان پر غلبہ پالو۔ تمہارا بہتر سے بہتر اور تیز سے تیز ہتھیار یہی ہے کہ تم انہیں غفلت اور خواہشات میں الجھا دو۔ تمہارے خلاف ان کا بہتر سے بہتر ہتھیار اور مضبوط قلعہ ذکرِ الٰہی اور خواہشات کی مخالفت ہے۔ تم کسی کو جب دیکھو کہ وہ خواہشات سے گریز کر رہا ہے تو تم اس سے دور بھاگو۔ اس کے سائے میں بھی کھڑے نہ رہو۔

مقصود یہ ہے کہ معاصی وگناہ وہ اسلحہ ہیں کہ جن کے ذریعے انسان خود اپنے دشمن کی امداد

کرتا ہے اور اپنے دشمن کو اپنے خلاف یہ اسلحہ استعمال کرنے کا موقع دیتا ہے۔ ان ہی ہتھیاروں سے شیطان انسان کے مقابلے میں جنگ کرتا ہے اور جاہل، بے سمجھ لوگ خود اپنی جان کو ہلاک کرنے میں شیاطین کے مددگار بن جاتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

مـــا یبــلــغ الأعـداء من جـاهــل   مـــا یبـلـغ الـجـاهــل من نـفـسـه

جاہل سے جس قدر امداد اس کے دشمنوں کو پہنچتی ہے، اس قدر امداد ایک جاہل خود اپنی ذات سے بھی نہیں پاتا۔

کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ بندہ خود اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اپنی تکریم وتوقیر اور عزت کر رہا ہوں۔ اپنی حرماں نصیبی اور ضیاعِ عزت وشرف کے سامان کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اپنے نصیب کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اپنی جان کی تحقیر وتذلیل اور اپنے آپ کو گندہ اور ناپاک کرنے میں اپنی قوت صرف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اپنی اصلاح کر رہا ہوں، اور اپنی رفعت وسربلندی کی کوشش کر رہا ہوں۔ بعض اسلاف نے اپنے خطبے میں کیا اچھا فرمایا ہے:

آگاہ رہو کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی توقیر بڑھا رہے ہیں، اپنی جان کو ذلیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی عزت کر رہے ہیں۔ اپنی جان کو حقیر کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی عزت بڑھا رہے ہیں۔ جان کو ہلاک کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ انسان کس قدر جاہل اور بے وقوف ہے کہ وہ اپنے خلاف اپنے دشمنوں کی ایسی امداد کرتا ہے جو دشمن خود بھی نہیں کر سکتا۔ آدمی اپنے کرتوتوں سے خود اپنے آپ کو اتنا نقصان پہنچا لیتا ہے، جتنا اس کا دشمن بھی نہیں پہنچا سکتا۔ واللہ المستعان



فصل ۵۴

دنیوی نقد اور ادھار میں تقدیم و تاخیر

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گنہ گار انسان اپنی جان کو فراموش کر دیتا ہے اور انسان جب اپنی جان کو بھول جاتا ہے تو اپنی جان ضائع کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک آدمی خود اپنی جان کو کس طرح اور کیوں کر بھلا دیتا ہے؟ ایک آدمی خود اپنے آپ کو بھلا دے تو اسے یاد کیا رہے گا؟ اپنی جان کو فراموش کر دینے کا مطلب کیا ہے؟ ہاں! انسان بہت بری طرح اپنی جان کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولاتکونوا کالذین نسوا اللّٰہ فأنسٰھم أنفسھم اولئک ھم الفاسقون (الحشر ۵۹: ۱۹)

اور ان لوگوں جیسے نہ بنو جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کی ایسی مت ماری کہ اپنے آپ کو بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔

اللہ کے بندے جب اللہ کو بھلا دیتے ہیں تو اللہ بھی انہیں بھلا دیتا ہے، اور انہیں خود ان کی جانوں سے بھی غافل کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نسوا اللّٰہ فأنسٰھم (الحشر ۵۹: ۱۹)

جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔

جو لوگ اللہ کو فراموش کر دیتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ دو سزائیں دیتا ہے۔ ایک یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو بھلا دیتا ہے، دوسری یہ کہ خود انہیں ان کی جانوں سے بے خبر کر دیتا ہے۔ ''پروردگار عالم بندوں کو بھلا دیتا ہے'' کے معنی یہ ہیں کہ پروردگار عالم انہیں چھوڑ دیتا ہے، اور اپنے

سے انہیں دور کر دیتا ہے، ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو اس کی ہلاکت و تباہی اتنی قریب ہو جاتی ہے، جتنا منہ سے ہاتھ قریب ہے۔

انہیں اپنی جانوں سے بے خبر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے حصے سے اور اپنی فلاح و سعادت، اصلاحِ دنیا و عقبیٰ اور تکمیل دارین کے ذرائع فراموش کر دیتے ہیں۔ ان مقدس چیزوں کو وہ اس طرح بھلا دیتے ہیں کہ کبھی ان چیزوں کو یاد تک نہیں کرتے۔ انہیں نہ کبھی یادآوری کا خیال آتا ہے، نہ ان امور کی تحصیل و تکمیل کے لیے ہی کبھی انہیں ہمت ہوتی ہے، اور نہ کبھی اس طرف ان کی توجہ ہوتی ہے۔ ان امور سے وہ اس قدر غافل اور بے خبر ہو جاتے ہیں کہ انہیں نہ ان کی تحصیل کا خیال آتا ہے، نہ دوسری چیزوں کے مقابلے میں ان امور کو ترجیح دینے کا وہ ارادہ کرتے ہیں، نیز وہ اپنے عیوب، اپنے نقصانات اور مصائب و آلام کو بھی اس حد تک بھول جاتے ہیں کہ اصلاحِ نفس اور ازالۂ عیوب کا خیال تک ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے قلبی امراض اور قلبی آلام کو بھی اس قدر فراموش کر جاتے ہیں کہ ان کے علاج کا خیال تک نہیں لاتے۔ انہیں ایسے امراض کے ازالے کا خیال بھی نہیں آتا جو انہیں ہلاک کر دینے والے اور دائمی موت سے ہم آغوش کر دینے والے ہیں۔ افسوس کہ وہ اس سے ایسے بے خبر اور غافل ہو جاتے ہیں کہ نہ مرض کو سمجھ سکتے ہیں، نہ وہ مرض کا علاج کر سکتے ہیں۔ دوا کا تصور ان کے اندر پیدا ہی نہیں ہوتا۔

گناہوں کی یہ عقوبت عوام و خواص سب کے لیے عام ہے، اور یہ بڑی سخت عقوبت ہے۔ درحقیقت اس سے بڑھ کر عقوبت ہی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنی جان کو بھول جائے، اپنی جان کو ہلاک کر دے اور مصالحِ نفس، امراضِ نفس، علاج، دوا، اسبابِ سعادت و فلاح، اصلاحِ دنیا و عقبیٰ، حیاتِ ابدی اور انعاماتِ خداوندی، جو دائمی ہیں، تمام کو فراموش کر جائے۔

اب ایک غور کرنے والا ان امور کو سامنے رکھ کر غور کرے تو واضح ہو جائے گا کہ اللہ کی اکثر مخلوق اپنی جانوں کو بھلا بیٹھی ہے، اپنی جانوں کو ضائع کر چکی ہے، لیکن اس کا ظہور مرنے کے بعد ہی ہوگا۔ پورا پورا ظہور تو یوم التغابن، یعنی قیامت کے دن ہوگا۔ اس دنیا میں اس نے جو کچھ لین

دین کیا ہے اور معاد و آخرت کے لیے اس نے جو تجارت کی ہے، اس کا پورا پورا علم لوگوں کو وہاں ہو گا اور پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ اس تجارت میں وہ کس قدر خسارے اور گھاٹے میں رہے؟

ہر انسان اس دنیا میں اپنی آخرت کے لیے کچھ نہ کچھ تجارت کرتا ہے، لیکن اس تجارت کی حقیقت وہاں معلوم ہو گی۔ خسارہ پانے والے جن کا دنیا میں یہ اعتقاد تھا کہ وہ اپنی تجارت میں کامیاب ہیں اور تجارت وکسب سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے، اس دن ان پر واضح ہو جائے گا کہ انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ آخرت کی لذتوں، آخرت کے نصیبے اور حصے کو دنیا کی لذتوں، دنیا کی متاع، دنیا کے نصیبے اور حصے کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ آخرت کی لذتوں اور آخرت کے انعامات کے مقابلے میں انہوں نے دنیا کی لذتوں کو ترجیح دی ہے اور صرف اسی سے وہ مستفید ہوتے رہے، اسی پر قانع رہے، اسی سے راضی اور اسی پر مطمئن رہے، اور اسی کی تحصیل میں منہمک رہے۔ دنیا میں بیع وفروخت اور لین دین کرتے رہے اور اس میں پوری پوری کوشش کرتے رہے، لیکن مقصد یہی تھا کہ وعدے کے نفع، وعدے کے فوائد کے مقابلے میں فوری فوائد کو ترجیح دی۔ آج کے ادھار کے عوض دنیا کے نقد کو مقدم رکھا۔ غائب اور بعد میں ملنے والے انعامات پر حاضر و موجود کو ترجیح دی اور یہی سمجھے کہ جو کچھ ہے، یہی ہے، چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے:

خذ ما تراه ودع شيئاً سمعت به

جو تم دیکھ رہے ہو، اسی کو لو، جس کے بارے میں صرف سنا ہے، اسے چھوڑ دو۔

اس قسم کے اور خیال کے لوگوں کا عموماً یہ مقولہ ہے کہ دنیا میں جو ہمیں مل رہا ہے، وہ نقد ہے۔ اس نقد کو ہم آخرت کے ادھار کے عوض کیسے فروخت کر دیں؟ یہ خیالات ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ضعفِ ایمان، شہوات وخواہشات کی قوت، فوری نفع کی محبت اور پھر ابنائے جنس کی دنیوی آلودگیوں کے اثرات اور ان کی نقل وتقلید ان کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر مخلوق خسارے ہی کی تجارت میں مبتلا ہے، اور ایسے لوگوں کی شان میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اولٰئک الذین اشتروا الحیاة الدنیا بالآخرة فلا یخفف عنهم العذاب ولاهم ینصرون (البقرة ۲: ۸۶)

یہی ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی۔سو نہ تو قیامت کے دن ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا، اور نہ کہیں سے انہیں مدد پہنچے گی۔

اللہ تعالیٰ انہی کی شان میں ارشاد فرماتا ہے:

فما ربحت تجارتهم وما كانوا مهتدين (البقرة ٢: ١٦)

سو نہ ان کی تجارت سودمند رہی، اور نہ وہ سیدھی راہ پر قائم رہے۔

لیکن جب یوم التغابن، یعنی قیامت کا دن آئے گا، اس وقت انہیں اپنی اس تجارت کا خسارہ معلوم ہوگا اور اس دن وہ اپنی حرمان نصیبیوں پر حسرت وندامت کے آنسو بہائیں گے۔

اپنی تجارتوں میں نفع اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے آخرت کے باقی کے بدلے میں دنیا کے فانی کو، آخرت کے نفائس کے عوض دنیا کے خسائس ورزائل کو، اور آخرت کے عظیم و برتر کے عوض دنیا کے حقیر کو فروخت کردیا، اور کہہ دیا کہ اس ساری دنیا کی حیثیت کیا ہے، جو ہم آخرت میں ملنے والے حصے کو اس حقیر کے عوض دے ڈالیں؟

بندہ اس مختصر سے زمانے میں کیا پاتا ہے؟ اور جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے، اس کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں کیا ہے؟ دنیا کی حیثیت ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ويوم يحشرهم كأن لم يلبثوا إلا ساعة من النهار يتعارفون بينهم (يونس ١٠:٤٥)

اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن اپنے حضور میں جمع کرے گا تو انہیں ایسا معلوم ہوگا، گویا دنیا میں سارے دن بھی نہیں، صرف گھڑی بھر رہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔

اور ارشاد فرمایا:

يسئلونك عن الساعة أيان مرساها فيم أنت من ذكراها الى ربك منتهاها إنما أنت منذر من يخشاها. كأنهم يوم يرونها لم يلبثوا إلا عشية أو ضحاها (النّٰزعٰت ٧٩:٤٢-٤٦)

اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا تھل بڑا بھی ہے؟ سوائے پیغمبر! تم اس کا وقت بتانے کی طرف کہاں کے بکھیڑے میں پڑے ہو۔ یہ تو تمہارے پروردگار ہی پر جا کر ٹھہرتی ہے، تم تو اس شخص کو جو قیامت سے ڈرتا ہے، آگاہ کر دینے والے ہو۔ لوگ جس دن قیامت کو دیکھیں گے تو گویا وہ بس دن کے آخر پہر ٹھہرے یا اول پہر۔

اور فرمایا:

كأنهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا إلا ساعة من نهار بلاغ (الاحقاف ۴۶: ۳۵)

جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے، جس کا وعدہ ان سے کیا جاتا ہے تو گویا دنیا میں بہت رہے تو دن میں سے ایک گھڑی بھر۔ اللہ کا حکم پہنچا دیا گیا۔

اور فرمایا:

كم لبثتم فی الارض عدد سنين قالوا لبثنا يوما أو بعض يوم فاسئل العآدين قال إن لبثتم إلا قليلاً لو انكم كنتم تعلمون (المؤمنون ۲۳: ۱۱۲-۱۱۴)

تم زمین پر گنتی کے کتنے دن رہے؟ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ جو گنتے رہے ہوں، ان سے پوچھ لیجیے۔ پروردگار فرمائے گا، بے شک تم تھوڑی ہی دیر رہے، مگر کاش تم یہی بات پہلے سمجھے ہوتے۔

ایک اور ارشاد ہے:

ويوم ينفخ فی الصور و نحشر المجرمين يومئذ رزقا. يتخافتون بينهم ان لبثتم إلاعشرا. نحن أعلم بما يقولون اذا يقول أمثلهم طريقة إن لبثتم إلا يوما (طٰهٰ ۲۰: ۱۰۲-۱۰۴)

جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن گنہ گاروں کو اپنے حضور میں جمع کریں گے۔ ان کی آنکھیں مارے خوف کے نیلی پیلی بے نور ہوں گی، آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں

گے کہ دنیا میں تم لوگ ٹھہرے ہو گے تو بس دس دن، جیسی جیسی باتیں یہ لوگ اس دن کریں گے۔ ہم ان سے بخوبی واقف ہیں کہ جو ان میں سربراہ ہوگا، وہ کہے گا نہیں جی! تم ٹھہرے ہو گے تو بس ایک دن۔

قیامت کے دن دنیا کی حقیقت اور اصل حقیقت معلوم ہوگی۔ اس دن معلوم ہوگا کہ دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کتنی مختصر ہے اور ان کا اصل گھر دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہے۔ جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہی ان کا باقی رہنے والا اور دائمی مکان ہے۔ اس دن لوگوں کو اپنے خسارے کا پتہ چلے گا اور اس دن پتہ چلے گا کہ دارالفناء کے مقابلے میں انہوں نے دارالبقاء کو کس قدر نقصان پہنچایا۔

دنیا میں ہر انسان کچھ بیچتا ہے اور کچھ خریدتا ہے۔ روزانہ صبح ہوتے ہی اپنی جان کو بیچتا ہے، اب یا تو وہ اپنی جان کو عذاب سے آزاد کرتا ہے، یا عذاب خریدتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إن اللّٰـه اشترىٰ من المومنين أنفسهم و أموالهم بأن لهم الجنة. يقاتلون فـي سبيـل اللّٰـه فيـقتلون و يقتلون وعداً عليه حقاً في التوراة والانجيل والـقـرآن ومـن أوفـىٰ بـعهده من اللّٰه فاستبشروا ببيعكم الذى بايعتم به وذالک هو الفوز العظيم (التوبة ۹: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں کہ ان کے بدلے ان کو جنت دے گا۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے، جس کا پورا کرنا اس نے اپنے ذمے کر لیا ہے۔ تورات، انجیل اور قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہوگا تو مسلمانو! اپنے سودے کی جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے، خوشیاں مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس تجارت کا رأس المال اور سرمایہ وہی کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرما دیا کہ اے مفلسو! تم یہ تجارت کرو، اور اے وہ لوگو! کہ جن کے پاس یہ سرمایہ نہیں ہے اور اس تجارت

کی حیثیت نہیں رکھتے ہو، تو ایک دوسرا سرمایہ ہے، جس سے تم یہ سودا کر سکتے ہو اور یہ سرمایہ خود اللہ تعالیٰ بتلا رہا ہے:

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللّٰہ و بشر المؤمنین (التوبة ۹: ۱۱۲)

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد وثنا کرنے والے، اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کام کی صلاح دینے والے، برے کام سے منع کرنے والے، اور اللہ نے جو حدیں قائم کی ہیں، ان کے نگاہ رکھنے والے، اور اے پیغمبر! مسلمانوں کو خوشخبریاں سنادو۔

اور ارشاد ہے:

یاأیھاالذین آمنوا ھل أدلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم. تؤمنون باللّٰہ و رسولہ و تجاھدون فی سبیل اللّٰہ بأموالکم و أنفسکم ذٰلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون (الصّف ٦١: ١٠-١١)

اے ایمان والو! میں تمہیں ایسی سوداگری بتاؤں، جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑا دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، بشرطیکہ تم سمجھو۔



فصل ۵۴

گناہوں سے حال اور مستقبل کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔

گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ ان سے حاضر و موجود انعاماتِ الٰہیہ زائل ہو جاتے ہیں۔ حاضر و موجود انعامات کے زائل ہو جانے کے بعد انسان مستقبل میں ملنے والی نعمتوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ آئندہ ملنے والی نعمتیں اس لیے منقطع ہو جاتی ہیں کہ موجودہ اور حاضر انعاماتِ الٰہیہ کی حفاظت کے لیے اور غیر موجود و غیر حاضر نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے طاعت سے بہتر کوئی چیز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی طاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور جب طاعت کی جگہ معاصی کا ارتکاب کیا جائے تو وہ نعمتیں جو طاعت سے ملتی ہیں، ان سے بندہ محروم ہو جاتا ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے کچھ اسباب بنائے ہیں، جن کے ذریعے وہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ کچھ آفتیں پیدا کی ہیں جن سے وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ انعاماتِ الٰہیہ کو جلب کرنے کا سبب اللہ تعالیٰ کی طاعت اور فنا کرنے اور روکنے والی آفت معصیت اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے لیے اپنے انعامات کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو اسے القاء فرماتا ہے کہ وہ اس کی پوری پوری اطاعت کرے۔ کسی سے اپنے انعامات چھین لینا چاہتا ہے اور اسے ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اسے اس بات میں لگا دیتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی اور گناہوں میں صرف کرے۔

یہ کچھ عجیب بات ہے کہ لوگ گناہوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اپنے اور دوسروں کے حالات ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ گناہوں کی پاداش میں جن لوگوں سے

انعاماتِ الٰہیہ سلب کر لیے گئے، ان کے حالات پڑھتے اور سنتے ہیں، پھر بھی معصیت کے ارتکاب سے باز نہیں آتے، گویا یہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ کا یہ معاملہ دوسروں کے ساتھ ہے، ان کے ساتھ نہیں۔ یہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور اللہ کے اس عمومی قاعدے سے خصوصی طور پر یہ علیحدہ کر دیے گئے ہیں۔ دوسری مخلوق کے لیے یہ سزا ہے، ان کے لیے نہیں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کون سی جہالت ہوسکتی ہے اور اپنی جان پر اس سے بڑھ کر کون سا ظلم ہوسکتا ہے؟ **فالحکم للّٰہ العلی الکبیر**



فصل ۵۵

فرشتوں سے دوری اور شیطان کا قرب

معاصی کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ گناہوں سے انسان کا حقیقی دوست، سب سے بڑا مشفق، ناصح، نفع رساں اور موجبِ سعادت رفیق اس سے دور بھاگتا ہے اور وہ مؤکل و مامور فرشتہ جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے مقرر کر رکھا ہے، اس سے دور ہو جاتا ہے اور شیطان قریب ہو جاتا ہے، جو سب سے بڑا مکار، عیّار، فریبی اور ضرر رساں ہے۔ جس درجے کی معصیت اور جس درجے کا گناہ ہوتا ہے، اسی قدر محافظ فرشتہ بھاگ جاتا ہے۔ بسا اوقات تو صرف ایک جھوٹی بات کرنے سے یہ فرشتہ میلوں دور بھاگ جاتا ہے، چنانچہ بعض آثار میں وارد ہے:

اذا كذب العبد تباعد منه الملك ميلا من نتن ريحه

کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے مؤکل فرشتہ ایک میل دور بھاگ جاتا ہے۔

جھوٹ سے یہ مؤکل فرشتہ اس قدر دور بھاگ جاتا ہے تو اس سے بڑے اور فحش گناہوں سے وہ کس قدر دور بھاگتا ہوگا!

بعض اسلاف نے کہا ہے کہ مرد، مرد سے بدفعلی کرتا ہے تو زمین چلاتی ہوئی بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرتی ہے اور فرشتے بھاگے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں جاتے ہیں اور شکایت پیش کرتے ہیں۔

بعض اسلاف کا قول ہے کہ صبح ہوتے ہی انسان کے پاس فرشتہ اور شیطان پہنچ جاتے ہیں۔ انسان اگر اللہ کا ذکر کرتا ہے، اس کی کبریائی بیان کرتا ہے، حمد و ثنا کرتا ہے، تسبیح و تہلیل کرتا ہے، تو یہ فرشتہ شیطان کو بھگا دیتا ہے اور اس انسان سے اپنا رشتہ قوی کر دیتا ہے۔ اس نے اگر کچھ

گناہ کیا تو یہ فرشتہ چلا اٹھتا ہے، اس سے دور بھاگ جاتا ہے اور شیطان اس انسان سے اپنا رشتہ مضبوط کر لیتا ہے۔ یہ فرشتہ انسان کا مقرب ہو جائے تو پھر وہ اسی کا ہو جاتا ہے اور اس کی اتباع و پیروی کرتا ہے، یہی اس پر غالب رہتا ہے، پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ فرشتے اس کی زندگی میں اور موت کے وقت، آخرت میں اس کے مددگار بن جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملآئكة أن لا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون. نحن أوليائكم في الحياة الدنيا و في الآخرة (حمٓ السجدة ۴۱: ۳۰-۳۱)

بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے۔ پھر اس عقیدے پر جمے رہے تو ان پر فرشتے نازل ہوں گے اور ان سے کہیں گے نہ تو اندیشہ کرو اور نہ رنج، اور بہشت جس کا تم سے وعدہ کیا تھا اب اس کی خوشخبری لو۔ دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے مددگار تھے اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار ہیں۔

فرشتہ انسان کا رفیق اور دوست بن جائے تو سمجھ لیجیے کہ دنیا کا سب سے بڑا ناصح، سب سے بڑا نفع رساں، سب سے بڑا صالح اس کا رفیق اور دوست بن گیا۔ یہ فرشتہ اسے ثابت قدم رکھے گا، اسے عمدہ علم سکھائے گا، اس کے قلب کو قوی اور مضبوط بنائے گا اور ہر حال میں اس کی امداد و تائید کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إذ يوحي ربك الى الملآئكة أني معكم فثبتوا الذين آمنوا (الانفال ۸: ۱۲)

اے پیغمبر! وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، تو تم مسلمانوں کو جمائے رکھو۔

حالتِ نزع میں یہی فرشتہ اسے کہے گا:

لا تخف ولا تحزن وابشر بالذي يسرك

خوف نہ کر، اندوہ گیں نہ ہو، جو تمہیں خوش رکھے ایسی خوشخبری میں تمہیں دیتا ہوں۔

اور پھر یہ فرشتہ اسے قولِ ثابت پر ثابت قدم رکھے گا۔ دنیا میں، موت کے وقت اور قبر میں

منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت بھی۔ پس اس فرشتے کی صحبت ودوستی سے بہتر کوئی دوستی نہیں۔ یہ فرشتہ اس کا ایسا رفیق اور دوست ہوگا کہ بیداری اور نیند میں، زندگی میں اور موت کے وقت بھی، قبر میں اور قبر کی وحشت کے وقت بھی اس کا مونس ہوگا، خلوت وجلوت کا ساتھی ہوگا، راز دارانہ امور میں راز دار ہوگا۔ اس کی جانب سے اس کے دشمن سے جنگ کرے گا، دشمن سے مدافعت کرے گا، اس کی اعانت کرے گا، خیر وفلاح کے وعدے کرے گا اور اس کی بشارتیں سنائے گا۔ تصدیقِ حق کے لیے اسے آمادہ کرتا رہے گا۔ ایک روایت میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے:

للملک بقلب ابن آدم لمة و للشيطان لمة فلمة الملک إيعاد بالخير و تصديق بالوعد. ولمة الشيطان إيعاد بالشر وتكذيب بالحق (ترمذی : تفسیر)

آدمی کے قلب میں فرشتے کا خطرہ بھی ہوتا ہے اور شیطان کا بھی۔ فرشتے کا خطرہ خیر وفلاح کا وعدہ اور وعدے کی تصدیق ہے اور شیطان کا خطرہ شر کا وعدہ اور حق کی تکذیب ہے۔

کسی بندے کو جب اس فرشتے کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے تو یہ فرشتہ اس کی زبان بن جاتا ہے۔ وہ بندے کی زبان سے سچی باتیں کہلواتا ہے اور قولِ صادق کا اسے القاء کرتا ہے۔ فرشتہ الگ ہو جائے تو اس سے شیطان قریب ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے جھوٹ اور مکر وفریب کی باتیں، فحش کلامی اور یاوہ گوئی کراتا ہے۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ ہر دیکھنے والا اندازہ لگا لیتا ہے کہ فرشتے کی زبان سے بات کر رہا ہے، یا شیطان کی زبان سے۔ یہی حقیقت اس حدیث میں مروی ہے:

ان السكينة تنطق على لسان عمر (رضى الله عنه) (مسند احمد بن حنبل ۱: ۱۰۶)

عمرؓ کی زبان سے سکینت کا نطق ہوتا ہے۔

سلف صالح کسی صالح اور نیک آدمی کے منہ سے اچھے کلمات سنتے تو کہا کرتے تھے کہ تیری زبان سے یہ باتیں فرشتہ کہلوا رہا ہے۔ برے کلمات سنتے تو کہتے یہ کلمات تجھے شیطان القاء کر رہا ہے۔ یہ فرشتہ بندے کے قلب پر حق کا القاء کرتا ہے اور زبان پر بھی۔ شیطان قلب پر باطل کا القاء کرتا ہے اور زبان پر بھی۔

معاصی بندے کو اس دوست سے محروم کر دیتے ہیں جس کے قرب اور موالات سے اس

کی سعادت وابستہ ہے، اور اس دشمن سے جوڑ دیتے ہیں جس سے اس کی شقاوت، ہلاکت اور تباہی وابستہ ہے۔ فرشتے کا تقرب حاصل ہوتا ہے تو فرشتہ اس کی جانب سے اس کے دشمنوں سے اس کی مدافعت کرتا ہے۔ جاہل، احمق اس پر حملہ کرتا ہے، یا اسے گالی گلوچ دیتا ہے تو یہ فرشتہ اس کا جواب دیتا ہے اور اسے دفع کرتا ہے۔ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں دو آدمی کچھ مخاصمت کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک اپنے مخاصم کو گالی گلوچ کر رہا تھا۔ دوسرا خاموش تھا(۱)، لیکن بعد میں اس نے بھی اپنے دشمن کو کچھ جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس کی کچھ باتوں کی تردید کی ہے، اور تو کچھ نہیں کیا، آپ کیوں اٹھ کر دوسری طرف تشریف لے گئے؟ آپؐ نے فرمایا:

کان الملک یدافع عنک فلما رددت علیه جاء الشیطان فلم أکن لا جلس

تمہاری جانب سے فرشتہ مدافعت کر رہا تھا۔ جب تم نے اس کی تردید کی تو شیطان دوڑ آیا، اس لیے میں وہاں نہیں بیٹھ سکا۔

بندہ جب اپنے کسی مسلم بھائی کے حق میں اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو یہ فرشتہ آمین کہتا ہے، اور یہ بھی کہ اللہ جتنا اسے دے، اتنا تجھے بھی عطا کرے۔ بندہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر آمین کہتا ہے تو یہ فرشتہ بھی آمین کہتا ہے۔ کوئی موحد مومن کتاب اللہ، کتاب الرسول کا پیرو اتفاقاً گناہ میں مبتلا ہو جائے تو حاملینِ عرش اور مقرب فرشتے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ مومن بندہ سوتا ہے تو فرشتہ اس کے کپڑوں اور لباس سے چمٹا رات گزارتا ہے، غرض مومن بندے کا فرشتہ دشمن سے اس کی مدافعت کرتا ہے، دشمن کے حملے کو روکتا ہے، نیک اور اچھا بتاتا ہے، ثابت قدم رکھتا ہے، اس میں شجاعت و ہمت پیدا کرتا ہے۔ پھر کیا بندے کے لیے یہ سزاوار ہے کہ اپنے ایسے ہمدرد رفیق اور مونس پڑوسی کو بھول بیٹھے۔ اسے تکلیف وایذا پہنچائے اور اس کے نیک وعدوں کی ناقدری کرے؟ یہ فرشتہ اس کا مہمان اور رفیق ہے۔ انسان، انسان کا مہمان ہوتا

---

(۱) ان میں ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ یہ خاموش تھے اور دوسرا شخص مسلسل بول رہا تھا۔ بعد میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی کچھ جواب دیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے۔

ہےتو اس کا اکرام اور مہمان نوازی کی جاتی ہے، ہمسائے کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے۔مہمان کا اکرام اور ہمسائے کے ساتھ احسان لوازمِ ایمان میں سے ہے، پھر اس شریف مہمان اور غم خوار ہمسائے کے اکرام واحترام کے متعلق فرض کیا ہونا چاہیے؟

بندہ طاعت وعبادت سے جس طرح اس فرشتے کا اکرام کرتا ہے اور فرشتہ اس کے حق میں دعا کرتا ہے، اسی طرح بندہ معاصی، ظلم و جور اور فواحش کا ارتکاب کرتا اور فرشتے کو ایذا پہنچاتا ہے تو وہ فرشتہ اس کے حق میں بددعا کرتا ہے، چنانچہ بعض صحابہؓ کا قول ہے:

إن معكم من لا يفارقكم فاستحيوا منهم و أكرموهم

تمہارے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے۔تم ان سے حیا کرو، اور ان کا اکرام کرو۔

بتاؤ! دنیا میں اس سے زیادہ کوئی لئیم اور منحوس ہوگا جو ایسے کریم، واجب التکریم قادر کی شرم نہ رکھے اور اس کی توقیر نہ کرے؟ اس معنی کی طرف قرآنِ حکیم میں بھی ارشاد موجود ہے:

وإن عليكم لحافظين. كراما كاتبين يعلمون ما تفعلون (الانفطار ٨٢: ١٠-١٢)

اور تم پر چوکیدار، یعنی کراماً کاتبین فرشتے تعینات کر رکھے ہیں کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو، انہیں معلوم رہتا ہے۔

یعنی ان محافظین کا اکرام کرو، ان کی شرم رکھو، ان کی تعظیم کرو اور ان کی عظمت کو پہچانو۔تم سے ایسی باتیں سرزد نہ ہوں کہ تم جیسے انسان بھی انہیں دیکھنا گوارا نہ کریں۔فرشتوں کو ایسی باتیں تکلیف دیتی ہیں جن سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ انسان ہی اس قسم کی چیزوں میں ملوث ہوا کرتے ہیں، تو پھر کیا ملائکۂ کرام، کاتبینِ اعمال کو تکلیف نہ پہنچتی ہوگی؟ جب کہ وہ معاصی اور گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوا کرتے ہیں۔ واللہ المستعان



فصل ۵۶

قلب کی زندگی اور موت کے اسباب

معاصی اور گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ یہ بندے کی دنیا اور اس کی آخرت کی ہلاکت کا مواد اور سامان جمع کر دیتے ہیں، کیونکہ گناہ قلب کی بیماری ہے اور گناہ کا مرض زیادہ مستحکم اور پائیدار ہو جائے تو انسان کی موت یقینی ہو جاتی ہے۔ دراصل انسان کے جسم کی صحت و سلامتی تین چیزوں پر موقوف ہے۔

اول: ایسی غذا استعمال کی جائے جو جسم کی قوتوں کی حفاظت کرے۔

دوم: جس موادِ فاسدہ اور اخلاطِ ردیہ سے صحت خراب ہوتی ہے، اس کا تنقیہ کیا جائے۔

سوم: جو چیزیں مضرِ صحت ہیں اور جن کے استعمال سے ضرر و نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، ان سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔

جو حال جسم کا ہے، وہی قلب کا ہے۔ قلب کی زندگی کے لیے ایمان و یقین اور اعمال صالحہ کی غذا لازمی ہے۔ اسی سے قلب کی قوتوں کی حفاظت ہوتی ہے اور توبۂ نصوح کے ذریعے مواد فاسدہ اور اخلاط ردیہ کا تنقیہ ہوتا ہے۔ صحتِ قلب کے لیے جن چیزوں سے پرہیز ضروری ہے اور جو امور صحت قلب کے منافی ہیں، ان سے قطعی پرہیز لازمی ہے۔

تقویٰ ان ہر سہ امور پر مشتمل ہے۔ ان میں جو کچھ بھی کمی ہوگی، اسی مقدار سے تقویٰ کی کمی ہوگی۔

گناہ ان ہر سہ امور کے خلاف اور منافی و متضاد ہے۔ اس سے ردی مواد جمع ہو جاتے ہیں، جو صحتِ قلب کے کلیتہً منافی ہیں اور قلب کو توبۂ نصوح کے ذریعے تنقیہ و استفراغ سے قطعاً

روک دیتے ہیں۔ کسی ایسے مریض کو دیکھیے جس کے اندر مواد فاسدہ اور اخلاط ردیہ پوری طرح مجتمع ہو گئے ہوں اور وہ ان کا تنقیہ نہ کرے تو اس کی صحت اور زندگی کیوں کر باقی رہے گی؟ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

جسمک بالحمیة أحصنته　　　مخافة من ألم طاری

تو اپنے جسم کو پرہیز کے ذریعے محفوظ رکھ، اس ڈر سے کہ تجھ پر کوئی مرض حملہ کر دے۔

وکان أولی بک أن تحتمی　　　من المعاصی خشیة الباری

تیرے لیے بہتر یہ تھا کہ باری تعالیٰ کے خوف سے معاصی سے اجتناب و پرہیز کرتا۔

جس آدمی نے اوامرِ الٰہیہ کی تعمیل و اتباع اور نواہی و محرمات کے اجتناب کے ذریعے اپنی قوت کی حفاظت کی اور توبۂ نصوح کے ذریعے اخلاط ردیہ اور مواد فاسدہ کا تنقیہ کر لیا تو وہ ہر طرح محفوظ ہو گیا۔ ہر خیر اور بھلائی بلا طلب اس کے لیے موجود ہے اور ہر شر و فساد سے فرار کے بغیر ہی دور اور محفوظ ہے۔ واللہ المستعان



فصل ۵۷

اسلامی سزائیں قرین عقل ہیں۔

عقوبتیں اور سزائیں، اگر تم میں، خوف اور لرزہ نہیں پیدا کرتیں اور تم اپنے قلب کے اندر ان سزاؤں کی تاثیر نہیں پاتے تو پھر تم جنایات و جرائم کی وہ عقوبتیں اور سزائیں اپنے سامنے رکھو جو اللہ اور اللہ کے رسول نے مشروع فرمائی ہیں۔ ان پر غور کرو، مثلاً شارع نے صرف تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ قطاع الطریق، یعنی راہزن ڈاکو کا ایک ہاتھ، ایک پاؤں کاٹ دینے کا حکم دیا۔ محصن پر تہمت لگانے والے اور شراب پینے والے کے لیے کوڑوں کی سزا مشروع فرمائی کہ کوڑوں سے ان کی کھال ادھیڑ دی جائے۔ کسی کی شرمگاہ میں عضو تناسل کا صرف حشفہ بھی ناجائز طریقے پر داخل کیا جائے تو اسے رجم کر دیا جائے۔ غیر محصن سے اگر زنا سرزد ہو تو اس کی سزا میں کچھ تخفیف رکھی۔ سو کوڑے مارنے اور ایک سال جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ محرمہ عورت سے زنا کرنے والے، فرض نماز ترک کرنے والے، زبان سے کلمۂ کفر کہنے والے کے لیے یہ حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ لواطت کی یہ سزا مقرر فرمائی کہ فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ کوئی چوپائے کے ساتھ حرام کاری کرے تو حکم دیا کہ حرام کاری کرنے والے اور چوپائے دونوں کو قتل کر دیا جائے، نماز کی جماعت ترک کرنے والے کے متعلق شارع نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔ یہ اور اس قسم کی عقوبتیں مختلف قسم کی جنایات و جرائم کرنے کے لیے شارع نے مشروع فرمائی ہیں۔

یہ عقوبتیں ٹھیک ٹھیک جنایات و جرائم کے دواعی اور حکمت و مصلحت کے مطابق ہیں اور وہیں مقرر اور مشروع کی گئی ہیں جہاں طبعی دواعی موجود ہوں، اور جہاں طبعی دواعی موجود نہیں،

وہاں صرف حرمت کا حکم دیا اور کچھ تعزیر مقرر کر دی، کوئی حد مقرر نہیں کی، مثلاً کسی نے گوبر کھا لیا، خون پی لیا، مردار جانور کا گوشت کھا لیا۔ ایسے جرائم کے لیے کوئی حد متعین نہ فرمائی، نہ کوئی خصوصی تعزیر مقرر فرمائی، لیکن وہ جنایات و جرائم جن میں طبعی دواعی موجود ہیں، ان کی عقوبت وسزا، ان کے مفاسد اور دواعی طبعیہ کے عین مطابق مشروع فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں زنا کے دواعی طبعیہ قوی تر ہوں، وہاں عقوبت وسزا سخت سے سخت رکھی گئی، یعنی زانی کو ذلیل ترین طریقے سے قتل کر دیا جائے۔ زنا کی جو آسان سے آسان سزا معمولی صورت میں دی گئی ہے، وہ کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا ہے۔ لواطت میں چونکہ دواعی طبعیہ موجود ہیں اور فعل بالکل غیر طبعی ہے، ہر دو حیثیتیں موجود ہیں، اس لیے اس کی سزا قتل مقرر کی گئی اور جہاں سرقہ اور چوری کے دواعی قوی تر ہوں اور مفاسد بھی قوی تر ہوں تو حکم دیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔

شارع کی حکمت ومصلحت پر غور کیجیے کہ عقوبت وسزا میں اس عضو کو کاٹنے کا حکم دیا جاتا ہے، جس کے ذریعے جنایات و جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، مثلاً قطاع الطریق، راہ زن، ڈاکو، کہ ان کا ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹنے کا حکم دیا، کیونکہ راہ زنی، ڈاکہ زنی کے یہی دو اصلی آلات ہیں۔

شارع نے قاذف، یعنی تہمت لگانے والے کی زبان کاٹنے کا حکم نہیں دیا، حالانکہ جنایت و جرم کا ارتکاب زبان ہی سے ہوتا ہے، کیونکہ زبان کاٹنے کے مفاسد جنایت و جرم سے زیادہ ہیں اور اسی لیے اس کی عقوبت وسزا صرف یہی رکھی کہ قاذف، یعنی تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں اور اس کے پورے جسم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

کہا جائے کہ زانی کا عضو تناسل کیوں نہیں کاٹا جاتا کہ اسی سے وہ جنایت و جرم کا ارتکاب کرتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ عضوِ تناسل چند وجوہ کی بنا پر نہیں کاٹا جا سکتا۔ اول یہ کہ عضو تناسل کاٹنے کی خرابی جنایت و جرم کی خرابی سے بڑھ جاتی ہے، اور اس کے قطع کرنے سے نسل منقطع ہو جاتی ہے، نیز ہلاکت کا بھی خطرہ ہے۔ دوم، عضو تناسل ایک مستور ومخفی عضو ہے اور اس کے کاٹنے سے حد اور عقوبت کا جو اصل مقصد ہے، زجر وتوبیخ اور دوسروں کے لیے تنبیہ وعبرت، وہ پورا نہیں ہوتا۔ بخلاف سرقہ اور ڈاکہ، راہ زنی میں ہاتھ کاٹنے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ سوم، یہ کہ ایک ہاتھ

کاٹ دیا جاتا ہے تو دوسرا ہاتھ باقی اور سلامت رہتا ہے، اس سے کاٹے ہوئے ہاتھ کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ بخلاف عضو تناسل کے کہ اسے کاٹنے کے بعد اس کا بدل باقی نہیں رہتا۔ چہارم، یہ کہ زنا کی لذت سارے جسم سے وابستہ ہے۔ پورا جسم لذت اندوز ہوتا ہے، اس لیے سزا بھی ایسی ہی ہونی چاہیے جو سارے جسم کو الم آشنا کر دے۔ صرف گوشت کے ایک ٹکڑے اور ایک لوتھڑے کو کاٹنے سے پورے جسم کو عقوبت سے متاثر کرنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

الغرض! شارع کی مقرر کردہ تمام عقوبتیں اور سزائیں نہایت مناسب، قرینِ عقل، اوفق للحکمت اور عین مصلحت پر مبنی ہیں، اور مقصود یہ ہے کہ جنایات و جرائم کی شرعی اور قدری عقوبتیں، مفاسدِ جنایات و جرائم کے عین مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی بندے کو ان ہر دو قسم کی عقوبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی بندہ توبہ و استغفار کرتا ہے۔ توبہ و انابت سے اللہ راضی ہو جائے تو وہ عقوبت کو بھی رفع دفع کر دیتا ہے۔



فصل ۵۸

عقوبات کی شرعی اور قدری اقسام

معاصی کی عقوبتیں دو قسم کی ہیں: عقوبتِ شرعیہ اور عقوبتِ قدریہ۔ کسی گناہ کی جب شرعی سزا دے دی جاتی ہے تو عقوبتِ قدریہ بالکلیہ اٹھالی جاتی ہے، یا پھر اس میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ پروردگار عالم کسی کو ہر دو قسم کی سزا نہیں دیتا، البتہ شرعی عقوبت، شرعی سزا، گناہ کے موجبات کے لیے کافی نہ ہو اور مرضِ معصیت پوری طرح دور نہ ہو تو قدری سزا بھی دی جاتی ہے۔

جن معاصی میں عقوباتِ شرعیہ معطل ہیں اور شارع نے کوئی شرعی سزا مقرر نہیں کی، وہاں صرف عقوباتِ قدریہ جاری ہوں گی اور بعض اوقات عقوباتِ قدریہ، عقوباتِ شرعیہ سے زیادہ سخت اور وزنی ہوا کرتی ہیں۔ بعض اوقات اس سے کم بھی ہوتی ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ عقوباتِ قدریہ عام اور ہمہ گیر ہوا کرتی ہیں، قوموں اور ملکوں کو گھیر لیتی ہیں۔ عقوباتِ شرعیہ عاصی اور مجرم کی ذات تک ہی محدود ہوتی ہیں، کیونکہ پروردگار عالم شرعی سزا اسی کو دیتا ہے، جس نے جرم کیا ہو، یا اس جرم کا سبب اور موجب بنا ہو، لیکن عقوبتِ قدریہ کا حال اور ہے۔ یہ عوام وخواص تمام کو گھیر لیتی ہے، کیونکہ معصیت جب خفیف اور مستور ومخفی ہوتی ہے تو اس کی مضرت صرف عاصی اور مجرم تک محدود رہتی ہے، اور جب علانیہ معصیت کا ارتکاب ہونے لگے تو خواص وعوام تمام کے لیے مضرت رساں بن جاتی ہے۔ لوگ منکر کو دیکھیں اور اس سے انکار نہ کریں، روکنے کی کوشش نہ کریں تو خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس منکر ومعصیت کی سزا میں خواص وعوام سب کو شامل کر دے۔

شرعی عقوبتیں، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے جنایات وجرائم کے مفاسد اور طبعی تقاضوں کی مقدار کے مطابق مشروع فرمائی ہیں۔ یہ شرعی عقوبات اللہ تعالیٰ نے تین قسم کی مشروع

فرمائی ہیں:

قتل کی سزا، ہاتھ کاٹنے کی سزا اور کوڑے لگانے کی سزا

قتل کی سزا کفر اور قریب بہ کفر جرم کے بدلے میں مشروع ہوئی ہے، مثلاً زنا، لواطت وغیرہ۔ کفر سے دین و مذہب فاسد اور برباد ہو جاتا ہے، اور زنا و لواطت سے نوع انسانی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اسی نکتے کی بناء پر امام احمدؒ بن حنبل نے فرمایا ہے:

لاأعلم بعد القتل ذنبا أعظم من الزنا

قتل کے گناہ کے بعد زنا سے بڑا کوئی گناہ میں نہیں جانتا۔

اسی قول کے استدلال میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

أن تجعل للّٰه ندا و هو خلقك (صحيح بخاری : تفسير)

تم کسی کو اللہ تعالیٰ کا مدمقابل گردانو، حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے دریافت کیا کہ اس کے بعد بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

ان تقتل ولدك مخافة أن يطعم معك

یہ کہ تم اپنے لڑکے کو اس لیے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔

پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

أن تزانی بحليلة جارك (یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو)۔

اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمائی ہے:

والذين لا يدعون مع اللّٰه إلٰهاً آخر ولا يقتلون النفس التی حرم اللّٰه إلا بالحق ولا يزنون (الطلاق ٦٥: ٦٨)

اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ پکاریں اور ناحق کسی کو جان سے نہ ماریں کہ اسے اللہ نے حرام کیا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں کا ذکر فرمایا جو ہر نوع کے گناہوں میں بڑے گناہ ہیں۔ سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ دریافت کر رہا تھا تو آپؐ نے اس کے سوال کے مطابق جواب دیا اور بڑے بڑے گناہ بتلا دیے۔ قتل کرنے میں بڑے سے بڑا قتل یہ ہے کہ آدمی اپنے لڑکے کو اس لیے قتل کر دے کہ وہ کھانے میں اس کا شریک ہو گا۔ زنا کی تمام اقسام میں عظیم ترین زنا یہ ہے کہ آدمی اپنے پڑوسی کی بی بی سے زنا کرے۔ زنا کے درجے دو چند سہ چند بقدر مدارج حرمت کے بڑھتے ہیں۔ شوہر والی عورت سے زنا کاری کرنا بغیر شوہر والی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے بڑا گناہ ہے اور موجبِ عقوبت وسزا ہے، کیونکہ شوہر والی عورت سے زنا کرنے میں شوہر کی حرمت وعزت کی دیوار بھی توڑی جاتی ہے، اس کا بستر بگاڑا جاتا ہے، غیر کا نطفہ اور نسب اس کے سر منڈھا جاتا ہے، نیز اس قسم کی اور بھی بہت سی تکالیف اس کے شوہر کو پہنچتی ہیں، اس لیے یہ زنا بغیر شوہر والی عورت سے زنا کاری کرنے سے زیادہ بھاری اور زیادہ وزنی گناہ ہے، اور پھر اگر عورت کا شوہر اس کا پڑوسی ہے تو جرم اور بھی وزنی ہو جاتا ہے کہ زنا کے ساتھ پڑوسی کی بے حرمتی اور بے عزتی بھی ہو رہی ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی اقسام میں اسی زنا کا ذکر فرمایا جو سب سے زیادہ تکلیف دہ اور ایذا رساں ہے۔ اسی طرح مہلک جرائم میں یہ سب سے بڑا جرم ہے اور اسی زنا کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے:

لایدخل الجنة من لا یأمن جاره بوائقه (مسند احمد بن حنبل ۱: ۲۳۵)

وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

بڑے سے بڑا شر یہی ہے کہ اس کی عورت کے ساتھ زنا کاری کی جائے، اور عنداللہ پڑوسی کی عورت سے زنا کرنا بے شوہر کی سو عورتوں سے زنا کرنے سے زیادہ بھاری ہے۔ پھر اگر پڑوسی اس کا بھائی ہے، یا قریبی رشتہ دار تو اس جنایت وجرم کے علاوہ قطع رحمی کا جرم بھی شامل ہو جائے گا، اور گناہ اور زیادہ وزنی ہو جائے گا۔

پڑوسی اللہ تعالیٰ کی کسی طاعت اور نیکی کے لیے گیا ہوا ہے، مثلاً نماز کے لیے، تحصیلِ علم کے لیے، یا جہاد کے لیے تو گناہ اور زیادہ وزنی ہو جاتا ہے، چنانچہ کسی غازی فی سبیل اللہ کی عورت

سے کسی نے زنا کاری کی تو قیامت کے دن اس غازی کے سامنے لاکھڑا کیا جائے گا، اور غازی سے کہا جائے گا کہ اس کی جس قدر نیکیاں تو لینا چاہے لے لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا فما ظنکم؟ (تمہارا کیا خیال ہے)۔ غازی اس وقت کیا کرے گا؟ یعنی یہ اس وقت جب کہ لوگوں کو نیکیوں کی اس قدر ضرورت ہوگی کہ ایک ایک نیکی کے لیے آدمی مضطرب اور بے چین ہوگا۔ باپ اپنا حق اپنے بیٹے سے نہیں چھوڑے گا۔ کیا غازی اس وقت اس کی نیکیاں اس کے لیے رہنے دے گا؟ جب کہ اسے کہہ دیا گیا ہے کہ اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے لے لے۔

ایسا اگر اتفاق پڑ جائے کہ عورت ذی رحم میں سے ہے تو زنا کے ساتھ قطعی رحمی اور حرمت رحم توڑنے کا جرم بھی شامل ہو جائے گا۔ کہیں اتفاق ہو کہ آدمی محصن بی بی والا ہے تو جرم اس سے زیادہ وزنی ہو جائے گا۔ زانی بوڑھا ہے تو یہ بھاری سے بھاری جرم ہو جائے گا۔ شیخ، یعنی بوڑھا زانی تو ان تین قسم کے لوگوں میں سے ایک ہے، جن کے متعلق وارد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ اس کے متعلق سخت سے سخت عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے، اور اگر اس کے ساتھ یہ شامل ہو جائے کہ زنا کا ارتکاب حرمت والے مہینوں میں کیا جائے، یا حرمت والے شہر، یعنی مکہ معظّمہ میں کیا جائے، یا ان اوقات میں کیا جائے جو مقبولیتِ دعا کے اوقات ہیں، مثلاً اوقاتِ نماز میں، یا اوقات اجابتِ دعا میں تو یہ جرم زیادہ سنگین ہو جائے گا۔ اسی پر گناہوں اور گناہوں کے مفاسد، جنایات، جرائم اور ان کی عقوبتوں اور سزاؤں کے درجات و مراتب کو قیاس کر لیجیے۔ واللہ المستعان



فصل ۵۹

تین قسم کے گناہ

اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کاٹنے کی حد اور سزا وہاں مقرر فرمائی ہے، جہاں مال کا بچاؤ ناممکن ہو، مثلاً چور مخفی طریقے سے مال چراتا ہے، نقب لگا کر مال لے جاتا ہے، دروازے توڑ کر دیواروں پر چڑھ جاتا ہے۔ چور کا حال بالکل بلی اور سانپ کا سا ہے۔ گھروں میں اس طرح گھس جاتا ہے کہ کسی کو پتہ تک نہیں چلتا، پس اللہ تعالیٰ نے چوری کے فساد کو قتل کا درجہ نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ فساد صرف کوڑے مارنے سے بھی دفع نہیں ہوسکتا، اس لیے سرقہ، چوری کے مفاسد کے دفعیہ کی بہتر سے بہتر شکل یہی ہے کہ وہ عضو کاٹ دیا جائے جس کے ذریعے اس جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

بعض جنایات و جرائم میں عقل خراب ہو جاتی ہے، ان میں کوڑوں کی سزا مشروع کی گئی ہے اور قذف اور تہمت میں یہ سزا تجویز ہوئی ہے کہ قاذف، یعنی تہمت لگانے والے کو عام آدمی کی نظر میں گرا دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے عقوبتِ شرعیہ کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ اسی طرح کفارے کی بھی تین قسمیں ہیں:

اول: اعلیٰ ترین کفارہ غلام آزاد کرنا، دوم: مسکینوں کو کھانا کھلانا، سوم: روزے رکھنا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے گناہوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جن میں حد قائم کی گئی ہے۔ ان میں کفارہ نہیں رکھا، بلکہ حد ہی کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ دوم، وہ جن میں حد مقرر نہیں کی گئی، بلکہ کفارہ مشروع کیا گیا ہے، مثلاً کسی نے رمضان المبارک میں دن کے وقت بیوی سے ہم بستری کر لی، یا حالتِ احرام میں ایسا کرلیا، یا مثلاً ظہار، قتلِ خطا یا قسم کا توڑنا وغیرہ۔ سوم، وہ گناہ جن میں شارع نے نہ حد قائم کی ہے، نہ کفارہ مقرر کیا ہے۔ اس آخر الذکر قسم کے جرائم کی دو قسمیں

ہیں۔ایک وہ جن کا محرک کوئی امر طبعی نہیں ہے، مثلاً غلاظت کھالینا، پیشاب یا خون پی لینا۔دوسری وہ جن کی خرابیاں ان خرابیوں اور گناہوں کے مقابلے میں کم ہیں جن میں حد مقرر کی گئی ہے، مثلاً کسی عورت کی طرف دیکھنا، اس کا بوسہ لینا، اسے چھولینا، یا اس سے بات چیت کرنا، یا پیسے دو پیسے کی چوری کر لینا وغیرہ۔شارع نے ان ہر دو قسم کے جرائم میں نہ حد مقرر فرمائی، نہ کفارہ مشروع فرمایا۔

تین قسم کے جرائم میں شارع نے کفارہ مشروع فرمایا ہے۔ایک وہ جرم جو اصل میں جرم نہیں، بلکہ فعل مباح تھا، لیکن کسی مخصوص حالت میں شارع نے اسے حرام قرار دیا اور اس نے اس حالت میں جس میں اسے حرام قرار دیا گیا تھا، اس فعل کا ارتکاب کر لیا، مثلاً بیوی سے ہم بستری مباح ہے، لیکن احرام اور روزے کی حالت میں، نیز حیض ونفاس کی حالت میں شارع نے ہم بستری حرام کر دی۔ہاں وطی فی الدبر کا مسئلہ بالکل اس کے خلاف ہے۔یہ کسی حال میں بھی مباح نہیں ہے، اس کی تحریم دائمی تحریم ہے۔بعض فقہاء نے اس جرم کو حالتِ حیض ونفاس کی ہم بستری پر قیاس کیا ہے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ فعل کسی وقت بھی جائز اور مباح نہیں ہے، بلکہ یہ بمنزلہ لواطت اور شراب نوشی کے ہے۔

دوسری قسم کفارہ کی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے عقدِ نذر یا عقدِ یمین باندھ لے، یعنی کسی نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر کی گرہ باندھ لی، یا اللہ تعالیٰ کی قسم کھالی، یا اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حرام گردانا، پھر کسی نہج اور کسی ضرورت سے اس کو حلال گرداننا چاہا تو حلال کرنے کے لیے کفارہ مقرر کر دیا۔اس قسم کے کفارے کا نام شارع نے تحلہ رکھا ہے۔یہ کفارہ اس ہتک وتوہین کا کفارہ نہیں ہے جو قسم توڑنے سے اللہ کے نام کی ہوئی ہے، جیسا کہ بعض فقہاء کا خیال ہے، کیونکہ قسم کا توڑنا کبھی واجب ہوتا ہے کبھی مستحب اور کبھی مباح۔یہ کفارہ تو صرف اس عقد اور گرہ کا ہے جو اس نے باندھی اور پھر کھول دی۔

تیسری قسم کا کفارہ وہ ہے جو کسی نقصان کی بحالی کے لیے لازم آتا ہے، مثلاً قتل خطا کہ کسی کو غلطی سے قتل کر دیا۔یہاں کوئی گناہ اور جرم نہیں، بلکہ ایک غلطی ہوگئی ہے جس کا کفارہ دینا

پڑتا ہے، مثلاً شارع نے کسی جگہ شکار کرنے کی ممانعت کر دی، وہاں اس نے غلطی سے شکار کر لیا۔ اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ ایک غلطی ہو گئی ہے اور یہ کفارہ ان غلطیوں کے ازالے کے لیے ہوتا ہے۔ پہلی قسم کا کفارہ زجر و توبیخ کی غرض سے ہے۔ دوسری قسم کا کفارہ عقد کشائی، یعنی گرہ کھولنے کا کفارہ ہے جسے تحلہ کہتے ہیں۔

یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ کسی معصیت و جرم میں حد اور تعزیر دونوں جمع نہیں ہو سکتے، بلکہ جس میں حد مقرر ہے، وہاں حد کافی ہے وگرنہ پھر تعزیر پر اکتفا ہوگا، نیز کسی معصیت میں حد اور کفارہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جس میں حد ہے، کفارہ نہیں اور جس میں کفارہ ہے، اس میں حد نہیں۔

اب یہ مسئلہ باقی رہ گیا کہ جس معصیت میں حد مقرر نہیں کی گئی، اس میں تعزیر اور کفارہ دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ مثلاً حالتِ احرام میں، یا حالتِ صوم میں یا حالتِ حیض میں بیوی سے ہم بستری کر لی گئی اور اس کا کفارہ ہم نے واجب گردان لیا تو پھر کیا حکم ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کفارے کے ساتھ تعزیر بھی واجب ہوگی، کیونکہ جنایت کا ارتکاب کر کے اس نے واجبِ احترام حکم کی توہین کی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نہیں، اس میں صرف کفارہ کافی ہے، کیونکہ کفارہ اس جرم کی پاداش ہے جو جرم کو محو کر دیتی ہے۔



فصل ۶۰

عقوباتِ قدریہ کی ذیلی اقسام

عقوباتِ قدریہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقوبتِ قلوب، یہ نفوس انسانی کے لیے ہے جو انسان کے قلب سے وابستہ ہے۔ دوسری عقوبتِ ابدان واموال۔ جو عقوبت قلوب کے لیے ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مثبت غم والم کی شکل میں ہے، اس کی ضرب قلب پر پڑتی ہے۔ دوسری وہ جس سے اس کا وہ مادہ ہی منقطع ہو جاتا ہے جس سے قلب کی حیات واصلاح وابستہ ہے۔ یہ مادہ جب منقطع ہو جاتا ہے تو پھر اس جگہ اس کی اضداد پیدا ہو جاتی ہیں۔

ان دو قسم کی عقوبتوں میں سخت ترین عقوبت قلوب کی عقوبت ہے اور قلوب کی عقوبت ہی عقوبتِ ابدان کی اصل اور جڑ ہے۔

قلوب کی عقوبت اگر قوی، بھاری اور شدید ہو جائے تو وہ قلب سے متجاوز ہو کر جسم تک اس طرح پہنچ جاتی ہے جس طرح بدن کی تکلیف قلب تک سرایت کر جاتی ہے۔

نفس انسانی جب جسم سے جدا ہوتا ہے تو عقوبت کا تعلق اور اس کے احکام کا رشتہ نفس سے قائم ہو جاتا ہے۔ اس وقت عقوبتِ قلب کا ظہور پوری قوت سے ہو جاتا ہے اور بالکل علانیہ اس کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اسی عقوبت کا نام عذابِ قبر ہے۔ اس وقت عذابِ قلب کو برزخ سے وہ نسبت ہوتی ہے جو عذابِ ابدان کو اس دنیا سے نسبت ہے۔



فصل ۶۱

عقوباتِ بدن

بدنی عقوبتوں کی دو قسمیں ہیں۔اول دنیا میں، دوم آخرت میں۔عقوبات کی شدت وخفت اور دوامی وغیر دوامی حیثیت، معاصی کی شدت وخفت اور گناہوں کے مفاسد کے لحاظ سے ہے، لیکن تمام کے اصل، شرِ نفس اور اعمالِ سیئہ ہیں اور یہی دو چیزیں ہیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ہمیشہ پناہ مانگی ہے۔

ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئآت أعمالنا

اور ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی جناب میں پناہ چاہتے ہیں۔

اعمال سیئہ کی اصل شرِ نفس ہے، اس لیے ہمہ قسم کے شر کی اصل شرِ نفس ہے۔شرِ نفس سے ہی تمام شر پیدا ہوتے ہیں۔اعمال سیئہ شرِ نفس کے ثمرات اور نتائج ہیں۔

علمانے ومن سیئآت اعمالنا کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ ہمارے اعمال میں جو سیئات ہیں، ان سے ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں پناہ چاہتے ہیں۔اس معنی کے لحاظ سے نوع کی اضافت اپنی جنس کی طرف ہے اور من تبعیض کے لیے ہے، یعنی ہمارے اعمال میں سے جو سیئات ہیں، ان سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سیئات کی عقوبات جو ہمارے حق میں مضرت رساں ہیں، ان سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔اس معنی کے اعتبار سے عبارت یہ ہوگی:

ومن عقوبات أعمالنا التی تسوئنا

ہم اپنے اعمال کی عقوبات سے جو ہمارے حق میں مضر ہیں، اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اس قول کی رو سے استعاذہ ہمہ قسم کے شر اور برائیوں سے ہوگا، کیونکہ شرنفسِ اعمالِ سیئہ کو مستلزم ہیں، اور اعمال سیئہ عقوبات سیئہ کو مستلزم ہیں۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شرِ نفوس سے جو اعمال قبیحہ کے مقتضیات سے ہیں، متنبہ فرماتے ہوئے اس کے ذکر پر اکتفاء فرمایا، کیونکہ شرنفس ہی اصل اور جڑ ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے شر کی غایت اور اس کے منتہاء کا ذکر فرمایا کہ سیئات اعمال، اعمال کے عقوبات و آلام ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ استعاذہ شر کی اصل اور اس کی فرع، مبداء اور منتہاء، ابتدا اور انتہا، غایت اور مقتضیات تمام پر مشتمل ہے۔

اہل ایمان کے لیے ملائکہ کی یہ دعا:

وقهم السيات ومن تق السيات يومئذ فقد رحمته (المؤمن ۴۰:۹)

انہیں ہر طرح کی خرابیوں سے محفوظ رکھ اور جسے تو اس دن خرابیوں سے محفوظ رکھے گا، تو اس پر تو نے بڑا فضل کیا۔

سیئات اعمال اور اعمال سیئہ سے جو عقوبات و آلام پہنچتے ہیں، ان سے تحفظ پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو اعمال سیئہ سے محفوظ رکھے گا تو ان اعمال سیئہ کی سزا اسے بھی ضرور محفوظ رکھے گا۔

نیز واضح ہے:

ومن تق السيات يومئذ فقد رحمته (المؤمن ۴۰: ۹)

اور جسے تو خرابیوں سے اس دن محفوظ رکھے گا، اس پر تیرا فضل و کرم ہوگا۔

یہ دعا عقوباتِ اعمال سے جو قیامت کے دن پیش آنے والی ہیں، تحفظ کے لیے وارد ہے۔ بارگاہ الٰہی میں ملائکہ اور فرشتوں نے اہل ایمان کے لیے جو یہ دعا کی کہ اہل ایمان کو عذابِ جہنم، عذابِ دوزخ سے بچا تو اس کے معنی یہی ہیں کہ سیئات کی عقوبت و سزا سے انہیں بچایا جائے۔ یہ معنی صاف صاف دلالت کر رہے ہیں کہ ملائکہ اہلِ ایمان کو جس عقوبت سے بچانے کی دعا کر رہے ہیں، وہ اعمال سیئہ کے لوازم ہیں۔ ملائکہ کی دعا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استعاذہ اور دعا ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔

آیت میں یومئذ (اس دن) کی تخصیص وارد ہے۔ اس سے یہاں سیئاتِ اعمال کا شر مراد ہے، نہ کہ بعینہ سیئاتِ اعمال۔ یہ اعتراض یہاں وارد نہیں ہوتا، کیوں کہ اصل مقصد تو یہی ہے کہ اس دن سیئاتِ اعمال کے شر سے بچایا جائے اور یہ چیز بھی تو بعینہ سیئات ہیں۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیئات سے بچنے کی دو صورتیں ہیں۔ اول: اللہ تعالیٰ ایسی توفیق عطا فرمائے کہ بندہ سیئات اور گناہوں سے بچا رہے اور توفیقِ الٰہی کی وجہ سے سیئات اور گناہوں کا سرے سے ارتکاب ہی نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ سیئات کی جزا اور سزا سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

آیت مذکورہ ہر دو قسم کے سوالوں پر مشتمل ہے اور ظرف یعنی یومئذ کا تعلق و تقیید جملہ شرطیہ سے ہے، یعنی ومن تق السیئآت سے ہے، جملہ جزائیہ یعنی فقد رحمته سے نہیں ہے۔

اب اس حدیث کے مضمون پر غور کیجیے۔ اہل ایمان، صالح اور نیک کردار لوگوں کے حق میں فرشتوں کی دعا اور ان کی مدح و توصیف، مومنوں کے حق میں ان کے استغفار و دعا سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں اس کی وسعتِ علم اور وسعت رحمت کا وسیلہ پکڑنا یہ سب کیا معنی رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم ان تمام امور پر مشتمل ہے کہ ان کے گناہوں اور گناہوں کے اسباب، ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں، ان کے دشمن کی قوت و غلبہ، نفس و خواہشات اور طبائع کے تقاضے، دنیا اور دنیا کی زینتیں ان سے کس طرح گناہ کرائیں گی؟ ان تمام امور کا علم اللہ تعالیٰ کو اس وقت سے ہے جب سے انہیں پیدا کیا ہے۔ اس وقت سے اسے معلوم ہے جب وہ ماؤں کے پیٹ میں تھے۔ اس کے قدیم علم کی رو سے اسے معلوم ہے کہ فلاں فلاں گناہ ان سے سرزد ہوں گے، نیز عفو و درگزر، مغفرت و بخشش وغیرہ بھی اس کی وسعت علم میں داخل ہے۔ اس کا علم ان تمام امور پر حاوی ہے۔ کون سی بات ہے جس کا علم اسے نہیں ہے۔

اللہ کی وسعتِ رحمت میں یہ تمام امور داخل ہیں کہ اہل توحید کو وہ ہلاک نہیں کرے گا۔ مومن کو جو اس سے محبت کرے، عذاب و تکلیف نہیں دے گا، کیونکہ وہ واسع الرحمت ہے۔ اس کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ بجز شقی و بدنصیب کے کوئی بھی اس کے حلقۂ رحمت سے باہر نہیں رہ سکتا اور اس سے بڑھ کر کوئی شقی و بدبخت نہیں ہو سکتا کہ اس کی اس وسیع ترین رحمت سے محروم رہے جو

ساری کائنات پر محیط ہے۔ اس کے بعد فرشتے دعا کرتے ہیں:

اے اللہ! توبہ کرنے والوں اور ان کی مغفرت فرما جو تیری راہ پر چلنے والوں کی اتباع کرتے ہیں۔ تیری تعریف کرتے اور تجھ سے محبت کرتے ہیں، تیرے اوامر واحکام کی اطاعت کرتے ہیں، تیرے نواہی وممنوعات سے اجتناب کرتے ہیں۔ تیری ناپسندیدہ راہ سے اجتناب واحتراز کرتے ہیں، تیری پسندیدہ راہ پر چلتے ہیں، ان سب کی مغفرت اوران پر فضل وکرم اور رحمت کی نوازش فرما۔

پھر دعا کرتے ہیں: **أن یقیھم عذاب الجحیم** (ان لوگوں کو جہنم کے عذاب سے بچالے)۔

مقصودِ دعا یہ ہے کہ انہیں، تمام اہل ایمان اور اہل ایمان کے ماں باپ، ان کی اولاد اور ان کی بیبیوں وغیرہ، کو جنت کے باغوں میں جگہ دے جن میں داخل کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کبھی کچھ نہیں کرتا، لیکن اس کا وعدہ اسباب وذرائع سے وابستہ ہے۔ فرشتوں کی دعا بھی انہیں جنت میں داخل کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ یہ بھی ایک سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دائرۂ رحمت میں داخل کرلیا، انہیں رحمت کا مستحق گردانا اور انہیں اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ بھی ایک سبب ہے کہ فرشتوں کو ان کا مددگار بنادیا کہ وہ ان کے حق میں جنت کی دعا کرتے رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ اس دعا کے بعد فرشتے یہ کہتے ہیں:

انک انت العزیز الحکیم (بے شک تو زبردست غالب، بڑا حکمت والا ہے)۔

یعنی ان تمام امور اور بھلائیوں کا مصدر، منبع، سرچشمہ، سببِ اول، مبداء ومنتہاء اللہ کی ذات ہے۔ تمام چیزیں اس کے کمالِ قدرت، کمالِ علم ہی کے کرشمے ہیں، کیونکہ عزت وغلبہ کمال قدرت ہی کا نام ہے۔ حکمت کمالِ علم کا نام ہے اور انہی دوصفتوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے اختیار وقدرت سے جو چاہتا ہے، حکم فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ حکم بھی فرماتا ہے، ممانعت بھی کرتا ہے، اجروثواب دیتا ہے اور عتاب وعذاب بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ خلق وامر کا مصدر، منبع اور

سرچشمہ یہی دو صفات ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ عقوباتِ سیئات، یعنی معاصی اور گناہوں کی سزائیں دو قسم کی ہے۔ شرعیہ اور قدریہ۔ شرعی عقوبت ہو یا قدری، اس کا اثر قلب پر بھی ہوتا ہے اور جسم پر بھی۔ یہ عقوبتیں اور سزائیں مرنے کے بعد برزخ میں ہوں گی اور آخرت میں جب کہ اجسام کو دوبارہ اپنی اصلی حالت پر زندہ کیا جائے گا۔ بنابریں معاصی اور گناہ کسی حال میں عقوبت وسزا سے خالی نہیں، لیکن افسوس کہ بندے اپنی جہالت کی وجہ سے کچھ اس طرح غفلت میں پڑے ہیں کہ انہیں ان عقوبتوں کا شعور و احساس تک نہیں، کیونکہ دنیا کی زندگی اور زندگی کی گوناگوں مشغولیتوں میں کچھ ایسے بدمست ہیں کہ ان کی عقل وفکر محذر اور بے حس ہو چکی ہے۔

بندے کچھ ایسے غافل سو رہے ہیں کہ انہیں اپنے آلام ومصائب تک کا احساس نہیں۔ انہیں اس کا شعور واحساس اس وقت ہوگا، جب وہ بیدار ہوں گے، نشہ اور مستی اتر جائے گی اور محذر حالت شعور واحساس سے متبدل ہوگی۔ اس وقت انہیں گناہوں کی عقوبات اور سزاؤں کا احساس ہوگا اور وہاں عقوبتوں اور سزاؤں کا ترتب وظہور اس طرح ہوگا، جس طرح جلنے والے کو جلنے کا اور ہاتھ پاؤں ٹوٹ جانے والے کو ان کے ٹوٹنے کا اور ڈوبنے والے کو ڈوبنے کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے یقین ہوگا جس طرح زہر کھا جانے والے کو اپنی ہلاکت کا، اور مریض کو اپنے مرض کے اسباب کا یقین ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات معاصی اور گناہوں کی مضرتوں کا ظہور فوراً گناہوں کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ کبھی ایک طویل مدت کے بعد اور کبھی تھوڑی ہی مدت بعد۔ امراضِ جسم جس طرح اپنے اسباب اور اسباب کی قوت وضعف کے لحاظ سے متقدم ومتأخر، قوی وکمزور ہوا کرتے ہیں، لیکن اس موقع پر بہت سے انسان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایک انسان گناہ کرتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ اس کا اثر کچھ نہیں ہوا تو سمجھ لیتا ہے، گناہ کرنے سے کوئی نقصان اور کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ گناہ اپنا کام کرتے چلے جاتے ہیں، اور بتدریج اپنا اثر پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح اپنا کام جاری رکھتے ہیں جس طرح زہر اور مضرت رساں چیزیں اپنا کام جاری رکھتی

ہیں۔انسان اگر زہر اور مضرت رساں اشیاء کا تدارک اور بدرقہ مناسب ادویہ، استفراغ وتنقیہ اور مفید پرہیز سے کر لیتا ہے تو صحت کی امید ہوتی ہے، وگرنہ وہ ہلاک ہو کر ہی رہتا ہے۔

یہ صورت، یعنی تدارک و بدرقہ کی شکل بھی اسی وقت ممکن ہے، جب انسان سے کوئی ایک گناہ سرزد ہو جائے اور وہ فوراً اس کا تدارک کر لے، لیکن اگر کوئی شخص روزانہ ہر گھڑی ہر ساعت گناہوں پر گناہ کرتا چلا جائے تو اس کا اللہ ہی حافظ۔ واللہ المستعان



فصل ۶۲

دل پر گناہ کے اثرات

معاصی اور گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے جو عقوبتیں اور سزائیں مقرر فرمائی ہیں، ان پر غور کیجیے، عقوبات اور عقوبات کے اسباب پر کامل نظر ڈالیے، پھر ان چیزوں کے پیشِ نظر اپنے کو ترکِ معاصی کی طرف بلایے۔ میں یہاں صرف چند چیزوں کی طرف تمہیں توجہ دلاتا ہوں۔ کسی عاقل و دانش مند نے اگر ان میں سے صرف چند چیزوں کو بھی سمجھ لیا تو یہ اس کے لیے بہت کافی و وافی ہے۔

اول: معاصی اور گناہوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل اور کانوں پر محرومی کی مہر لگ جاتی ہے، آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں، دلوں پر قفل لگ جاتے ہیں۔ دل مختلف قسم کے دبیز پردوں میں دب جاتے ہیں اور زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ دل اور آنکھیں مقلوب و معکوس ہو جاتی ہیں۔ معاصی انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں، اور پروردگار عالم کے ذکر سے قلب کو غافل کر دیتے ہیں۔ گناہ بندے کو خود اپنی جان سے بھی غافل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ گنہ گار کے قلب کی تطہیر و صفائی ترک کر دیتا ہے۔ گناہ سینوں کو تنگ و تاریک کر دیتے ہیں، دلوں کو حق سے بھٹکا دیتے ہیں، دلوں پر مختلف قسم کے امراض قابو پا لیتے ہیں۔ گناہ دلوں کو غلط راہ پر لگا دیتے ہیں اور دل ہمیشہ کے لیے معکوس و مقلوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ ابن الیمان سے روایت ہے:

القلوب أربعة، قلب أجرد فيه سراج يزهر فذالک قلب المؤمن، وقلب أغلف. و ذالک قلب الكافر، و قلب منكوس، فذالک قلب المنافق و

قلب تمده مادتان مادة إيمان و مادة نفاق و هو لما غلب ليه منهما

(مسند احمد حنبل ٣: ١٧)

قلوب چار قسم کے ہیں۔ ١) قلب اجرد (بے داغ دل) جس کے اندر چراغ کی روشنی چمکتی ہے۔ یہ مومن کا قلب ہے۔ ٢) قلب مغطی جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کافر کا قلب ہے۔٣) قلب منکوس وسرنگوں یہ منافق کا دل ہے۔٤) وہ قلب جس میں ایمان ونفاق ہردو کے مادے ہوتے ہیں اور ہر مادہ اپنی اپنی جانب کھینچتا ہے، اور انسان اسی کا ہوجاتا ہے جو دل میں غالب رہے۔

دوم: گناہوں کی وجہ سے انسان کو طاعاتِ الٰہی اور عباداتِ خداوندی سے نفرت ہو جاتی ہے، طاعت وعبادت سے انسان دور بھاگنے لگتا ہے۔

سوم: گناہ قلب کو بہرہ کر دیتے ہیں اور وہ حق بات سننا گوارا نہیں کرتا، گناہ اسے گونگا بنا دیتے ہیں، زبان سے حق بات نکل نہیں سکتی۔ اندھا بنا دیتے ہیں، حق بات دیکھ نہیں سکتے۔ قلب اور حق کے درمیان باعتبار سماعت، بینائی اور کلام کے ویسا بُعد ہو جاتا ہے جیسا بہرے کو آواز سے، اندھے کو رنگ سے اور گونگے کو بات چیت کرنے سے بعد ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بہرہ، گونگا، اندھا ہونا حقیقتاً قلب سے تعلق رکھتا ہے۔ جوارح کا بہرہ، گونگا، اندھا ہونا بالغرض اور بالتبع ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

فإنها لاتعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور (الحج ٢٢: ٦٤)

بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں، وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔

یہاں بصارت کی نفی سے حسِ بصارت کی نفی قطعاً نہیں ہے، خود اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد حسِ بصارت کی نفی کے خلاف ہے۔

ليس على الاعمىٰ حرج (النور ٢٤: ٦١)

اندھے کے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔

یہاں اعمیٰ سے مراد بصارتِ حسی ہے۔

اور یہ ارشاد:

عبس و تولیٰ أن جاءه الاعمیٰ (عبس ۸۰: ۱-۲)

محمدؐ اتنی بات پر چیں بجبیں ہوئے اور منہ موڑ بیٹھے۔

یہاں بھی قطعی طور پر بصارتِ حسی مراد ہے۔

مراد یہ ہے کہ پورا پورا اندھا حقیقتاً وہ ہے جس کا قلب اندھا ہو، کیونکہ آنکھ کا اندھا قلب کی عدم بصارت کے مقابلے میں گویا آنکھوں والا ہے، تا آنکہ قلب کی عدمِ بصارت کے سامنے آنکھ کی حسی بصارت کی نفی کر دینا بھی صحیح ہے۔ اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں موجود ہے:

لیس الشدید بالصرعة ولکنه الذی یملک نفسه عند الغضب (مسند احمد بن حنبل ۲: ۲۳۶)

قوی تر آدمی وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔

نیز آپ کا ارشاد ہے:

لیس المسکین بالطواف الذی ترده اللقمة واللقمتان ولکن المسکین الذی لا یسئل الناس ولایفطن له فیتصدق علیه (مسند احمد بن حنبل ۱: ۴۴۷)

مسکین وہ نہیں جو گھر گھر پھرتا ہے، جسے تم لقمہ دو لقمے دے دیا کرتے ہو، بلکہ مسکین وہ ہے جو لوگوں سے مانگتا نہیں اور نہ لوگ اسے ضرورت مند سمجھ پاتے ہیں کہ اسے صدقہ دیا جائے۔

اس قسم کے نظائر و امثال بے شمار ملیں گے۔ ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی چیز کے مقابلے میں غیر حقیقی چیز بمنزلہ معدوم کے ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے معاصی اور گناہوں کی عقوبات

میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ قلب کو اندھا، بہرہ، گونگا بنا دیتے ہیں۔

چہارم: معاصی قلب کو اس طرح دھنسا دیتے ہیں جس طرح مکان اور مکان کا سارا سروسامان زمین میں دھنس جایا کرتا ہے۔معاصی قلب کو اسفل السافلین تک دھنسا کر لے جاتے ہیں اور احساس تک نہیں ہوتا۔قلب کے دھنسنے کی علامت یہ ہے کہ انسان شب و روز سفلیات، نجاسات، رزائل اور بداخلاقیوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔ایسا قلب جسے اللہ تعالیٰ رفعت دیتا اور مقربِ بارگاہ بنالیتا ہے، شب و روز خیر وفلاح ، عالی امور، اچھے اعمال اور بلند اخلاق و اقوال کے گرد گھوما کرتا ہے، جیسا کہ بعض اسلاف کا قول ہے:

إن هذه القلوب جوالة فمنها مايجول حول العرش و منها مايجول حول الحش

یہ قلوب ہمیشہ گھومتے پھرتے ہیں، لیکن بعض عرش کے اردگرد گھومتے پھرتے ہیں اور بعض غلاظتوں کے اردگرد۔

پنجم: معاصی قلب کو اس طرح مسخ کر دیتے ہیں جیسے صورتیں مسخ ہوا کرتی ہیں۔قلوب بھی مسخ ہو جایا کرتے ہیں۔انسانی قلب حیوانی قلب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اخلاق، اعمال، افعال، طبائع کے لحاظ سے جس جانور سے مناسبت ہو جاتی ہے، اسی جانور کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔بعض قلوب مسخ ہو کر خنزیر کے قلب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ان کے اندر خنزیر کی سی شدت اور خباثت پیدا ہو جاتی ہے۔بعض قلوب مسخ ہو کر کتے اور گدھے، سانپ اور بچھو کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اخلاق و عادات اور طبائع کے لحاظ سے صورتیں تبدیل ہوا کرتی ہیں، چنانچہ حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے اس آیت کی یہی تاویل کی ہے:

وما من دابة فى الارض ولا طائر يطير بجناحيه إلا أمم أمثالكم (الانعام ٦ :٣٨)

اور جتنے حیوانات زمین میں ہیں اور جتنے پرندا اپنے دو پروں پر اڑے اڑے پھرتے ہیں، یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح امتیں ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ بعض قلوب درندوں کے اخلاق اختیار کر لیتے ہیں۔بعض کتوں کے، بعض گدھوں کے اور بعض اپنے ظاہری لباس میں طاؤسی اخلاق اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے خوش نما

پروں پر ناچا کرتے ہیں۔ بعض گدھوں کی طرح بلید اور احمق ہوا کرتے ہیں۔ بعض مرغ کی طرح انسانوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ بعض کبوتروں کی طرح الفت وانسیت کے خوگر ہوتے ہیں۔ بعض اونٹ کا سا کینہ رکھتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں سراسر خیر وفلاح ہوتی ہے اور وہ بکری کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض لومڑی کا اخلاق رکھتے ہیں، لومڑی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ہمہ وقت لومڑی کی سی مکاریاں کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جاہلوں اور گمراہ لوگوں کو کبھی گدھوں سے تشبیہ دی ہے، کبھی کتوں سے اور کبھی دوسرے جانوروں سے۔ کبھی یہ باطنی مناسبت اس قدر قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ اس کا اثر ظاہری صورت پر نمایاں ہونے لگتا ہے اور اس چیز کو اربابِ فراست خوب سمجھتے ہیں۔ کچھ ظاہری اعمال وکردار تو ایسے سرزد ہونے لگتے ہیں کہ عام آدمی بھی دیکھ سکتا ہے، اور یہ مشابہت اعمال وکردار کے لحاظ سے کبھی اس قدر قوی اور پائیدار ہو جاتی ہے کہ صورت پر غالب آ جاتی ہے اور حکمِ الٰہی کے مطابق ظاہری صورت بھی مسخ ہو جاتی ہے۔ یہ مسخِ تام ہے جیسا کہ یہود اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اور اس امت میں بھی بعض کو بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیتا ہے۔

سبحان اللہ! کتنے ہی قلوب مسخ ہو کر تبدیل ہو گئے اور انہیں اس کی خبر تک نہیں۔ کتنے ہی مسخ ہو گئے، کتنے ہی دھنس گئے، کتنے ہی عوام کی تعریف وتوصیف کے فتنے میں مبتلا ہو کر رہ گئے، اور اللہ کی پردہ داری نے انہیں دھوکہ دیا اور کتنے ہی انعامِ الٰہیہ اور استدراج کے امتحان میں پڑے ہوئے ہیں۔ درحقیقت یہ تمام امور اللہ کی جانب سے عقوبات، سزائیں، اہانتیں، ذلتیں ہیں اور بس، لیکن افسوس! جاہل لوگ ان چیزوں کو کرامت اور عزت سمجھ رہے ہیں۔ اللہ بھی ان کے ساتھ مکر وخدع کرتا ہے۔ ان استہزاء کرنے والوں کے ساتھ وہ بھی استہزاء کرتا ہے اور حق سے ٹیڑھا چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ ٹیڑھا کر دیتا ہے۔

ششم: قلب الٹ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے گنہگار حق کو باطل اور باطل کو حق، معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگتا ہے۔ شر وفساد، تباہی اور بربادی کے سامان کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ

میں اصلاح کرر ہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا تا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔ ہدایت کے بدلے ضلالت خریدتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ہدایت کی راہ پر ہوں۔ نفس وخواہشات کی پیروی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اپنے مولا کی اطاعت کرر ہا ہوں۔

معاصی اور گناہوں کی یہ تمام عقوبات اور سزائیں وہ ہیں جو قلوب پر جاری اور نافذ ہوتی ہیں۔

ہفتم: معاصی دنیا میں پروردگارِ عالم اور بندے کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں اور یہ قیامت کے دن حجابِ اکبر ثابت ہوں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كلا إنهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون (المطففين ۸۳:۱۵)

سنو جی! یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے سامنے نہیں آنے پائیں گے۔

معاصی بندوں کی اس مسافت میں سدِّ راہ ہوتے ہیں جو بندوں اور بندوں کے قلوب کے درمیان واقع ہے۔ یہ بندوں کو قلب تک پہنچنے ہی نہیں دیتے کہ وہ اصلاح وفساد کی چیزوں پر غور کریں اور بندوں کو شقی وبد بخت کر کے چھوڑتے ہیں۔

معاصی اس راہ کو بھی کاٹ دیتے ہیں جو بندوں کے قلوب اور پروردگار عالم کے درمیان واقع ہے، جس کے ذریعے قلوب اپنے پروردگار تک پہنچتے ہیں اور اس سے تقرب حاصل کرتے ہیں۔ پروردگار کے اس تقرب سے بندوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور اس سے دلوں کو فرحت وانبساط اور مسرت ونشاط حاصل ہوتی ہے۔

معاصی بندوں اور بندوں کے قلوب کے درمیان، قلوب اور پروردگار عالم، نیز قلوب اور اخلاق عالم کے درمیان پُرخطر حجاب بن جاتے ہیں۔

ہشتم: معاصی معیشت (زندگی) کو تلخ بنا دیتے ہیں۔ دنیا کی معیشت، برزخ کی معیشت، آخرت کی معیشت، تینوں جگہ کی معیشت معاصی اور گناہوں کی وجہ سے تنگ اور تلخ ہو جاتی ہے۔ یہ آخرت میں دردناک عذاب کا موجب بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن أعرض عن ذكري فان له معيشة ضنكاً و نحشره يوم القيامة أعمى (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۴)

اور جس نے ہماری یاد سے روگردانی کی تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

بعض علماء نے معیشة ضنک کی تفسیر عذابِ قبر سے کی ہے، اور اس تفسیر میں کوئی شک نہیں، لیکن یہ آیت اس سے کہیں زیادہ وسیع معنی پر مشتمل ہے۔ اس کی وسعت وعموم ہمہ قسم کی معیشت پر مشتمل ہے۔ معیشتِ تلخ دنیا کی معیشت ہو، خواہ برزخ کی، خواہ آخرت کی، یہ عموم تمام پر حاوی ہے۔ معیشة ضنک اگرچہ نکرہ ہے، مگر سیاق وسباق میں واقع معنی کے لحاظ سے اس میں عموم ووسعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معیشة ضنک تلخ وتنگ زندگی کو اعراض عن اللہ پر مترتب اور متفرع فرمایا ہے۔ یہ معیشة ضنک اعراض کرنے والے کے اعتبار سے ہی ہوگی۔ وہ دنیا میں گو بے شمار نعائم اللہ اور نفائس ولذائذِ دنیا سے بہرہ ور اور لذت اندوز ہو، تاہم اس کا قلب وحشت وذلت اور حسرتوں کی آماج گاہ ہی بنا رہے گا۔ ہر وحشت، ہر ذلت، ہر حسرت قلب کے ٹکڑے کر رہی ہوگی۔ باطل تمنائیں اور آرزوئیں اور مختلف قسم کے عذاب اسی دنیا میں اس کے لیے موجود ہوں گے۔ اس کی یہ تمنائیں اور آرزوئیں شہوات، عشق، حب دنیا، حب ریاست، حب امارت کے نشے میں مستور ہوں گی۔ اور ہمہ اوقات اسے بدمست رکھتی ہوں گی۔ وہ اگر شراب خور نہیں تو شراب کا نشہ نہ سہی، لیکن ان شہوات وخواہشات اور تمناؤں اور آرزوؤں کا نشہ بجائے خود اس قدر خطرناک ہوتا ہے کہ انسان کو اس سے کبھی افاقہ ہی نہیں ہوتا۔ شراب خور کو تو کبھی نہ کبھی افاقہ ہو جاتا ہے، البتہ دنیا اور خواہشات کا نشہ اترنے ہی نہیں پاتا۔ یہ نشہ اس وقت اترتا ہے جب وہ موت کا پیالہ پیتا ہے۔ موت کا نشہ اس پر سوار ہو کر اسے دنیا کی زندگی سے علیحدہ کر کے مردوں میں سلا دیتا ہے۔ پس معیشة ضنک تنگ زندگی، تلخ زندگی، ہر اس آدمی کے لیے لازمی اور ضروری ہے جو ذکرِ الٰہی سے اعراض کرے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش کیا ہے، اسے اس سے اعراض کرے۔

یہ معیشة ضنک یعنی تنگ، تلخ زندگی دنیا میں لازمی ہے، نیز برزخ میں اور قیامت کے دن بھی۔ حقیقت امر یہ ہے کہ آنکھوں کو ٹھنڈک، قلب کو ہدایت، نفس کو اطمینان، معبود برحق

کے سوا ممکن ہی نہیں۔ معبودان باطل سے سوائے پریشانی اور سراسیمگی کے کچھ حاصل نہیں۔ پس جس نے ذاتِ الٰہی سے ٹھنڈک نہ پائی، اس کا نفس حسرتوں سے زخمی اور چور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ حیات طیب اور شیریں زندگی اسی کو عطا فرماتا ہے جو اس پر ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو مزین و آراستہ کرتا ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ماكانوا يعملون (النحل ١٦ : ٩٧)

جس نے نیک عمل کیا، مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو ہم دنیا میں اس کی زندگی اچھی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ان کے اعمال صالحہ کا ضرور صلہ دیں گے۔

اہلِ ایمان جو اعمالِ صالحہ سے مزین ہوں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ وہ انہیں دنیا میں اور قیامت کے دن بھی بہترین زندگی سے نوازے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان والے جو اپنے اعمالِ صالحہ سے خود کو مزین و آراستہ کریں گے، دونوں جہاں میں بہترین زندگی گزاریں گے۔ ایسے ہی لوگ دونوں جہان میں زندہ اور کامیاب ہیں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

للذين أحسنوا فى هذه الدنيا حسنة ولدار الآخرة خير ولنعم دار المتقين (النحل ١٦ :٣٠)

جن لوگوں نے بھلائی کی، ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا ٹھکانا اس سے بھی کہیں بہتر ہے اور پرہیز گاروں کا گھر نہایت عمدہ ہے۔

اور یہ ارشاد بھی اس کی نظیر ہے:

وأن استغفروا ربكم. ثم توبوا اليه يمتعكم متاعاً حسناً الى أجل مسمى ويؤت كل ذى فضل فضله (هود ١١: ٣)

اور یہ کہ اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو تو تمہیں وہ ایک مقرر وقت تک دنیا میں اچھی طرح رسائے بسائے رکھے گا اور جس نے زیادہ کیا، اس کو اس کا زیادہ صلہ دے گا۔

وہ لوگ جو متقی، پرہیزگار، نیک اعمال و نیک کردار ہیں، وہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے بہرہ ور اور فائز المرام ہیں۔ دونوں جہاں میں انہیں بہترین زندگی حاصل ہے، کیونکہ نفس کی فرحت، سرورِ قلب، فرحتِ قلب، لذتِ قلب، ابتہاجِ قلب، طمانیتِ قلب، انشراحِ قلب، نورِ قلب، وسعتِ قلب، عافیتِ قلب سے وابستہ ہیں اور یہ چیزیں اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب شہوات محرمہ، خواہشات مکروہہ اور شبہات باطلہ سے اجتناب واحتراز کیا جائے۔ حقیقت امر تو یہ ہے کہ اصل نعمت و سرور، اصل فرحت و بہجت، اصل لذت و عافیت یہی ہے۔ جسمانی لذت و سرور اس کے مقابلے میں ہیچ اور سراسر ہیچ ہے۔

بعض عارفینِ سلف اور لذت آشنائے بادہ توحید کا قول ہے:

لو علم الملوک و أبناء الملوک مانحن فيه لجادلونا عليه بالسيوف

اگر بادشاہ اور بادشاہوں کے بیٹے وہ حالت معلوم کرلیں جس میں ہم ہیں تو اس کے لیے وہ ہم سے تلواریں لے کر جنگ کریں۔

کسی عارف کا قول ہے:

إنه يمر بالقلب أوقات أقول فيها ان كان أهل الجنة فيه مثل هذا إنهم لفي عيش طيب

قلب پر کچھ ایسے اوقات بھی آجاتے ہیں کہ زبان بے ساختہ چلا اٹھتی ہے کہ اگر اہل جنت کو ایسی نعمت حاصل ہے تو یقیناً وہ بہترین عیش سے بہرور ہیں، وگرنہ کچھ نہیں۔

کسی اور بزرگ کا قول ہے:

ان في الدنيا جنة هي في الدنيا كالجنة في الآخرة. من لم يدخلها لم يدخل جنة الآخرة

بے شک دنیا میں ایک جنت ہے اور وہ ایسی ہی جنت ہے جیسی آخرت کی۔ جو آدمی دنیا کی اس جنت میں داخل نہیں ہوا، وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل نہیں ہوگا۔

اور اس جنت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارہ فرمایا ہے:

إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا

جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کی کیاریاں کون سی ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: **حلق الذکر** (ذکرالٰہی کے حلقے)۔

یہ بھی آپؐ کا ارشاد ہے:

مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة (ترمذی : دعوات)

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریاں ہیں۔

اور اللہ کے اس فرمان:

إن الأبرار لفی نعیم وإن الفجار لفی جحیم (الانفطار ۸۲: ۱۳-۱۴)

بے شک نیکوکار لوگ مزے کی بہشت میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ یومِ معاد، یعنی قیامت کے دن کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ ابرار یعنی نیک لوگ ہر سہ عالم میں نعیم و جنت میں ہیں اور فجار و بدکار تینوں جہانوں میں جہنم میں ہیں۔

خدارا بتایے کہ نیکوکار قلب، قلب سلیم، سلامتی صدر، معرفت رب العالمین، محبت خداوندی اور رضامندی الٰہی سے بڑھ کر دنیا کی کون سے لذت اور کون سی نعمت ہوسکتی ہے؟ اور قلبِ سلیم کے سوا کوئی عیش ہے بھی؟ خود اللہ تعالیٰ اپنے خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کی مدح وتوصیف اور سلامتی قلب کے بارے میں فرماتا ہے:

وان من شیعته لابراهیم اذ جاء ربه بقلب سلیم (الصّٰفّٰت ۳۷: ۸۳-۸۴)

اور نوحؑ کے طریق پر چلنے والوں میں سے ایک ابراہیمؑ تھے جب کہ صاف قلب کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوئے۔

نیز اللہ تعالیٰ انہی کے قول کی نقل فرماتا ہے:

یوم لا ینفع مال ولا بنون إلا من أتی اللّٰه بقلب سلیم (الشعراء ۲۶: ۸۸-۸۹)

اس دن نہ مال ہی کام آئے گا نہ بیٹے، مگر جو پاک قلب لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوگا۔

اور قلب سلیم وہی ہے جو شرک، غل و غش، حقد و حسد، بغض و کینہ، حرص و طمع، کبر و غرور، حبِ دنیا اور حب ریاست سے سالم و محفوظ ہو۔ ایسا قلب ہر آفت، ہر مصیبت و ابتلاء سے محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے والی باتوں سے محفوظ ہے۔ اللہ کی خبروں کے خلاف جو شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان سے محفوظ ہے۔ ان شہوات و خواہشات سے محفوظ ہے جو احکام الٰہی کے خلاف ابھرتی ہیں۔ ان ارادوں سے محفوظ ہے جو مرادِ الٰہی کے خلاف اقدام کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ہر راہ زن سے محفوظ ہے جو رشتہ الٰہی کو توڑ سکتا ہے۔ یہ قلب اور ایسا قلب دنیا میں بھی جنت میں ہے، اور برزخ میں بھی جنت میں، اور قیامت کے دن بھی جنت میں۔

قلب کی سلامتی ان پانچ چیزوں کے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی:

۱- شرک سے محفوظ ہو۔ شرک توحید الٰہی کے خلاف ہے۔

۲- سنت نبوی کے خلاف جو بدعات ہیں، ان سے محفوظ ہو۔

۳- امرِ الٰہی کے خلاف جو شہوات و خواہشات ہیں، ان سے محفوظ ہو۔

۴- اس غفلت سے محفوظ ہو، جو ذکر الٰہی سے غافل اور بے خبر کر دے۔

۵- تجرید توحید، تجرید الٰہی کے خلاف جو خواہشات و شہوات ہوں، ان سے محفوظ ہو۔

ان پانچ چیزوں کے علاوہ ایک اخلاص بھی ہے، لیکن یہ پانچوں امور پر حاوی ہے۔ یہ پانچ چیزیں اللہ اور بندوں کے درمیان کے حجابات ہیں۔ ہر حجاب کے ماتحت بے شمار اقسام ہیں جو بے شمار افراد اور لاتعداد اشخاص پر مشتمل ہیں، اسی لیے ہر بندہ اس امر کا محتاج اور ضرورت مند ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں اپنے لیے ہمیشہ صراط مستقیم کی ہدایت طلب کرتا رہے۔ بندے جس قدر اس دعا کے محتاج ہیں، کسی چیز کے نہیں اور جس قدر یہ دعا بندوں کے لیے مفید ہے، کوئی اور دعا مفید نہیں، کیونکہ صراطِ مستقیم بہت سے علوم، بے شمار ارادوں اور لاتعداد ظاہری و باطنی اعمال اور ترک و اجتناب کے بے شمار امور پر مشتمل ہے جو بندوں پر ہمہ اوقات جاری و طاری رہتے ہیں۔

اس صراط مستقیم کی تفصیلات بندے کبھی نہیں سمجھ سکتے، قطعاً نہیں سمجھ سکتے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس قدر تفصیلات بندوں کو معلوم ہوتی ہیں، ان سے کہیں زیادہ وہ بے خبر ہوتے ہیں جو معلوم ہوتی

ہیں، ان میں سے بھی بہت سی چیزوں پر قادر اور قابو یافتہ نہیں ہوتے اور پھر بندے ان چیزوں کا ارادہ کرنے کے بعد بھی بسا اوقات عمل سے قاصر رہتے ہیں۔ عمل اگر کر لیا تو پھر شرائطِ اخلاص پورے نہیں ہوتے اور اگر شرائطِ اخلاص بھی موجود ہیں تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول کی پوری طرح متابعت نہیں پائی جاتی۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی متابعت، اگر موجود ہے تو پھر بندے اس پر ثابت قدم رہتے بھی ہیں یا نہیں؟ یہ تمام باتیں پیش آتی ہیں اور ساری مخلوق لازمی طور پر ان چیزوں سے دوچار ہوتی ہے۔ یہ تمام موانعات لازمی طور پر پیش آتے ہیں، لیکن کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی طبائع میں جو ہدایت ودیعت کی گئی ہے وہ ان تمام چیزوں پر قابو نہیں پا سکتی، بلکہ اگر انسان کو طبائع پر چھوڑ دیا جائے تو خود طبائع ان چیزوں کی تحصیل و تکمیل میں رکاوٹیں ڈال دیتی ہیں، چنانچہ طبائع کی کج روی نے منافقوں کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ طبائع کے رجحانات نے انہیں اصل جبلت اور جبلی ظلم و جور کی طرف موڑ دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قضاء وقدر اور اوامر ونواہی کو اسی صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے اور اسی کے بموجب بندوں کو دعوت دیتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اپنے فضل وکرم سے اسے صراط مستقیم پر لگا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ عدل و حکمت، صلاحیت وعدم صلاحیت، محل و مقام کے ماتحت اور اپنے اسی صراط مستقیم کے مطابق کرتا ہے جو اس نے اپنے امر و حکم سے اپنے بندوں کے لیے قائم کی ہے اور جس کی طرف بر بنائے حجت و عدل اپنے تمام بندوں کو دعوت دی ہے۔ وہ اپنے فضل وکرم کی روح سے جسے چاہتا ہے، اسے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے اور عدل و فضل کی رو سے جسے چاہتا ہے اس سے دور پھینک دیتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس صراطِ مستقیم کو پھر قائم کرے گا اور جنت میں جانے کی راہ یہی صراطِ مستقیم ہوگی۔ جو بندے دنیا میں اس سے دور رہے، وہاں بھی اللہ تعالیٰ اس سے انہیں دور رکھے گا اور جو اس پر قائم رہے، وہاں بھی اللہ تعالیٰ انہیں قائم وثابت قدم رکھے گا۔ جو بندے اللہ اور اللہ کے رسول کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے اور دنیا میں اس ایمان کے نور سے ان کے قلوب منور اور روشن رہے، یہی ایمانی نور ان کے اندر وہاں پوری قوت سے ابھرے گا اور ان کی راہ نمائی اور رہبری کرے گا۔ حشر کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں یہ نور ان کے آگے آگے اور دائیں جانب روشنی ڈالتے ہوئے ان کی راہ نمائی کرے گا۔ ان

کے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس نور کی حفاظت کی اور اس وقت تک حفاظت کی، جب تک لوگ انہیں دنیا سے رخصت کر کے واپس لوٹے۔ اس طرح ان کی حفاظت کی جس طرح اللہ کی بارگاہ تک پہنچنے میں ان کے ایمان کی حفاظت کی۔ منافقین کا نور اس نے بالکل بجھا دیا اور اسی طرح بجھا دیا جس طرح دنیا میں ان کے قلوب اس سے محروم رہے۔ جو لوگ گنہ گار ہیں، ان کے اعمال و کردار کو اس صراط مستقیم کی ہر دو جانب کانٹوں کی شکل میں قائم کر دیا جو ان گنہ گاروں کے دامن پکڑتے اور الجھاتے رہیں گے، اور اسی طرح الجھاتے رہیں گے جس طرح دنیا میں اسی راستے پر چلنے سے الجھاتے رہے۔

اس صراط مستقیم سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی طرح اور اسی رفتار سے گزارے گا جس طرح اور جس رفتار سے بندے دنیا میں اس صراط مستقیم پر گزرتے رہے۔ کوئی جلد سے جلد پار ہو جائے گا اور کوئی دیر سے۔ پھر ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہاں حوض بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان سے سیراب ہوں اور اسی قدر سیراب ہوں جس قدر بندے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شریعت و دین سے اس پر عمل پیرا ہو کر سیراب ہوتے رہے۔ جو لوگ دنیا میں شریعت و دین سے محروم رہے، وہ وہاں بھی ان حوضوں کے پانی سے محروم رہیں گے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ یہ آخرت ہے۔ اس پر غور کرو۔ آخرت تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور پھر عالم دنیا اور عالم آخرت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں، ان پر غور کرو۔ پوری طرح معلوم ہو جائے گا، اور ایسا علم یقینی تمہیں حاصل ہو جائے گا جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ معلوم ہو جائے گا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی، آخرت کا عنوان اور نمونہ ہے۔

آخرت میں لوگوں کی سعادت وشقاوت کی منزلیں، دنیا میں ایمان وعمل، اعمالِ صالحہ اور کردار بد کے لحاظ سے مختلف ہوں گی۔ دنیا کی ہر منزل آخرت کی منزل کا عنوان ونمونہ ہے، اور توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اور بڑی سے بڑی عقوبت وسزا انسان کے لیے یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس صراط مستقیم سے محروم اور بے بہرہ ہو۔



فصل ۶۳

گناہوں کی اقسام اور ملکیہ گناہ

معاصی اور گناہ اپنے درجات اور مفاسد کے اعتبار سے مختلف ہیں، اس لیے ان کی دنیوی اور اخروی عقوبتیں اور سزائیں بھی مختلف ہیں۔ بتائید الٰہی ہم ایک مختصر، مگر جامع فصل کے تحت انہیں پیش کر دیتے ہیں۔

معاصی دو قسم کے ہیں۔ اولاً ترکِ مامور، یعنی اللہ نے جس کے کرنے کا امر اور حکم فرمایا ہے، اسے ترک کر دیا جائے۔ ثانیاً فعلِ محظور، یعنی اللہ نے جس سے منع فرمایا ہے اسے کیا جائے۔ گناہوں کی یہی دو قسمیں ہیں جن میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابوالجن، یعنی شیطان اور ابوالانس، یعنی حضرت آدمؑ کو آزمائش میں ڈالا۔

یہ ہر دو قسم کے گناہ باعتبار اپنے محل ومقام، جوارح وقلوب، اور باعتبار اپنے تعلقات کہ ان کا تعلق اللہ سے ہے یا مخلوق سے، مختلف ہیں۔ حقوق الخلق اور حقوق العباد کا تعلق بھی اگرچہ حقوق اللہ کو متضمن ہے، مگر چونکہ حقوق العباد کا وجوب بندوں کے مطالبات کی وجہ سے ہے اور بندے عفو ودرگزر کریں تو معاف ہو جاتے ہیں، اس لیے ان کا نام حقوق العباد اور حقوق الخلق رکھا گیا ہے۔

ان گناہوں کی چار قسمیں ہیں: ۱) ملکیہ، ۲) شیطانیہ، ۳) سبعیہ (درندہ صفت)، ۴) بہیمیہ (حیوانی)۔

ملکیہ گناہ یہ ہے کہ اللہ کی صفاتِ ربوبیت کو، جن کی صلاحیت بندوں میں قطعاً نہیں، بندہ اسے اپنے اوپر منطبق کرنے کی کوشش کرے، اور اپنے کو اس کا حقدار گرداننے لگے، مثلاً عظمت،

کبریائی، جبروت، قہر، علو وغیرہ۔ یہ چیزیں صفاتِ ربوبیت سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن انسان اپنے اوپر منطبق کر کے لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں کو اپنا غلام اور اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پروردگارِ عالم کے ساتھ کسی کو شریک گردانا اسی قسم میں داخل ہے۔

شرک کی دو قسمیں ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں کسی کو شریک گردانا، اس کے سوا کسی اور کو بھی معبود بنانا اور اس کی عبادت کرنا۔

۲- معاملات میں کسی کو اللہ کا شریک گردانا۔

دوسری قسم کا شرک گو جہنم میں داخل ہونے کو واجب نہیں کرتا، لیکن وہ عمل ضرور ساقط اور باطل ہو جاتا ہے جس میں غیر کو شریک کیا گیا ہے۔

پہلی قسم کے گناہ سب سے بڑے گناہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق و امر میں بغیر علم کے مداخلت کرنا اسی پہلی قسم کے گناہوں میں داخل ہے۔ اس نوع اور اس قسم کے گناہ کا مرتکب درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و ملک میں اللہ تعالیٰ سے لڑتا ہے اور غیر کو اللہ تعالیٰ کا مثل اور مانند گردانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑا گناہ ہے۔ اس گناہ کے ساتھ بندے کا کوئی عمل مقبول اور سودمند نہیں ہے۔



فصل ۶۴

شیطانی گناہ

شیطانی گناہ یہ ہیں کہ حسد، بغض، کینہ، بغی و عدوان، غل وغش، مکر و خدع وغیرہ کے ذریعے شیطان کی مشابہت کی جائے اور اس کی راہ اختیار کی جائے۔ گناہوں کے ارتکاب کی کسی کو ترغیب دی جائے، یا حکم دیا جائے، گناہوں کی تعریف کی جائے، طاعت الٰہی سے کسی کو روکا جائے اور منہیات کی ترغیب دی جائے۔ دین الٰہی میں بدعتیں پیدا کی جائیں، بدعات اور گمراہیوں کی طرف لوگوں کو بلایا جائے۔ ان گناہوں کے مفاسد اور خرابیاں قریب قریب پہلی قسم کے گناہوں کی سی ہیں، گو ان سے کچھ کم سہی۔



فصل ۶۵

درندہ صفتی کے گناہ اور حیوانی گناہ

معاصی سبعیہ، یعنی درندہ صفتی کے گناہ یہ ہیں کہ کسی پر ظلم وجور اور زیادتی کی جائے، غیظ و غضب اور غصہ کیا جائے، خون ریزی اور غارت گری کی جائے، ضعیفوں، کمزوروں، عاجزوں اور بے کسوں پر ظلم کیا جائے۔ سبعی معاصی کے یہ اصولی گناہ ہیں اور نوع انسانی پر ظلم وجور، جفاء و زیادتی کرنے سے ان اصولی گناہوں سے بے شمار قسم کے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

معاصی بہیمیہ، یعنی حیوانی گناہوں میں حرص وطمع، بے پناہ لالچ، شرم گاہ اور شکم کی شہوت و خواہش وغیرہ شامل ہیں۔ ان گناہوں سے زنا، سرقہ، یتیموں، مسکینوں کا مال کھانا، بخل، حرص، بزدلی، جزع وفزع وغیرہ جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ مخلوق زیادہ تر عموماً اسی قسم کے گناہوں کی مرتکب ہوا کرتی ہے، کیونکہ عموماً وہ سبعی (درندہ صفتی) اور ملکی گناہوں سے قاصر رہتی ہے، لیکن بہیمی، یعنی حیوانی گناہوں کی راہ سے مخلوق ہمہ قسم کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ بہیمی (حیوانی) گناہ بندوں کی لگام پکڑ کر سبعی گناہوں کی طرف بھی لے جاتے ہیں۔ یہاں سے شیطانی گناہوں کی طرف کھینچ لیے جاتے ہیں اور پھر یہاں سے ربوبیتِ الٰہی میں خواہ مخواہ جھگڑنے اور شرک فی الوحدانیت کی طرف کھینچ لیے جاتے ہیں۔

ہمارے اس بیان پر پوری توجہ سے غور وتامل کیا جائے تو اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ شرک، کفر اور ربوبیتِ خداوندی کے خلاف جھگڑے، گناہوں کی دہلیز اور چوکھٹ ہیں۔



فصل ٦٦

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

گناہوں کی دو قسمیں ہیں، کبیرہ اور صغیرہ۔ اس تقسیم کا ثبوت کتاب وسنت دونوں سے ملتا ہے اور صحابہؓ، تابعینؒ اور تابعین کے بعد ائمہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إن تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم (النساء ٤: ٣١)

اگر تم ممنوعہ کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو چھوٹے گناہ ہم تم سے ساقط کر دیں گے۔

اور ارشاد ہے:

الذين يجتنبون كبائر الاثم والفواحش إلا اللمم (النجم ٥٣: ٣٢)

یہ وہی لوگ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں، سوائے صغیرہ گناہوں کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن إذا اجتنبت الكبائر (صحيح مسلم : طهارة)

پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ اگلے جمعہ تک اور ایک رمضان اگلے رمضان تک درمیانی عرصے کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے، بشرطیکہ تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو۔

کفارہ کرنے والے اعمال تین درجے کے ہیں:

اول: یہ کہ کفارہ کرنے والے اعمال ضعیف اور کمزور ہوں۔ ان اعمال میں اخلاص کم ہو، یا

ان اعمال کے حقوق و متعلقات کما حقہ پورے نہ کیے جائیں۔ یہ مکفراتِ ذنوب ایسے ضعیف ہوں جیسے معمولی دوا کسی مرض کی مقاومت و مدافعت میں باعتبار کمیت و کیفیت ضعیف و کمزور ہوا کرتی ہے۔ مذکورہ بالا خامیوں کی وجہ سے کفارہ کرنے والے اعمال گناہوں کے کفارے سے قاصر رہتے ہیں۔

دوم: یہ کہ کفارہ میں جو اعمال پیش کیے جا رہے ہوں، وہ اس قدر طاقتور اور وزنی نہیں جو کبائر کی مقاومت اور مقابلہ کر سکیں۔ یہ صرف صغائر ہی کی مقاومت کر سکتے ہیں۔

سوم: یہ کہ ان اعمال کی قوت ایسی ہے جو صغائر کی مقاومت کر سکتے ہیں اور کچھ کبائر کی مقاومت بھی ان سے ہو سکتی ہے۔

یہ تین قسم کے اعمال گناہوں کے کفارے میں پیش کیے جائیں تو کبائر کی مقاومت اور کفارہ ناممکن ہے۔ ان ہر سہ گانہ اعمال مکفرہ پر غور و تأمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے اور مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گا۔

کبائر کے متعلق **صحیح بخاری** میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟ (کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ نہ بتلاؤں؟)۔

صحابہؓ نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ ضرور بتلایئے تو آپؐ نے فرمایا:

الإشراك بالله وعقوق الوالدين و شهادة الزور (صحيح بخاری: استتابه)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا، والدین کو تکلیف پہنچانا اور جھوٹی گواہی دینا۔

اور **صحیح بخاری** ہی میں مروی ہے:

اجتنبوا السبع الموبقات (سات بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے رہو)۔

وہ سات گناہ کون کون سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

الإشراك بالله والسحر، وقتل النفس التی حرم الله إلا بالحق، وأكل

مال اليتيم، وأكل الربا، والتولي يوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات (صحيح بخاری : وصایا)

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا، جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جہاد کے دن موقع سے بھاگنا، پارسا بے خبر مومن عورتوں پر تہمت دھرنا۔

کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عنداللہ بڑے سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا:

أن تجعل للّٰه نداً وهو خلقك (تم کسی کو اللہ کا مثل و مانند گردانو، حالانکہ تمہیں اللہ نے پیدا کیا ہے)۔

دریافت کیا گیا، اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

أن تقتل والدك مخافة أن يطعم معك (صحیح بخاری : تفسیر)

اپنے لڑکے کو تم اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھائے گا۔

دریافت کیا گیا، اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

أن تزني بحليلة جارك (یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کاری کرو)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان احادیث کی تصدیق فرمائی ہے:

والذين لا يدعون مع اللّٰه إلهآ آخر ولا يقتلون النفس التي حرم اللّٰه إلا بالحق ولا يزنون (الفرقان ۲۵: ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبود نہیں پکارتے اور اللہ نے جو جان حرام کی ہے، ناحق اسے قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔

کبائر کی تعداد کے متعلق صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ سلف اور بزرگانِ دین میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کبائر کو محصور و محدود مانتے ہیں اور بعض محصور و محدود نہیں۔ جو لوگ محصور و محدود مانتے ہیں، ان میں بھی تعداد کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ چار ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ

بن العاص فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ نو ہیں، بعض گیارہ کہتے ہیں، اور بعض ستر۔ ابوطالب مکی کہتے ہیں کہ اقوال صحابہؓ سے جو کبائر میں نے جمع کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

چار قلب سے متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں: کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانا، گناہ پر اصرار کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا، اللہ تعالیٰ کے داؤ گھات سے بے خوف رہنا۔

چار گناہ زبان سے تعلق رکھتے ہیں: جھوٹی گواہی دینا، پارسا بے گناہ عورت پر تہمت دھرنا، جھوٹی قسم کھانا، اور جادو کرنا۔

تین شکم سے تعلق رکھتے ہیں: شراب پینا، یتیم کا مال کھا جانا، سود کھانا۔

دو شرم گاہ سے تعلق رکھتے ہیں: زنا اور لواطت۔

دو ہاتھوں سے تعلق رکھتے ہیں: قتل اور سرقہ۔

ایک گناہ دونوں پاؤں سے تعلق رکھتا ہے: جہاد کے میدان سے بھاگ نکلنا۔

اور ایک پورے جسم سے تعلق رکھتا ہے: والدین کو تکلیف پہنچانا۔

جو لوگ کبائر کو محدود و محصور نہیں مانتے، ان میں سے بعض کا قول ہے کہ قرآن حکیم میں جن گناہوں کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، وہ کبیرہ ہیں اور جن کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، وہ صغیرہ ہیں۔

ان میں سے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جس نہی اور ممانعت پر لعنت اور غضبِ الٰہی یا عقوبت و سزا کی وعید وارد ہے، وہ کبیرہ ہے، اور جس پر یہ وعید وارد نہیں ہوئی، وہ صغیرہ ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جس گناہ کی دنیا میں حد مقرر کی گئی ہے، یا جس کے متعلق آخرت کی وعید وارد ہے، وہ کبیرہ ہے اور جس کے متعلق حد اور آخرت کی وعید وارد نہیں، وہ صغیرہ ہے۔

بعض کے نزدیک جس گناہ کی حرمت پر اگلی پچھلی تمام شریعتیں متفق ہوں، وہ کبیرہ ہے اور جس کی حرمت بعض شریعتوں میں ہو، اور بعض میں نہ ہو، وہ صغیرہ ہے۔

بعض کی رائے میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے جس کے کرنے والے پر لعنت بھیجی ہو، وہ کبیرہ ہے۔ بعض دوسرے کہتے ہیں سورۃ النساء کے آغاز سے لے کر **إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه**

نکفر عنکم سیئاتکم تک جو گناہ بیان کیے گئے ہیں، وہ کبیرہ ہیں۔(النساء ۴:۳۱)

جو لوگ صغائر و کبائر کی تفریق کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ معاصی اور گناہ جس قدر بھی ہیں اور جس قسم کے بھی ہیں، وہ اس لیے معاصی اور گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جرأت واقدام کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف جرأت واقدام اور اس کی مخالفت کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

اس قول کی رو سے احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرنے والوں اور محارمِ الٰہیہ کی توہین و بےعزتی کرنے والوں کے متعلق سوچیے تو اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ جس قدر معاصی اور گناہ ہیں، کبیرہ ہیں اور اس مفسدہ اور خرابی کے لحاظ سے تمام معاصی اور گناہ مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے اس مسلک کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ بندوں کے معاصی اور گناہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچاتے، بندوں کے گناہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈالتے، اس لیے اس کی ذات کی طرح نسبت کرنے میں صغائر و کبائر یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ اب جو چیز باقی ہے، وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے سارے گناہ مساوی ہیں۔

ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ گناہ کے مفاسد اللہ تعالیٰ کے خلاف جرأت واقدام کے تابع ہیں۔ جس قسم کی جرأت واقدام ہوگا، اسی قسم کے مفاسد ہوں گے۔ ایک آدمی اگر حرام کاری کرتا ہے، یا شراب پیتا ہے اور اس کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حرام کا مرتکب ہو رہا ہے تو یہاں دو چیزیں جمع ہو جائیں گی، ایک جہالت اور دوسری حرام کا ارتکاب۔ دو قسم کے مفاسد یہاں پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر کوئی ایسا آدمی اس جرم کا ارتکاب کر رہا ہے جو اس کی تحریم و ممانعت کا عقیدہ رکھتا ہے تو غالباً وہ ایک ہی قسم کے مفسدے کا مرتکب ہے اور وہ صرف ایک ہی جرم کی سزا کا مستحق ہوگا کہ اس نے صرف ایک ہی جرم کیا ہے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ گناہ کے مفاسد اللہ کے خلاف جرأت واقدام کی وجہ سے ہیں۔

یہ لوگ اپنے دعوے کی دلیل میں کہتے ہیں کہ معصیت و نافرمانی اس امر کو متضمن ہے کہ اس سے مولیٰ، مطاع، رب، خالق کی توہین و ناقدری ہوتی ہے، اس کے اوامر و نواہی کی بے حرمتی

ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ اس امر میں سارے گناہ مساوی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔

مزید کہتے ہیں کہ بندے کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ گناہ فی نفسہ صغیرہ ہے یا کبیرہ، بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ معصیت ونافرمانی کس کی ہورہی ہے۔اس کی عظمت وجلالت پر نگاہ رکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس امر میں تمام گناہ یکساں ہیں۔اگر ایک بہت بڑا ذی اقتدار معتمد علیہ بادشاہ اپنے کسی غلام کو کسی خاص اور اہم کام کے لیے دور دراز مقام کی طرف بھیجتا ہے، اور کسی دوسرے غلام کو محل سرا کے قریب کا کام سپرد کرتا ہے، اور یہ دونوں کے دونوں اپنے آقا، بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ظاہر ہے، دونوں کے دونوں اس کی خفگی اور ناراضی کا شکار ہوں گے اور بادشاہ کی نظروں سے گر جائیں گے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ مکہ کا والی حج ترک کردے اور ایک مسجد کا پڑوسی نمازِ جمعہ ترک کردے، ان اشخاص کی قباحت اور گناہ ان افراد سے کہیں زیادہ ہے، جو مکہ سے اور مسجد سے دور ہیں، اور حج اور جمعہ ترک کردیتے ہیں۔قریب رہنے والے پر حج اور جمعہ کا وجوب زیادہ قوی ہے، بہ نسبت دور رہنے والے کے۔

ایک شخص کے پاس دوسو درہم ہیں اور وہ ان کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔دوسرے کے پاس دو ہزار درہم ہیں اور وہ بھی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ان ہردو پر زکوٰۃ کی جو رقم واجب ہوئی ہے وہ برابر نہیں ہے۔دوسو درہم والے پر کم مقدار واجب ہے اور دو ہزار والے پر زیادہ، لیکن واجب کی خلاف ورزی اور خلاف ورزی کی عقوبت میں دونوں مساوی ہیں۔مکہ کا باشندہ اور مکہ سے دور رہنے والا، مسجد کا پڑوسی اور مسجد سے دور رہنے والا، دوسو درہم کی زکوٰۃ نہ دینے والا اور دو ہزار کی زکوٰۃ نہ دینے والا واجب کی خلاف ورزی کے لحاظ سے برابر ہیں، اور خلاف ورزی کے اصرار پر دونوں مساوی سزا کے حقدار ہیں۔



فصل ٦٧

مشرکین کے چند شبہات اوران کا ازالہ

مسئلے کی پوری توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اور پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، آسمان وزمین پیدا کیے۔ ان سب کا مقصد کیا ہے؟ صرف یہی کہ بندے اللہ تعالیٰ کو پہچانیں، اس کی عبادت کریں، توحید پر قائم رہیں، توحید کا حق بجالائیں۔ دنیا میں اللہ ہی کا دین پھیلے اور اطاعت صرف اسی کی کی جائے اور بندوں کو صرف اسی کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما خلقت الجن وإلانس إلا ليعبدون (الطور ٥٢: ٥٦)

اور میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

مزید ارشاد ہے:

وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بينهما إلا بالحق (الحجر ١٥: ٨٥)

ہم نے آسمان وزمین اوران کے درمیان کی چیزیں مصلحت ہی سے پیدا کی ہیں۔

ایک اورآیت ہے

اللّٰه الذى خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلهن يتنزل الأمر بينهن لتعلموا أن اللّٰه على كل شيءٍ قدير. وأن اللّٰه قد أحاط بكل شيىء علما (الطلاق ٦٥: ١٢)

اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان اوراتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں۔ اس کا حکم ان آسمانوں اورزمینوں میں نازل ہوتا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اوراللہ کا

علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور ارشاد ہے:

جعل اللّٰہ الکعبة البیت الحرام قیاماً للناس والشھر الحرام والھدی والقلائد ذلک لتعلموا أن اللّٰہ یعلم ما فی السمٰوت وما فی الارض وأن اللّٰہ بکل شییءٍ علیم (المآئدة ۵: ۹۷)

اللہ نے کعبہ کو جو باعزت گھر ہے، اور حرمت والے مہینے اور قربانی کے جانور اور ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے نشانوں کو لوگوں کے لیے امن کا سبب بنایا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

ان آیات کی رو سے خلق وامر سے اللہ رب العزت کا مقصد یہ ہے کہ اس کی ذات کو اس کے اسماء وصفات کے ساتھ پہچانا جائے اور صرف اس کی عبادت کی جائے، کسی کو اس کا شریک ومثل نہ گردانا جائے، اور لوگ قسط وعدل پر قائم رہیں، جس قسط وعدل سے زمین وآسمان قائم ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقد أرسلنا رسلنا بالبینات وأنزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید ۵۷: ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور معیار نازل کیا تاکہ لوگ صحیح معیار پر متمکن ہو جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتاب نازل کرنے کی غرض یہ ہے کہ لوگ قسط، یعنی عدل پر قائم رہیں۔ ظاہر ہے بڑے سے بڑا عدل یہ ہے کہ بندے توحید پر قائم رہیں، ''توحید'' رأس العدل ہے اور دنیا میں توحید سے ہی عدل قائم ہو سکتا ہے۔ شرک بڑے سے بڑا ظلم ہے اور دنیا کی ساری خرابیاں شرک ہی سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إن الشرک لظلم عظیم (لقمٰن ۳: ۱۳) (بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ تمام مظالم سے بڑا اور خطرناک ظلم شرک ہے۔ توحید عدل کے تمام درجات سے بڑا عدل ہے اور جو امور اس اہم مقصد، یعنی توحید کے خلاف اور منافی ہیں، وہ کبیرہ گناہ ہوں گے، جو گناہ امر الٰہی کے سب سے زیادہ خلاف اور منافی ہوگا وہ اکبر الکبائر ہوگا۔ کبائر کی شدت وخفت اس اصل مقصد سے منافات کے مطابق ہوگی۔ جس درجے کی منافات ہوگی، اسی درجے کا وہ کبیرہ گناہ ہوگا۔ جو امور اس مقصد کے موافق ہوں گے، وہ باعتبار اپنی موافقت کے واجب اور ضروری ہوں گے، اور مقدم ترین طاعتوں میں ان کا شمار ہوگا۔

اب اس حقیقت، اصل اصول اور اس کی تفصیلات پر غور کریں تو اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ اللہ رب العالمین، احکم الحاکمین، اعلم العالمین نے اپنے بندوں پر جو کچھ فرض کیا ہے اور جو کچھ حرام فرمایا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ طاعات اور معاصی کی تفصیلات اور طاعت وگناہ کا تفاوت، اور اس تفاوت کے مراتب ودرجات اچھی طرح واضح ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا، چونکہ اس مقصد سے بالذات اور کلیتًا منافی ہے، اس لیے یہ گناہ علی الاطلاق اکبر الکبائر ہے، یعنی سب سے بڑا گناہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر مشرک پر جنت حرام کر دی اور اہل توحید کے لیے مشرک کا خون، اس کا مال، اس کے اہل وعیال مباح اور جائز کر دیے۔ مشرکین چونکہ عبودیتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جائز کر دیا کہ اہل توحید انہیں اپنا غلام بنالیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے صریح ارشاد ہے کہ وہ مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ اس کے حق میں کسی کی سفارش منظور نہیں کرے گا۔ اس کی آخرت کے لیے کسی کی دعا قبول نہیں کرے گا۔ کوئی بھی ایسی چیز اللہ تعالیٰ اس کے حق میں قبول ومنظور نہیں کرے گا، جس سے اسے کسی قسم کی امید قائم ہو سکے، کیوں کہ مشرک اجہل الجاہلین ہے۔ اللہ کی ذات کو اس نے پہچانا نہیں، اور اللہ کی مخلوق کو اس کا مثل اور مانند گردانا ہے، یہ انتہا درجے کی جہالت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح یہ انتہا درجے کی جہالت ہے، اسی طرح انتہا درجے کا ظلم بھی ہے۔ مشرک کا یہ ظلم پروردگار

عالم کی ذات پر نہیں ہے، بلکہ خود اس کی اپنی جان پر ہے۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرک کا مقصد پروردگار عالم کی تعظیم ہے، نہ کہ اس کی توہین و ناقدری۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اس کی اعلیٰ شان کچھ ایسی ہے کہ بغیر واسطے، وسیلے اور بلا کسی سفارش کے اس کی بارگاہ تک پہنچنا دشوار ہے، جیسا کہ سلاطین اور بادشاہوں کے دربار میں ہوا کرتا ہے۔ پس مشرک کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بارگاہِ ربوبیت کی ناقدری اور توہین کی جائے، بلکہ اس کا عین مقصد رب العالمین کی تعظیم ہے، چنانچہ ہر مشرک یہ کہتا ہے کہ میں ان وسائط و وسائل کی عبادت صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ مجھے رب العالمین کی بارگاہ تک پہنچا دیں گے اور صرف یہی میرا مقصد ہے۔ یہ صرف درمیانی واسطہ، وسیلہ اور سفارش ہیں، اور بس۔ پس ان وسائل اور واسطوں کو اسی قدر ماننے میں کیا حرج ہے؟ اور کیوں یہ پروردگارِ عالم کی خفگی، ناراضی اور اس کے غضب کا موجب ہے؟ اور کیوں یہ مشرک ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا؟ کیوں یہ چیز مشرک کا خون مباح کرنے کا موجب بنی؟ کیوں اس کے اہل وعیال، بیوی بچے، لڑکے لڑکیاں اور اس کا مال ودولت اہل توحید کے لیے مباح وجائز کر دیے گئے۔

اس سوال پر ایک اور سوال متفرع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے تقرب کے لیے سفارش اور وسائط ووسائل کو پسندیدہ قرار دینا جائز ہے؟ اور یہ کہ اس کی تحریم صرف شریعت سے ثابت ہے؟ یا یہ کہ شریعت کا اس میں کوئی دخل نہیں؟ اور صرف فطرت وعقل اس کو قبیح وممنوع مانتی ہے؟ یا یہ کہ فطرت وعقل کے نزدیک جو سب سے زیادہ قبیح چیز تھی، اسے شریعت نے فطرت وعقل کے حوالے کر دیا؟ اور پھر یہ کہ مشرک کے متعلق یہ کیوں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ دوسرے گناہوں کے متعلق کیوں ایسا نہیں کہا گیا؟ چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إن اللّٰه لایغفر أن یشرک به و یغفر مادون ذلک لمن یشاء (النساء ۴:۱۱۶)

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے، اس کے علاوہ جس کو چاہے گا، بخش دے گا۔

پہلے اس سوال پر اچھی طرح غور وتأمل کیجیے۔ اس کے بعد اطمینان کے ساتھ قلب وذہن

اور دل ودماغ کو حاضر رکھ کر اس کا جواب سمجھنے کی کوشش کیجیے۔اس سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ مشرک اور موحد میں، اللہ تعالیٰ کو جاننے پہچاننے والے اور جاہل اور اللہ کو نہ ماننے والے میں، اور اہل جنت اور اہل دوزخ میں کیا فرق ہے؟

ہم کہتے ہیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید چاہتے ہیں، اس کی ذات سے ہدایت اور صحیح راہ کی اعانت وامداد چاہتے ہیں، کیونکہ ہدایت اسی کو ملتی ہے جسے وہ ہدایت دے۔ جسے وہ ہدایت دے، اس سے کوئی ہدایت روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، کوئی اسے دے نہیں سکتا۔

واضح ہو کہ شرک دو قسم کا ہے۔ایک وہ جس کا تعلق معبودِ حقیقی کی ذات اور اس کے افعال سے ہے، دوسرا وہ جس کا تعلق معبود حقیقی کی عبادت اور معاملے سے ہے۔

پہلی قسم کے شرک کی دو قسمیں ہیں۔ایک شرکِ تعطیل، یعنی ذات الٰہی کو صفات سے معطل و بے کار ماننا۔ یہ شرک ہمہ قسم کے شرک سے قبیح ترین شرک ہے، جیسا کہ فرعون کا شرک کہ اس نے کہہ دیا: **وما رب العالمین؟** (رب العالمین کیا چیز ہے؟)

فرعون کا قصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے:

وقال فرعون یاھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب. اسباب السمٰوات فاطلع الیٰ اله موسیٰ وإنی لأظنه کاذبا (المؤمن ۴۰:۳۶-۳۷)

فرعون نے کہا، اے ہامان! میرے لیے ایک تعمیر بناؤ کہ میں موسیٰ کے اللہ کو دیکھ لوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

شرک اور تعطیل میں باہم تلازم ہے۔ ہر مشرک معطل ہوگا اور ہر معطل مشرک، لیکن اصل تعطیل کو شرک مستلزم نہیں ہے۔ایک شرک کی اصل جڑ اور بنیاد تعطیل ہی ہے اور یہ تعطیل تین قسم کی ہے۔

اول: مصنوع کو اصل صانع اور خالق سے معطل کر دیا جائے۔

دوم: صانع سبحانہ وتعالیٰ کو اس کے مقصدِ کمال سے معطل کر دیا جائے اور یہ اس طرح کہ

اس کے اسماء وصفات اور افعال کو معطل مانا جائے۔

سوم: ذات الٰہی کو اس معاملے سے معطل مانا جائے جو حقیقتِ توحید کی بناء پر بندوں پر واجب وضروری ہے۔ طائفہ اہل وحدۃ الوجود کا شرک وتعطیل اسی قبیل سے ہے۔ یہ گروہ خالق ومخلوق کو ایک اور متحد مانتا ہے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ یہاں دو متغائر وجود ہی نہیں ہیں، بلکہ حق تعالیٰ جو منزہ ہے، وہ بعینہٖ مخلوق مشبہ ہے۔

وہ ملاحدہ جو قدامت عالم کے قائل ہیں، ان کا شرک وتعطیل بھی اسی قبیل سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے، کبھی معدوم نہ تھا۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ حوادث جو روزانہ پیدا ہوتے ہیں، انہیں وہ ان وسائط، وسائل اور اسباب کی طرف منسوب کرتے ہیں، جو ان حوادث کے مقتضی ہوا کرتے ہیں جن کا نام ان لوگوں نے عقول اور نفوس رکھ لیا ہے۔

فرقہ جہمیہ اور قرامطہ کا شرک بھی اسی قبیل سے ہے کہ وہ پروردگار عالم کو اس کے اسماء وصفات اور افعال سے معطل مانتے ہیں، اور ذاتِ حق کے ساتھ اس کے اسماء وصفات کے ثبوت سے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح مخلوق کی ذات کو خالق سے زیادہ اکمل مانتے ہیں۔ ذاتِ الٰہی کا کمال اس کے اسماء وصفات سے ہے، اور یہ لوگ ذات الٰہی کو اس سے مبرا اور خالی مانتے ہیں۔



فصل ٦٨

شرکِ مجوسیہ اور شرکِ قدریہ

شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ اللہ کو معبود حقیقی مانتے ہوئے بھی دوسروں کو معبود اور اللہ کا شریک گردانا جائے، اور اللہ کے اسماء وصفات اور اس کی ربوبیت کو معطل اور بے کار نہ مانا جائے جیسا کہ نصاریٰ کا شرک ہے کہ یہ اللہ کو تین خداؤں میں سے ایک خدا مانتے ہیں۔ مسیح کو بھی خدا کہتے ہیں اور مسیح کی والدہ کو بھی۔

مجوسیوں کا شرک بھی اسی قبیل سے ہے۔ وہ حوادثِ خیر کو نور کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حوادثِ شر کو ظلمت وتاریکی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قدریہ کا شرک بھی اسی قبیل سے ہے۔ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ انسان اور حیوان اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور یہ افعال اللہ کی مشیت، قدرت اور ارادے کے بغیر پیدا ہوئے ہیں۔ اسی بناء پر قدریہ کو مجوس کے مشابہ کہا جاتا ہے۔

اور اسی قسم کا شرک تھا جس کے مقابلے میں حضرت ابراہیمؑ نے یہ دلیل وحجت پیش کی تھی۔

إذ قال إبراهيم ربى الذى يحي و يميت قال أنا أحيي و أميت (البقرة ٢:٢٥٨)

ابراہیم نے کہا، میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے کہا، میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

نمرود اپنی جان کو اللہ کا مثل اور مانند سمجھ رہا تھا۔ وہ اپنے زعم اور اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرح جلا سکتا ہوں، مار سکتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے بطور حجتِ الزامی فرمایا کہ اگر تیرا یہ کہنا صحیح ہے تو تجھے اس پر بھی قدرت حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو مشرق کی

جانب سے نکالتا ہے، تو مغرب کی جانب سے نکال لا؟

حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ایک الزامی حجت ہے۔ بعض اہلِ جدل نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف رجوع کر لیا۔ یہ قطعاً غلط ہے، بلکہ نمرود کی دلیل کی جامعیت کے خلاف ایک الزامی حجت ہے کہ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ایسا کر دکھا۔

ستارہ پرستوں کا شرک بھی اسی قبیل کا تھا کہ وہ کواکبِ علویہ کو اللہ کا شریک گردانتے تھے، اور اس عالم کی تدبیر و نظام کا انہیں مالک و مختار مانتے تھے، جیسا کہ فرقہ صائبیہ کا مذہب ہے۔

آفتاب پرستوں اور آتش پرستوں کا شرک بھی اسی قبیل کا ہے۔ یہ تمام مشرک فرقے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ معبودِ حقیقی تو صرف اللہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب معبودوں میں بڑا معبود اللہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس طرح اور معبود ہیں، اللہ بھی ایک معبود ہے، لیکن جب عبادت کے لیے اسی کو مخصوص کر لیا جاتا ہے اور دوسرے معبودوں سے توجہ ہٹا کر صرف اسی کی طرف توجہ پھیر لی جاتی ہے تو یہ بندے کی مقصد براری کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ہر چھوٹا اور قریبی معبود اپنے مافوق معبود تک رسائی کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ ہر معبود اپنے اوپر کے معبود تک پہنچا دیتا ہے۔ درجہ بدرجہ یہ بے شمار معبود، معبودِ حقیقی یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں، اور مقصود تک لے جانے میں کبھی واسطے اور ذریعے زیادہ ہو جاتے ہیں اور کبھی کم۔



فصل ۶۹

عبادات اور معاملات میں شرک

مذکورہ بالا شرک کے مقابلے میں شرک فی العبادۃ اور شرک فی المعاملۃ کمتر درجے کا شرک ہے۔ پہلی قسم کے شرک کے مقابلے میں اس کی عقوبت اور سزا کم ہے، کیونکہ اس قسم کا شرک اس آدمی سے بھی سرزد ہو جاتا ہے جو اللہ کے سوا کسی کو معبود اور الٰہ نہیں مانتا۔ ایک بندہ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ذاتِ خداوندی کے سوا دوسرا کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا کوئی رب اور پروردگار نہیں، لیکن بسا اوقات اس میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اس کا معاملہ، اس کا عمل، اس کی عبادت و عبودیت اخلاص لوجہ اللہ سے خالی ہوتی ہے۔ کبھی وہ صرف حفظِ نفس کی خاطر عمل کرتا ہے، کبھی دنیا طلبی کی غرض سے، کبھی لوگوں میں رفعت و شرف اور جاہ و عزت پیدا کرنے کی غرض سے، اس لیے اس کے عمل میں اللہ کا حصہ ہوتا ہے، نفس کا شیطان اور دوسری مخلوق کا بھی۔

دنیا کی اکثر و بیشتر مخلوق کے اعمال کا یہی حال ہے اور یہ اسی قسم کا شرک ہے جو صحیح ابن حبان کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشرک فی هذه الأمة أخفی من دبیب النمل

شرک اس امت میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی موجود ہوگا۔

صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس سے ہمیں نجات کیوں کر مل سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

قل اللّٰهم إنی أعوذبک أن أشرک بک وأنا أعلم و أستغفرک لما لا أعلم

کہو! اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ دانستہ تیرے ساتھ میں شرک کروں اور جو میں نہیں جانتا، اس شرک سے تیری مغفرت چاہتا ہوں۔

ریا، یعنی دکھاوا اور سمعہ، یعنی لوگوں کے سنانے کے لیے نیکی کرنا قطعاً اور کلیتاً شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قـل إنـما أنا بشر مثلكم يوحى إلي أنما الهكم إله واحد فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه أحداً (الكهف ١٨:١١٠)

اے پیغمبر! کہہ دو میں تمہاری طرح ایک بشر ہی ہوں، میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، لہذا جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنائے۔

یعنی خدائے معبود ایک ہے، کوئی دوسرا معبود نہیں، اس لیے لازم ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے، کسی دوسرے کی نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت و خداوندی میں منفرد اور اکیلا ہے، عبادت اور اظہارِ عبودیت میں بھی اکیلے کو مخصوص رکھا جائے۔ عملِ صالح وہی عمل ہوگا جو ریا اور سمعہ سے پاک اور سنتِ نبوی کے مطابق ہو، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی یہ دعا تھی:

اللّٰهم اجعل عملي كله صالحا واجعله لوجهك خالصاً. ولا تجعل لأحد فيه شيئاً

اے اللہ! میرے تمام اعمال اچھے اعمال بنا دے اور انہیں خالص اپنے ہی لیے کر دے۔ اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہ رکھ۔

شرک فی العبادۃ عمل کے ثواب کو باطل کر دیتا ہے اور اگر یہ عمل فرض و واجب ہے تو بسا اوقات اس شرک کی وجہ سے بندہ سخت عتاب و سزا کا مستحق بن جاتا ہے، کیونکہ شرک کی وجہ سے بندے کا یہ عمل کلیتہً ضائع ہو جاتا ہے۔ گویا اس نے عمل کیا ہی نہیں، لیکن ترک مامور کے مرتکب ہونے سے وہ عقوبت و سزا کا مستحق قرار پاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ خالص اسی کی عبادت کی جائے، کسی کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔

وما أمروا إلا ليعبدوا اللّٰه مخلصين له الدين حنفاء (البينة ۹۸:۵)

حالانکہ انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت کریں، خالص اسی کے عبادت گزار اور یکسو ہو کر۔

پس جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت نہیں کرتا، وہ حکم کے بموجب عمل نہیں کرتا، بلکہ حکم کے خلاف عمل کرتا ہے۔ وہ کسی طرح بھی صحیح اور مقبول نہیں ہوسکتا۔ حدیث قدسی میں ہے:

أنا أغنى الشركاء عن الشرك فمن عمل عملا أشرك معي فيه غيري فهو للذي أشرك به وأنا منه برئ

میں شریک وار سے نہایت ہی مستغنی ہوں، کسی نے کوئی عمل کیا اور میرے ساتھ کسی کو بھی اس میں میرا شریک گردان لیا تو وہ عمل اسی کا ہے جسے اس نے شریک گردانا ہے۔ میں اس سے بری ہوں۔

اس شرک کی دو قسمیں ہیں۔ شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر۔ ان میں سے بعض کی مغفرت و بخشش ہے اور بعض کی قطعاً بخشش نہیں۔

پہلی قسم کے شرک کی دو قسمیں، شرک کبیر اور شرک اکبر ہیں۔ شرک کبیر و اکبر کی مغفرت نہیں۔ اللہ کی ذات کے ساتھ اس کی محبت و تعظیم میں کسی کو شریک گردانا اسی قبیل کا شرک ہے، اور محبت و تعظیم میں کسی کو شریک ماننے کے یہ معنی ہیں کہ مخلوق سے ویسی ہی محبت رکھی جائے جیسی ذات الٰہی سے رکھی جاتی ہے۔ یہ شرک اس قسم کا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ اس شرک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن الناس من يتخذ من دون اللّٰه أندادا (البقرة ۲: ۱۶۵)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک بنا لیتے ہیں۔

اس قسم کے مشرک اور ان کے معبودانِ باطل جب جہنم میں جھونکے جائیں گے تو ان معبودان باطل سے کہیں گے۔

تاللّٰه ان كنا لفى ضلال مبين. اذ نسويكم برب العالمين (الشعراء ۲۶:۹۷-۹۸)

قسم اللہ کی، ہم بلاشبہ صریح گمراہی میں تھے جب کہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر قرار

دیتے تھے۔

اس سے بالکل واضح ہے کہ یہ لوگ اپنے معبودان باطل کو نہ خالق ورازق، مارنے والا اور جلانے والا مانتے تھے، نہ ملک وقدرت میں ان کو اللہ کا شریک سمجھتے تھے، بلکہ محبتِ عبودیت، خضوع وخشوع، تذلل اور انکسار میں وہ انہیں اللہ کا ہم سر اور ہم مرتبہ مانتے تھے۔ یہ انتہا درجے کی جہالت اور انتہا درجے کا ظلم ہے۔ جو چیزیں مٹی سے پیدا کی گئیں، مٹی سے بنائی گئیں، وہ رب الارباب کے مساوی کیسے ہوسکتی ہیں؟ غلام آقا کے برابر کیوں کر ہوسکتا ہے؟ فقیر بالذات، ضعیف بالذات، عاجز اور محتاج بالذات جس کی ذات عدم کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی، وہ اس غنی بالذات، قادر بالذات کے مساوی کیوں کر ہوسکتا ہے؟ جو غنی بالذات ہے، مالک الملک ہے، جود وسخا کا مالک ہے۔ احسان، علم، رحمت، کمال مطلق، جس کے لوازمات ذات سے ہیں۔ اس ظلم سے بڑھ کر دنیا میں کون سا ظلم ہوسکتا ہے؟ ایسے غلط حکم اور غلط فیصلے سے بڑھ کر کون سا ظلم وجور ممکن ہے؟ یہ وہ ظالم ہے جس کی نظیر ومثال ممکن نہیں۔ جس ذات کا کوئی مثل، مانند اور ہم سر نہ ہو، مخلوق کو اس کا مثل، مانند اور ہم سر بنا دینا کیوں کر ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الحمدلله الذی خلق السمٰوات والارض وجعل الظلمٰت والنور ثم الذین کفروا بربهم یعدلون (الانعام ٦:١)

ہر طرح کی ستائش اس اللہ کو زیبا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی بنائی، پھر بھی کافر اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر سمجھتے ہیں۔

جس ذات نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، ظلمات اور نور پیدا کیے، مشرک ایسی چیزوں کو اس کا مثل ومانند اور ہم سر بناتا ہے جو اپنی جان تک کی مالک نہیں، اپنے نفع ونقصان کی مالک نہیں اور جو آسمان وزمین میں کسی کو ذرہ برابر فائدہ بھی نہیں پہنچاسکتیں۔ افسوس! یہ کیسا تقابل ہے کہ جس میں اتنا بڑا اور ایسا قبیح ظلم ہے۔



فصل ۷

بندے کے اقوال وافعال میں شرک

مذکورہ بالاشرک کے بعد یہ شرک کہ بندہ اپنے اقوال، افعال، ارادے اور نیت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانے۔ شرک فی الافعال کی مثال یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی اور کے سامنے سجدہ کیا جائے، اللہ کے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر کا طواف کیا جائے، غیر اللہ کے لیے اظہارِ معبودیت اور خضوع وانکسار کی غرض سے سر منڈایا جائے، حجرِ اسود کے سوا کسی پتھر یا قبروں وغیرہ کو چوما جائے، یا قبروں پر سجدہ کیا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام و صالحین کی قبروں کو مسجد بنا کر نماز پڑھنے والوں پر لعنت بھیجی ہے تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہے جو قبروں کو بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں صریحاً ارشاد موجود ہے:

لعن اللّٰه اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد (صحيح بخاری: جنائز)

یہود ونصاریٰ پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔

آپ ؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

إن من شرار الناس من تدركهم الساعة وهم أحياء والذين يتخذون القبور مساجد (صحيح بخاری: فتن)

بدترین لوگ وہ ہوں گے جن کے زندہ ہوتے ہوئے قیامت برپا ہوگی، جنہوں نے

قبروں کوسجدہ گاہ بنایا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے:

إن من كان قبلكم كانوا يتخذون القبور مساجد ألا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی أنهاكم عن ذلک (صحيح بخاری: جنائز)

تم سے اگلوں نے قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا تھا، خبردار! تم قبروں کوسجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں اس سے تمہیں منع کرتا ہوں۔

اورمسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

لعن اللّٰه زوارات القبور والمتخذين عليها المساجد والسراج (مسند احمد بن حنبل ا: ۲۲۹)

قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پراورقبروں پر مسجد بنانے والوں پراورقبروں پر چراغ جلانے والوں پراللہ نے لعنت بھیجی ہے۔

ایک اورموقع پرارشادفرمایا:

اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد (موطا : سفر)

اس قوم پراللہ تعالیٰ کاغضب شدیدتر ہوتا ہے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا ہے۔

مزیدفرمایا:

إن من كان قبلكم كان إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً و صوروا فيه تلک الصورة.اولئک شرار الخلق عندالله يوم القيامة

تم سے پہلے لوگ تھے کہ جب ان میں کوئی صالح اورنیک آدمی مرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پرمسجد بنالیتے اورمسجد میں اس کی تصویر بنالیتے۔قیامت کے دن یہ لوگ ساری مخلوق سے

بدترین لوگ ہوں گے۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو قبروں پر مسجدیں بنائیں۔ ان میں اللہ کے سامنے سجدہ کریں، پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو خود قبروں کو سجدہ کرتے ہیں؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات کے متعلق بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی:

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد (مسند احمد بن حنبل ۲: ۲۶۷)

اے اللہ! میری قبر کو پرستش کا بت نہ بنا دیجیے گا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے اردگرد ایک ایسی مضبوط فصیل کھڑی کر دی کہ نہ اسے کوئی توڑ سکتا ہے، نہ اس توحید میں کوئی گھس سکتا ہے۔ غور کیجیے آپ نے سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نفل نماز تک پڑھنے کی ممانعت کر دی کہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھی جائے۔ یہ اس لیے کہ کہیں آفتاب پرستوں کی مشابہت نہ ہو جائے۔ آپؐ نے اس مشابہت کا سدِ باب کر دیا، نیز آپؐ نے عصر اور فجر کے بعد کوئی نماز نہیں رکھی، کیوں کہ آفتاب پرستوں کا وقت ان اوقات سے ملا ہوا ہے۔ اب رہا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنا تو آں حضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں:

لا ینبغی لأحد ان یسجد لأحد إلا اللّٰہ

کسی طرح جائز نہیں کہ کوئی شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرے۔

اس حدیث میں لفظ لا ینبغی وارد ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ کلام اللہ اور کلامِ رسول میں لفظ لا ینبغی اس امر کے متعلق بولا جاتا ہے جسے شریعت نے پوری قوت سے ممنوع قرار دیا ہو، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا (مریم ۱۹: ۹۲)

حالانکہ رحمٰن کو شایان نہیں کہ وہ فرزند رکھے۔

ارشاد فرمایا:

وما علمناہ الشعر وما ینبغي له (یٰسٓ ۳۶:۶۹)

ہم نے محمدؐ کو شاعری نہیں سکھائی، نہ شاعری ان کو زیب دیتی ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

وما تنزلت به الشياطين وما ينبغي لهم (الشعراء ۲۶:۲۱۰-۲۱۱)

اور اس قرآن کو شیطان لے کر نہیں اترے اور نہ انہیں یہ کام مناسب ہے۔

اور فرشتوں کا قول اللہ تعالیٰ نقل فرماتا ہے:

ما كان ينبغي لنا ان تتخذ من دونك من اولياء (الفرقان ۲۵: ۱۸)

ہم کو زیبا نہیں کہ تیرے سوا دوسروں کو ہم کارساز بنائیں۔

ان تمام مواقع میں ینبغی کا لفظ اسی چیز کے لیے وارد ہوا ہے جسے شریعت نے نہایت سختی سے منع کیا ہے۔



فصل ۱۷

قسم کھانے کا معاملہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ الفاظ میں کسی کو شریک کیا جائے، یہ بھی شرک ہے، مثلاً غیر اللہ کی قسم کھانا۔ مسند امام احمدؒ اور ابو داؤد میں مروی ہے:

من حلف بشيء دون الله فقد أشرک (مسند احمد بن حنبل ۱:۴۷)

جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔

حاکم اور ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

کسی کو یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور تم چاہو، اسی قبیل کا شرک ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: **ماشاء اللہ وما شئت** (اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں)۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

اجعلتنی للہ نداً؟ قل ماشاء اللہ وحدہ

کیا تو نے مجھے اللہ کا ہم سر بنا دیا؟ صرف یہ کہو! اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

غور کیجیے کہ یہ حکم تو مشیت اور چاہنے کے متعلق وارد ہے، حالانکہ بندے کے حق میں خود اللہ تعالیٰ نے مشیت اور چاہنے کا اثبات کیا ہے، مثلاً:

لمن شاء منکم ان یستقیم (التکویر ۸۱: ۲۸)

خاص کر تم میں سے جو لوگ راست روی چاہتے ہیں۔

اب بتایئے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہونا چاہیے جو یہ کہیں کہ میرا اعتماد اور بھروسہ اللہ پر ہے اور تم پر، یا مجھے اللہ اور تم بس ہو، میرا اللہ اور تمہارے سوا کوئی نہیں، یہ چیز اللہ نے اور تم نے دی ہے۔

یہ اللہ کی اور تمہاری برکت ہے، میرے لیے آسمان پر اللہ اور زمین پر تم ہو۔

ان لوگوں کا کیا حال ہونا چاہیے جو یہ کہیں کہ قسم اللہ کی اور فلاں کی۔ یہ چیز اللہ کی نذر ہے اور فلاں کی۔ میں اللہ اور فلاں کے لیے توبہ کرتا ہوں۔ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور فلاں سے، وغیرہ ذالک۔

ان الفاظ کا اس شخص کے قول سے موازنہ کیجیے جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ غور کیجیے کہ وہ لفظ بھاری ہے یا یہ لفظ؟ یقیناً جس کلمے کے متعلق آپ نے یہ فرمایا، اس کے مقابلے میں کلمات اس جواب کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس شخص نے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کہا تھا اور یہ لوگ تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر بناتے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا کے بھی برابر نہیں، بلکہ جن کی شان میں ایسا کہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ رب العالمین کے دشمن ہوں۔

پس سجدہ، عبادت، توکل، انابت، تقویٰ، خضوع وخشیت، اعتماد، توبہ، استغفار، نذر و نیاز، قسم، تسبیح وتکبیر، تہلیل وتحمید، خاکساری، انکسار، بغرض عبادت سر منڈانا، گھر کا طواف، دعا، یہ تمام امور محض اللہ تعالیٰ ہی کے حقوق ہیں۔ ذاتِ الٰہی کے سوا کوئی بھی ان کا مستحق نہیں ہے۔ ذاتِ خداوندی کے سوا کسی کو بھی یہ حق دینا جائز نہیں۔ نہ کسی مقرب الٰہی کو اس کا حق پہنچتا ہے، نہ کسی نبی مرسل کو، چنانچہ **مسند امام احمد** میں روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایک شخص آیا جس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تھا۔ آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

اللّٰھم إنی أتوب الیک ولا أتوب الی محمد

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، محمد کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتا۔

یہ سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد عرف الحق لأهله (مسند احمد بن حنبل ۳:۴۳۵)

اس نے حق کے حقدار کو اچھی طرح پہچان لیا۔

فصل ۲۷

ارادے اور نیت کا شرک

اب رہا، ارادے اور نیت کا شرک، تو یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس شرک سے کیسے نجات مل سکتی ہے اور کون اس سے بچ سکتا ہے؟ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے ارادے اور نیت سے عمل کرے۔ کسی کام سے تقربِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے کے تقرب کی نیت کرے۔ اپنے کسی عمل کا کسی اور سے بدلہ چاہے۔ سمجھ لیجیے کہ اس نے اپنے عمل اور کام میں، اپنے ارادے اور نیت میں غیر اللہ کو شریک کر لیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا دینِ حنیف جس کی اتباع کا اللہ نے اپنے تمام بندوں کو حکم دیا ہے اور جس ملت کے سوا دوسری ملت مقبول نہیں، وہ یہی ہے کہ بندے کے افعال، اقوال، ارادہ اور نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اس میں کسی کو شریک نہ گردانا جائے اور اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اس کے بغیر بندے کا کوئی عمل مقبول نہیں۔

ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين (آل عمران ۳: ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا تو اس سے دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نامرادوں میں سے ہوگا۔

یہی وہ ملت ابراہیمی اور ملت اسلام ہے، جس نے اس سے منہ موڑا، وہ سب سے بڑا بے وقوف ہے۔



فصل ۳۷

شرک کی حقیقت

اس مقدمے اور تمہید کے بعد مذکورہ سوال کا جواب آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔اب ہم خدائے وحدہ لاشریک کی ذات سے راہ ثواب کی امداد چاہتے ہوئے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ خالق کومخلوق کے مشابہ گردانا جائے۔تشبیہ درحقیقت اسی کا نام ہے۔صفاتِ کمال جواللہ اوراللہ کے رسول نے ذاتِ الٰہی کے لیے بیان کی ہیں،انہیں ذات الٰہی کے لیے ثابت کرنے کا نام تشبیہ نہیں ہے،لیکن جن لوگوں کے قلوب اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیے ہیں اور جن کی بصیرت کی آنکھیں اندھی کر دی گئی ہیں، وہ اس حقیقت کو بالکل معکوس کر دیتے ہیں۔اصل حقیقت کو دوسرا جامہ پہنا کر یکسر ہی تبدیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔اصل توحید کوتشبیہ سے تعبیر کرتے ہیں اورتشبیہ کوتعظیم وطاعت کہتے ہیں۔پس مشرک وہ ہے جو خالق کی خصوصیاتِ الوہیت میں کسی مخلوق کواس کے مشابہ گردانے۔

الوہیت والاہیت کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اقلیم نفع وضرر، ملک عطاومنع کی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ ملک صرف اسی کا ہے کسی اورکواس سے کوئی تعلق نہیں۔یہ جب مان لیا گیا تو اب واجب یہی ہے کہ دعا،خوف ورجاء،توکل واعتماد کا تعلق ورشتہ صرف اسی خدائے وحدہ لاشریک ہی کی ذات سے ہو،کسی اور سے نہیں۔کوئی شخص اگر یہ تعلق اور رشتہ کسی مخلوق سے قائم کرتا ہے تو یقیناً وہ مخلوق کو خالق کے مشابہ کر رہا ہے، جومخلوق خود اپنے نفع و نقصان،موت وزیست کی مالک نہیں،اسے اس ذات وحدہ لاشریک کا مثل اور مشابہ قرار دیتا ہے

جو ساری مخلوق اور مخلوق کے سارے ہی امور کا مالک ومختار ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ جسے وہ دینا چاہتا ہے دیتا ہے، کوئی روک نہیں سکتا اور جسے وہ منع کردے، اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اپنے کسی بندے کے لیے اپنی رحمت کا دروازہ بند کرلے تو اسے کوئی کھول نہیں سکتا اور جس کے لیے کھول دے، کوئی بند نہیں کرسکتا۔ ایسی مالک و مختار ذات کے ساتھ کسی بے بس، غیر مختار مخلوق کو مشابہ قرار دینا قبیح ترین تشبیہ ہے۔ عاجز بالذات، فقیر محتاج بالذات کا قادر بالذات، غنی بالذات کے مشابہ ہونا کیا معنی؟

کمال مطلق بجمیع الوجوہ جس میں کسی قسم کا نقص نہ ہو، الوہیت کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہی چیز واجب کرتی ہے کہ ساری عبادتیں صرف اسی کے لیے مخصوص ہوں، عقلاً، شرعاً اور فطرتاً واجب ہے کہ تعظیم واجلال، خشیت وخاکساری، دعا واستدعا، توبہ وانابت، توکل واعتماد، استمداد واستعانت، انتہائی عجز وانکسار اور انتہائی محبت یہ تمام امور صرف ذاتِ الٰہی کے لیے مخصوص ہوں، کسی اور کے لیے یہ امور ثابت کیے جائیں، اس سے عقل، شرع اور فطرت مانع ہے۔ جو آدمی ان امور میں سے کسی ایک امر کو بھی کسی اور کے لیے ثابت کرتا ہے، وہ اسے اس ذات کا مثل اور مانند قرار دیتا ہے جس کا کوئی مثل اور مانند نہیں اور یہ قبیح ترین اور باطل ترین تشبیہ ہے جو انتہائی ظلم پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ایسے آدمی کی وہ کبھی مغفرت نہیں کرے گا، حالانکہ ذاتِ الٰہی وہ ذات ہے جس نے اپنے لیے رحمت خود لازم کر رکھی ہے۔

خصوصیاتِ الوہیت والاہیت میں سے ایک اظہار عبودیت بھی ہے، اور یہ عبودیت دو ستونوں پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ معبود سے انتہائی درجے کی محبت رکھی جائے، دوسرے یہ کہ معبود کے حضور انتہائی درجے کی عاجزی اور انکسار کیا جائے۔ انہی دو چیزوں پر عبودیت کی تکمیل کا دارومدار ہے۔ مخلوق کی منزلیں اور ان کے مقامات ان دو امور میں تفاوت کے بموجب مختلف و متضاد ہوا کرتے ہیں۔ جس شخص نے اپنی محبت، اپنا خضوع وخشوع، عاجزی، خاکساری، انکسار کو اللہ کے سوا دوسرے سے وابستہ کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کے خالص حق میں اسے شریک مان لیا، اور اس کے مشابہ قرار دے لیا۔ اس بات کا اللہ کی کسی شریعت میں جائز ہونا قطعاً محال ہے اور ہر عقل و

فطرت میں اس بات کی برائی جاگزیں ہے، لیکن بہتوں کی فطرت کو شیاطین نے بدل کر رکھ دیا ہے، ان کی عقلوں کو خراب کر دیا ہے اور اس بات کو ان کے سامنے معمولی سی بات بنا دیا ہے۔ صرف وہی لوگ اصل فطرت اور عقل سلیم پر قائم رہتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل فرمائی ہیں جو ان کی فطرت اور ان کی عقل کے مطابق ہیں۔ اس طرح وہ لوگ نورٌ علی نور بن کر راہِ ہدایت پر چلنے لگے، لیکن اس نور کی راہ نمائی بھی اسی کو نصیب ہوتی ہے جس پر اللہ کی خاص مہربانی ہو اور جسے وہ اپنا بنانا چاہے۔

یہ سمجھ لینے کے بعد اب سمجھ لیجیے کہ سجدہ خصوصیات الوہیت والاہیت میں سے ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کیا تو گویا غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے مشابہ قرار دے لیا۔

توکل بھی خصوصیاتِ الوہیت والاہیت سے ہے جس نے غیر اللہ پر توکل کیا، اس نے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے مشابہ بنالیا۔

توبہ بھی خصوصیاتِ الوہیت والاہیت سے ہے جس نے غیر اللہ کے سامنے توبہ کی، اس نے غیر اللہ کو اللہ کا شریک وہم سر بنالیا۔

تعظیماً واجلالاً قسم کھانا بھی خصوصیاتِ الوہیت والاہیت سے ہے، جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، غیر اللہ کو اللہ کا ہم سر اور مشابہ بنالیا۔

یہ تشبیہ کا ایک پہلو ہے کہ کسی دوسری مخلوق کو خالق کا ہم سر اور مشابہ گردانا جائے، لیکن ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ خود بندہ اپنی ذات کو اللہ کا ہم سر اور مثل ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اپنی عظمت وجلالت ثابت کرے اور جتائے، لوگوں سے اپنی تعریف ومدح کرائے، اپنی عظمت وجلالت منوائے، اپنے سامنے خضوع وخشوع، عاجزی اور انکسار کرائے، اللہ کے بندوں کو اپنے سامنے جھکائے، اپنی ذات سے امید ورجاء قائم کرنے پر انہیں مجبور کرے، خوف ورجاء، التجا والحاح، استعانت وامداد کے لیے مخلوق کے دلوں کو اپنے سے وابستہ کرے، یہ تشبیہ باللہ ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت والاہیت میں اللہ کا مقابلہ کر رہا ہے اور اس امر کا حقدار ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بہت ہی زیادہ ذلیل وخوار کر کے رکھ دے، اور اسے اپنی مخلوق

کے قدموں تلے روند ڈالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے کہ:

یقول اللّٰہ عزوجل العظمة إزاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی واحداً منهما عذبته (سنن دارمی : لباس)

اللہ عزوجل فرماتا ہے، عظمت میری ازار ہے اور کبریائی میری چادر، ان میں سے کسی ایک چیز کے لیے بھی کوئی مجھ سے جھگڑے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔

مصور اپنے ہاتھ سے تصویر بناتا ہے۔ وہ صفت میں چونکہ اللہ کا تشابہ کرتا ہے، اس لیے قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اب دیکھیے کہ خدا کی ربوبیت اور الوہیت والاہیت کی مشابہت کس درجے کا جرم ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أشد الناس عذاباً یوم القیامة المصورون یقال لهم احیوا ماخلقتم (صحیح بخاری : لباس)

قیامت کے دن تصویر سازوں کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ انہیں کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم نے بنائی ہیں، ان میں جان ڈالو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

قال اللّٰہ عزوجل ومن أظلم ممن ذهب یخلق خلقا کخلقی فلیخلقوا ذرة، فیخلقوا شعیرة (صحیح بخاری : لباس)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانے کے لیے چل کھڑا ہوا؟ وہ ایک ذرہ اور جَو تو پیدا کر دیکھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ذرے اور جَو کا ذکر کر کے اس سے بڑی اور اعظم چیزوں کے متعلق تنبیہ فرمائی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ تو اس شخص کا حال ہے جو صرف صنعت اور صورت گری میں اللہ کی مشابہت کرتا ہے۔ اس شخص کا کیا حال ہونا چاہیے جو خصوصیاتِ الوہیت والاہیت میں اللہ کی مشابہت وہم سری کرے؟

یہی حال ہے اس شخص کا، جو اللہ کے نام میں اللہ کی مشابہت وہم سری کرے، اپنے لیے

وہ نام اختیار کرے، جو ذاتِ خداوندی کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں، مثلاً ملک الاملاک، حاکم الحکام، شہنشاہ، وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان أخنع الاسماء عند اللّٰه رجل يسمى بشاهان شاه، ملك الملوك ولا ملك الا اللّٰه (صحيح بخاری : ادب)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ترین نام یہ ہے کہ کسی آدمی کا نام شہنشاہ، ملک الملوک رکھا جائے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ملک نہیں۔

ایک روایت میں کچھ اور الفاظ بھی وارد ہیں، مثلاً

أغيظ رجل على اللّٰه رجل يسمى بملك الاملاك (مسند احمد بن حنبل ۲:۳۱۵)

مغضوب ترین آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھا جائے۔

اللہ کی یہ خفگی، ناراضی، غضب اور غصہ اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے کسی ایسے نام میں اللہ کی مشابہت کرے جو اس کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں، کیونکہ ملک الاملاک، شہنشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، احکم الحاکمین وہی ہے، سارے حکام اور بادشاہوں پر اسی کا حکم چلتا ہے اور وہی شہنشاہ ہے، کوئی اس کا مثل اور ہم سر نہیں ہے۔



فصل ۴۷

ذاتِ باری تعالیٰ سے سوئے ظن گناہ کبیرہ ہے۔

اس اصل حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ہم ایک عظیم ترین اصول اور قاعدہ کلیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تاکہ مسئلے کا اصل راز اور اصل حقیقت پوری طرح آشکارا ہو جائے۔

اللہ کی ذات سے سوئے ظن پیدا کرنا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ کے خلاف سوئے ظن کرنے والا اس کے کمال تقدس کے خلاف گمان قائم کر لیتا ہے، اور اس کی مقدس ذات کے ساتھ ایسی باتیں منسوب کر دیتا ہے جو اس کے اسماء وصفات کے متناقض اور منافی ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے سوئے ظن کرنے والوں کے حق میں ایسی سخت وعید فرمائی ہے جیسی کسی دوسرے گناہ کے لیے نہیں فرمائی۔ ارشاد ہوا ہے:

علیهم دائرة السوء و غضب اللّٰه علیهم ولعنهم واعدلهم جهنم و سآء ت مصیرا (الفتح ۴۸: ۶)

انہی پر برائی کا چکر ہے اور اللہ ان پر غضبناک ہے، اور ان پر لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کسی صفت سے انکار کرنے والوں کے بارے میں ہے:

وذٰلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم أرادکم فاصبحتم من الخاسرین (حٰمٓ السجده ۴۱: ۲۳)

اس گمان نے جو تم نے اپنے پروردگار کے متعلق کر رکھا تھا، تمہیں ہلاک کیا اور تم نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قول نقل کرتے ہوئے جو انہوں نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا تھا، فرمایا:

ماذا تعبدون أئفكا الهة دون اللّٰه تريدون فما ظنكم برب العالمين(الصّٰفّٰت ۳۷:۸۵-۸۷)

تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ اور بے اصل معبودوں کو چاہتے ہو؟ تو پروردگار عالمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

گویا تم غیر اللہ کی پرستش کر رہے ہو تو اس دن، جب جواب دہی کے لیے تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری دینا ہوگی، تمہارا پروردگار تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اور تمہیں کس قسم کی سزا دے گا؟ تم نے اللہ کے اسماء وصفات اور ربوبیت میں کیا نقص دیکھا کہ تم نے اس کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت و پرستش میں اس کا شریک بنا لیا؟ اگر تم اللہ کی ذات وصفات، اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی شان کبریائی کو سمجھتے تو ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، قادرِ مطلق ہے، ہر چیز اس کی قدرت کی گرفت میں ہے، وہ غنی ہے، تمام سے مستغنی اور بے پروا ہے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اپنی مخلوق کے ساتھ قسط وعدل کا برتاؤ کرتا ہے۔ اپنی مخلوق کی تدبیر وتنظیم میں منفرد و یکتا ہے۔ مخلوق اور مخلوق کے تمام امور سے تفصیلی طور پر باخبر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ تن تنہا وہ اپنے کاموں کا کفیل ہے اور ہر کام کے لیے اکیلا کافی ہے۔ کسی کی امداد واعانت کا محتاج نہیں۔ وہ اپنی ذات میں رحمٰن ورحیم ہے۔ بندوں پر رحم کرنے میں وہ کسی وسیلے اور سفارش کا محتاج نہیں۔ جس ذات کی یہ شان ہو، وہ یقیناً دنیا کے بادشاہوں سے الگ اور اپنی نرالی شان رکھتی ہے۔

دنیا کے بادشاہ اور سلاطین اس امر کے محتاج ہیں کہ رعایا کے حالات اور اس کی ضرورتیں دوسرے لوگ ان کے سامنے پیش کریں، نیز اس امر کے بھی محتاج ہیں کہ رعایا کی ضروریات و احتیاجات پوری کرنے میں دوسرے لوگ ان کی معاونت کریں۔ درمیان میں ترجمانوں کی ضرورت ہے جو سلاطین اور بادشاہوں کو رعایا پر رحم وکرم کے لیے آمادہ کریں، اور ان کے دلوں

میں جذباتِ ترحم وتلطف ابھاریں۔ سلاطین اور بادشاہ اپنی کمزوری اور عاجزی، بے عملی، بے بسی کی وجہ سے رعایا کی ضروریات واحتیاجات پوری کرنے میں بھی دوسروں کے اور درمیانی وسائط و وسائل کے محتاج ہیں، لیکن ذاتِ خداوندی قادر مطلق ہے، غنی بالذات ہے، ہر چیز سے مستغنی اور بے پرواہے، رحمٰن ورحیم ہے، جس کی رحمت ہر شئے پر، ہر چیز پر محیط اور حاوی ہے۔ اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان وسائط ووسائل اور سفارشی ماننا اس کے حق ربوبیت اور الاہیت حق توحید والوہیت میں نقص پیدا کرتا ہے اور جو ایسا سمجھتا ہے، ذاتِ الٰہی کی نسبت سوئے ظن رکھتا ہے، اور محال و ناممکن ہے کہ جو چیز عقل وفطرت کے خلاف ہو اور عقل وفطرت کے نزدیک ہمہ قسم کی قباحتوں سے زیادہ قبیح ہو، اسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے۔

اوپر کے بیان کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ بندہ کسی کی عبادت کرتا ہے، اسے بڑا مان کر ہی اس کی عبادت وپرستش کرتا ہے، اس کے سامنے جھکتا ہے، اس کے سامنے عجز وانکسار کرتا ہے اور اپنی ذلت وخواری، انکسار وخاکساری کا اظہار کرتا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام چیزوں کا حقدار صرف پروردگار عالم وحدہ لاشریک ہے اور بس۔ یہ اس کا حق ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ یہ قبیح ترین ظلم ہے کہ اس کا حق کسی غیر کو دے دیا جائے، یا اس میں کسی اور کو بھی شریک گردانا جائے جو اس کا بندہ اور مملوک ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی مثال پیش فرمائی ہے:

ضرب لكم مثلا من أنفسكم هل لكم من ما ملكت أيمانكم من شركآء فيما رزقناكم (الروم ۳۰: ۲۸)

اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی ذات سے ایک مثال بیان کی ہے کہ اس چیز میں جو ہم نے تمہیں دی ہے، کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی تمہارا شریک ہے؟۔

یعنی جب تم میرے دیے ہوئے رزق میں اپنے غلام کو شریک کرنا گوارا نہیں کرتے تو پھر میرے بندے اور غلاموں کو میری خالص الوہیت وربوبیت میں شریک قرار دینا کیوں کر صحیح ہوگا؟ جو شخص ایسا سمجھتا ہے، ہرگز ہرگز میری قدر نہیں کرتا، میری عظمت وجلالت کا حق وہ قطعاً نہیں پہچانتا۔ جس چیز میں میں منفرد و یکتا ہوں، میری مخلوق کا جس میں کوئی حق نہیں، اس میں مجھے منفرد

ویکتا نہیں مانتا۔ پس جو شخص اپنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے، وہ قطعاً حق تعالیٰ کی قدر نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

یا أیھاالناس ضرب مثل فاستمعوا له إن الذین تدعون من دون اللّٰہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا له وان یسلبھم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منه ضعف الطالب والمطلوب. ما قدرواللّٰہ حق قدرہ ان اللّٰہ لقوی عزیز

(الحج ۲۲: ۷۳-۷۴)

لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے تم اسے خوب سن لو۔ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو، وہ سب جمع ہو کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسے عابد و معبود دونوں ہی عاجز ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی کہ کرنا چاہیے۔ بے شک اللہ قوت والا اور عزت والا ہے۔

ایسا شخص جو کسی ہستی کو اپنی عبادت میں اللہ کا شریک و ساجھی گردانتا ہے، اور وہ ہستی ایک چھوٹے سے چھوٹا جانور بھی پیدا نہیں کر سکتی، اس پر اگر مکھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتی وہ اللہ تعالیٰ کی کیا قدر کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضته یوم القیامة والسمٰوات مطویات بیمینه سبحانهٗ و تعالیٰ عما یشرکون (الزمر ۳۹: ٦۷)

انہوں نے جیسی چاہیے ایسی اللہ کی قدر نہیں کی، قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ذات ہے اور اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ لوگ اس کا شریک بنائیں۔

جس اللہ کی یہ شان اور یہ عظمت وجلالت ہو، اس کے ساتھ کسی نے اپنی عبادت میں کسی ایسے کو شریک کر لیا، جس کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ وہ عاجز اور انتہا درجے کمزور ہے، تو یقیناً وہ اللہ کی عظمت وتوقیر نہیں کرتا۔ جس نے ایک ضعیف، عاجز، کمزور کو اللہ کی عبادت میں شریک کر لیا، یقیناً وہ قوی، توانا، غالب کے حق کی قدر وتوقیر نہیں کرتا۔

اسی طرح وہ آدمی بھی حق تعالیٰ کی قدر وتوقیر نہیں کرتا، جو کہتا ہے کہ اللہ نے پیغمبر نہیں بھیجے، کتابیں نازل نہیں فرمائیں۔ کیا یہ باتیں اس کی شان میں سزاوار ہیں؟ کیا اس نے مخلوق کو یونہی بے کار، عبث اور بے مصرف پیدا کیا ہے؟ کیا اس نے اپنے بندوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ جانوروں کی طرح پیٹ بھر لیں اور وقت آئے تو جانوروں کی طرح مر جائیں؟

اسی طرح وہ آدمی بھی اللہ کی قدر وتوقیر نہیں کرتا جو اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ حق کی حقیقتوں کی نفی اور انکار کرتا ہے۔ سمع و بصر، ارادہ واختیار، علو ورفعت، کلام وتکلیم کی اللہ کی ذات سے نفی کرتا ہے اور عموم قدرت، بندوں کے افعال کے تعلق کی اس کی ذات سے نفی کرتا ہے۔ اس کی قدرت ومشیت سے افعالِ عباد کو خارج کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بندے خود ان افعال کے خالق ہیں، اللہ کی مشیت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ کے ملک میں وہ ہوتا ہے جو وہ نہیں چاہتا، اور جو وہ چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا، یقیناً اللہ تعالیٰ کی شان ان مجوسیوں اور مجوس نما لوگوں کے قول وخیال سے بلند وبالا ہے۔

وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کرتا، جو کہتا ہے کہ اللہ بندے کو ایسے کاموں کی سزا دیتا ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں۔ بندے اس پر قادر نہیں، مجبور محض ہیں۔ کام کرنے میں بندوں کو کوئی دخل نہیں، سارے کام صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ وہ خود ہی کرتا ہے، بندوں سے جبراً کام کراتا ہے۔ مخلوق پر مخلوق جبر کرتی ہے تو خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ **تعالی اللّٰہ من ذالک علوا کبیرا**۔ ایسا کہنے والے لوگ کس قدر بھاری گناہ کر رہے ہیں، جبکہ فطرت وعقل میں یہ چیز راسخ ہے کہ اگر کوئی سیّد وآقا اپنے غلام سے جبراً کوئی کام کرائے، اسے اس کام کے لیے مجبور کرے اور پھر اسے اس کام کی سزا بھی دے تو آقا کا یہ عمل بدترین عمل ہوگا۔ بندوں کے متعلق جب فطرت و عقل کا یہ فیصلہ ہے تو پھر یہ کیسے صحیح ہے کہ وہ عادلوں کا عادل، احکم الحاکمین، ارحم الراحمین، اپنے بندوں کو ایسے عمل کی سزا دے جس میں بندوں کا کوئی دخل نہ ہو۔ اس کے ارادے کو اس کے فعل و عمل سے کوئی تعلق نہ ہو اور پھر وہ اسے سزا دیتا ہے۔ **تعالی اللّٰہ عن ذالک علوا کبیرا**۔ ان لوگوں کا قول بدترین قول ہے اور یہ بھی مجوسیوں کے بھائی ہیں۔ یہ گروہ اور پہلا گروہ دونوں اللہ

تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے۔

وہ لوگ بھی اللہ کی قدر و توقیر نہیں کرتے جو ذاتِ الٰہی کو تعفن، بدبودار اشیاء اور گوبر پاخانہ سے بھی محفوظ نہیں مانتے۔ اس جگہ بھی اسے مانتے ہیں جس کے ذکر سے لوگ نفرت کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہ عرش پر قائم ہے اور یہ نہیں مانتے:

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه (فاطر ۳۵: ۱۰)

اچھی باتیں اللہ کی جانب اوپر کو چڑھتی ہیں اور عملِ صالح اسے اوپر لے جاتے ہیں۔

یہ نہیں مانتے کہ فرشتے اور روح اس تک جاتی اور آتی ہے۔ فرشتے آسمان و زمین کی تدبیر و تنظیم کرتے ہیں اور اس تک جاتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ اس سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تخت پر یا عرش پر بیٹھا ہے، دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے۔ اس جگہ بھی ہے جہاں جانے سے انسان، بلکہ حیوان تک نفرت کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی محبت، رحمت و رافت، رضامندی اور غضب و خفگی کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں، اللہ کی حکمت کا انکار کرتے ہیں، جو اس کے افعال کی محمود ترین غایت و مقصود ہے۔ اس کے افعال کو اختیاری اور اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں مانتے، بلکہ مفعول کو فاعل سے افضل مانتے ہیں۔ اللہ کے آنے جانے، عرش پر قائم ہونے، طور پر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کلام کرنے، قیامت کے دن بندوں کے قضایا کا فیصلہ کرنے اور اس قسم کے دیگر افعال و اوصافِ کمالیہ کی نفی اور انکار کرتے ہیں، وہ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کر رہے، گو زبان سے یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدر و توقیر کر رہے ہیں۔ وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی ناقدری کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیوی اور بیٹا مانتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ اللہ اپنی تمام مخلوقات میں حلول کیے ہوئے ہے، یا وہ مخلوقات کا عین وجود ہے، لیکن حقیقتاً یہ لوگ اللہ کی ناقدری کر رہے ہیں۔

وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی ناقدری کر رہے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے، اور اپنے رسولؐ کے، دشمنوں کو غلبہ دیا اور انہیں عزت و شرف سے نوازا، ان کی شان بلند کی اور دنیا میں انہیں شہرت و تمکنت بخشی۔ ملک و خلافت دے کر انہیں تمام پر غالب کر دیا، اور اپنے رسولؐ کے خاندان

سے محبت کرنے والوں کو ذلیل و خوار کر دیا۔ ان کی قسمت پر ذلت و نکبت کی مہر ثبت کر دی کہ جہاں بھی یہ لوگ ہوں، خوار و ذلیل ہی بن کر رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسی باتیں کرنا انتہا درجے کی گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات روافض کے اس قول سے نہایت بلند و بالا ہے۔ ان کا قول یہود و نصاریٰ کے قول سے ماخوذ ہے۔ وہ بھی پروردگار عالم کی شان میں کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم بادشاہ بھیجا، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا، جو اللہ پر نت نئے جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ ہمیشہ وہ جھوٹ ہی بولتا رہا اور کہتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کہا، ایسا حکم فرمایا، فلاں چیز سے منع فرمایا، میرے لیے اس نے تمام اگلی شریعتیں منسوخ کر دیں اور ان پیغمبروں کے متعلقین اور ماننے والوں کا خون، مال، ان کی عورتیں حلال اور مباح کر دیں، اور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں میرے لیے مباح کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ میری امداد فرمائے گا اور اپنی تائید سے مجھے نوازے گا، مجھے تمام پر غلبہ دے گا، میری قوت بڑھائے گا، وہ میری دعائیں قبول کرتا ہے، میرے مخالفین اور دشمنوں پر مجھے تمکنت اور قابو دے گا۔ میری صداقت پر وہ ایسے ایسے دلائل پیش کرتا ہے، جس کی کوئی مخالفت اور تردید نہیں کر سکتا، اور ہر شخص اس ظالم و جابر بادشاہ کے قول و فعل، تقریر و گفتار کی تصدیق کرتا رہا، قیامت تک اس کی تصدیق ہوتی ہی رہے گی۔ اور نت نئی دلیلیں اس کی صداقت پر قائم ہوتی چلی جائیں گی۔

یہ ظاہر ہے کہ رب العالمین کی ذات کے متعلق ایسا کہنا اور ایسا خیال کرنا نہایت قبیح اور اس کی شان کے خلاف ہے۔ اس کے علم پر، اس کی رحمت و ربوبیت پر، اور اس کی حکمت پر بدترین حملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اللہ تعالیٰ کی شان، ان منکرینِ خدا کے قول سے بہت بلند و بالا تر ہے۔ ان لوگوں کے قول میں اور ان کے بھائی یہود و نصاریٰ کے قول میں کسی قسم کا فرق نظر نہیں آئے گا۔ دونوں کے قول اور خیال ایک ہی قسم کے ہیں۔ بقول شاعر:

رضيعي لبـان ثدى أم تـقـاسمـا   بـاسحـم داج عـوض لا نتـفـرق

میں اور میرا ممدوح دونوں توام ہیں۔ ہم دونوں نے ایک ہی ماں کے دو پستانوں سے دودھ پیا ہے۔ ہم دونوں نے اندھیری رات میں باہم قسم کھائی ہے کہ ہم کبھی

ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔

اسی طرح وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ناقدری کرتا ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے مطیع وفرماں بردار بندوں کو جنھوں نے کبھی اس کی نافرمانی نہ کی ہو، جہنم میں ڈال دے، اور اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کو جنھوں نے کبھی اس کی اطاعت وفرماں برداری نہ کی ہو، ثواب سے مالا مال کر دے، انہیں جنت میں جگہ دے۔ یہ دونوں باتیں اس کے لیے مباح ہیں اور کتاب و سنت میں وارد وعیدیں محض خبر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا کرنا خبر کے خلاف ہے، نہ کہ حکمت وعدل کے، اور حال یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کو جائز رکھنے والے کے خلاف سخت وعید فرمائی ہے اور اس حکم کو بدترین حکم قرار دیا ہے۔

اس طرح وہ شخص بھی حق تعالیٰ کی قدر نہیں کرتا، جو کہتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ نہیں کرے گا، قبروں سے زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو زندہ کرے گا، نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں اور بدکاروں کو ان کی بدکاریوں کا بدلہ دے گا، مظلوم کو ظالم سے حق دلائے گا۔ جن لوگوں نے دنیا میں اس کی رضامندی کے لیے مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کی ہیں، انہیں اپنے بہترین انعامات سے نوازے گا۔ اس دن وہ تمام اختلافات واضح ہو جائیں گے جن میں مخلوق آج مبتلا ہے۔ کافروں کو ان کے کفر کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ غرض! جو لوگ ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے۔

اسی طرح وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کرتا جو اس کے احکام کو بے حقیقت سمجھ کر احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے، ممنوعات، منہیات اور محرمات کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بے وقعت سمجھ کر ضائع کرتا ہے، اس کے ذکر کو فراموش کر دیتا ہے، اس کا قلب اس سے غافل ہو جاتا ہے، اس کی رضامندی کے مقابلے میں اپنی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے، اس کی اطاعت کے مقابلے میں مخلوق کی اطاعت کو مقدم سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اسے یہ معمولی بات سمجھتا ہے، لیکن جو یہ دیکھ رہا ہے، اسے اہم سمجھتا ہے۔ اپنے اعمالِ قلب، اعمالِ علم، اپنے افعال و کردار، مال وزر وغیرہ میں اللہ کی ذات کو ایک فاضل ذات سمجھتا ہے کہ دوسرے لوگ اول، اللہ تعالیٰ بعد

میں۔ یہ اس لیے کرتا ہے کہ مخلوق اس کے نزدیک اہم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات غیر اہم، حالانکہ یہ اور اس کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اس کی قسمت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے برے کاموں کو مخلوق سے چھپاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے چھپانے کی کوشش نہیں کرتا۔ لوگوں سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بارے میں اپنی استطاعت وقدرت سے زیادہ جدوجہد کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے ایسا نہیں کرتا، بلکہ اس کے ساتھ نہایت معمولی اور ادنیٰ اور حقیر معاملہ کرتا ہے۔ اپنے کسی دوست وعزیز کی پوری توجہ اور تن دہی سے خدمت کرتا ہے۔ دل، اعضاء، ہاتھ پاؤں تمام اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، تا آنکہ بسا اوقات اپنی ذاتی مصلحتوں کو بھی اس کے لیے قربان کر دیتا ہے، البتہ جب اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے اور یہ بھی اس وقت جب کہ مقدر اس کا ساتھ دے تو اس طرح وہ انجام دیتا ہے کہ اس کے اس عمل سے مخلوق کا ادنیٰ آدمی بھی راضی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے مال میں سے کچھ نکالتا ہے تو اس قدر کم کہ کسی انسان کے سامنے پیش کرتے ہوئے اسے شرم آئے۔

جن لوگوں کی یہ حالت اور یہ صفات ہوں، کیا وہ اللہ تعالیٰ کی قدر وتوقیر کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا حق ادا کر رہے ہیں؟ کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدر وعظمت کر رہے ہیں جو اس کے خالص حق میں اس کے دشمن کو شریک کرتے ہیں؟ اجلال وتعظیم، طاعت وعبادت، تذلیل وخاکساری، خضوع وخشوع، خوف ورجاء، امید وبیم صرف اسی کا حق ہے اور وہی اس کا حقدار ہے کہ یہ تمام باتیں اسی کے حضور میں پیش کی جائیں۔ یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ اس کے دشمن کے روبرو تو کجا اس کے کسی مقرب بزرگ کے روبرو پیش کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ تو ایک انتہا درجے کی جسارت ہے، اللہ تعالیٰ کے خالص حق پر دست درازی ہے، اس کی توہین ہے جس بات میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ممنوع اور حرام ہے، جس کا استحقاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں، اس میں غیر کو شریک کیا جا رہا ہے۔ جب یہ حق کسی اللہ کے مقرب بندے کو نہیں پہنچتا تو پھر اللہ کے مبغوض، معتوب جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے، جس سے وہ سخت سے سخت ناراض ہے، جو اللہ تعالیٰ کا سخت ترین دشمن ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہا درجہ ذلیل وخوار ہے، اسے اس کا شریک بنانا

کیونکر جائز ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی شریک کرنا شیطان کی عبادت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ألـم أعهد اليكم يا بنى آدم أن لا تعبدوا الشيطان إنه لكم عدو مبين وأن اعبدونى هذا صراط مستقيم (یٰسٓ ۳۶: ۶۰-۶۱)

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔

مشرک لوگ اپنے خیال اور اپنی دانست میں فرشتوں کی عبادت و پرستش کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے شیطان کی عبادت و پرستش قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ويـوم نـحشرهم جميعا. ثم يقول للملائكة أهؤلاء إياكم كانوا يعبدون. قـالـوا سبـحـانـک أنت ولينا من دونهم بل كانوا يعبدون الجن أكثرهم بهم مؤمنون. (سبا ۳۴: ۴۰-۴۱)

جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا اور فرشتوں سے فرمائے گا۔ کیا یہی لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے؟ فرشتے کہیں گے تو پاک ہے تو ہمارا کارساز ہے۔ یہ تو جنات کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرشتوں کی عبادت و پرستش، شیطان ہی کی عبادت و پرستش ہے۔ شیطان اس طریقے سے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ گویا لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ فرشتوں کی عبادت و پرستش کر رہے ہیں۔

یہی حال آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کی پرستش کرنے والوں کا ہے۔ یہ لوگ اپنے زعم میں ان چیزوں کی روحانیت کی پرستش کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہی چیزیں ان سے خطاب کرتی ہیں اور ان کی حمایت کرتی ہیں، لیکن درحقیقت یہ شیطان ہی کی عبادت و پرستش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت شیطان سورج کے قریب جا بیٹھتا ہے۔ کفار و مشرکین آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں تو حقیقتاً وہ شیطان ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

مسیح اور مسیح کی والدہ کی عبادت و پرستش کرنے والے بھی درحقیقت شیطان ہی کی عبادت و پرستش کرتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسیح اور مسیح کی والدہ کی عبادت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عبادت سے راضی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی، بلکہ شیطانِ لعین کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی توضیح کرتا ہے:

ألـم أعهد اليكم يا بنى آدم أن لا تعبدو الشيطان إنه لكم عدو مبين. وأن اعبدونى هذا صراط مستقيم (يٰس ٣٦:٦٠-٦١)

اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا! کیوں کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھی راہ ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بھی عبادت کی جائے، جہاں بھی کی جائے، جس شکل میں بھی کی جائے، شیطان ہی کی عبادت ہے۔ عبادت کرنے والا ان چیزوں کو اپنا معبود سمجھتا ہے اور اپنی اغراض و احتیاجات میں بطور معبود ان چیزوں کو استعمال کرتا ہے، ان سے استفادے کی کوشش کرتا ہے اور معبود عبادت کرنے والے سے اپنی تعظیم کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شریک بنتا اور عبادت کرنے والوں سے مستفید ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو شیطان کا اصل مقصد اور اس کی انتہائی غایت و غرض ہے۔ اس کا عین مقصد یہی ہے کہ عابد اپنے معبود سے استفادہ کرے اور معبود اپنے عبادت کرنے والوں سے۔ قرآن حکیم اسی امر کی توضیح اس طرح کرتا ہے:

ويوم يحشرهم جميعا يامعشر الجن قد استكثرتم من الانس (الانعام ٦:١٢٨)

جس روز کہ اللہ ان سب کو جمع کرے گا، فرمائے گا، اے گروہِ جنات! تم نے آدمیوں میں سے بڑا حصہ لیا ہے۔

یعنی تم نے انسانوں کو ورغلا کر اپنی جماعت بڑھا لی، چنانچہ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں اس کی جماعت کے لوگ کہیں گے:

وقـال أولـيـاء هـم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا أجلنا الذى

أجلت لنا قال النار مثواكم خالدين فيها إلا ماشاء الله إن ربك حكيم عليم (الانعام ٦: ١٢٨)

اور آدمیوں میں سے جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے، پروردگار! ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا، اور ہم اس میعاد تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا، دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ اس میں رہو گے، مگر ہاں جو اللہ چاہے۔ تمہارا رب یقیناً حکمت والا اور دانا ہے۔

یہ اس حقیقت وراز کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شرک کو اکبرالکبائر گردانا ہے، جو بغیر توبہ واستغفار کے معاف نہیں ہوسکتا اور جس کی وجہ سے خلود فی النار اور دائمی جہنم واجب کر دی گئی ہے۔ شرک کی قباحت محض اس لیے نہیں ہے کہ شریعت میں اس کی نہی اور ممانعت وارد ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ یہی حقیقت اور یہی راز ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو غیروں کی عبادت اور غیروں کی پرستش کی اجازت دے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ اپنی صفاتِ کمالیہ اور شانِ جلالت کے خلاف اور متناقض امور کو اپنے حق میں جائز قرار دے۔ بھلا اس کا خیال کیوں کر ہوسکتا ہے کہ جو ذات اپنی ربوبیت میں منفرد و یکتا ہے، اپنی الوہیت و الاہیت میں منفرد و یکتا ہے، اپنی عظمت وجلالت میں منفرد و یکتا ہے، وہ کسی دوسرے کو اپنا شریک گرداننے کی اجازت دے، یا اس چیز سے وہ راضی ہو۔



فصل ۷۵

شرک، مقصدِ تخلیق کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے مخلوق کو پیدا کیا ہے، شرک اس کے بالکل منافی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اکبرالکبائر، یعنی سب سے بڑا گناہ ہے۔ کبرو تکبر اور کبرو تکبر کے توابع و لوازم بھی یہی حکم رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ طاعت وعبادت صرف اسی وحدہ لاشریک کی کی جائے۔ اسی مقصد کے لیے اس نے پیغمبر بھیجے اور اپنی کتابیں نازل کیں۔ شرک و کبر اس مقصد کے سراسر خلاف، متضاد اور منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین کے لیے اس نے جنت قطعاً حرام کردی، نیز اہلِ کبرو تکبر کے لیے بھی۔ جس کے دل میں ذرہ برابر کبرو تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔



فصل ۶۷

اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام پر گفتگو کے آداب

یہ بھی نقصان رسانی اور فساد انگیزی میں شرک کے قریب قریب ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کے بارے میں، بغیر علم کے گفتگو اور مباحثے کیے جائیں۔ خود اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن صفات سے ذاتِ الٰہی کو متصف بتایا ہے، اس کے خلاف اور ان صفات کے اضداد سے اللہ تعالیٰ کو متصف مانا جائے۔ ان صفات کی اضداد سے اللہ تعالیٰ کو متصف ماننا، اللہ تعالیٰ کے کمالِ خلق وامر میں مداخلت ہے۔ اس کی ربوبیت و پروردگاری اور اس کی خصوصیاتِ ربوبیت میں نقص وقباحت پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ پھر اگر علم کے ذریعے ایسا کیا جاتا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کے خلاف سخت ترین عناد ہے۔ یہ شرک سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ شرک عنداللہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جو مشرک صفاتِ ربوبیت کا اقرار کرتا ہے، وہ اس معطل، منکر سے بہتر ہے جو پروردگارِ عالم کی صفاتِ کمالیہ کا انکار کرتا ہے، مثلاً ایک شخص بادشاہ کی بادشاہت اور صفاتِ شاہی کا انکار کرتا ہے، دوسرا اس کی صفات شاہی اور شانِ سلطانی کا انکار نہیں کرتا، لیکن وہ یہ کرتا ہے کہ بادشاہ سے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے کسی اور کو امور شاہی میں شریک گردان لیتا ہے۔ یہ دوسرا شخص اس آدمی سے بہتر ہے جو بادشاہ کی شاہی اور سلطانی سے انکار کرتا ہے۔

دنیا جہاں کی ساری فطرتیں اور ساری عقلیں اسے تسلیم کرتی ہیں کہ صفاتِ کمال میں نقص ماننے اور سرے سے صفاتِ کمال کا انکار کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں معبودِ حق کو معبودِ حق تسلیم کیا جا رہا ہے اور صرف معبودِ حق کے تقرب کی غرض سے واسطے کی پرستش کی جاتی ہے۔ دوسری صورت میں سرے سے معبودِ حق اور اس کی صفاتِ کمالیہ کا انکار کیا جاتا ہے۔

تعطیل کا مرض ایک مہلک ولا دوا مرض ہے۔اس سے شفایاب ہونے کی توقع ہی نہیں، چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ قرآن حکیم میں امام المعطلین فرعون کا وہ قول نقل فرماتا ہے جو اس نے حضرت موسیٰؑ کے خلاف پیش کیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے یہ کہا کہ میرا رب تو آسمانوں پر ہے۔فرعون نے انکار کیا اور اپنے وزیر ہامان کو خطاب کر کے کہا:

یاهامان ابن لی صرحا لعلی أبلغ الأسباب. أسباب السمٰوٰت فاطلع الٰی إلٰه موسی وإنی لاظنه کاذبا (المؤمن ۴۰:۳۶-۳۷)

اے ہامان! میرے لیے ایک تعمیر تو کھڑی کرو تا کہ میں سیڑھیوں پر چڑھوں، آسمانوں کی سیڑھیوں پر اور موسیٰ کے الٰہ کو دیکھ لوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

یہی وہ آیت ہے جسے شیخ ابوالحسن اشعری اپنی کتابوں میں گروہ معطلہ کی تردید میں بطور حجت پیش کرتے ہیں۔شیخ موصوف کی دلیل، طرزِ استدلال، اثباتِ علو اور یہ کہ قول بلاعلم اور شرک لازم وملزوم ہیں۔یہ تمام باتیں ہم اپنی کتاب **اجتماع الجیوش الاسلامیه علی حرب المعطله والجهمیه** کے اندر پوری وضاحت سے پیش کر چکے ہیں۔

یہ گمراہ کن بدعات چونکہ جہالت، صفاتِ الٰہی سے لاعلمی اور عناد کی وجہ سے ہیں، اور ان صفات کی تکذیب کی جارہی ہے جن کا ثبوت خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دیا ہے، اس لیے ان کا شمار اکبر الکبائر میں ہے۔کفر سے گو اس کا درجہ کم سہی، لیکن اکبر الکبائر ضرور ہے۔ابلیس لعین کو یہ بدعتیں دیگر کبائر کے مقابلے میں زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہیں جیسا کہ بعض سلف صالح کا قول ہے:

البدعة أحب إلی إبلیس من المعصیة، لأن المعصیة یتاب منها والبدعة لایتاب منها

دوسری معصیتوں کے مقابلے میں شیطان کو بدعت زیادہ محبوب ہے، کیونکہ معصیت سے توبہ ممکن ہے اور بدعت سے توبہ ناممکن ہے۔

ابلیس لعین کہا کرتا ہے کہ میں نے بنی آدم کو گناہوں کے ذریعہ ہلاک کیا، لیکن انہوں نے

مجھے لاالہ الا اللّٰہ اورتوبہ وانابت اوراستغفار کے ذریعے ہلاک کیا۔ میں نے جب معاملہ یہ دیکھا تو انہیں خواہشات کے پھندوں میں پھانسنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ گناہ کرتے ہیں اورتوبہ نہیں کر سکتے اور گناہ کوعین نیکی سمجھتے ہیں۔

یہ اچھی طرح واضح ہے کہ عام گناہ، گناہ کرنے والے کے حق میں خود بخود مضر ہوتے ہیں، لیکن بدعات کا ضرر و نقصان عام لوگوں تک متعدی ہوتا ہے۔ مبتدع کا فتنہ اصل دین میں فساد ڈالتا ہے۔ دوسرے گناہوں کا فتنہ خواہشِ نفس تک محدود رہتا ہے، مبتدع عوام کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیتا ہے اور دوسری معصیت کا ارتکاب کرنے والا ایسا نہیں کرتا۔ مبتدع پروردگارِ عالم کی صفات اور کمالِ صفات میں نقص پیدا کرتا ہے، لیکن مذنب و گنہ گار ایسا نہیں کرتا۔ مبتدع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ صفات کے خلاف متناقص چیزیں پیش کرتا ہے، لیکن گنہ گار ایسا نہیں کرتا۔ مبتدع لوگوں کی آخرت کی راہ مارتا ہے اور غلط راہ پر لگاتا ہے، لیکن گنہ گار ایسا نہیں کرتا، گو وہ خود آخرت کے راستے میں سست رفتار ہو جاتا ہے۔



فصل ۷۷

قتل کی برائیوں کے مختلف درجات

مذکورہ گناہ کے بعد ظلم وعدوان کا درجہ ہے۔ ظلم وعدوان، عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ عدل وانصاف ہی سے آسمان وزمین قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول وپیغمبر اس لیے بھیجے کہ لوگوں کو قسط وعدل کی تلقین کریں، اپنی کتابیں بھی اسی لیے اتاریں۔ یہی وجہ ہے کہ عنداللہ ظلم اکبرالکبائر ہے، اور گناہ کا بڑا چھوٹا ہونا باعتبارِ ظلم ومفاسد ہے۔ مفاسد جس درجے کے ہوں گے، اسی درجے کا ظلم ہوگا۔

ایک آدمی اگر اپنے بے گناہ بچے کو قتل کر دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی طبیعت کچھ ایسی بنائی ہے کہ وہ بچے سے محبت کرے، بچے پر رحم وشفقت کرے اور پھر ماں باپ کو تو خاص طور پر محبت وشفقت کا حصہ زیادہ دیا گیا ہے، اس کے باوجود وہ صرف اسے اس ڈر سے قتل کر دیتا ہے کہ اس کے ساتھ کھائے پیے گا، اور اس کے مال میں شریک ہوگا، تو یہ قبیح ترین اور سخت ترین ظلم ہے۔ اسی طرح ماں باپ کو قتل کرنا جو اس کے وجود کا سبب ہیں، اسی درجے کا ظلم ہے۔ قتل کے مدارج اس کی قباحت ونتائج کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ مقتول اگر نیک آدمی ہے، دین کی تبلیغ وتلقین کرتا ہے، وعظ ونصیحت سے لوگوں کو دین کی راہ بتاتا ہے تو اسے قتل کرنا زیادہ بڑا گناہ ہے۔ مقتول کی ان خصوصیات کے لحاظ سے قتل کے درجات مختلف ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن وہ آدمی سخت ترین عذاب کا حقدار ہوگا، جو کسی پیغمبر کو قتل کرے، یا نبی اور پیغمبر اسے قتل کر دے۔ امامِ عادل اور عالمِ دین کو قتل کرنے کا جو لوگوں کو قسط وعدل کی تلقین کرتے ہیں، اسی کے قریب قریب جرم ہے۔ وہ لوگوں کو احکامِ الٰہی کی پابندی کی تعلیم دیتے ہیں، وعظ ونصیحت سے لوگوں کو دین پر

چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ مذکورہ امور کی حیثیت قلت وکثرت کے لحاظ سے اور قباحت کے جرم کے لحاظ سے مختلف ہوگی، اور اسی حیثیت کے مطابق مدارج ہوں گے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے کسی مومن کو عمداً قتل کرنے کی سزا خلود فی النار، دائمی جہنم، خدائے جبار کا غضب، اس کی لعنت اور عذابِ عظیم قرار دیا ہے۔ یہ سزا مومن کو عمداً، قصداً اور بلا ارادہ قتل کرنے کی ہے، بشرطیکہ کوئی مانع پیش نہ آئے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی مسلمان کو عمداً وقصداً قتل کرنے کے بعد قاتل اسلام قبول کر لے تو اسلام اس سزا کو روک دیتا ہے۔ یہ سزا اس پر نافذ نہیں ہوگی، البتہ بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو عمداً وقصداً قتل کر دے تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں، نیز وہ اس سزا سے بچ سکے گا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء سلف و خلف کے دو قول ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی یہی دو قول مروی ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، توبہ سے یہ سزا دور نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ آدمی کا حق ہے، وہ دنیا میں اپنا حق وصول نہیں کر سکا۔ قاتل اس کا حق دنیا میں اسے ادا نہیں کر سکا، اور مقتول اپنا حق قاتل سے وصول کیے بغیر رخصت ہوا ہے، اس لیے لازمی امر ہے کہ یہ حق یومِ عدل میں وصول کیا جائے اور ادا کیا جائے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ مقتول کے ورثاء جو حق وصول کرتے ہیں، وہ ان کا اپنا حق ہے۔ وصول کریں، چاہیں معاف کر دیں، انہیں اختیار ہے۔ ورثاء اگر اپنا حق وصول کرتے ہیں تو مقتول کو کیا نفع پہنچتا ہے؟ ورثاء نے اپنے حقوق وصول کر لیے تو مظلوم مقتول پر جو مظالم توڑے گئے ہیں، ان کا کیا تدارک ہوا؟ امام احمدؒ کے دونوں اقوال میں سے یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ ورثاء کے اپنے حقوق وصول کر لینے سے مقتول کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے اصحاب کی بھی اس بارے میں یہی دلیل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ توبہ واستغفار اور ورثاء کے حقوق وصول کر لینے سے مقتول کا حق ساقط ہو جائے گا، کیونکہ توبہ کرنے سے پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، نیز قاتل پر جب حدِ شرعی قائم کر دی گئی تو گناہ اور جرم کا بدلہ اس سے وصول کر لیا گیا۔

یہ گروہ مزید کہتا ہے کہ جب کفر، شرک، سحر جیسے بڑے بڑے گناہ توبہ سے محو ہو جاتے ہیں، تو پھر قتل تو اس سے کم تر درجے کا گناہ ہے، وہ کیوں معاف نہیں ہوگا؟ کیوں توبہ سے قتل کے اثرات محو نہیں ہو سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے تو ان کافروں کی بھی توبہ قبول کر لی ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مخصوص دوستوں کو قتل کیا تھا۔ نہ صرف ان کی توبہ قبول کی ہے، بلکہ انہیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل کر لیا ہے۔ ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے خاص دوستوں کو آگ میں جلایا اور دین کے معاملے میں ان کو بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوت دی کہ تم توبہ کر لو، نیز قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

یاعبادی الذین أسرفوا علٰی أنفسهم لاتقنطوا من رحمة اللّٰه. إن اللّٰه یغفر الذنوب جمیعا (الزمر ۳۹: ۵۳)

اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہ بخش دے گا۔

اس آیت کا حکم عام ہے۔ توبہ کے اندر کفر اور کفر سے کم تر درجے کے تمام گناہ آ جاتے ہیں۔ بندہ توبہ کر لے تو یہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب بندہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہوں سے اپنی مغفرت مانگ لیتا ہے تو اسے گناہوں کی سزا کس طرح دی جا سکتی ہے؟ توبہ کے بعد سزا دینا شریعتِ الٰہی اور اصولِ جزاء و سزا کے قطعاً منافی ہے۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ قاتل جب توبہ کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ قاتل نے اپنی جان مقتول کے حوالے کر دی، لیکن چونکہ مقتول مر چکا ہے اور اس کے حوالے کرنا غیر ممکن ہے، اس لیے شارع نے مقتول کے ورثاء کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ اس نے جب اپنی جان مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دی تو گویا مقتول ہی کے حوالے کر دی۔ جس طرح مرنے والے کا مال اس کے ورثاء کو دے دیا جائے تو وہ ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح وارث کو دے دینے کے معنی یہی ہیں کہ مورث کو دے دیا گیا۔

اصل مسئلے کی پوری پوری تحقیق ووضاحت یہ ہے کہ قتل کے ساتھ تین قسم کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں: حقِ الٰہی، حقِ مقتول، حقِ ولی۔ کوئی قاتل برضا ورغبت اپنے اختیار سے اپنی جان مقتول کے حوالے کر دیتا ہے، وہ اپنے اس فعل پر نادم اور پشیمان ہے، خوف الٰہی سے اس کا دل لرزاٹھا ہے اور توبۂ نصوح کر رہا ہے تو یقین ہے کہ اس توبہ سے حقِ الٰہی معاف ہو جائے گا۔ مقتول کا ولی جب اپنا حق وصول کر لیتا ہے، اس سے مصالحت کر لیتا ہے، یا معاف کر دیتا ہے تو حقِ ولی بھی معاف ہو جائے گا۔ اب باقی رہا مقتول کا حق، تو قاتل نے اگر توبہ کر لی اور نیکوکار بن گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے مقتول کو معاوضہ دے دے گا اور قاتل ومقتول میں مصالحت کرا دے گا۔ اس طرح کرنے سے نہ تو مقتول کا حق مارا جائے گا، نہ توبہ کرنے والے کی توبہ رائیگاں جائے گی۔

اب رہا مال کا مسئلہ تو اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ کسی دیندار مقروض نے مال کے اصل مالک کے مر جانے کے بعد مالک کے وارثوں کو وہ مال ادا کر دیا تو مقروض آخرت میں اسی طرح قرض سے بری الذمہ ہو جائے گا جس طرح دنیا میں ادائیگی کے بعد ہو جاتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں۔ جس پر ظلم ہوا اور جس کا مال گیا ہے، قیامت کے دن اس کا مطالبہ علی حالہ باقی رہے گا اور اس دن وہ اپنی چیز وصول کرے گا۔ ورثاء کے وصول کرنے سے جو ظلم اس پر ہوا ہے، اس کا تدارک قطعاً نہیں ہوسکتا۔ مال کا اصل مالک اپنی عمر کی آخری ساعتوں تک مقروض کی نادہندگی کی وجہ سے اپنے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ مرنے تک وہ اس سے محروم رہا۔ یہ ایسا ظلم ہے کہ اس کا تدارک ہی نہیں ہوسکتا۔ مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو دیا گیا تو ورثاء مستفید ہو رہے ہیں، اس کی ذات کو کیا فائدہ پہنچا؟

اس گروہ نے اس رائے کی بنیاد اس دوسرے مسئلے پر رکھی ہے کہ ایک ملکیت اور مالیت کے مالک متعدد ہیں، لیکن اس کی صورت یہ ہوگئی ہے کہ مال ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس کے وارث بہت سے ہیں۔ اس صورت میں مطالبے کا حق تمام وارثوں کو ہے، کیوں کہ ہر وارث اپنے حصے کا حقدار ہے۔ قبضہ دار کا فرض تھا کہ وہ ہر ایک کو اس کا حصہ دے دیتا۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے شاگردوں کا اس بارے میں یہی مسلک ہے۔

میرے استاد حضرت شیخ ابن تیمیہؒ ان ہر دو گروہ کے مسلک سے الگ فیصلہ فرماتے ہیں۔ ایک مورث دوسرے سے مال کا قبضہ لے سکتا تھا، مطالبہ کر سکتا تھا، پھر بھی اس نے یہ مال وصول نہیں کیا، تا آنکہ وہ مر گیا۔ اس صورت میں آخرت میں ورثاء کو مورث سے مطالبے کا حق باقی رہے گا، جیسا کہ دنیا میں حاصل تھا اور اگر وصول کرنے، یا مطالبہ کرنے کی اس میں قدرت واستطاعت ہی نہ تھی، ظلم وعدوان درمیان میں حائل تھا تو اس صورت میں قیامت کے دن مطالبے کا حق صرف مورث کو ہوگا۔

اس مسئلے کی یہ بہترین تفصیل وتوضیح ہے، کیونکہ جب ظالم سب مال ضائع کر دیتا ہے اور مورث کے پاس اس کا حق پہنچنے ہی نہیں دیتا اور اس پر اس کا وصول کرنا دشوار کر دیا تو اس مال کی نوعیت اس کے غلام کی سی ہے جسے کسی نے قتل کر دیا، یا اس گھر کی سی ہوگئی جسے کسی نے جلا دیا، یا اس کھانے پینے کی سی ہوگئی جسے کسی نے زبردستی کھا پی لیا۔ ان صورتوں میں درحقیقت مال مورث کے حق میں تلف ہوا ہے، نہ کہ وارث کے حق میں۔ قیامت کے دن اس کے مطالبے کا حق بھی صرف اسی کو ہوگا جس کی ملکیت تلف ہوئی۔ ملکیت اس مورث کی ہے نہ کہ اس کے ورثاء کی۔

مسئلے کی شکل اب یہ ہوگی کہ اگر مال از قسم عقار و زمین ہے، یا کوئی ایسی مالیت وملکیت ہے، جو اس مورث کے مرنے کے بعد قائم اور باقی ہے تو وہ مورث کے ورثاء کی ملکیت ہے۔ غاصب کا فرض ہے کہ مورث کے ورثاء کو اسی وقت یہ مال واپس کر دے۔ اس نے اگر مورث کے ورثاء کو مال واپس نہ کیا تو قیامت کے دن اس مورث کے ورثاء اسی طرح اس مال کے مطالبے کا حق رکھتے ہیں، جس طرح دنیا میں مطالبے کے حقدار تھے۔ سوال کی یہ صورت اس قدر قوی ہے کہ اس سے مخلصی ناممکن ہے۔ دلیل نہایت قوی ہے۔ ہاں! البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں مطالبے کا حق مورث کو ہے اور ورثاء میں تمام کو مطالبے کا اسی طرح حق پہنچتا ہے جس طرح کسی غاصب، ظالم نے ایک گروہ کا مشترکہ مال غصب کر لیا تو گروہ کے تمام افراد کو اپنے مال میں اپنے حصے کے مطالبے کا حق ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی ایسے وقف کا متولی بن گیا جو کئی خاندانوں پر وقف کیا گیا ہے، اس نے تمام کے حقوق ضائع کر دیے تو قیامت کے دن یہ سب کے سب اس سے مطالبے کا حق رکھتے ہیں، یہ نہیں کہ کچھ کو مطالبے کا حق ہوگا اور کچھ کو نہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل ۷۸

ایک انسان کا قتل تمام بنی نوع انسان کا قتل ہے۔

انسان کو قتل کرنے کے مفاسد نہایت ہی اہم اور خطرناک ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من أجل ذالک کتبنا علی بنیٓ إسرآئیل أنه من قتل نفسا بغیر نفس أوفساد فی الارض فکأنما قتل الناس جمیعا ومن أحیاها فکانما احیا الناس جمیعاً (المآئدة ۵: ۳۲)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے متعلق لکھ دیا تھا کہ جو شخص کسی کو بغیر کسی جان کے عوض اور بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کرے گا، تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا، اور جس نے ایک کو مرنے سے بچالیا، اس نے گویا سب آدمیوں کو بچالیا۔

قتل کے اثرات اور مضرتیں چونکہ بہت خطرناک اور ہمہ گیر ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ تشبیہ دی ہے۔ بہت سے علماء کو اس آیت کے سمجھنے میں اشکال دامن گیر رہا، چنانچہ کہنے لگتے ہیں کہ سو آدمیوں کا قتل عنداللہ ایک آدمی کے قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے، پھر اس تشبیہ کے کیا معنی؟ جب انہیں یہ اشکال پیش آتا ہے تو اپنے خیالات کے مطابق آیت کی تاویل کرنے لگتے ہیں کہ یہ تشبیہ گناہ اور عقوبتِ گناہ کے متعلق ہے۔ ایک آدمی کو قتل کرنے کی سزا اور گناہ وہی ہے جو ساری نوعِ انسانی کو قتل کرنے کی سزا اور گناہ ہے، لیکن قرآن کا سیاق وسباق اس معنی پر دلالت نہیں کرتا۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام باتوں میں یہ دونوں چیزیں مساوی ہوں اور تمام احکام میں دونوں چیزیں برابر ہوں، مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

کأنهم یوم یرونها لم یلبثوا إلا عشیة أوضحاها (النزعٰت ۷۹:۴۶)

جس روز لوگ قیامت کو دیکھ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ بس دنیا میں ایک شام یا اس کی ایک صبح رہے ہیں۔

مزید ارشاد ہے:-

کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا إلا ساعة من نہار (الاحقاف۴۶:۳۵)

اس دن یہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو معلوم ہوگا کہ صرف ایک گھڑی دنیا میں وہ ٹھہرے تھے۔

ان آیتوں میں دنیا کی زندگی کی جو مثال اور تشبیہ دی گئی ہے، اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ لوگ صرف اتنی ہی مقدار میں رہے۔ اس قسم کی مثال وتشبیہ احادیث میں بھی موجود ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من صلی العشاء فی جماعة فکأنما قام نصف اللیل. ومن صلی الفجر فی جماعة فکأنما قام اللیل کله (صحیح بخاری : اذان)

جس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی، گویا وہ آدھی رات تک نماز پڑھتا رہا، اور جس نے نمازِ فجر جماعت سے ادا کر لی تو گویا وہ تمام رات نماز پڑھتا رہا۔

یعنی نماز عشاء اور نماز فجر جماعت سے ادا کی گئی تو گویا ساری رات نماز میں گزاری گئی۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صراحت ووضاحت موجود ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من صام رمضان وأتبعه ستا من شوال فکأنما صام الدھر (ترمذی : صوم)

جس نے رمضان کے روزے رکھے، اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لیے تو گویا وہ صائم الدہر ہے۔

ایک اور حدیث میں مروی ہے:

من قراء قل ھو اللّٰہ أحد فکأنما قراء ثلث القرآن (سنن دارمی : فضائل القرآن)

جس نے قل ھو اللہ احد کی سورۃ پڑھ لی، گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا۔

یہ اچھی طرح واضح ہے کہ ان اعمال کی انجام دہی کا ثواب اصل مشبہ بہ کے ثواب کے برابر ہے۔ثواب کی مقدار میں مشبہ اور مشبہ بہ مساوی نہیں ہو سکتے۔اگر مقدار ثواب میں مشبہ اور مشبہ بہ مساوی ہوں تو عشاء اور فجر کی نماز جس نے جماعت کے ساتھ ادا کر لی، اس کے لیے تہجد وغیرہ پڑھنا بالکل بے سود ہے کہ خواہ مخواہ اس کی زحمت و تکلیف کیوں گوارا کی جائے؟ معلوم ہوا کہ آیت کے وہ معنی نہیں جو یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک انسان کو قتل کرنا نوع انسانی کو قتل کرنے کے برابر ہے۔دونوں کا گناہ اور عقوبت برابر ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست نعمت ہے،لیکن ایمان کے بعد بڑی سے بڑی نعمت کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کا فہم وادراک ہے، **ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء**۔جب آیت کا یہ مطلب نہیں، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس تشبیہ و تمثیل کے معنی کیا ہیں؟ کس بات میں تشبیہ و تمثیل دی گئی ہے؟ اس تشبیہ کی دراصل متعدد وجوہ ہیں:

اول: دونوں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نافرمان ہیں، یعنی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کے خلاف اقدام کرنے والے ہیں۔دونوں اللہ تعالیٰ کی عقوبت و سزا میں اپنے کو پیش کر رہے ہیں، دونوں غضبِ الٰہی، لعنتِ خداوندی کے حقدار ہیں، خلود فی النار اور دائمی جہنم کے مستحق ہیں۔ دونوں کے لیے سخت سے سخت عذاب تیار کیا گیا ہے، اگرچہ عذاب کے مدارج مختلف اور متفاوت ہیں۔ایک شخص کسی نبی، پیغمبر، یا امام عادل، یا کسی عالم باعمل کو قتل کرتا ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف، اتباع حق کی تلقین و تبلیغ کرتا ہے تو قاتل کا گناہ اور جرم اس سے کہیں زیادہ بھاری اور سخت ہوگا جتنا کہ وہ کسی عام آدمی کو قتل کرتا۔

دوم: قتل کرنے میں دونوں مساوی ہیں۔دونوں خونِ حرام کے مرتکب ہیں۔

سوم: دونوں قتلِ حرام کے مرتکب ہیں۔ دونوں نے بغیر کسی استحقاق کے محض فساد، یا تحصیل مال کی غرض سے قتلِ نفس کا اقدام کیا۔جس نے اپنی مخصوص غرض کے ماتحت ایک جان کو قتل کرنے کی جرأت کی، وہ اس غرض کے تحت ہر اس شخص کو قتل کرنے کی جرأت کرسکتا ہے جس

کے قتل کرنے سے وہ اپنی یہ غرض پوری کر سکے، اس لیے حقیقتاً وہ ساری نوع انسانی کا دشمن ہے۔

چہارم: ایک آدمی کو قتل کرنے والے کو بھی قاتل، ظالم، فاسق، عاصی، مجرم کہا جائے گا، اور سارے انسانوں کے قاتل کو بھی انہی اسماء واوصاف سے یاد کیا جائے گا۔

پنجم: ایمان والوں کی شان اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ باہمی مودت، محبت، تراحم، تعاطف اور صلہ رحمی وغیرہ میں تمام اہل ایمان جسم واحد کی طرح ہیں۔ کسی ایک عضو کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے، سارا جسم بخار اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کسی قاتل نے جب اہل ایمان کے اِس جسم سے کسی ایک عضو کو کاٹ ڈالا، ایک مومن کو قتل کر دیا، گویا اس نے پورے جسم کو تلف کر دیا۔ جسم کے سارے اعضاء کو الم و تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ پس جس نے ایک مومن کو تکلیف وایذا پہنچائی، اس نے تمام اہل ایمان کو تکلیف وایذا پہنچائی۔ یہ بالکل واضح ہے کہ اہل ایمان کو تکلیف وایذا پہنچانا پوری نوع انسانی کو تکلیف وایذا پہنچانے کے مترادف ہے، کیونکہ ایمان والوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ دنیا سے ظلم وعدوان کی لعنت کو مٹانا چاہتا ہے۔

غور کیجیے! کسی غیر مسلم متعاہد قوم کے کسی ایک نفر کو تکلیف وایذا پہنچائی جائے تو اسلام میں اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ خود مسلمان کو تکلیف وایذا پہنچائی گئی۔

نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تقتل نفس بغير حق إلا كان علي ابن آدم كفل منها. لأنه أول من سن القتل (صحیح بخاری : جنائز)

جب کوئی جان بلا کسی استحقاق کے قتل کر دی جائے تو آدمؑ کے پہلے لڑکے کو جس نے سب سے پہلے یہ جرم کیا تھا، اس قتل کے جرم سے حصہ ملے گا، کیوں کہ قتل کا طریقہ اسی نے سب سے پہلے جاری کیا۔

قتل میں وہ خرابیاں ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، اس لیے قرآن میں ایک جان کے قتل کو تمام نوع انسانی کو قتل کرنے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ قاتل کے لیے جو وعید وارد ہوئی ہے، وہ سب سے پہلے زانی، سب سے پہلے سارق، سب سے پہلے شراب خور کے لیے بھی وارد نہیں ہوئی،

نیز اولین قاتل کے مقابلے میں اس قسم کی وعید کا مستحق وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے شرک ایجاد کیا، لیکن ایک آدمی کے شرک کو تمام نوع انسانی کا شرک قرار نہیں دیا گیا، حالانکہ سب سے پہلے شرک کرنے والے کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ نے عمرو بن لحی خزاعی کو دیکھا کہ اسے جہنم میں سخت سے سخت عذاب دیا جا رہا ہے، کیونکہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا دین اسی نے تبدیل کیا تھا۔ اس بارے میں خود اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ولا تکونوا اول کافر به (حٰمٓ السّجده ۴۱: ۲)

اور سب سے پہلے تم ہی قرآن کے منکر نہ بنو۔

یعنی تم پہلے کافر نہ بنو کہ تمہارے بعد والے تمہاری تقلید میں کفر کی راہ اختیار کریں، اور ان کفر کرنے والوں کا گناہ بھی تم پر لادا جائے۔ یہی حکم اس شخص کے لیے بھی ہے جو دین کے بارے میں کوئی ایسا برا طریقہ جاری کرے جس کی لوگ بعد میں پیروی کرنے لگیں۔

غرض! قتل سخت ترین جرم ہے اور اس کے مفاسد نہایت خطرناک ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

یجيء المقتول بالقاتل یوم القیامة ناصیته ورأسه بیده وأوداجه تشخب دماً یقول یارب سل هذا فبم قتلني؟ (ترمذی : تفسیر)

قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس شان سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں لائے گا کہ اس کی پیشانی اور سر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کی شہ رگوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ کہے گا، اے پروردگار! اس سے پوچھ لے اس نے مجھے کیوں قتل کیا ہے؟

اس موقع پر لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے توبہ کا ذکر کیا کہ اگر کسی نے توبہ کر لی تو؟

حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں یہ آیت پڑھی:

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فیها (النسآء ۴: ۹۳)

اور جو شخص کسی کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اس کے بعد فرمانے لگے کہ یہ آیت نہ منسوخ ہوئی، نہ تبدیل ہوئی ہے۔ مومن کے قاتل کے لیے توبہ کہاں؟ امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: هـذا حـديث حسـن (یہ حدیث حسن ہے)۔ حضرت سمرہؓ بن جندب سے مروی ہے:

أول مـايـنتـن مـن الإنسـان بـطـنه فمن استطاع منكم أن لا يأكل إلا طيبا فـليـفعل ومن استطاع أن لايحول بينه و بين الجنة ملاكف من دم أهرقه فليفعل (صحيح بخاری : احکام)

سب سے پہلے انسان کا شکم بدبودار ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ تم طیب اور پاک غذا کھاؤ، اور تم میں سے جو استطاعت رکھے، خون کا ایک چلو بھی اپنے اور جنت کے درمیان حائل نہ ہونے دے۔

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے کعبۃ اللہ کی طرف اپنی نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

ماأعظمک وأعظم حرمتک والمؤمن عندالله أعظم حرمة منک (ترمذی : بر)

تیری عظمت بہت ہی بڑی ہے۔ تیری حرمت بہت ہی عظیم الشان ہے، لیکن مومن کی حرمت اللہ کے یہاں تجھ سے بہت زیادہ ہے۔

امام ترمذی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: هذا حديث حسن (یہ حدیث حسن ہے)۔

حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

مـن ورطـلات الامـور التـى لامخرج لمن أوقع نفسه فيها. سفک الدم الحرام بغير حله (صحيح بخاری : ديات)

وہ بھنور جس میں انسان اپنے آپ کو پھنسا کر کبھی اس سے نکل نہیں سکتا، یہ ہے کہ بغیر وجہ سے حرام خون بہادے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ مرفوع حدیث مروی ہے:

سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر

مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

نیز صحیحین ہی میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (صحیح بخاری : ایمان، صحیح مسلم)

میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

ترمذی میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنة وان ریحها یوجد من مسیرة اربعین عاما (ترمذی : دیات)

جس نے کسی معاہدہ کرنے والے کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی پہنچ جاتی ہے۔

غور کیجیے یہ اس آدمی کی سزا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو قتل کیا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس سے معاہدہ کیا گیا تھا اور ہم اسے اپنے عہد و ذمہ اور امان میں لے چکے ہیں۔ بتلایے! پھر کسی مومن بندے کو قتل کرنے کا جرم کیا اور کیسا ہوگا۔

ایک عورت صرف اس لیے جہنم میں ڈال دی جاتی ہے کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا باندھ رکھا تھا، اور وہ بلی اسی حالت میں مرگئی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس حال میں دیکھا کہ بلی اس کا منہ اور سینہ نوچ کر کھا رہی ہے۔ بتایے کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو کسی مومن کو بلا وجہ مقید و محبوس کردے اور وہ اسی قید و حبس میں مرجائے۔ (۱)

بعض سنن میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لزوال الدنیا أهون علی اللّٰه من قتل مؤمن بغیر حق (سنن ابن ماجه : دیات)

ساری دنیا کا ختم ہو جانا مومن کے ناحق خون کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

---

(۱) غالبًا یہاں ابن قیمؒ اپنے شیخ ابن تیمیہؒ کے واقعۂ قید کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ قلعہ دمشق میں وہ بند کر دیے گئے تھے، تا آنکہ اسی میں انہوں نے انتقال کیا۔

فصل ۷۹

زنا کے مفاسد

زنا کے مفاسد نہایت خطرناک ہیں۔اس سے دنیا میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی خرابیاں جو مصلحتِ نظامِ عالم، حفظِ انساب، تحفظِ آبرو، صیانت وحرمت اور عفت وعصمت کے سراسر خلاف اور منافی ہیں۔ ہر انسان کی بیوی، بیٹی، بہن اور ماں کی عصمت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور سخت ترین عداوتیں اور بغض وکینہ پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔زنا ان تمام خرابیوں کی جڑ ہے اوران خرابیوں سے بچنے کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے۔

زنا سے دنیا کی خرابیاں وابستہ ہیں۔قتل وخون ریزی کے مفاسد کے بعد زنا کے مفاسد کا درجہ ہے،اس لیے قتل کے گناہ کے بعد زنا کے گناہ کا درجہ رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں قتل کے ساتھ ہی ساتھ زنا کا ذکر کیا ہے۔امام احمدؒ فرماتے ہیں:

ولا أعلم بعد قتل النفس شيئاً أعظم من الزنا

قتلِ نفس کے بعد زنا سے بڑا گناہ میں کسی گناہ کو نہیں سمجھتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت وممانعت کی توضیح وتاکید کس قدر وضاحت کے ساتھ پیش کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذين لايدعون مع الله إلٰها آخر ولا يقتلون النفس التى حرم الله إلا بالحق ولا يزنون (الفرقان ۲۵: ۶۸)

وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو شریک کر کے عبادت نہیں کرتے اور نہ خلافِ حق کسی

ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زنا کو شرک اور قتلِ نفس کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس جرم کی سزا اللہ تعالیٰ نے خلود فی النار اور سخت ترین ذلت آمیز عذاب قرار دی ہے۔ بندہ جب تک اس سزا کے موجب اور سبب کو توبۂ نصوح اور ایمان اور عمل صالح سے دفع نہ کر دے، اس جرم کی سزا سے اس کی رستگاری ممکن نہیں۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا (بنی اسراء یل ۱۷: ۳۲)

اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ، وہ بے حیائی ہے، اور بری راہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ زنا فی نفسہٖ ایک فحش اور قبیح فعل ہے۔ یہ ایک انتہائی درجے کی قباحت ہے، جس کا قبیح ہونا تمام انسانی عقول میں راسخ ہو چکا ہے، حتیٰ کہ بعض جانوروں تک میں اس کی قباحت مسلّم ہے۔ عمر بن میمون الاودی سے مروی ہے:

رأيت في الجاهلية قردا زني بقردة، فاجتمع القرود عليها فرجموهما حتى ماتا (صحيح بخاری: مناقب الانصار)

جاہلیت کے زمانے میں میں نے دیکھا تھا کہ ایک بندر نے ایک بندریا کے ساتھ زنا کیا۔ اس وقت بہت سے بندر جمع ہوئے اور بندر بندریا دونوں کو انہوں نے پتھر مارے، حتیٰ کہ دونوں مر گئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں زنا کی قباحت بیان کرنے کے بعد ہی یہ فرما دیا:

وساء سبيلا (زنا بہت ہی بری راہ ہے)۔

زنا بلا شبہ دنیا میں ہلاکت و تباہی اور قہر مذلت کی راہ ہے، اور آخرت میں بھی عذاب، رسوائی، ذلت اور خدا کی پھٹکار زانی کے لیے لازمی ہے۔ باپ کی بیوی سے چونکہ نکاح کرنا حد سے زیادہ قبیح اور مذموم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر قرآن میں اس کی مذمت فرمائی:

إنه كان فاحشة ومقتا وساء سبيلا (النسآء ۴: ۲۲)

وہ بے حیائی ہے اور خدا کی خفگی کی چیز ہے اور بری راہ ہے۔

دوسرے مقام میں بندوں کی فلاح ونجات اللہ تعالیٰ نے شرم گاہوں کی حفاظت کے ساتھ معلق فرمائی ہے:

قد أفلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون. والذين هم عن اللغو معرضون. والذين هم للزكوة فاعلون. والذين هم لفروجهم حافظون. إلا على أزواجهم أوما ملكت أيمانهم فانهم غير ملومين. فمن ابتغى ورأء ذالك فأولئك هم العادون. (المؤمنون ۲۳: ۱-۷)

بلاشبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں، اور جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کو بچانے والے ہیں، بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے تو وہ قابل ملامت نہیں ہیں اور جس نے اس کے سوا کوئی اور راہ اختیار کی، وہی لوگ زیادتی کرنے والے (گمراہ) ہیں۔

یہ آیت تین امور پر مشتمل ہے:

اول: جو آدمی شرم گاہ کی حفاظت نہیں کرتا، وہ فلاح سے محروم ہے۔

دوم: وہ آدمی ملومین میں سے ہے۔ ملامت اور پھٹکار اس کے حصے میں آئی ہے۔

سوم: وہ آدمی عادین میں سے ہے، یعنی زیادتی کرنے والا، غلط کار اور گمراہ ہے۔

پس جو آدمی شرم گاہ کی حفاظت نہیں کرتا، وہ اپنے لیے فلاح کا دروازہ بند کر دیتا ہے، عدوان وزیادتی کرنے والوں کی فہرست میں اپنا نام درج کراتا ہے اور اپنے آپ کو ملامت اور پھٹکار کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ غور کیجیے کہ شہوت کی تکلیف اور اس کی پریشانیوں کے مقابلے میں یہ تکالیف اور پریشانیاں کس قدر ناقابل برداشت اور شہوت کی تکالیف کے مقابلے میں کس قدر آسان ہیں؟

اس آیت کا طرزِ استدلال ویسا ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں کسی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکر گزاری کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسان بڑا بے صبر اور ناشکر گزار

پیدا کیا گیا ہے۔ وہ نہ تکلیف کے موقع پر صبر کرتا ہے اور نہ خیر وفلاح کے موقع پر شکر۔ اسے جب خیر اور بھلائی نصیب ہو تو مال اور پیسے کی محبت میں مست ہو جاتا ہے، بخل اختیار کر لیتا ہے، ہاتھ تنگ کر لیتا ہے، اور کوئی تکلیف پہنچے اور کچھ نقصان ہو جائے تو جزع وفزع کرنے لگتا ہے اور گھبرا جاتا ہے۔ نجات وفلاح پانے والے بندے وہی ہوتے ہیں جو ان باتوں سے مستثنیٰ اور ان مذموم اوصاف سے پاک صاف ہوتے ہیں، چنانچہ اسی طرح اسی طرز بیان کے ساتھ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نجات وفلاح پانے والوں کا ذکر کرتا ہے۔

والذين هم لفروجهم حافظون. إلا على أزواجهم أوما ملكت أيمانهم فانهم غير ملومين. فمن ابتغى وراء ذالك فأولئك هم العادون (المؤمنون ۲۳:۵-۷)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیبیوں اور اپنی باندیوں کے تو اس صورت میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں جو لوگ اس کے علاوہ ہوس کریں گے وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان والوں کو کہہ دیں کہ نامحرم عورتوں سے وہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اپنی شرمگاہوں کی پوری پوری حفاظت کریں، اور انہیں سمجھا دیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال وکردار کو دیکھ رہا ہے اور ان کی ہر چیز سے باخبر ہے۔

يعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور (المؤمن ۴۰: ۱۹)

خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینے میں جو کچھ چھپاتے ہیں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

ہمہ قسم کی بدعملیوں اور بدکرداریوں کی ابتدا نگاہ سے ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شرم گاہ کی حفاظت سے پہلے آنکھ کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ دنیا کے تمام حوادث وواقعات کا مبداء نگاہ ہے جس طرح بڑی بڑی آگ کا مبداء ایک ننھی سی چنگاری ہوتی ہے۔ غور کیجیے کہ شہوت سب سے پہلے آنکھ کو مجروح کرتی ہے، اس کے بعد دل کی طرف رخ کرتی ہے اور دل میں خطرات جگہ

بناتے ہیں، پھر انسان کے قدم کی طرف رخ کرتی ہے اور وہ گناہ کی طرف اقدام کرنے لگتا ہے۔
اس کے بعد گناہ سرزد ہوتا ہے اور اسی بناء پر بعض بزرگوں نے کہا ہے:

من حفظ هذه الأربعة أحرز دينه .اللحظات والخطرات واللفظات والخطوات

جس نے ان چار چیزوں کی حفاظت کر لی، اس نے اپنا دین محفوظ کر لیا، لحظات یعنی نگاہ، خطرات یعنی خیالات ورجحانات، الفاظ اور قدم۔

پس بندے کا فرض ہے کہ وہ ان چار دروازوں کی پوری پوری حفاظت کرے۔ ان مورچوں کی کامل مستعدی کے ساتھ نگرانی کرے، کیونکہ اس کا دشمن ان ہی کمین گاہوں اور ان ہی مورچوں سے اندر داخل ہوتا ہے اور ان کی آبادیوں کو تاراج اور تباہ و برباد کرتا ہے۔



فصل ۸۰

گناہ کا پہلا راستہ

معاصی اور گناہ اکثر و بیشتر ان ہی چار راستوں سے آتے ہیں جو بیان کیے گئے ہیں۔ ہم ان میں سے ہر ایک کو ایک جداگانہ فصل میں پیش کرتے ہیں۔

لحظات، یعنی نگاہ تمام برائیوں کا پیش خیمہ ہے۔ نگاہ کی حفاظت عین شرم گاہ کی حفاظت ہے۔ جو آدمی نگاہ کو آزاد و بے لگام کر دیتا ہے، نگاہ اسے تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں لے جا کر ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا علي! لاتتبع النظرة فإنما لک الأولی ولیست لک الثانیة (مسند احمد بن حنبل ۵: ۳۵۲)

اے علی! کسی پر یکایک نظر پڑ جائے تو پھر دوبارہ نگاہ نہ ڈالو۔ پہلی نظر تو تمہارے لیے معاف ہو سکتی ہے، لیکن دوسری نگاہ معاف نہیں ہو سکتی۔

اور مسند میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

النظرة سهم مسموم من سهام ابلیس (نگاہ ابلیس کا زہر میں بجھا ہوا تیر ہے)۔

جو آدمی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی عورت یا مرد کے محاسن اور خوبصورتی سے آنکھیں پھیر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو عبادت کی حلاوت اور شیرینی سے بھر دیتا ہے۔ یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے۔

آپؐ نے مزید ارشاد فرمایا: **غضوا أبصارکم واحفظوا فروجکم** (اپنی آنکھیں نیچی رکھو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو)۔

نیز آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا:

إیاکم والجلوس علی الطرقات (راستوں میں بیٹھنے سے بچو)۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری مجلسیں ہوا کرتی ہیں، راستوں میں بیٹھے بغیر چارہ نہیں ہوتا، اس پر آپؐ نے فرمایا: **فان کنتم لابد فاعلین الطریق حقه** (اگر تمہیں ایسا کرنا ضروری ہی ہو تو پھر راستے کے حقوق ادا کیا کرو)۔

صحابہؓ نے عرض کیا، راستے کے حقوق کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

غض البصر و کف الاذی ورد السلام

نگاہ نیچی رکھنا، ایذا رسانی سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا۔

حوادث اور مصائب و آلام جو عموماً انسان کو پیش آتے ہیں، ان کی اصل جڑ نظر اور نگاہ ہے۔ نظر اور نگاہ خطراتِ قلب کا موجب ہوتی ہے تو ارادہ وقوع میں آتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ارادے میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور بالآخر ارادہ عزیمتِ جازمہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد فعل کا عملی شکل میں وقوع پذیر ہونا لابدی ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز اگر مانع نہیں ہے تو فعل عملی صورت اختیار کر کے ہی رہتا ہے، اور اسی بناء پر کسی صاحب بصیرت نے کہا ہے:

الصبر علی غض البصر أیسر من البصر علی ألم مابعده

آنکھیں بند کرنے کی تکلیف پر صبر کر لینا، اس تکلیف پر صبر کرنے سے بہت آسان ہے جو کرنے کے بعد ہوتی ہے۔

اور کسی شاعر نے کہا ہے:

کل الحوادث مبداھا من النظر   ومعظم النار من مستصغر الشرر

تمام حوادث کا مبداء نظر ہے، اور بڑی آگ چھوٹی چنگاری سے ہی لگتی ہے۔

کم نظرة بلغت فی قلب صاحبها   کمبلغ الهم بین القوس والوتر

کتنی نگاہیں نظر کرنے والے کے قلب میں اس طرح بیٹھ جاتی ہیں جس طرح کمان اور چلّے میں تیر بیٹھ جاتا ہے۔

والبعد مادام ذاطرف يقلبه   في أعين الناس موقوف على الخطر

آدمی آنکھیں ادھرادھر مارتا رہتا ہے، لوگوں کی آنکھوں میں اور خطرے کے قریب ہوتا ہے۔

يسر مقلته ماضر مهجته   لا مرحبا بسرور عاد بالضرر

آنکھوں کو وہ خوش کرتا ہے جس سے دل کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس مسرت کو مرحبا نہیں کہا جا سکتا جو ضرر کو لے آئے۔

نظر اور نگاہ کی آفتوں اور مصیبتوں میں سے یہ کتنی بڑی آفت اور مصیبت ہے کہ انسان حسرتوں، آنسوؤں اور سوز دروں کا شکار بن جائے؟ جس سے اس کے سامنے ایسی ایسی مصیبتیں آ کھڑی ہوتی ہیں کہ اس کی قدرت واستطاعت سے باہر ہوتی ہیں۔ ان پر اسے صبر کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

غور کیجیے! یہ کتنا بڑا عذاب ہے۔ ایسی مصیبت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے جس پر نہ صرف صبر کرنا دشوار ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات یہ مصیبت اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس سے کم درجے کی مصیبت بھی قابل برداشت نہیں ہوتی۔ انسانی طاقت سے باہر ہوتی ہے، چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وكنت متى ارسلت طرفك رائدا   لقلبك يوما أتعبتك المناظر

جب تم نے اپنے قلب کے قاصد کو آزاد چھوڑ دیا تو ایک دن اس کے مناظر تمہیں تھکا دیں گے۔

رأيت الذي لا كله انت قادر   عليه ولا عن بعضه أنت صابر

تم ایسی چیزیں دیکھو گے جو تمہاری قدرت سے باہر ہوں گی، بلکہ تمہیں اس سے کم پر بھی صبر مشکل ہو جائے گا۔

شاعر کا قول ہے کہ لا كله أنت قادر عليه (تو کل پر قادر نہیں ہوگا)۔ یہ قول کل پر قدرت کی نفی کرتا ہے۔ کل کی نفی اسی وقت ممکن ہے کہ کل کے ہر ہر فرد سے قدرت کی نفی ہو۔

آہ! کتنے ہی آزاد نگاہ انسان اپنی نگاہ بازیوں سے ہلاک ہو کر رہ گئے۔ نگاہ بازیوں کی

زنجیروں میں ایسے کس دیے گئے کہ ان ہی زنجیروں میں تڑپ تڑپ کر وہ مر گئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یاناظراً ماأقلعت لحظاته حتی تشحط بینهن قتیلا

اے نظر باز! تیری نظر بازی اس وقت تک دور نہیں ہوگی جب تک تو اپنی نظر بازیوں میں تڑپ تڑپ کر مر نہیں جائے گا۔

اس بارے میں میرے بھی کچھ اشعار ہیں:

مل السلامة فاغتدت لحظاته وقفا علی طلل یظن جمیلا

سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے، جب اس کی نظریں ایسے ٹیلے پر ہوتی ہیں جسے وہ حسین سمجھتا ہے۔

مازال یتبع إثره لحظاته حتی تشحط بینهن قتیلا

وہ اپنی نگاہ کی اتباع کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مقتول ہو کر گر پڑتا ہے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ نگاہ کا تیر منظور تک، یعنی اس تک جس کی طرف وہ دیکھتا ہے نہیں پہنچتا، بلکہ خود نظر کرنے والے کے قلب کو نشانہ بناتا ہے۔ میرے قصیدے کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

یارامیا بسهام اللحظ مجتهدا أنت القتیل بما ترمی فلا تصب

اے قوت سے نظر کے تیر چلانے والے! تو خود اپنے تیر سے مارا جائے گا، تو صحیح عمل نہیں کر رہا ہے۔

وباعث الطرف یرتاد الشفاء له احبس رسولک لایأتیک بالعطب

اور اے نظر کو شفاء کے لیے بھیجنے والے! اپنے قاصد کو روک، تاکہ تیرے لیے مصیبت نہ آئے۔

اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ نظر انسان کے قلب کو اس طرح مجروح کر دیتی ہے کہ زخم پر زخم اور چرکوں پر چرکے لگتے چلے آتے ہیں، لیکن ان زخموں اور چرکوں کی تکلیف کچھ ایسی میٹھی

ہوتی ہے کہ انہیں دور کرنے کی خواہش تک انسان کے دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس بارے میں میرے کچھ شعر ہیں:

مازلت تتبع نظرة فی نظرة فی أثر کل ملیحة و ملیح

تو ہر سانولی عورت اور ہر سانولے مرد پر نظر پر نظر ڈالتا چلا جارہا ہے۔

وتظن ذاک دواء جرحک وھو فی التحقیق تجریح علی تجریح

اور تو اسے اپنے زخم کی دوا سمجھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زخم پر زخم لگ رہا ہے۔

فذبحت طرفک باللحاظ وبالبکا فانقلب منک ذبیح أی ذبیح

خود تو نے ہی نگاہوں اور رونے سے اپنے آپ کو ذبح کیا ہے، اپنے قلب کو خود تو نے ہی ذبح کیا ہے۔

اس لیے کہتے ہیں کہ نظر و نگاہ کو روک لینا، مسلسل اور دوامی حسرتوں اور تکلیفوں کے مقابلے میں بہت سہل اور آسان ہے۔



فصل ۸۱

عزیمتیں اور قلبی خیالات

خطرات، یعنی قلبی خیالاتِ کا معاملہ بڑا ہی سخت اور نازک ہے۔ ہمہ قسم کے خیر و شر کا مبداء قلبی خیالات ہیں۔ انسان کے اندر ارادے، ہمتیں اور عزیمتیں ان خیالات ہی کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں۔ خیالاتِ قلب کی رعایت اور صحیح پاسبانی کرنے والا شخص اپنے نفس کے اختیارات کا مالک بن جاتا ہے، اپنی خواہشات پر مکمل طور پر قابو پالیتا ہے۔ جس پر منفی خیالات غالب آ جائیں، اس پر خواہشات اور نفس پوری قوت سے غلبہ پا لیتے ہیں اور جب کوئی شخص خیالات سے مغلوب ہو جائے تو یہ خیالات اسے جبراً و قہراً ہلاکتوں اور تباہیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، کیونکہ خیالات کی جائے ورود قلب ہے۔ قلب پر متواتر اور پے بہ پے منفی خیالات کا ورود ہو تو وہ باطل تمناؤں اور غلط آرزوؤں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ باطل تمنائیں اور غلط آرزوئیں ایسی ہوتی ہیں جیسے کوئی پیاسا انسان کسی چٹیل میدان کو پانی کا سمندر سمجھ کر دوڑ پڑتا ہے۔

کسراب بقیعة یحسبه الظمآن ماء حتی إذا جآءه لم یجده شیئاً و وجداللّٰه عنده فوفاه حسابه واللّٰه سریع الحساب (النور ۲۴: ۳۹)

ان کے اعمال مثل اس سراب کے ہیں جو میدان میں ہو کہ پیاسا اسے پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا، اور اللہ کو اپنے پاس موجود پاتا ہے۔ پس اللہ اس کا پورا پورا حساب دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

وہ آدمی نہایت ہی دون ہمت اور ذلیل النفس ہے جو حقائق کے مقابلے میں غلط تمناؤں اور جھوٹی آرزوؤں پر قناعت کر بیٹھے، اور اپنی تمناؤں اور آرزوؤں سے اپنے آپ کو مزین اور

آراستہ کر لے۔ اللہ کی قسم! یہ غلط تمنائیں، جھوٹی آرزوئیں، مفلس، کنگالوں کا سرمایہ اور غلط کار سودے بازوں کا راُس المال ہیں۔ یہ تمنائیں اور آرزوئیں ان ناکارہ انسانوں کی طاقت ہیں جو صرف خیالات کی دنیا میں بستے اور حقائق کی غلط امیدیں باندھتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

أماني من سعدیٰ رواء علی الظماء　　سقتنا بها سعدي علی ظماء بردا

سعدیٰ سے میری تمنا پیاسے کی سیرابی تھی، سعدیٰ نے پیاس پر اولے دیے۔

مني ان تکن حقا تکن أحسن المنی　　والا فقد عشنـا بهـا زمنـا رغدا

تمنائیں اگر صحیح ہوتیں تو بہترین تمنائیں ہوتیں، ورنہ ہم اس کے ساتھ مدتوں خوش رہے ہیں۔

یہ غلط تمنائیں اور آرزوئیں انسان کے حق میں جس قدر مضر ہیں، دوسری کوئی چیز اس قدر مضر نہیں۔ ان کی پیداوار محض عجز و کسل، بے ہمتی اور کاہلی سے ہوتی ہے، پھر اس سے ہمہ قسم کی کوتاہیاں پیدا ہوتی ہیں، سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے اور سوائے حسرتوں اور ندامتوں کے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ سمجھ لیجیے، کہ یہ حرمان نصیبیاں اس کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہیں۔ جس آدمی کی زندگی صرف تمناؤں اور آرزوؤں سے وابستہ ہے، حقیقت تک کبھی اسے رسائی نہیں ہوتی۔ ایسا آدمی کبھی حقیقت کا کوئی عکس اور صورت دیکھ پاتا ہے تو اسے بہت بڑی چیز سمجھ لیتا ہے، اس کی طرف والہانہ دوڑتا ہے اور اس سے معانقہ کرتا ہے۔ اس خیالی، وہمی اور فکری صورت کے پا لینے پر کہ جس سے اسے کوئی فائدہ نہیں، قناعت کر لیتا ہے۔ اِس کی مثال بعینہ ایسی ہے، جیسے ایک بھوکا پیاسا آدمی اپنے وہم و خیال میں کھانے پینے کی صورت پا لیتا ہے، اور اسی پر قناعت کر لیتا ہے۔ حقیقتاً وہاں نہ کوئی کھانے کی چیز ہے نہ پینے کی۔ اسی قسم کی خیالی اور وہمی چیزوں پر مطمئن ہو جانا اور ان پر قناعت کر لینا انتہا درجے کی خست و رذالتِ نفس کی دلیل ہے۔ شرافتِ نفس، طہارتِ نفس، علوِ نفس اور بلند نفسی تو یہ ہے کہ انسان ہر بے حقیقت خطرے کو اپنے سے دور رکھے۔ کبھی گوارا نہ کرے کہ کوئی بے حقیقت خطرہ اس کے قلب پر وارد ہو سکے اور نفس کے قریب پہنچ کر

سہارا لے سکے۔

قلبی خیالات کی حقیقت واضح ہونے پر اب سمجھ لیجیے کہ ہر قسم کے خیالات چار اصولوں کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں:

اول: وہ خیالات جن سے انسان اپنا دنیوی مفاد حاصل کرتا ہے۔

دوم: جن کے ذریعے دنیا کی مضرتوں کی مدافعت کی جاتی ہے۔

سوم: جن کے ذریعے آخرت کی مصالح حاصل کی جاتی ہیں۔

چہارم: وہ خیالات جن کے ذریعے آخرت کی مضرتوں کی مدافعت کی جاتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے تمام خیالات، افکار اور ہموم کو ان چار اصولوں کے اندر محدود و محصور کر لے۔ کسی کے خیالات، ان چار قسموں میں محدود و محصور ہو جائیں تو اسے چاہیے کہ تا امکان چاروں کو اپنے لیے جمع کر لے، اور ہر ایک کو اپنے اختیارات کی حدود میں بند کر لے۔ کبھی بے شمار خیالات کا ہجوم ہو جائے، مثلاً ہر چہار قسم کے خیالات اور ان کے متعلقات کی کثرت و فراوانی ہو جائے تو چاہیے کہ **الأھم فالأھم** کا اصول اختیار کر لے۔ جو زیادہ اہم ہوں اور ان کے فوت ہونے کا خطرہ ہو، انہیں مقدم رکھا جائے، اور جو اہم نہ ہوں، ان کے فوت ہونے کا خطرہ اور اندیشہ بھی نہ ہو، انہیں مؤخر کر دے۔

دوسری قسم کے خیالات جو اہم ہیں، لیکن ان کے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں اور جو اہم نہیں ہیں، ان کے فوت ہونے کا خطرہ اور اندیشہ بھی نہیں ہے۔ ان دو قسموں میں سے ہر ایک کی شان ایسی ہے کہ اسے مقدم رکھا جائے۔ اس صورت میں انسان نہایت متردد اور پریشان ہو جاتا ہے کہ کسے اختیار کرے اور کسے مقدم سمجھے؟ اہم کو اگر مقدم رکھتا ہے تو کم درجے کی چیز فوت ہو جاتی ہے۔ کم درجے کی چیز کو مقدم رکھے تو جو اس سے اہم ہے، اس سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ یہ مشکل وہاں پیدا ہوتی ہے، جہاں ایسی دو چیزیں سامنے آ جاتی ہیں جن کا اجتماع بیک وقت ناممکن ہوتا ہے اور ایک کی تحصیل سے دوسری کا فوت ہونا لازمی۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ انسان کو پوری عقل و فہم اور کامل بصیرت و معرفت سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے رفعت و

بلندی حاصل کرنے والا رفعت و بلندی حاصل کر لیتا ہے، نجات وفلاح پانے والا نجات وفلاح پا لیتا ہے اور خسارہ پانے والا خسارہ پا لیتا ہے۔

اکثر اربابِ عقل وبصیرت ایسے ملیں گے جو غیر اہم امر کو جس کے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، اہم امر سے جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے، مؤخر کر دیتے ہیں۔ یہ ایک مانا ہوا کلیہ ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، البتہ اس کلیے پر کوئی زیادہ عمل کرتا ہے، کوئی کم۔ اس کلیے کی اصل وہ قاعدہ کلیہ ہے جس پر شرع وقدر کا دارو مدار ہے اور جس کی طرف تخلیق وامر کی رجعت ہوتی ہے کہ بڑی اور اعلیٰ مصلحت کو چھوٹی کے مقابلے میں زیادہ ترجیح دی جائے۔ بڑی خرابی کی مدافعت کے لیے چھوٹی خرابی اختیار کر لی جائے۔ بڑی مصلحت کی تحصیل کے لیے چھوٹی مصلحت کو ترک کر دیا جائے۔ بڑے مفسدے کی مدافعت کے لیے چھوٹا مفسدہ اختیار کر لیا جائے۔

یہ وہ کلیہ ہے کہ کوئی صاحبِ عقل و بصیرت اس سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی تمام شریعتوں کی بنیاد اسی قاعدے کلیے پر ہے۔ دنیا اور آخرت کی کوئی مصلحت اس کلیے کے بغیر انجام نہیں پا سکتی۔ ظاہر ہے کہ سب سے اعلیٰ، اجل اور نافع ترین غور وفکر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے لیے صرف ہو۔

جو فکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے، اس کی چند اقسام یہ ہیں:

اول: اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیتوں پر غور وتدبر کیا جائے۔ آیتوں کی مراد پوری عقل و بصیرت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ فہم وادراک سے کام لیا جائے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اس لیے اتارا ہے کہ اس پر غور وتدبر کیا جائے، اسے سمجھا جائے، یہ محض تلاوت کے لیے نہیں اتارا گیا، بلکہ تلاوت اس لیے لازم کی گئی ہے کہ یہ فہم وادراک کا ذریعہ ہے۔ بعض سلف صالحین کا قول ہے:

أنزل القرآن ليعمل به فاتخذوا تلاوته عملا

قرآن اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، لہٰذا تم عمل کے لیے تلاوت کرو۔

دوم: روزمرہ مشاہدے سے گزرنے والی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وتدبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنے بندوں کو اپنی نشانیوں اور علامتوں پر غور و تدبر کا حکم دیا ہے، سوچنے سمجھنے کا امر فرمایا ہے اور اس سے غفلت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

سوم: خدا کی بخششوں اور اس کے احسانات پر غور و فکر کیا جائے کہ اس نے اپنے بندوں پر کیسے کیسے احسانات و انعامات کیے ہیں، اس کی مغفرت و رحمت اور حلم و بردباری کس قدر وسیع و ہمہ گیر ہے؟

غور و تدبر اور فکر و تأمل کی یہ تین قسمیں ایسی ہیں جو قلبِ انسان کو معرفتِ الٰہی، محبتِ خداوندی، خوف و رجاء اور امید و بیم سے مالا مال کر دیتی ہیں۔ دائمی غور و تدبر کے ساتھ اگر ذکرِ خداوندی کا سلسلہ بھی جاری رکھا جائے تو قلبِ انسان معرفتِ الٰہی اور محبتِ خداوندی کے رنگ میں پوری طرح رنگ جاتا ہے۔

چہارم: عیوبِ نفس، آفاتِ نفس اور عیوبِ عمل پر غور و تدبر کیا جائے۔ یہ غور و تدبر نہایت نفع بخش ہے۔ دنیا و آخرت کی بڑی بڑی بھلائیاں اس سے وابستہ ہیں۔ یہ غور و تدبر ہمہ قسم کی خیر و فلاح کا دروازہ ہے۔ یہ نفسِ امّارہ کی قوّتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ اس سے نفسِ امّارہ اس قدر بے بس ہو جاتا ہے کہ برائیوں کے حکم سے اسے رک جانا پڑتا ہے۔ نفسِ امّارہ جو ٹوٹ گیا تو پھر نفسِ مطمئنہ اطمینان و خوش عیشی سے اپنا وقت گزارتا ہے اور ہر طرح خوش عیشی کے ثمرات سے مستفید ہوتا ہے۔ حکم و فرماں روائی بھی اسی کی جاری رہتی ہے۔ جب نفسِ مطمئنہ خوش عیشی سے وقت گزارتا ہے تو قلب بھی زندہ رہتا ہے، خوشگوار زندگی گزارتا ہے اور اپنی مملکت میں پوری قوت سے حکومت کرتا ہے۔ ساری مملکت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے، نیز قلب کے تمام امراء، حکام اور قلب کا سارا لشکر اس کا مطیع ہوتا ہے، مملکت کی ساری مصلحتیں اور حکمتیں قلب کے منشاء کے مطابق عمل میں لاتے ہیں اور ساری قوتیں اور صلاحیتیں قلب کی مرضیات پر نثار کر دیتے ہیں۔

پنجم: وقت کے واجبات اور ضروریات اور وظیفۂ اعمال پر غور و تدبر کیا جائے اور عزم و ہمت کی تمام تر توجہات اپنی چیزوں کی طرف موڑ دی جائیں، چنانچہ عارف انسان وقت کا بیٹا ہوتا ہے۔ انسان اگر وقت کی قدر نہ کرے اور اسے ضائع کر دے تو وہ گزرے ہوئے وقت کا کبھی تدارک

نہیں کر سکتا۔ امام شافعی کا مقولہ ہے:

صحبت الصوفية فلم أستفد منهم سوى حرفين، أحدهما قولهم: الوقت سيف فان لم تقطعه قطعك، وذكر الكلمة الاخرى، ونفسك إن شغلتها بالحق والا شغلتك بالباطل.

صوفیہ کی صحبت سے میں نے دو باتیں حاصل کی ہیں۔ ایک یہ کہ وقت تلوار ہے۔ اگر تم اس سے نہیں کاٹتے تو سامنے والا تمہیں اس سے کاٹے گا۔ دوسری یہ کہ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہیں کرتے تو وہ تمہیں باطل میں الجھا دے گا۔

حقیقتِ امر یہ ہے کہ اسی وقت کا نام انسان کی عمر ہے۔ نعیم مقیم، جنت کی دائمی زندگی کا اصل مادہ اور مواد بھی وقت ہے۔ وقت نہایت تیز رفتار ہے، بادلوں سے بھی جلد آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ پس انسان کا وہ وقت جو صرف اللہ کے لیے ہو، وہی اس کی زندگی اور اس کی عمر کا حقیقی مواد ہے۔ اس کے سوا دوسرا وقت زندگی میں محسوب ہی نہیں ہوسکتا۔ انسان خواہ کتنی ہی طویل زندگی پالے، اس کی یہ زندگی چوپایوں اور جانوروں کی زندگی ہوگی۔ جس انسان کا وقت غفلت، شہوت رانی، باطل تمناؤں اور فاسد آرزوؤں میں بسر ہو رہا ہو، اس کا سونا اس کے جاگنے سے بہتر ہے، اس کا دنیا میں جینا ہی بے کار ہے، اس کے حق میں زندگی سے موت بہتر ہے۔ نماز کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ بندہ نماز پڑھتا ہے تو نماز میں اس کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا وہ سمجھتا ہے۔ حقیقتاً ایک انسان کی عمر وہی ہے جو اللہ کے لیے اور صرف اللہ کے لیے بسر ہوتی ہے۔

ان خیالات و افکار کے سوا جس قدر بھی افکار ہیں، وہ شیطانی وساوس، باطل تمنائیں اور محض فریب ہیں۔ ان خیالات و افکار کا وہی حال ہے جو نشے میں بدمست وسوسوں کے مارے ہوئے آدمی کے خطراتِ قلب اور افکارِ دماغی کا حال ہوتا ہے۔ اصل حقیقت کا پتہ انہیں اس دن لگے گا جب ان پر حقیقت منکشف ہوگی اور وہ زبان حال سے کہتے ہوں گے:

إن كان منزلتي في الحب عندكم　　ماقد لقيت فقد ضيعت أيامي

اگر محبت میں میرا مقام تمہارے نزدیک اسی قدر ہے جو میں پا رہا ہوں تو میں نے

اپنے دن ضائع کیے۔

أمنية ظفرت نفسي بها زمنا　　　واليوم احسبها أضغاث أحلام

میری وہ تمنائیں جنہیں میری جان نے ایک مدت میں حاصل کیا، آج وہ مجھے خواب وخیال کی باتیں نظر آ رہی ہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ قلبی خیالات فی نفسہٖ برے نہیں ہوتے، بلکہ برائی یہ ہے کہ انہیں خواہ مخواہ دعوت دی جائے اور ان سے انس پیدا کیا جائے۔ دل میں آنے والے خیالات کی حیثیت راہ گزر مسافر کی سی ہے، اسے منہ نہ لگایا جائے، اس سے بات چیت نہ کی جائے تو وہ خود بخود چلتا بنے گا، لیکن اگر تم اسے منہ لگاؤ گے تو تمہیں اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے لبھالے گا اور تمہیں دھوکہ دے جائے گا۔

نفس اگر فارغ، معطل اور بیکار رہتا ہے تو قلبی خیالات اور افکار اس پر بہت بری طرح حملہ کر دیتے ہیں۔ اس قلب ونفس پر ان خیالات کا حملہ دشوار ہوتا ہے جو شریف اور آسمانی ہوتے ہیں اور عالم بالا سے رشتۂ طمانیت جوڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو قسم کے نفس پیدا کیے ہیں۔ نفسِ امّارہ اور نفسِ مطمئنہ۔ یہ ہر دو نفس ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، کیونکہ نفسِ امّارہ کے لیے معمولی چیز نفسِ مطمئنہ کے لیے بھاری ہوتی ہے۔ جس چیز سے نفسِ امّارہ لذت اندوز ہوتا ہے، نفسِ مطمئنہ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ نفسِ امّارہ کے لیے یہ بہت بھاری اور انتہائی تکلیف دہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرے، اللہ تعالیٰ کو سب سے مقدم سمجھے اور خواہشات کے مقابلے میں رضائے الٰہی کو ترجیح دے، لیکن نفسِ مطمئنہ کے لیے اس سے بہتر، نفع بخش اور فرحت آگیں کوئی چیز نہیں۔ نفسِ مطمئنہ کو اس عمل سے انتہائی درجے کی تکلیف ہوتی ہے جو غیر اللہ کے لیے کیا جائے، یا خواہشات کی پیروی کی جائے۔ یہ باتیں نفسِ مطمئنہ کے حق میں سخت مضرت رساں ہیں۔

قلب کی یہ حالت ہے کہ اس کی دائیں جانب نفسِ مطمئنہ اور فرشتہ رہتا ہے، اور بائیں جانب نفسِ امّارہ اور شیطان۔ اس فرشتے اور شیطان میں ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے۔ باطل اور

فاسد اعمال شیطان اور نفسِ امارہ سے وابستہ ہوتے ہیں اور حق اور صالح عمل، فرشتے اور نفسِ مطمئنہ کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، اور زندگی بھر جانبین کی جنگ جاری رہتی ہے۔ کبھی یہ گروہ غالب رہتا ہے کبھی وہ، لیکن نصرت وظفر مندی صبر واستقامت کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ جو شخص صبر کرتا ہے، حق کی تلقین کرتا ہے، باہم ربط اور تعلقات استوار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، ایسے شخص کے لیے فلاح ونجات ضروری ہے۔ خدا کا حکم کبھی تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اس نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ انجام کار تقویٰ وپرہیز گاری کے لیے ہے، فوز وفلاح متقیوں اور پرہیز گاروں ہی کے لیے ہے۔

انسان کا قلب ایک سادہ اور بے نقش ونگار لوح ہے۔ دل میں آنے والے خیالات کے نقوش دل پر منقش ہوتے ہیں۔ جس قسم کے یہ خیالات ہوں گے، اسی قسم کے نقوش منقش ہوں گے۔ کسی عقل مند کے لیے یہ کیوں کر سزاوار ہے کہ وہ اس سادہ اور بے نقش لوح کو کذب وغرور، فریب، دھوکے اور باطل تمناؤں، فاسد آرزوؤں اور سراب نما بے حقیقت نقوش سے سیاہ کرے؟ ان باطل نقوش سے کون سی حکمت، مصلحت، کون سا علم اور کون سی ہدایت قلب پر منقش ہوسکتی ہے؟ انسان اگر چاہتا ہے کہ ان نقوش کے ساتھ علم وحکمت اور رشد وہدایت کے نقوش قلب پر منقش کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک سیاہ لوح پر علم نافع کے نقوش لکھ رہا ہے، جس سے کوئی فائدہ نہیں۔ قلب اگر افکار ردیہ سے پاک نہیں ہے تو اس میں مفید خیالات، مفید افکار جگہ ہی نہیں پاسکتے۔ پاکیزہ خیالات، مفید افکار تو پاکیزہ صاف ستھری جگہ ہی میں منقش ہوسکتے ہیں، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوى　　فصادف قلبا خاليا فتمكنا

اس کا عشق میرے پاس اس وقت آیا جب میں عشق کو پہچانتا بھی نہ تھا، اسے خالی قلب مل گیا، جہاں وہ جاگزیں ہوگیا۔

اسی بناء پر اکثر صوفیہ نے اپنے سلوک کی عمارت حفظ خیالات پر قائم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تاحدِ امکان کسی خیال کو قلب میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور قلب کو بالکل فارغ اور صاف

ستھرا رکھا جائے تا کہ قلب کشف و وجدان اور ظہور حقائق علویہ کے قابل رہے، لیکن ان صوفیہ نے اس ایک چیز کی حفاظت کرنے میں بہت سی قیمتیں چیزیں ضائع کر دیں۔

صوفیہ نے قلب کو اس قدر خالی رکھنے کی کوشش کی کہ کسی ایک خیال کو بھی جگہ نہ دی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس جگہ کو شیطان نے خالی پایا تو دوڑ پڑا اور باطل و فاسد امور کو ان چیزوں کا جامہ پہنا دیا، جنہیں یہ لوگ اعلیٰ اور اشرف سمجھتے تھے۔ ان باطل اشیاء کو خیالی، وہمی برتری والی چیزوں کا جامہ پہنا کر ان خیالات و افکار کے عوض میں لا دھرا، جو حقیقتاً علم و ہدایت کا مادہ ہے۔ قلب جب ان اچھے خیالات و افکار سے خالی رہا تو شیطان دوڑ پڑا اور صاحب قلب کے مناسب حال کوئی مشغلہ تجویز کر دیا، مشغلے کے مناسبِ حال خیالات و افکار کھڑے کر دیے اور ان میں اسے مشغول کر دیا۔

ظاہر ہے کہ ایک انسان اگر سفلی خیالات و افکار کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس میں علوی خیالات و افکار کی صلاحیت کہاں ہوگی؟ چنانچہ شیطان نے ایک ارادے سے اسے الگ کر دیا، مگر تجرید و فراغ کے ارادے میں مشغول کر دیا کہ بندہ بالکل بیکار ہو کر رہ جائے۔

درحقیقت موجبِ صلاح و فلاح وہ ارادہ ہے جو اس کے قلب پر اپنی حکومت قائم کر کے اسے عملی زندگی عطا کرے۔ یہ وہی ارادہ ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دینی و امری مراد پوری کر سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسندیدہ ہے اور اس سے اس کی رضامندی وابستہ ہے۔ وہی ہے جو قلب اور قلب کی ساری مصروفیتوں کو معرفتِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کی تفصیلات کی طرف موڑ دے۔ اللہ کی مخلوق میں اللہ کے دینی و امری احکام کے نفاذ و اجراء کی طرف اسے متوجہ کر دے۔ اس کے لیے سعی و عمل کے جذبات پیدا کر دے۔ اس طرح بندہ اپنے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کی کوشش کرے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے دینی و امری احکام نافذ کرے، لیکن شیطان نے انہیں اس راہ سے بھٹکا دیا اور کہہ دیا کہ تمہیں ان گورکھ دھندوں سے کیا واسطہ؟ اور زہد و تقشّف کی راہ کشادہ کر دی۔ دنیا اور دنیا کے اسباب سے یک لخت الگ کر کے صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا، غلط راہ پر لگا دیا اور وہمیات و خیالات کی دنیا میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ نیز کہہ دیا کہ لوگو! انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ تجرید و

فراغ کی بے عملی میں زندگی گزار دے۔ دنیا اور دنیا کے اسباب سے بندے کو کیا واسطہ؟ افسوس، صد افسوس!

انسان کا کمال یہی ہے کہ ارادت کے ذریعے اپنے قلب اور باطن کی صفائی کرے۔ دنیا والوں کی پروا نہ کرتے ہوئے پروردگارِ عالم کی رضامندی حاصل کرنے میں اپنے خیالوں اور ارادوں کو کام میں لائے۔ ان طریقوں اور راستوں پر غور و تدبر کرے جو اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ پس کامل ترین انسان وہ ہے جس کے قلبی خیالات افکار اور ارادے بے شمار ہوں، لیکن وہ صرف پروردگارِ عالم کی رضامندی کے لیے ہوں، اور ناقص ترین انسان وہ ہے جس کے قلبی خیالات و افکار اور ارادے بے شمار ہوں، مگر وہ حظِ نفس اور خواہشات کے لیے ہوں۔ واللہ المستعان

یہ دیکھیے! حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے قلبی خیالات اور افکار کس قدر کثیر و وافر اور محض رضائے الٰہی کے ماتحت ہوتے تھے۔ یہ خیالات و افکار وافر ہونے کے باوجود باہم ٹکراتے تھے۔ بعض اوقات یہ نماز کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ پر مستولی ہو جاتے تھے اور آپ نماز ہی کے دوران میں ان سے کام لیتے تھے۔ اپنی نماز میں وہ مجاہدین کا لشکر ترتیب دیتے تھے۔ اس طرح آپ ایک عبادت میں دوسری عبادت کو داخل اور شامل کر لیتے تھے۔ نماز میں جہاد کو داخل کر لیتے تھے۔ نماز بھی ادا ہو رہی ہے اور جہاد بھی ہو رہا ہے۔ اللہ اللہ! تداخل عبادت فی العبادات کی کیا بہترین صورت ہے؟ یہ عزیز و شریف دروازہ اسی کے لیے ہوتا ہے جو صادق القول اور حاذق القلب ہوتا ہے، علم و بصیرت سے آراستہ ہوتا ہے، عالی حوصلہ اور بلند ہمت ہوتا ہے۔ وہ ان امور میں اس قدر مہارت رکھتا ہے کہ ایک عبادت میں داخل اور شامل ہونے کے بعد بہت سی عبادتیں اس کے اندر کس طرح داخل کر سکتا ہے اور اس میں کس طرح وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ یہ عبادت و حذاقت محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بس۔ و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء



فصل ۸۲

زبان: گناہوں کا پُر خطر دروازہ

زبان، معاصی اور گناہوں کا پر خطر دروازہ ہے۔ اس کی حفاظت یہی ہے کہ زبان پر پورا پورا قابو رکھا جائے۔ بلاضرورت ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا جائے۔ وہی بات زبان سے ادا ہو جس میں انسان اپنا فائدہ دیکھے۔ جب کوئی شخص بات کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے غور کرلے کہ اس سے اسے فائدہ پہنچے گا یا نقصان؟ فائدہ نظر نہ آئے تو خاموشی اختیار کرلے اور اگر فائدہ ہو تو پھر سوچنا چاہیے کہ یہ بات اور یہ کلمہ زیادہ مفید رہے گا، یا کوئی دوسرا کلمہ؟ دوسرا کلمہ زیادہ سودمند ہو تو وہی زبان سے نکالے، فائدے کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔

کسی کے قلب وضمیر کا پتہ لگانا ہو تو اس کی زبان کی حرکت کو دیکھ لیجیے۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے، بات دل کا راز کھول دیتی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں:

القلب كالقدر تغلي بها وألسنتها مغارفها

قلب دیگچے کی طرح ہے، اس میں جو کچھ ہوتا ہے، جوش کھاتا ہے اور زبانیں اس کی کفگیر ہیں۔

زبان قلب کا کفگیر ہے۔ قلب میں جو کچھ شیریں، تلخ، لذیذ، خوشگوار چیز ہوگی، کفگیر پر آجائے گی۔ زبان قلب کے ذائقے کا پتہ دے گی۔ جس طرح دیگچے کا ذائقہ زبان سے چکھنے سے معلوم ہوتا ہے، اس کے قلب میں جو کچھ ہوگا، اس کا ذائقہ اس کی زبان سے معلوم ہو جائے گا، چنانچہ حضرت انسؓ کی ایک مرفوع حدیث ہے:

لا يستقيم ايمان عبد حتى يستقيم قلبه. ولا يستقيم قلبه حتى يستقيم

لسانه (مسند احمد بن حنبل ۳:۱۹۸)

جب تک بندے کا قلب درست نہ ہو، اس کا ایمان درست نہیں اور جب تک اس کی زبان درست نہ ہو، اس کا قلب درست نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگ زیادہ تر جہنم میں کس چیز کی وجہ سے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا:

الفم والفرج (ترمذی: بر) (منہ اور شرم گاہ)۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن اور صحیح کہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! وہ کون سا عمل ہے جس سے بندہ جنت میں داخل ہو اور جہنم سے بچ جائے؟ آپؐ نے خاص خاص عمودی اور اصولی چیزیں بتانے کے بعد فرمایا: ألا أخبرک بملاک ذالک کله؟ (کیا میں تمہیں ان تمام پر حاوی چیز نہ بتلا دوں؟)

حضرت معاذؓ نے عرض کیا، کیوں نہیں، ضرور بتائیں۔ آپؐ نے اپنی زبان اپنی انگلیوں سے پکڑ لی اور فرمایا: کف علیک هذا (اسے اپنے قابو میں رکھو)۔

حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کیا ہم جو بات کرتے ہیں، اس کا بھی مواخذہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

ثكلتك أمك يامعاذ! وهل يكب الناس في النار على وجوهم أو قال على مناخرهم الا حصائد ألسنتهم (ترمذی : ایمان)

معاذ! تمہاری ماں تم پر روئے، لوگ زبان ہی سے منہ کے بل جہنم میں پھینکے جاتے ہیں، یا فرمایا کہ ناک کے بل اپنی زبانوں کے کرتوت سے۔

امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

یہ کچھ عجیب بات ہے کہ انسان حرام کھانے، ظلم و زناکاری، چوری، شراب خوری اور غیر محرم عورت پر نگاہ ڈالنے سے بآسانی اپنے آپ کو بچا لیتا ہے، گناہ سے باز رہتا ہے، لیکن افسوس

کہ زبان کی حرکت سے اپنے کونہیں بچا سکتا۔ بسا اوقات ایک دیندار آدمی زہد وعبادت میں بلند پایہ رکھتا ہے، اس کی دینداری کا گھر گھر چرچا ہے، جس راستے سے گزرتا ہے، لوگ اشارے کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ تشریف لے جارہے ہیں۔ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے اسے اپنی زبان پر قابونہیں ہوتا۔نہایت بے باکی اور بے پروائی سے اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔کبھی ایسا لفظ، ایسا کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے جو اسے اس مقام سے اتنا دور پھینک دیتا ہے جس کا فاصلہ مشرق و مغرب کی طرح ہوتا ہے۔ بہت سے متورع و پرہیز گار آدمی فواحش، فسق وفجور اور ظلم وجور سے بہت دور رہتے ہیں، لیکن ان کی زبان بے سوچے سمجھے نہایت بے پروائی سے چلتی رہتی ہے۔زندوں اور مردوں کی غیبت، برائی، آبروریزی بے دھڑک کی جاتی ہے، کیا کہہ رہا ہے، کیا بک رہا ہے، اس کی پروانہیں کی جاتی۔اس قسم کی بے پروائی سے باتیں کرنے کی حقیقت معلوم کرنا ہوتو حضرت عبداللہؓ بن جندب کی روایت پڑھ لیجیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

قال رجل و اللّٰه يغفر اللّٰه لفلان. فقال اللّٰه عز وجل من ذا الذى يتألى على إنى لا أغفر لفلان. قد غفرت له و أحبطت عملك (صحيح مسلم: بر)

کسی آدمی نے کہا۔اللہ کی قسم! فلاں آدمی کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔یہ اس بات پر قسم کھانے والا کون؟ میں نے اسے بخش دیا اور تیری نیکیاں میں نے نیست ونابود کردیں۔

غور کیجیے کہ عابد، زاہد، پارسا آدمی ہے۔عبادت و طاعت سے اپنے آپ کو مزین و آراستہ کر رکھا ہے، لیکن ایک کلمے نے اس کے تمام اعمال سوخت کر دیے۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے، مگر اس میں یہ الفاظ زائد ہیں:

تكلم بكلمة أوبقت دنياه و آخرته

وہ ایسا کلمہ بول گیا جس نے اس کی دنیا اور آخرت خراب کردی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان اللّٰه لايلقي لها بالا يرفعه اللّٰه بها درجات، وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط اللّٰه، لايلقى لها بالا يهوى بها في نار جهنم (صحيح بخارى : رقاق)

بندے کے منہ سے کبھی نہایت بے پروائی سے خدا کی رضامندی کا کلمہ نکل جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بڑھا دیتا ہے، اور بندے کے منہ سے کبھی نہایت بے پروائی سے خدا کی خفگی کا کلمہ نکل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

ان العبد يتكلم بالكلمة مايتبين مافيها يهوي بها في النار أبعد ممابين المغرب والمشرق (صحيح مسلم : زهد)

بندے کے منہ سے کبھی ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس کی بدی اس پر ظاہر نہیں ہوتی، اور اس کی وجہ سے وہ جہنم کے ایسے گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی گہرائی مشرق و مغرب کے فاصلے سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت بلالؓ بن حارث مزنی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن أحدكم ليتكلم بالكلمة من رضوان اللّٰه مايظن أن تبلغ مابلغت فيكتب اللّٰه له بها رضوانه الى يوم يلقاء وإن أحدكم ليتكلم بالكلمة من سخط اللّٰه مايظن أن تبلغ مابلغت فيكتب اللّٰه له بها سخطه الى يوم يلقاه (ترمذى : زهد)

تم میں سے کوئی فرد کبھی ایسی بات اللہ کی مرضی کی بول دیتا ہے کہ اسے خود اللہ تعالیٰ کی اس رضامندی کا گمان تک نہیں ہوتا کہ اتنی رضامندی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے حق میں اپنی رضامندی لکھ دیتا ہے اور تم میں سے کوئی اللہ کی خفگی کی ایسی بات بول دیتا ہے جس کی خبر اسے نہیں ہوتی کہ وہ کہاں پہنچے گی، اور اللہ تعالیٰ

قیامت تک کے لیے اس کے حق میں اپنی خفگی لکھ دیتا ہے۔

حضرت علقمہ کہا کرتے تھے کہ بلالؓ بن حارث کی اس حدیث نے مجھے کتنی ہی باتوں سے روک دیا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی کے انتقال پر کسی نے کہا کہ تمھیں جنت کی بشارت ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أو لا تدری؟ لعله تکلم لایعنیه أو بخل بما لا ینقصه (ترمذی : زهد)

تمھیں کیا خبر؟ شاید اس نے لایعنی بات کی ہو، یا جس سے اسے کچھ کمی نہ پڑتی، اس سے اس نے بخل کیا ہو۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے کہ غزوہ احد میں ایک نوجوان شہید ہو گیا۔ اس کی لاش اس حالت میں ملی کہ اس کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ اس کی ماں نے اسے دیکھا، اس کے منہ سے مٹی پونچھنے لگی اور کہا کہ بیٹا! تمھیں جنت مبارک ہو۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما یدریک؟ لعله کان یتکلم فیما لا یعنیه و یمنع مالا یضره

تمھیں اس کا حال کیا معلوم؟ شاید اس نے کوئی غیر ضروری بات کی ہو، یا جس سے اسے نقصان نہیں پہنچتا تھا، اس سے ہاتھ روک دیا ہو۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے:

من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلیقل خیراً أو لیصمت (صحیح بخاری: ادب)

جو آدمی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے، یا خاموش رہے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فاذا شهد امرا فلیتکلم بخیر اولیسکت (صحیح مسلم: ایمان)

جو آدمی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، کسی بات کی گواہی دے تو بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔

امام ترمذی نے صحیح اسناد سے ایک حدیث بیان کی ہے:

من حسن اسلام المرء ترک مالہ یعنیہ

کسی آدمی کے اچھے مسلمان ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ لایعنی باتیں ترک کر دے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی سے مروی ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! اسلام کے بارے میں ایسی بات مجھے بتلا دیجیے کہ آپؐ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے، آپؐ نے فرمایا:

قل آمنت باللّٰہ ثم استقم (کہو! میں اللہ پر ایمان لایا، پھر تم اس پر مستقیم رہو)۔

میں نے عرض کیا کہ میری نسبت کس چیز کا خوف ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا، ھذا، یعنی اس زبان کا خوف ہے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كل كلام ابن آدم عليه، إلا أمر بالمعروف أونهى عن المنكر أو ذكر اللّٰه عزوجل (ترمذی : زهد)

آدمی کی ہر بات اس پر بوجھ ہے، سودمند نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اچھی بات کا حکم کرے اور بری بات سے روکے اور اللہ عز وجل کا ذکر کرے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث سناتے ہیں:

إذا أصبح العبد فان الأعضاء كلها تكفر اللسان، تقول: إتق اللّٰه، فانما نحن بك، فاذا استقمت استقمنا، وإن اعوججت اعوججنا (ترمذی: زهد)

بندہ جب صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء اس کی زبان سے پناہ مانگتے ہیں۔ کہتے ہیں اللہ سے ڈر! ہمارا انجام تیرے ہاتھ میں ہے، تو سیدھی ہے تو ہم سیدھے ہیں، تو ٹیڑھی ہے تو ہم ٹیڑھے ہیں۔

بہت سے بزرگانِ سلف کا معمول تھا کہ وہ اپنی سردی گرمی کے دنوں میں حساب رکھا کرتے تھے کہ کتنے نیک کام ان سے ہوئے اور کتنے برے۔

بعض اکابر اہلِ علم کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا معاملہ پیش آیا؟ ایک نے جواب دیا کہ صرف ایک بات کی وجہ سے میں معلق ہوں۔ میرے منہ سے نکل گیا تھا کہ بارش کی ضرورت کسے تھی؟ اس پر مجھے کہا گیا کہ کیا سمجھ کر تم نے یہ کہا تھا؟ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو میں خود ہی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

صحابہؓ میں سے کسی نے اپنے خادم سے کہا کہ دستر خوان لاؤ! کچھ اس کے ساتھ بھی کھیل کرلیں۔ اس کے بعد ہی کہنے لگے۔ أستغفر الله۔ میں بغیر نکیل اور لگام کے کبھی بات نہیں کرتا، آج کیا ہو گیا جو ایسا ہو گیا، میری زبان بے نکیل اور بے لگام ہو گئی۔ پھر کہنے لگے کہ انسان کے اعضاء کی حرکتوں میں سب سے بری اور ضرر رساں حرکت زبان کی حرکت ہے۔

علمائے سلف و خلف کا اس بارے میں بہت اختلاف ہے کہ آیا انسان کی تمام باتیں لکھی جاتی ہیں، یا صرف خیر و شر کی باتیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ تمام باتیں لکھی جاتی ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ صرف خیر و شر کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ بہ ظاہر تو پہلا قول ہی صحیح ہے۔

بعض سلف کا کہنا ہے کہ انسان کا ہر لفظ اس پر بوجھ ہے، اس کے لیے سودمند نہیں ہے سوائے ذکرِ خداوندی کے، یا جو ذکرِ خداوندی کے قریب قریب ہو(۱)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اکثر اپنی زبان پکڑتے اور کہتے: **هذا اوردني الموارد** (اس نے مجھے بہت سی مصیبتوں میں ڈالا ہے)۔

ظاہر ہے کہ گفتگو اور بات چیت تمہاری اسیر ہے، لیکن جب منہ سے یہ نکل جائے تو تم اس کے اسیر بن جاتے ہو، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آدمی کی زبان کے ساتھ ہی اللہ ہوتا ہے۔

ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد (قٓ ۵۰:۱۸)

جو کوئی زبان سے بات نکالتا ہے، اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے۔

انسان کی زبان میں دو آفتیں لازمی ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی رستگاری اور

---

(۱) اسے یہاں سلف کا قول کہا گیا ہے، لیکن یہ حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ سے روایت کی گئی حدیث ہے۔

گلوخلاصی ناممکن ہے۔ یہ دونوں آفتیں اپنی جگہ بہت خطرناک ہیں، ایک بات کرنے کی آفت اور دوسری خاموشی کی آفت۔ یہ دونوں ایک دوسری سے بری ہیں۔ کوئی زبان اگر حق بات سے خاموشی اختیار کرتی ہے تو انسان کو گونگا شیطان بننا پڑتا ہے اور وہ اللہ کا نافرمان بندہ بن جاتا ہے، ریاکار و مداہن ہو جاتا ہے۔ باطل اور بے ہودہ بات کرنے والا ناطق شیطان ہے، اللہ کا نافرمان ہے، لیکن افسوس کہ اللہ کی زیادہ تر مخلوق بولنے اور خاموشی کے بارے میں سیدھی راہ سے ہٹ چکی ہے۔ صراطِ مستقیم، سیدھی راہ یہی ہے کہ درمیانی راہ اختیار کی جائے۔ انسان اپنی زبان کو باطل، ناحق، ناروا بات سے روک لے اور وہی بات کرے، جس سے آخرت کا فائدہ ہو۔ کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے آخرت خراب ہو۔ آخرت میں نقصان پہنچانے والی بات کبھی زبان پر نہ لائی جائے، کیونکہ اللہ کے بہت سے بندے قیامت کے دن اللہ کے حضور پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر حاضر ہوں گے، مگر ان کی بے لگامی نیکیوں کے ان پہاڑوں کو منہدم کر دے گی۔ بہت سے بندے گناہوں کے پہاڑ لے کر حاضر ہوں گے، لیکن ان کی زبانیں اکثر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں، اس لیے گناہوں کے یہ تمام پہاڑ منہدم ہو کر رہ جائیں گے۔



فصل ۸۳

مباح خطوات: تقرب الی اللہ کا ذریعہ

خطوات، یعنی چلنے پھرنے، قدم اٹھانے اور رکھنے کی حفاظت یہ ہے کہ بندہ اسی جگہ قدم اٹھائے اور رکھے جہاں اسے عنداللہ ثواب کی امید ہو۔ قدم اٹھانے میں اگر ثواب نہیں دیکھتا، یا مزید ثواب کی امید نہیں رکھتا تو اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ ایک جگہ بیٹھا رہے۔

بندے کے لیے بہت ممکن ہے کہ اپنے مباح اور جائز قدم کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا لے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک قدم کے لیے جنابِ باری میں ثواب وتقرب کی نیت کر لے۔ اس طرح بندے کا ہر ہر قدم تقرب الٰہی کا موجب ہوگا۔ اس طریقے سے اس کی روزمرہ کی معمولی اور مباح چیزیں بھی اس کے حق میں طاعات وعبادات بن سکتی ہیں۔ بندہ اگر اپنے معمولی اور مباح امور میں ثواب وتقرب کی نیت کر لے تو اس کے تمام عادتی اور مباح امور ثواب وتقرب کا موجب بن سکتے ہیں۔

بندے کی اکثر وبیشتر لغزشیں چونکہ قدم اور زبان سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان دو کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے:

وعبادالرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الفرقان ۲۵:۶۳)

رحمٰن کے بندے وہ لوگ ہیں، جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بات کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہہ دیتے ہیں۔

اس آیت میں یہ دو چیزیں اسی طرح ایک ساتھ بیان کی گئی ہیں جس طرح لحظات اور

خطرات کو اس آیت میں ایک ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

یعلم خائنة الأعین وما تخفی الصدور (المؤمن ۴۰: ۱۹)

اللہ خائن آنکھوں کو اور جو کچھ سینوں میں مخفی ہے، جانتا ہے۔



فصل ۸۴

تحریمِ فواحش اور حفظِ عصمت کا وجوب

تحریمِ فواحش اور حفظِ عصمت کے وجوب وغیرہ کے بارے میں اب تک کے امور بطور مقدمہ اور تمہید پیش کیے گئے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أكثر ما يدخل الناس الفم والفرج (ترمذی : بر)

اکثر لوگوں کو منہ اور شرم گاہ جہنم میں لے جائے گی۔

صحیحین میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا يحل دم امرىء مسلم إلا باحدى ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة (صحيح بخاری: ديات)

مسلم کا خون تین باتوں میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں۔ شادی شدہ زانی، یا جان کے بدلے میں جان، یا وہ جو دین چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔

جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زنا کو کفر اور قتلِ نفس کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ بعینہ اس آیت کی نظیر ومثال ہے جو سورۃ فرقان میں وارد ہے اور بعینہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کی نظیر ومثال ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے وہ گناہ پیش فرمایا جو کثیر الوقوع ہے۔ اس کے بعد وہ گناہ بیان کیا جو اس سے کم وقوع میں آتا ہے، چنانچہ باعتبار قتلِ نفس کے زنا کا وقوع زیادہ ہے، اس لیے زنا کو پہلے بیان کیا اور بمقابلہ ارتداد کے، قتل کا وقوع زیادہ ہے، اس لیے ارتداد سے پہلے قتلِ نفس کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بات بھی ہے کہ ایک کبیرہ گناہ کے بعد دوسرے کبیرہ گناہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ہر پہلا گناہ اگلے گناہ سے بڑا ہے جس کے مفاسد پہلے سے زیادہ ہیں۔

زنا کے مفاسد اور خرابیاں، صلاحِ عالم اور فلاحِ دنیا کے سراسر خلاف اور متناقض ہیں، کیونکہ جب کوئی عورت زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو وہ اپنے سارے کنبے اور قرابت داروں، ماں باپ، بھائی بہنوں کے لیے موجبِ عار بن جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے سارے گھرانے اور کنبے والوں کے سر نیچے ہو جاتے ہیں۔ کہیں اگر وہ زنا سے حاملہ ہوگئی تو پھر اس کی عار کی انتہا نہیں رہتی۔ اگر وہ عار کی وجہ سے اپنے حمل کو مار دیتی ہے تو زنا اور قتلِ نفس دو گناہوں کا ارتکاب کرتی ہے۔ حمل باقی رہ جائے تو شوہر پر بلاوجہ تھوپا جاتا ہے اور اجنبی کے نطفے کو اپنے اور اپنے شوہر کے کنبے سے جوڑ دیتی ہے جو قطعاً اس کنبے سے الگ ہے اور پھر وہ اسے ان کا وارث اور حقدار بنا دیتی ہے، حالانکہ وہ غیر ہے، انہی میں رہتا ہے اور انہی میں پرورش پاتا ہے اور انہی کے نسب و خاندان میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں عورت کے زنا سے وابستہ ہیں۔

مرد زنا کار ہے تو اس سے بھی اختلاطِ نسب واقع ہوتا ہے۔ محفوظ و مامون عورت کو خراب اور تباہ و برباد کرنے کا موجب اور سبب بنتا ہے۔ غریب عورت کو اتلاف و بربادی کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

پس اس کبیرہ گناہ سے دین و دنیا دونوں ہی خراب و برباد ہو جاتے ہیں اور برزخ اور آخرت میں آگ کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ زنا وہ کبیرہ گناہ ہے کہ بے شمار محرماتِ الٰہیہ حلال کر لی جاتی ہیں، بے شمار حقوق فوت ہو جاتے ہیں اور بے شمار مظالم اس کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

زنا کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ فقر و مذلت زانی کے لیے لازم ہو جاتی ہے، زانی کی عمر کوتاہ ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں میں عموماً روسیاہ ہو جاتا ہے۔

یہ بھی زنا کی خاصیت ہے کہ زانی کا قلب مضطرب اور منتشر ہو جاتا ہے۔ اس کا قلب موت کے گھاٹ نہیں اترتا تو کم از کم بیمار اور مریض ہو جاتا ہے اور حزن و غم اور خوف و ہراس کا مخزن ضرور بن جاتا ہے، خدائے مالک الملک اسے فرشتوں سے دور پھینک دیتا ہے اور شیطان کے قریب، بلکہ شیطان کی گود میں بٹھا دیتا ہے۔ غرض قتل و خون ریزی کے مفسدے کے بعد زنا

کے مفاسد سے بڑھ کر کوئی مفسدہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زانی کے لیے بدترین اور رسوا کن طریقِ قتل کی سزا تجویز فرمائی ہے۔

زنا تکلیف دہ برائی ہے۔ کسی سے کہا جائے کہ تمہاری بیوی نے خودکشی کر لی تو اسے سخت صدمہ ہوگا، لیکن اگر اسے یہ کہہ دیا جائے کہ اس نے فلاں کے ساتھ زنا کیا تو اسے خودکشی کرنے سے لاکھوں درجے بڑا صدمہ ہوگا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی ایک روایت ہے:

لو رأيت رجلاً مع امرأتي لضربته بالسيف غير مصفح

اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھ پاؤں تو آڑی تلوار سے اسے قتل کردوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعدؓ کی اس بات کی خبر ہوئی تو آپؐ فرمانے لگے:

أتعجبون من غيرة سعد؟ والله لأنا أغير منه والله أغير مني، ومن أجل غيرة الله حرم الفواحش ماظهر منها وما بطن (صحيح بخاری: نکاح)

کیا تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب ہو رہا ہے؟ اللہ کی قسم میں سعد سے زیادہ غیور ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے، اور اس غیرت ہی کی وجہ سے اللہ نے ظاہری و باطنی فواحش کو حرام گردانا ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا:

إن الله يغار وإن المؤمن يغار. وغيرة الله أن يأتي العبد ماحرم عليه (صحيح مسلم : توبه)

اللہ تعالیٰ غیور ہے اور مومن غیور ہے، اور بندہ جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے۔

صحیحین میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاأحد أغير من الله من أجل ذالک حرم الفواحش ماظهر منها وما بطن. ولا أحد أحب اليه العذر من الله. من أجل ذالک أرسل الرسل مبشرين و منذرين. ولا أحد أحب اليه المدح من الله. ومن أجل ذالک

أثنى على نفسه (صحيح بخاری : کسوف)

اللہ سے زیادہ کوئی غیور نہیں، اس لیے اس نے ظاہری و باطنی فواحش کو حرام گردانا ہے اور اللہ سے زیادہ عذر و معذرت کو پسند کرنے والا کوئی نہیں، اسی لیے اس نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول و پیغمبر بھیجے، اور اللہ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں، اور اسی لیے اللہ نے خود اپنی تعریف کی ہے:

يا أمة محمد. والله إنه لا أحد أغير من الله. أن يزني عبده أو تزني أمته يا أمة محمد. والله لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا (صحيح مسلم : کسوف)

اے محمد کی امت! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کاری کرے۔ اے محمد کی امت! اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں تم جان لو تو تم ہنسنا کم کر دو، بہت زیادہ رویا کرو۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اللّٰهم هل بلغت (اے اللہ! تو گواہ ہے میں نے تیرا دین پہنچا دیا)۔

سورج گرہن کی نماز کے بعد خطبے میں اس کبیرہ گناہ کا ذکر خاص معنی رکھتا ہے اور غور و تأمل کرنے والوں کے لیے اس میں عجیب و غریب اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔

زنا کی کثرت تباہی عالم کی بڑی نشانی ہے، نیز زنا کی کثرت قیامت کی نشانیوں میں ایک بڑی نشانی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں، جو شاید میرے بعد تمہیں کوئی نہیں سنائے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

من أشراط الساعة أن يرفع العلم، ويظهر الجهل، ويشرب الخمر، ويظهر الزنا، ويقل الرجال، وتكثر النساء حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد (صحيح بخاری : فتن)

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت بڑھ جائے گی۔ شراب خوب پی جائے گی اور زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ عورتوں کی اس قدر کثرت ہو جائے گی کہ ایک مرد پچاس پچاس عورتوں کا بار اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ عادت اور سنتِ مستمرہ رہی ہے کہ زنا کی کثرت ہو جائے تو اس کا غضب و غصہ تیز ہو جاتا ہے، اور جب اس کا غضب و غصہ تیز ہو جاتا ہے تو اس کے غضب و ناراضگی کے آثار زمین پر بصورت عقوبت و عذاب ظاہر ہونے لگتے ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں:

ما ظهر الربا و الزنا في قرية الا أذن الله باهلا كها

جب کسی قریے اور آبادی میں سود خوری اور زنا کاری کی کثرت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کے متعلق وارد ہے کہ اس کا لڑکا کسی عورت سے آنکھیں لڑانے لگا۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ خوب بیٹے خوب! اور اسی وقت وہ سر کے بل تخت سے نیچے گرا، اس کی شہ رگ پھٹ گئی اور اس کی بیوی بھی اسی طرح گر پڑی۔ اس کے بعد اس سے خطاب کیا گیا کہ تم جیسے لوگوں میں کبھی خیر و برکت نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے زنا کی حد کو دوسری حدود کے مقابلے میں تین خصوصیتوں سے ممتاز گردانا ہے۔ ایک یہ کہ زنا کی حد کا طریقہ نہایت ذلت آمیز اور رسوا کن مقرر فرمایا کہ لوگوں کے اجتماع میں زانی محصن کو سنگسار کیا جائے، اور جن صورتوں میں زنا کی عقوبت و سزا کم رکھی ہے، وہاں بھی جسمانی اور قلبی سزا تجویز کی گئی کہ جسم پر کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے اسے جلاوطن کر دیا جائے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ زنا کی سزا جو دین و شرع نے مقرر کی ہے، اس میں کسی قسم کی رحم دلی اور رأفتِ قلبی نہ برتی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی حد کے اجراء میں رحم دلی رکاوٹ نہ ڈالے، کیونکہ

حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ عقوبت وسزا عین اپنی رحمت ورأفت کی بناء پر ہی شروع فرمائی ہے، وہ ارحم الراحمین ہے۔ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ باوجود اس کے، اس کی رحمت اس عقوبت وسزا کو نہیں روکتی۔ پس اگر تمہارے قلوب میں بھی رحمت ورأفت کا جذبہ ہو تو اس کے فرمان کے نفاذ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالو۔ یہ بات اگرچہ ہمہ قسم کی حدود میں ہونی چاہیے، لیکن زنا کی حد میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ یہاں اس کے ذکر کی سخت ضرورت تھی۔ لوگ اس لیے عموماً چوروں، ڈاکوؤں اور تہمت لگانے والوں، شراب خوروں کے خلاف جو خفگی، ناراضی، غصہ اور نفرت رکھتے ہیں، وہ زانی کے خلاف نہیں رکھتے، بلکہ زانی پر جس قدر رحم ورأفت ان کے دلوں میں ہوتی ہے، اتنی دوسرے جرائم کے ارتکاب کرنے والوں پر نہیں ہوتی۔ روزمرہ کے واقعات وشواہد اس کی بیّن دلیل ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پرزور طریقے سے منع فرمادیا کہ اس بارے میں رحم ورأفت کو قطعاً جگہ نہ دی جائے کہ حدودِ الٰہی معطل ہو کر رہ جائیں۔

زنا کے متعلق یہ خصوصیت کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ زنا کا ارتکاب شرفاء سے بھی ہوتا ہے، اور متوسط طبقے اور ادنیٰ طبقے کے لوگوں سے بھی۔

زنا کے دواعی واسباب بہت سے ہیں، لیکن سب سے بڑا سبب عشق ہے۔ انسانی قلوب جبلی اور طبعی طور پر عاشق پر رحم کرنا پسند کرتے ہیں، بلکہ بہت سے لوگ تو عاشق کی امداد واعانت کو طاعت وثواب سمجھتے ہیں۔ معشوق کی صورت دیکھنا حرام ہے، لیکن پھر بھی یہ چیز عام طور پر مکروہ نہیں سمجھی جاتی، اور جذبۂ عشق تو وہ چیز ہے کہ مختلف قسم کے چوپایوں تک میں پایا جاتا ہے۔ محبت و عشق کے بے شمار واقعات ہم لوگوں کی زبانی سن چکے ہیں اور یہ روگ اکثر وبیشتر ان لوگوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جو عقل ودین سے بے بہرہ ہوتے ہیں، خصوصاً خدام، نوکروں چاکروں اور عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہوا کرتا ہے۔

زنا عموماً طرفین کی رضامندی سے سرزد ہوتا ہے۔ ظلم وعدوان اور جبر سے شاذ ونادر ہی اس گناہ کا صدور ہوتا ہے۔ ہر انسان میں غلبۂ شہوت عموماً موجود ہوتا ہے اور یہ غلبہ ایک خاص قسم کا تصور پیدا کرتا ہے، اس کے قلب میں عاشق کے لیے رحمت ورأفت کے جذبات پیدا کرتا ہے،

جس کی وجہ سے وہ یہی چاہتا ہے کہ ایک مستحقِ حدوسزا اس حداور سزا سے کسی نہ کسی طرح بچ جائے تو بہتر ہے، حالانکہ یہ بات ضعفِ ایمان کی دلیل ہے۔ کمالِ ایمان اور قوتِ ایمانی تو یہ ہے کہ حکمِ الٰہی کے نفاذ میں وہ قوی تر اور دلیر ہو اور وہ کام کرے جس کے کرنے میں مجرم کے لیے آخرت کی رحمت اترے اور یہ رحمت پروردگارِ عالم کے منشاء کے عین مطابق ہو۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ زانی اور زانیہ پر مسلمانوں کے عام اجتماع میں حد جاری کی جاتی ہے، تنہائی میں نہیں۔ اور یہ مصلحت حدود اور حکمتِ زجر و توبیخ کے عین مطابق ہے۔

محصن زانی کی حد قومِ لوط کی سزا سے مشتق و ماخوذ ہے۔ اللہ نے اس قوم کو اوپر سے پتھر برسا کر ختم کر دیا تھا، اس لیے کہ زنا اور لواطت فحش اور فساد و خرابی میں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں مخلوق اور امرِ الٰہی کی حکمت و مصلحت کے خلاف ہیں۔ لواطت میں وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کا احصاء و شمار مشکل ہے۔

مفعول کو قتل کر دینا، مفعول کے حق میں عین خیر اور بھلائی ہے۔ اس کے ساتھ رعایت کرنا اس کی خیر اور بھلائی کے خلاف ہے۔ مفعول کے اندر لواطت سے وہ مفاسد اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کے بعد اس کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ خیر اور بھلائی کی تمام راہیں اس کے لیے مسدود ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی زمین اس کے منہ اور پیشانی سے شرم و حیا کا سارا پانی اور جوہر جذب کر لیتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس قدر بے حیا و بے شرم بن جاتا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ سے شرماتا ہے، اور نہ اس کی مخلوق سے، اور فاعل کا نطفہ اس کے اندر پہنچ کر زہر کا کام کرتا ہے۔

یہ مسئلہ کہ مفعول جنت میں داخل ہوگا یا نہیں؟ اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ یہ دو قول میں نے اپنے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنے ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مفعول جنت میں داخل نہیں ہوگا، وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يدخل الجنة ولد الزنا (ولدِ زنا جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔

جب ولدِ زنا جنت میں داخل ہونے کا حقدار نہیں رہتا، حالانکہ اس کا کوئی گناہ نہیں تو پھر مفعول کس طرح جنت کا حق دار رہے گا؟ ولد الزنا کے اندر عیب ہے تو یہی کہ شر و خباثت کا خطرہ ہے اور اس سے خیر و فلاح کی امید نہیں، کیونکہ یہ خبیث نطفے کی پیداوار ہے اور وہ جسم جو حرام غذا سے پرورش پاتا ہے، اس کے لیے جب جہنم بہتر سمجھی گئی تو وہ جسم جو نطفۂ حرام سے پیدا ہوا ہے، اس کا بھی یہی حال ہونا چاہیے۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ لوطی مفعول ولد الزنا سے بھی بدتر، ذلیل و خوار اور خبیث و ناپاک ہے۔ اس سے کسی خیر و فلاح کی امید نہیں ہے۔ اس کا یہ فعل اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ لوطی مفعول، اگر کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر کچھ ایسے رخنے پیدا کر دیتا ہے جس سے اس کا عمل فاسد، باطل اور ردی ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بھی اس کے عملِ بد کی سزا کے طور پر کیا جاتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی کو بچپن میں یہ بیماری لاحق ہو گئی، اور بڑا ہونے کے بعد وہ سیدھی راہ پر آ گیا، بلکہ بڑا ہونے کے بعد وہ بچپن سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔ اسے نہ نیک عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے، نہ علمِ نافع کی اور نہ توبۂ نصوح کی۔

اصل مسئلے کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اس مرض و مصیبت میں مبتلا ہو گیا، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اور اللہ نے اسے توبۂ نصوح کی توفیق بخشی، نیک اعمال کی توفیق عطا کی اور بچپن کی بری خصلت کو بڑا ہونے کے بعد اس نے ترک کر دیا، برائیوں کو نیکیوں سے دھو ڈالا، طاعات، عبادات اور تقربِ خداوندی کے وسائل و ذرائع اختیار کر کے پچھلی بدعملیوں اور بدکرداریوں کو صاف کر دیا اور حرام سے آنکھیں بند کر لیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ درست کر لیا تو ایسے شخص کے لیے مغفرت و بخشش ضروری ہے، وہ جنتی ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

توبہ کرنے سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ توبہ سے شرک تک معاف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کرنے کا گناہ بھی۔ کفر و جادو کا گناہ بھی

توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو پھر یہ گناہ توبہ سے معاف کیوں نہ ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت عدل و فضل ہی پر قائم ہے۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب له

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے، گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ ضمانت دیتا ہے کہ جو آدمی شرک وکفر، قتلِ نفس، زنا وغیرہ سے توبہ کرے گا، اس کے گناہ اور برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی جائیں گی۔ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کر لے۔ گناہ کسی قسم کے بھی ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل یا عبادی الذین أسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة اللّٰه إن اللّٰه یغفر الذنوب جمیعا إنه هو الغفور الرحیم (الزمر ۳۹: ۵۳)

کہہ دو، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے۔ تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تمام گناہوں کو یقیناً بخش دے گا۔ وہ واقعی غفور رحیم ہے۔

آیت کے عموم سے کوئی ایک گناہ بھی خارج نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ حکم خاص توبہ کرنے والوں ہی کے حق میں ہے۔

ایسا آدمی جسے بچپن میں مفعولیت کی عادت پڑ جائے، اور بڑا ہونے کے بعد بچپن سے زیادہ خراب ہو جائے، اسے توبۂ نصوح اور عملِ صالح کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ ایسا آدمی اپنے مأ فات کی تلافی بھی نہیں کر سکتا، اور جو جوہر اس سے فنا ہو چکا ہے، اسے نہ پھر واپس لا سکتا ہے، اور نہ وہ اپنی برائیوں کو خیر و بھلائی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس قسم کے انسانوں سے بہت بعید ہے کہ موت کے وقت انہیں ایسے کام کی توفیق نصیب ہو جس سے وہ جنت کے حقدار بن سکیں۔ یہ بھی مفعول کے اعمالِ بد اور کردارِ خبیث کی عقوبت و سزا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی سزا گناہوں کے ذریعے ہی دیتا ہے۔ گناہوں پر گناہ جب بڑھتے جاتے ہیں تو عقوبتوں پر عقوبتوں کا بار بھی بڑھتا جاتا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا جاتا ہے اور بے شمار نیکیاں جمع ہو جاتی ہیں۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ عالمِ نزع میں حسنِ خاتمہ اور انسان کے درمیان بدعملیاں اور گناہ بطور عقوبت وسزا حائل ہو جاتے ہیں، اور انہی گناہوں کی وجہ سے انسان کو خاتمہ بالخیر کی توفیق نصیب نہیں ہونے پاتی۔ حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ کہتے ہیں کہ سوءِ خاتمہ، أعاذنا الله منها کے بہت سے اسباب، طریقے اور بہت سے دروازے ہیں۔ بڑے سے بڑا سبب، طریقہ اور دروازہ یہ ہے کہ انسان دنیا، طلبِ دنیا اور حرصِ دنیا میں خود مستغرق ہو جائے، آخرت کی جانب سے کلیتہً اعراض کر لے، اور معاصی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بے دھڑک اقدام کرتا چلا جائے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر مختلف قسم کے گناہ اور مختلف قسم کی نافرمانیاں غالب آ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اعراض وغفلت، معاصی وگناہ کی جانب جرأت واقدام کا حصہ غالب آ جاتا ہے۔ ان کے قلب پر یہ امور غالب آ جاتے ہیں، قلب کے مالک بن جاتے ہیں اور عقل و بصیرت کو اسیر وغلام بنا لیتے ہیں۔ انوار ملکی کی قندیلیں بجھ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب بڑھنے کی راہوں میں دیواریں حائل ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے نہ کوئی تذکرہ، اور نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے، نہ کسی موعظت سے نور اور روشنی حاصل ہوتی ہے۔ بسا اوقات اسی حالت میں موت کا پنجہ آ دبوچتا ہے اور کچھ دور سے موت کی صدا بھی کانوں تک پہنچ جاتی ہے، لیکن اب اسے نہ تو اپنے مقصد وارادہ کا پتہ چلتا ہے، نہ راہِ مقصد کا سراغ ملتا ہے۔ اس وقت اگرچہ اللہ کا داعی بار بار اسے مقصد اور راہِ مقصد کی طرف دعوت دیتا ہے، لیکن سب بے سود اور بیکار رہوتا ہے۔

حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ کہتے ہیں کہ مجھے الناصر کے بعض خواص نے یہ کہا ہے کہ جب الناصر حالت نزع میں تھا، اس کا بیٹا اس کے سرہانے بیٹھ کر کہنے لگا لاالٰه الا الله پڑھیے۔ الناصر نے اس کے جواب میں کہا۔ مولای (میرا غلام کہاں ہے؟)! لڑکے نے پھر اس کی تلقین کی، لیکن الناصر نے وہی جواب دیا۔ اس کے بعد اس پر غشی طاری ہوگئی، پھر کچھ ہوش آیا تو الناصر کے منہ سے وہی جملہ نکلا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے فلاں! الناصر تجھے تیری تلوار کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ اٹھ اور اسے جلد سے جلد قتل کر دے۔ یہ کہتے ہوئے الناصر نے جان دے دی۔

حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ کہتے ہیں کہ ایک اور شخص جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں، حالت نزع میں اس سے کہا گیا کہ لاالـه الا اللّٰه کہو، اس کے جواب میں وہ کہنے لگا۔ فلاں مکان اس طرح آراستہ کرو، فلاں باغ اس طرح درست کرو۔

حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ ہی کہتے ہیں کہ ابوطاہر السلفی نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک شخص حالتِ نزع میں تھا۔ اسے کلمہ لاالـه الا اللّٰه کی تلقین کی گئی تو وہ فارسی میں کہنے لگا، دہ، یازدہ (دس، گیارہ) ایک اور آدمی سے کہا گیا تو وہ کہنے لگا کہ ''حمام منجاب کا راستہ کدھر ہے''۔

حمام منجاب کا قصہ عجیب و غریب ہے۔ ایک شخص اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ اس کے گھر کا دروازہ ایسا ہی تھا جیسا حمامِ منجاب کا۔ اس وقت ایک لڑکی وہاں سے گزری اور اس نے اس سے پوچھا کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر ہے؟ اس نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حمام منجاب یہ ہے۔ یہ لڑکی اس گھر میں داخل ہوگئی۔ پیچھے پیچھے وہ بھی پہنچ گیا۔ لڑکی نے اندر جا کر دیکھا کہ یہ حمام منجاب نہیں ہے، بلکہ اس شخص کا گھر ہے اور اس نے اسے دھوکہ دیا ہے۔ فوراً لڑکی نے اسے جھانسا دینے کی کوشش شروع کردی، مسرت کا نہایت گرم جوشی سے اظہار کیا اور کہنے لگی کہ ہم دونوں بڑے خوش نصیب ہیں جو اس طرح یہاں جمع ہو گئے۔ پھر اس نے اسے دھوکہ دے کر بھاگ نکلنے کی تدبیر نکالی۔ کہنے لگی کہ موقع تو خوب ملا ہے، کیا اچھا ہو کہ اگر اس وقت ہماری مسرتوں میں اضافہ کرنے والی چیزیں بھی موجود ہوتیں۔ اس نے کہا: اچھا جو کچھ تم کہو، ابھی مہیا کر دوں۔ یہ کہہ کر اسے تنہا مکان میں چھوڑا اور بازار کی طرف دوڑا۔ جاتے ہوئے دروازے کو کنڈی اور قفل بھی لگانا بھول گیا۔ بازار سے لوٹا تو دیکھا کہ لڑکی ندارد۔ بغیر کسی قسم کی خیانت کے وہ لڑکی اپنی عصمت کو نہایت خوبصورتی سے بچالے گئی تھی۔ یہ دیکھ کر اس شخص پر سکتہ طاری ہوگیا اور اب وہ اسی کی یاد میں اپنا سارا وقت گزارنے لگا۔ راستوں میں، بازاروں میں، گلی کوچوں میں گھومتا اور یہ شعر پڑھتا رہتا:

یارب قائلة یوماً وقد تعبت أین الطریق الی حمام منجاب؟

اے وہ جو تھکی ہاری تھی اور کہہ رہی تھی کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر کو ہے؟

ایک مرتبہ وہ یہی شعر پڑھ رہا تھا کہ اس کی ایک باندی نے قریب کی کھڑکی سے یہ شعر پڑھا:

هل لاجعلت سريعاً اذا ظفرت بها حرزاً على الدار أو قفلا على الباب

جب تو اس پر کامیاب ہو گیا تو تو نے جلد سے جلد اسے گھر میں محفوظ کیوں نہ کر لیا، اور دروازے پر تالا کیوں نہ چڑھا دیا۔

باندی کے اس شعر نے اس کے دل میں رنج و غم اور صدمے کی آگ بھڑکا دی، اس میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی اور وہ بالکل پاگل سا ہو گیا۔ ہر طرف دیوانہ وار گھومتا پھرا اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ موت کے وقت اس کے منہ سے جو الفاظ بار بار نکلتے رہے، وہ یہی شعر تھا۔

حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک آدمی پر عاشق ہو گیا۔ عشق نے بیماری کی شکل اختیار کر لی تو وہ بالآخر صاحب فراش ہو گیا۔ معشوق کا حال یہ تھا کہ عاشق سے سخت نفرت کرتا اور اس سے دور بھاگتا تھا۔ بعض لوگوں نے کوشش کی کہ اس کا معشوق ایک مرتبہ اس کے پاس آ جائے تاکہ اسے بیماری سے کچھ افاقہ حاصل کر سکے۔ معشوق نے وعدہ کر لیا اور اسے خبر دی کہ وہ عیادت کے لیے آئے گا۔ اسے اس خبر سے بہت خوشی ہوئی، رنج و غم کچھ کم ہو گیا، لیکن پھر وہ آدمی آیا اور اس نے خبر دی کہ فلاں راستے تک وہ میرے ساتھ آیا اور کہنے لگا کہ اس نے مجھے رسوا اور بدنام کر دیا ہے، ہر جگہ میرا نام لیتا رہتا ہے، اس لیے میں نہیں آ سکتا۔ میں نے باوجودیکہ سخت اصرار کیا، لیکن وہ واپس چلا گیا۔ یہ سن کر وہ اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور موت کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ اس حالت میں اس کے منہ سے بار بار یہ شعر نکلنے لگے:

أسلم يا راحة العليل ويا شفاء المدنف النحيل

اے بیمار کی راحت! اور اے حقیر و نحیف کی شفا! میں تجھ پر سلامتی بھیجتا ہوں۔

رضاک أشهى الى فؤادي من رحمة الخالق الجليل

میرے دل میں تیری رضامندی خالقِ جلیل کی رحمت سے بھی زیادہ مرغوب ہے۔

سننے والے نے کہا کہ اے شخص! یہ کیا بک رہا ہے، ذرا خدا سے ڈر! اس نے جواب دیا کہ

یہ تو ہو چکا ہے۔ یہ سن کر وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور گھر کے دروازے سے باہر نکلا تھا کہ مرنے کی آواز آنے لگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سوئے عاقبت اور برے انجام اور منحوس خاتمے سے محفوظ رکھے۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ ساری رات روتے رہے۔ صبح کسی نے آپ سے پوچھا کہ گناہوں کی وجہ سے آپ اس قدر روتے ہیں؟ حضرت سفیان ثوریؒ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کہ گناہ تو اس تنکے جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں برے خاتمے اور سوئے انجام سے ڈر رہا ہوں۔

حقیقتاً، یہ ہے اعلیٰ تفقہ فی الدین اور معرفتِ حق، بندہ ڈرتا ہے کہ موت کے وقت کہیں اس کے گناہ اسے دھوکہ نہ دے جائیں، اور حسنِ خاتمہ اور انجام بالخیر کے درمیان گناہ اور معاصی حائل ہو کر خاتمہ بالخیر کے درمیان دیوار نہ بن جائیں۔

حضرت امام احمدؒ بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداؓ پر حالتِ نزع میں کچھ بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو یہ آیت ان کی زبان پر جاری ہوگئی:

ونقلب أفدتهم و أبصارهم كما لم يؤمنوا به أول مرة و نذرهم في طغيانهم يعمهون (الانعام ٦: ١١٠)

اور ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں پلٹ دیں گے، جیسا کہ پہلی بار وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

بزرگانِ سلف کا یہ عام دستور تھا کہ گناہوں سے اس لیے ڈرتے اور بچتے تھے کہ کہیں گناہ اور خاتمہ بالخیر، انجام بالخیر کی راہ میں دیوار نہ بن جائیں۔

حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برے خاتمے سے محفوظ رکھے۔ جس کا ظاہر اچھا اور باطن صالح ہے، وہ برے خاتمے سے محفوظ ہے، **وللہ الحمد**! برا خاتمہ اس کا ہوتا ہے جس کا عقیدہ اور اعتقاد صحیح نہیں اور کبیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے۔ جس شخص پر گناہ غلبہ پا لیتے ہیں، توبہ کرنے سے پہلے اسے موت آ دبوچتی ہے۔ اصلاح، انابت، رجوع الی اللہ سے قبل ہی موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے، ایسے شخص پر حالت نزع و سکرات میں موت کے وقت شیطان

غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ بالخیر سے بھٹکا دیتا ہے۔ **العیاذ باللہ العظیم۔**

حافظ عبدالحق الاشبیلیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک واقعہ سنا ہے۔ مصر میں ایک شخص تھا جو اذان ونماز کا سخت پابند تھا۔ صرف اذان ونماز کے لیے مسجد میں پڑا رہتا تھا۔ طاعات وعبادات کی وجہ سے اس کی پیشانی پر نور برستا تھا۔ ایک روز وہ اپنی عادت کے موافق اذان کہنے کی غرض سے منارے پر چڑھا۔ منارے کے پیچھے ایک عیسائی کا گھر تھا۔ اتفاق سے اس گھر پر اس کی نظر پڑی۔ دیکھا ایک لڑکی کھڑی ہے۔ اس وقت یہ بے قابو ہو گیا۔ اذان ونماز کو خیر باد کہہ کر منارے سے نیچے اترا اور سیدھا عیسائی کے مکان پر پہنچا۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے، تو نے میرا دل چھین لیا ہے، میرے قلب کی تو مالک ہو گئی ہے۔ لڑکی نے کہا میں برا کام ہرگز نہیں کر سکتی۔ اس نے کہا، میں تجھ سے شادی کر لیتا ہوں۔ لڑکی بولی کہ تو مسلمان، میں عیسائی، میرا باپ ہرگز تجھ سے میری شادی نہیں کرے گا۔ اس نے کہا کہ میں عیسائی ہونے کے لیے تیار ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ ہاں ایسا ہو تو میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں، چنانچہ یہ شخص اسی وقت عیسائی ہو گیا، اور اس لڑکی سے شادی کر لی۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ شادی کے دن ہی وہ گھر کے کوٹھے پر چڑھا، وہاں سے گر پڑا اور اسی وقت مر گیا۔ اس لڑکی سے خلوت تک نصیب نہ ہوئی اور بے حاصل اپنا دین کھو بیٹھا اور آخرت بھی برباد کر لی۔



فصل ۸۵

لواطت کی قباحتیں اور سزائیں

لواطت کی خرابیاں بڑی خطرناک ہیں، اس لیے اس کی عقوبت و سزا بھی یہاں اور آخرت میں، دونوں جگہ خطرناک ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ لواطت کی سزا زیادہ سخت ہے یا زنا کی، یا دونوں کی یکساں ہے؟ اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن زید، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن معمر، امام زہری رحمہ اللہ، ربیعہ رحمہ اللہ بن ابی عبدالرحمٰن، مالک رحمہ اللہ، اسحاق رحمہ اللہ بن راہویہ اور امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل کی ایک صحیح روایت، نیز امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق لواطت کی عقوبت و سزا زنا کی عقوبت و سزا سے زیادہ سخت ہے۔ لواطت کی سزا قتل ہے۔ لواطت کرنے والا محصن ہو یا غیر محصن۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ بن ابی رباح، حسن بصری رحمہ اللہ، سعید رحمہ اللہ بن المسیب، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، از روئے ظاہر مذہب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، دوسری روایت کے مطابق امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ لواطت اور زنا دونوں کی عقوبت و سزا یکساں ہے۔

حاکم رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لواطت کی سزا اور عقوبت، زنا کی سزا اور عقوبت سے کم ہے۔ لواطت کے لیے کوئی مقررہ شرعی حد نہیں، بلکہ اس کے لیے تعزیر ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لواطت اسی طرح ایک سخت ترین معصیت ہے جس طرح دوسرے بہت سے بڑے بڑے معاصی ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی خاص حد مقرر نہیں فرمائی، اس لیے اس میں صرف تعزیر ہوگی، جیسا کہ مردار کا گوشت کھانے، خون پینے اور خنزیر کا گوشت کھانے میں تعزیر ہے۔

نیز ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ لواطت میں شہوت کا استعمال ایسے مقام میں ہوتا ہے جس سے انسانی طبائع گریز کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے اس کے متعلق کوئی خاص حد مقرر نہیں کی، جیسا کہ جانور اور گدھے کے ساتھ وطی کرنے میں کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔

ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ لواطت کو لغت، شرع اور عرف میں زنا نہیں کہا جاتا، اس لیے یہ ان نصوص کے تحت نہیں آتی جو زنا کی حد پر دلالت کرتی ہیں۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ قواعدِ شرعیہ عموماً ایسے بنائے گئے ہیں کہ اگر معصیت اور گناہ طبعی اقتضاء کے ماتحت ہے تو اقتضائے طبائع کی وجہ سے شرع نے اس کے لیے حد مقرر کی ہے، جیسا کہ زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ کے لیے حد مقرر کر دی گئی ہے، کیونکہ یہ معاصی اور گناہ مقتضیاتِ طبائع سے سرزد ہوتے ہیں، اور مردار کھانے، خون پینے اور خنزیر کا گوشت کھانے پر حد مقرر نہیں کی، کیونکہ اس کا کھانا طبائع انسانی کی مقتضیات کے خلاف ہے۔

علماء یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ لواطت کی حیثیت بعینہ وہی ہے جو چوپائے اور مردے کے ساتھ وطی کرنے کی ہے۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ مرد کا مرد سے وطی کرنا طبائع انسانی کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جبلت ہی کچھ ایسی بنائی ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد سے وطی کرنے سے سخت نفرت کرتا ہے۔ جس طرح یہ امر طبائع انسانی کے خلاف ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد سے اس کا خواہش مند ہو کہ وہ اس کے ساتھ وطی و جماع کرے، بخلاف زنا کے کہ اس میں دونوں جانب سے داعیہ موجود ہوتا ہے۔

نیز یہ علماء ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے افراد، یعنی فاعل و مفعول اگر اپنی اپنی جنس سے فائدہ اٹھائیں تو اس میں حد نہیں ہے، مثلاً عورت عورت کے ساتھ مساحقت کرے تو اس میں حد نہیں ہے، اسی طرح اگر مرد مرد سے فائدہ اٹھائے تو حد نہیں ہوگی۔

قائلینِ قول اول، یعنی جمہور امت جو اس کے قائل ہیں کہ لواطت کی عقوبت و سزا زنا کی عقوبت و سزا سے زیادہ سخت ہے، کہتے ہیں کہ اس کی عقوبت و سزا پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ لواطت کے مفاسد حد سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کسی دوسرے گناہ کے مفاسد اس کے مفاسد کے

برابر نہیں۔ اس کے مفاسد کفر کے مفاسد کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ بسا اوقات قتلِ نفس سے زیادہ اس کی خرابیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

اس کبیرہ گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو قومِ لوط سے پہلے اس طرح ہلاک نہیں کیا کہ اسے جڑ بُن سے ہی اکھاڑ دیا ہو۔ اس قوم کو اس فعلِ بد کی وجہ سے اللہ نے وہ سخت سزا دی کہ دنیا کی کسی قوم کو ایسی سزا نہیں دی۔ اسے ہلاک کرنے میں مختلف قسم کی عقوبتیں جمع کر دی گئیں۔ ان کی آبادی، ان کے مکان ان پر الٹ دیے گئے، انہیں زمین کے اندر دھنسا دیا گیا، آسمان سے ان پر پتھر برسائے گئے اور انہیں سنگسار کیا گیا، ان کی آنکھیں اندھی کر دی گئیں، اور ہمیشہ کے لیے یہ عذاب ان پر لازم کر دیا گیا۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی خفگی سے ظاہر ہے کہ یہ جرم بہت سی خرابیوں کا موجب ہے۔ اتنا بڑا جرم کہ اس سے زمین کانپنے لگتی ہے۔ جس وقت زمین پر یہ گناہ ہوتا ہے، زمین کے کنارے لرزنے لگتے ہیں۔ فرشتے یہاں سے بھاگ کر آسمان پر چلے جاتے ہیں، زمین کے دور دراز گوشوں میں جا کر پناہ لیتے ہیں، کیوں کہ عذابِ الٰہی کی صورت میں یہ بھی اس کی زد میں آ جائیں گے۔ زمین بارگاہِ خداوندی میں پکار اٹھتی ہے، پہاڑ لرز جاتے ہیں۔

کسی انسان کو قتل کر دیا جائے، یہ اس کے ساتھ لواطت کرنے سے بہتر ہے۔ ناحق قتل کر دیے جانے سے وہ شہید ہوگا، لیکن اس کے ساتھ لواطت کرنے کے بعد اسے قتل کیا جائے تو نجات ممکن ہی نہیں، وہ آخرت کی فلاح و نجات سے بھی محروم ہوگا۔ اس پر یہ استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ قاتل کی حد مقتول کے ورثاء کے اختیار میں ہے، وہ چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں اور اسے قصاص میں قتل ہونے سے بچا سکتے ہیں، لیکن لواطت میں تو حتمی طور پر حد جاری ہوگی اور رہائی ممکن نہیں ہے۔ اس حد پر اصحابِ رسول اللہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ صحیح اور صریح احادیث جن میں کوئی ایک حدیث دوسری کی معارض نہیں، اس پر دلالت کرتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ نے ان احادیث پر عمل کیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید سے ثابت ہے کہ عرب میں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا، جو عورتوں کی طرح مرد کے ساتھ شادی کرتا تھا۔ انہوں نے خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ کو

جمع کر کے اس بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے سب سے زیادہ سخت رائے دی۔ فرمایا کہ دنیا میں صرف ایک ہی قوم اس جرم کی مرتکب ہوئی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ میری رائے تو یہی ہے کہ اسے جلا دیا جائے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خالدؓ بن ولید کو یہ لکھ بھیجا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اسے جلا دیا۔

اس بارے میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے یہ رائے دی کہ ایسے آدمی کو آبادی میں جو سب سے بلند جگہ ہو، وہاں لے جایا جائے، پھر سر کے بل نیچے پھینکا جائے اور پتھر مار مار کر اسے ہلاک کر دیا جائے۔ آپؓ نے یہ حد اور سزا قومِ لوط کی عقوبت و سزا سے اخذ فرمائی۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وجدتموه يعمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به (سنن دارمی: حدود)

جسے تم قومِ لوط کا کام کرتے پاؤ تو تم فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

یہ روایت تمام اہلِ سنن نے روایت کی ہے۔ ابن حبانؒ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل نے اسے قابلِ حجت تسلیم کیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بخاری کی شرائط کے مطابق ہیں۔

لوگ لواطت کی سزا، زنا کی سزا سے زیادہ سخت بتاتے ہیں، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لعن اللّٰہ من عمل قوم لوط (مسند احمد بن حنبل :۳۰۹)

جو آدمی قومِ لوط کا کام کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

ایک ہی حدیث میں یہ الفاظ تین مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ زانی کے حق میں کسی جگہ ایک ہی حدیث میں تین مرتبہ لعنت وارد نہیں ہوئی۔ زنا کے علاوہ دیگر کبائر میں بھی لعنت وارد ہے، مگر صرف ایک ہی مرتبہ، اور یہاں لوطی کے حق میں تین مرتبہ لعنت وارد ہے، نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ لوطی کے قتل پر متفق ہیں۔ کسی ایک صحابیؓ نے اس بارے میں اختلاف نہیں

کیا ہے۔ کسی نے اگر کچھ اختلاف کیا ہے تو وہ قتل کی صورت ہے، یعنی کس طرح اسے قتل کیا جائے؟ نفسِ قتل میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لوگ خواہ مخواہ کہتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے اور صحابہؓ کا اس میں اختلاف ہے، حالانکہ یہ صحابہ کرامؓ کا اجماعی مسئلہ ہے، صرف صورتِ قتل میں اختلاف ہے۔

کہتے ہیں کہ زنا اور لواطت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو مذمت کی ہے، دونوں پر غور کیا جائے تو فرق واضح ہو جائے گا۔ زنا کے بارے میں ارشاد ہے:

ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وسآء سبيلا (بنی اسرآءیل ۱۷: ۳۲)

اور تم زنا کے قریب مت جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔

اور لوطی کے متعلق ارشاد ہے:

أتأتون الفاحشة ماسبقكم بها من احد من العٰلمين (الاعراف ۷: ۸۰)

کیا تم بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو؟ ایسا برا کہ دنیا جہاں میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

زنا کے متعلق لفظ **فاحشہ** بصورت نکرہ وارد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح اور فواحش ہیں، یہ بھی ایک فاحشہ ہے، لیکن لوطیوں کے متعلق **الفاحشہ** بصورت معرفہ وارد ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ فعل فحش کے پورے پورے معنی پر مشتمل اور جامع ہے، یعنی تم لوگ سب کام کرتے ہو جن کا فحش ہونا تمام کے نزدیک مسلّم ہے۔ یہ کام اس قدر ظاہر الفحش ہے کہ اس کے فحش ہونے کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں۔ **الفاحشہ** سے دوسری جانب اشارہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ اسم دوسرے مسمّیٰ کی طرف خیال بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ بعینہٖ اُس قول کی نظیر و مثال ہے جو فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا:

وفعلت فعلتک التی فعلت (الشعراء ۲۶:۱۹)

اور کیا تو نے وہ حرکت نہیں کی جو تو کر گزرا؟

یعنی تم نے ایسا کام اور برا عمل کیا جس کی برائی بالکل واضح ہے۔ اس کی برائی سے ہر ایک واقف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس فعل کی برائی کو سخت انداز میں پیش کرتا ہے کہ یہ ایسا بدترین

فعل ہے کہ تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

ماسبقکم بها من أحد من العلمين (الاعراف ۷:۸۰)

یہ کام دنیا جہاں میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

مزید فرمایا گیا ہے:

إنکم لتأتون الرجال (الاعراف ۷:۸۱)

تم مردوں کے ساتھ برا کام کرتے ہو۔

یعنی یہ ایسا برا کام ہے کہ اس کے سننے سے قلوب لرز جاتے ہیں اور کان پھٹ جاتے ہیں کہ مرد مرد کے ساتھ ایسا کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمادی ہے کہ یہ کام ہرگز ہرگز کرنے کا نہیں۔

یہ فعل محض شہوت رانی کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ وہ ضرورتیں اس سے پوری نہیں ہوتیں جو مرد اور عورت کے جوڑے سے وابستہ ہیں، مثلاً مرد عورت کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس سے اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔ میاں بیوی میں محبت والفت کا وہ رشتہ قائم ہوجاتا ہے کہ عورت اپنے ماں باپ کو بھول جاتی ہے۔ اس سے نوع انسانی، اشرف المخلوقات کا تحفظ اور اس کی بقاء وابستہ ہے۔ عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت ہوتی ہے۔ مصاہرت کا وہ رشتہ قائم ہوتا ہے جو بعینہ نسب کے رشتے کے برابر ہوتا ہے۔ عورتوں پر مردوں کی حکومت ہوتی ہے۔ عورتوں سے ہم بستری کر کے اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق پیدا کی جاتی ہے۔ انبیاء، اولیاء، اہلِ ایمان اور دیندار، خدا پرست لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہوتا ہے جس پر آپ ﷺ دوسرے انبیاء کے مقابلے میں قیامت کے دن فخر کریں گے۔

یہ اور اس قسم کی بے شمار مصلحتیں عورتوں سے وابستہ ہیں۔ لوطی ان تمام مصلحتوں کے خلاف اقدام کرتا ہے۔ لواطت ان تمام باتوں کی پرورش کرتی ہے جن کی خرابیاں حصر واحصاء سے باہر ہیں۔ ان کی تفصیل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خود اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ لوطی فطرت انسانی کے خلاف اقدام کرتا ہے، مرد کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

فطرت یہ ہے کہ مرد عورتوں سے اپنی شہوت پوری کریں، نہ کہ مردوں سے، لیکن لوطی اس فطرت کے خلاف کام کرتا ہے۔ یہ فطرت، طبیعت اور جبلت کے سراسر خلاف اقدام کرتا ہے۔

یہی وجہ تھی جس کی بنا پر قومِ لوط کی آبادیوں کو اللہ تعالیٰ نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا اور تاکید فرمائی کہ یہ بے راہ روی اور زیادتی ہے۔ ایسے لوگ حد چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

بل أنتم قوم مسرفون (الاعراف ۷: ۸۱)

بلکہ تم لوگ بے راہ روی کرنے والے لوگ ہو۔

اس قسم کی تاکید یا اس کے قریب قریب، زنا کے متعلق بھی وارد ہے:

ونجیناہ من القریة التی کانت تعمل الخبائث (الانبیآء ۲۱: ۷۴)

اور لوطؑ کو ہم نے اس بستی سے نجات دی جو ناپاک کام کرتی تھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم کے دو مکروہ وصف بیان کر کے اس کی انتہا درجے کی قباحت کو واضح فرماتا ہے:

انھم کان قوم سوء فاسقین (الأنبیآء ۲۱: ۷۴)

واقعی وہ لوگ برے اور بدکار لوگ تھے۔

اپنے پیغمبر کی زبان سے یہ کہلواتا ہے:

رب انصرني علی القوم المفسدین (العنکبوت ۲۹: ۳۰)

اے میرے پروردگار! ان فسادیوں کے مقابلے میں میری مدد کر۔

فرشتوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے قومِ لوط کو ظالم کہا:

إنا مھلکوا أھل ھذہ القریة إن أھلھا کانوا ظالمین (العنکبوت ۲۹:۳۱)

ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ یہاں کے باشندے یقیناً ظالم ہیں۔

غور کیجیے کہ یہ عقوبت وسزا کسی اور گناہ کی بیان کی گئی ہے؟ ایسی مذمت کسی دوسرے گناہ کی نہیں کی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اس قوم کے بارے میں کچھ حجت پیش کرتے

ہیں اور عذاب کے ٹل جانے کی بات کرتے ہیں تو فرشتے جواب دیتے ہیں:

یا إبراهیم أعرض عن هذا إنه قدجاء أمر ربک وإنهم آتیهم عذاب غیرمردود (هود ۱۱: ۷۶)

اے ابراہیم! یہ بات چھوڑ دو۔ تمہارے رب کا حکم آ پہنچا ہے۔ ان پر عذاب اتر کر رہے گا، ٹلنے والا نہیں ہے۔

ان لوطیوں کے تمرد وغرور پر غور کیجیے۔ ان کی خباثت وسرکشی کس درجے بڑھی ہوئی تھی؟ یہ فرشتے جب نہایت خوبصورت انسانی شکلوں میں حضرت لوطؑ کے یہاں پہنچتے ہیں تو لوطی حضرت لوطؑ کے مکان پر دوڑ پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغمبر انہیں دیکھ کر گھبرا جاتا ہے، اور کہتا ہے:

یاقوم هؤلاء بناتي هن أطهرلکم فاتقوا اللّٰه ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید (هود ۱۱: ۷۸)

اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں، نہایت پاک دامن ہیں، تمہارے لیے موجود ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور مہمانوں کے مقابلے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ہے۔

حضرت لوطؑ اپنے مہمانوں کی عزت وآبرو بچانے کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کرتے ہیں کہ لوگو! میری لڑکیوں سے تم شادی کرلو، مگر میرے مہمانوں کو نہ چھیڑو۔ میرے لیے یہ شرم وعار کا موجب ہے۔

اس کا جواب یہ متمرد لوگ کیا دیتے ہیں؟ اس پر بھی غور فرمایئے:

لقد علمت مالنا فی بناتک من حق و انک لتعلم مانرید (هود ۱۱:۷۹)

تم جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں، جو ہماری غرض ہے وہ تم خوب جانتے ہو۔

اللہ کا پیغمبر ٹھنڈی سانس لیتا ہے اور کہتا ہے:

لو أن لی بکم قوة أو آوی الی رکن شدید (هود ۱۱: ۸۰)

کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی، یا کسی زبردست سہارے کی پناہ مل جاتی۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت لوطؑ کو حقیقتِ حال سے مطلع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ گھبرایئے نہیں، وہ نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، نہ آپ کو دکھ دے سکتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے لیے بھیجا ہے۔

إنا رسل ربک لن یصلوا الیک (ھود ۱۱: ۸۱)

ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ان کی رسائی تم تک نہیں ہوگی۔

پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی بشارت دیتے ہیں کہ وہ لوطیوں کے لیے عذاب لے کر آئے ہیں۔ کہتے ہیں:

فاسر باھلک بقطع من الیل ولا یلتفت منکم أحد إلا امرأتک إنہ مصیبھا ما أصابھم إن موعد ھم الصبح ألیس الصبح بقریب (ھود ۱۱: ۸۱)

تم کچھ رات گئے اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جاؤ اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے، ہاں! تمہاری بیوی ضرور مڑ کر دیکھے گی، اس پر وہی عذاب آئے گا جو ان لوگوں پر آئے گا۔ ان کا مقررہ وقت صبح ہے۔ کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے؟

اللہ کا پیغمبر جب ان کی ہلاکت میں کچھ دیر پاتا ہے تو کہتا ہے کہ عذاب جلد اترنا چاہیے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں جلد سے جلد عذاب نازل ہوگا۔

الیس الصبح بقریب (ھود ۱۱: ۸۱) (کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے)۔

اللہ کی قسم! اللہ کے ان دشمنوں کی ہلاکت و بربادی، اللہ کے پیغمبر اور اللہ کے دوستوں کی نجات میں سحر سے لے کر طلوع فجر سے زیادہ وقت نہیں گزرا۔ اللہ کے دشمنوں کی آبادیاں بیخ و بن سے اکھاڑ دی گئیں، آسمان کے قریب تک لے جائی گئیں، اور اس قدر اونچی لے جائی گئیں کہ آسمان کے فرشتے ان کے کتوں اور گدھوں کی آوازیں سنتے تھے۔ وہ فرمانِ الٰہی جو رد نہیں ہوسکتا، اللہ کے بندے حضرت جبرئیلؑ کے سامنے دہرایا گیا کہ انہیں الٹ دو، اوندھا کردو اور ہلاک کر مارو۔

فلما جاء أمرنا جعلنا عالیھا سافلھا وأمطرنا علیھا حجارۃ من سجیل (ھود ۱۱: ۸۲)

غرض جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیر وزبر کر دیا اور کنکر یلے پتھر ہم نے ان پر تہہ بہ تہہ برسائے۔

ان کی ہلاکت و بربادی کو اللہ تعالیٰ نے دنیا جہاں کے لیے عبرت و یادگار بنا دیا، اور پرہیزگاروں کے لیے موعظت ونصیحت کا سامان مہیا کر دیا۔

إن فی ذالک لآیات للمتوسمین وإنها لبسبیل مقیم إن فی ذالک لآیة للمؤمنین (الحجر ۱۵:۷۵-۷۷)

اس میں سمجھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، اور وہ بستی سیدھے راستے پر ہے۔ اس میں ایمان داروں کے لیے نشانیاں ہیں۔

حضرت جبرئیلؑ نے اس طبقے کو اس حالت میں اٹھایا کہ یہ لوگ بے خبر تھے۔ غرور وتمرد کے نشے میں سوئے پڑے تھے۔ صبح ہوتے ہوتے یہ سب کے سب عذابِ الٰہی کا شکار بن گئے اور کوئی چیز ان کے لیے نفع بخش ثابت نہ ہوئی۔

مآرب كانت فی الحیاة لأهلها عذابا فصارت فی الممات عذابا

وہ مقاصد جو ان کی زندگی میں ان کے لیے عذاب تھے۔ موت کے بعد بھی ان کے لیے عذاب ہی رہے۔

افسوس، صد ہزار افسوس! ساری لذتیں اور مسرتیں ختم ہو گئیں، اور وہ حسرتیں ساتھ لے گئے۔ شہوات وخواہشات کی ساری رگیں ٹوٹ گئیں اور وہ شقاوت و بدبختی ورثے میں لے گئے۔ انہیں عیش وعشرت کی ساعتیں بہت کم ملیں، لیکن دائمی عذاب ساتھ لے گئے۔ انہوں نے پرخار چراگاہوں سے چارا کھایا اور دردناک عذاب اپنے سروں پر لاد گئے۔ افسوس! شہوات وخواہشات کے نشے نے ان کو افاقے کا موقع ہی نہ دیا۔ ہوش آیا تو اس وقت جب ان کی آبادیاں دردناک عذاب میں دھر لی گئیں۔ غفلت نے انہیں ایسا بے خبر سلا دیا کہ ہلاکت و بربادی کے وقت تک جاگ ہی نہ سکے۔ افسوس! وہ اس وقت بیدار اور نادم ہوئے کہ بیداری اور ندامت ان کے کام نہیں آ سکی، اور اب وہ اپنی بدکرداریوں اور بداعمالیوں پر آنسو کے بدلے خون رونے لگے۔

اے کاش! تم ان لوگوں کے حالات دیکھ لیتے کہ وہ کس طرح الٹ دیے گئے، تلے اوپر کر دیے گئے اور اب ان کے منہ اور جسم سے آگ جھڑ رہی ہے، جہنم کے پرخطر طبقوں میں جل رہے ہیں، لذیذ شراب کی بجائے گرم پیپ پی رہے ہیں، ان کے چہرے جھلس گئے ہیں اور انہیں کہا جا رہا ہے کہ اپنے اعمال کا مزہ چکھو:

إصلوها فاصبروا أولا تصبروا سواء عليكم إنما تجزون ما كنتم تعملون (الطور ۵۲: ۱٦)

اس میں داخل ہو اور صبر کرو، یا نہ کرو۔ تمہارے لیے برابر ہے تمہیں تمہارے کیے کی سزا دی جائے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم کے پیرووں اور بدکرداروں کو سخت سے سخت وعید سے ڈراتا ہے۔ فرماتا ہے:

وما هي من الظالمين ببعيد (هود ۱۱: ۸۳)

اور وہ مقہور آبادی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں (۱)



(۱) یہاں علامہ ابن قیم نے اس مضمون کے چند حسرت ناک اشعار لکھے ہیں۔ ہم نے غیر ضروری سمجھ کر یہ اشعار چھوڑ دیے ہیں۔ (مترجم)

فصل ۸۶

زنا اور لواطت کی سزا میں کمی بیشی

جو لوگ کہتے ہیں کہ لواطت ایک ایسی معصیت اور گناہ ہے جس کی حد اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں کی، اس لیے لواطت کی عقوبتِ زنا کی عقوبت سے کم ہے۔ ان کے اس قول کے چند جوابات ہیں:

اول: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے لواطت کی حد قتل مقرر فرمائی ہے اور قتل کا حکم حتمی اور یقینی ہے۔ اللہ کا رسولؐ جو چیز مشروع فرماتا ہے، وہ اللہ ہی کی جانب سے مشروع ہوتی ہے۔ پس اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ لواطت کی حد شرعاً مشروع نہیں ہے تو یہ قطعاً غلط ہے، اور اگر مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم کی کسی نص سے حد ثابت نہیں تو یہ صحیح ہے، لیکن اس سے انتفائے حکم لازم نہیں آتا، کیونکہ اس کی حد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔

دوم: یہ استدلال حکمِ رجم سے ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ رجم کا حکم، سنت نبوی سے ثابت ہے، قرآن سے نہیں۔ اگر تم کہو کہ رجم کا حکم قرآن سے ثابت ہے جس کے الفاظ قرآن سے منسوخ ہو گئے ہیں اور حکم باقی ہے، تو ہم کہیں گے کہ شراب نوشی کی حد سے یہ دلیل ٹوٹ جاتی ہے، کیونکہ شراب نوشی کی حد سنتِ نبوی سے ثابت ہے۔

سوم: ایک خاص معین دلیل کی نفی سے مطلق دلیل کی نفی لازم نہیں آتی، اور نہ مدلول ہی کی نفی لازم آتی ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس دلیل کی تم نفی کر رہے ہو، وہ منتفی نہیں ہے۔

تم یہ کہتے ہو کہ لواطت ایک ایسا فعل ہے جو طبائع انسانی کے خلاف ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں، اس لیے لواطت مردہ عورت یا چوپائے کے ساتھ وطی کرنے کے مانند ہے۔

اس کا جواب ہم چند طریقوں سے دیں گے۔

۱۔ یہ قیاس بالکل غلط، رسول اللہ ؐ کی سنت اور اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے، اس لیے مردود ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

۲۔ حسین اور خوبصورت مرد کے ساتھ، جس کا فتنہ تمام فتنوں کو ہوا دیتا ہے، وطی کرنے کو گدھے، چوپائے اور مردہ عورت کے ساتھ جماع کرنے پر قیاس کرنا ایک باطل قیاس ہے۔ کیا کسی حسین اور خوبصورت آدمی کو کوئی گدھی، گائے اور مردہ عورت کے برابر کہہ سکتا ہے؟ کیا گدھی یا گائے پر کوئی عاشق ہوسکتا ہے؟ یا ان کا عشق کسی کو اپنا اسیر بنا سکتا ہے؟ اور کسی کے فکر اور نفس پر غالب آسکتا ہے؟ اب بتاؤ! اس قیاس سے فاسد ترین قیاس کون سا قیاس ہوسکتا ہے؟

۳۔ یہ دلیل اس سے بھی ٹوٹ جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ماں، بہن یا بیٹی سے وطی کرتا ہے تو باوجودیکہ یہاں طبعی نفرت مکمل طریقے پر موجود ہے، اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی، اور ایک قول کے بموجب اس پر سخت ترین عقوبت جاری کی جائے گی۔ یہ شخص محصن ہو، یا غیر محصن، قتل کیا جائے گا۔ ایسی ایک روایت میں امام احمدؒ بن حنبل سے مروی ہے اور امام اسحٰق بن راہویہ اور محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی قائل ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت براءؓ بن عازب سے مروی ہے:

لقيت عمي ومعه الراية، فقلت له إلى أين تريد؟ قال بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى رجل نكح امرأة أبيه من بعده، أن أضرب عنقه، وآخذ ماله (سنن ابی داؤد : حدود)

میں اپنے چچا سے ملا جو عالم تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے مرنے کے بعد نکاح کیا ہے۔ میں جا کر اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا مال لے لوں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ حضرت براءؓ کے چچا

کا نام حارث بن عمرو ہے۔

سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ (ابن ماجہ : حدود)

جو آدمی اپنے ذی محرم کے ساتھ زنا کرے، اسے قتل کر دو۔

حجاج بن یوسف کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جس نے اپنی بہن پر قبضہ جما رکھا تھا۔ حجاج نے اسے محبوس رکھنے کا حکم دیا، اور کہا کہ اس کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے مسئلہ دریافت کرو، چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن مطرف سے دریافت کیا گیا۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا:

من تخطی حرم المؤمنین فحظوا وسطہ بالسیف

جو آدمی ایمان والوں کی حرمت کاٹے، اسے تم بھی کمر سے کاٹ دو۔

اس حدیث میں گو درمیان سے کاٹ دینے کا حکم ہے، لیکن اصل مسئلے کی مستقل دلیل اس میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس سے کسی حال میں بھی وطی و جماع جائز نہ ہو، اس سے وطی و جماع کرنے والے کی سزا اور حد قتل ہے۔ اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ماں بیٹی کے ساتھ جماع کرنے سے قتل واجب کرتی ہے۔ دیگر ذوات محارم کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ جو آدمی ایسی عورت سے وطی یا جماع کرے جس سے کسی حال میں وطی یا جماع جائز نہیں، اس کی حد قتل ہے، جس طرح کہ لوطی کی حد قتل ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ ان ہر دو مسئلوں پر نص سے استدلال کیا جا سکتا ہے، نیز قیاسِ صحیح بھی ان ہر دو مسئلوں کی صحت پر شہادت دیتا ہے، البتہ کچھ اختلاف ہے اور وہ یہ کہ اس ایک خصوصیتِ رشتہ کی وجہ سے قتل کی سزا دی جائے گی، یا حدِ زنا کی بنا پر؟ اس میں دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ ایک روایت کے مطابق اس طرف گئے ہیں کہ اس کی حد، زنا کی حد ہو گی۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور محدثین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ہر حال میں قتل کرنا ہی اس کی حد ہے۔

یہ تمام حضرات اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی ذی محرم سے نکاح کر لیا، اس سے جماع کیا اور اس کی حرمت سے وہ واقف تھا تو اس پر زنا کی حد جاری ہوگی۔ صرف امام ابو حنیفہؒ کا اس بارے میں یہ مسلک ہے کہ چونکہ شبہ کی گنجائش موجود ہے، اس لیے حد ساقط ہو جائے گی۔

جواب میں دوسرا فریق کہتا ہے کہ نکاح کا نام دھر کر اس نے جماع کیا ہے، اس لیے جرم اور زیادہ وزنی ہو جاتا ہے۔ دو حرام چیزوں کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ عقدِ حرام اور دوسرے جماعِ حرام کا مرتکب ہوا۔ حرام عقد کے ساتھ جب جماعِ حرام ضم ہو گیا تو عقوبت و سزا کیوں کر ہلکی ہوگی؟

مردہ عورت کے ساتھ جماع و وطی کرنے کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں، اور یہ دونوں امام احمدؒ بن حنبل وغیرہ کا مسلک ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مردہ عورت کے ساتھ زنا کرنے سے حد واجب ہوگی۔ یہ امام اوزاعی کا قول ہے۔ زانی پر حد یقیناً جاری ہوگی، کیونکہ اس کا یہ فعل ایک بہت بڑا جرم ہے کیوں کہ اولاً اس نے فحش کام کیا اور ثانیاً مردے کی حرمت توڑ دی۔



فصل ۸۷

چوپائے سے بدفعلی کرنے والے پر حد لازم ہوگی یا تادیبی سزا؟

چوپائے کے ساتھ وطی اور بدفعلی کرنے کی عقوبت وسزا کے متعلق تین قول ہیں:

اول: چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی تادیب کی جائے گی، اس پر حد نہیں ہوگی۔ یہ قول امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ ایسا ہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے اور امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

دوم: اس کا حکم زانی کا حکم ہے۔ اگر کنوارا، غیر شادی شدہ ہے تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے، اور اگر محصن شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائے گا۔ یہ قول حضرت حسن کا ہے۔

سوم: اس کا حکم لوطی کا حکم ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل کی یہی تصریح ہے۔

ان مختلف اقوال کے پیش نظر یہ امر مستخرج ومستنبط ہوتا ہے کہ حتمی طور پر قتل کر دینا اس کی حد ہے، یا اس کی حد وہ حد ہے جو زنا کی ہے؟ جو لوگ اس کی حد قتل بتاتے ہیں، وہ استدلال میں سنن ابی داؤد کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أتي بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه (ابو دائود: حدود)

جو شخص چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرے، اسے قتل کردو اور اس کے ساتھ چوپائے کو بھی جان سے ماردو۔

یہ وطی ودخول ایسا ہے کہ کسی حال میں جائز نہیں، لہذا اس کی حد قتل ہے۔ وہ لوگ جو اس کے متعلق حد کے قائل نہیں، کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اگر کوئی صحیح

حدیث موجود ہوتی تو ہم ضرور اس کے قائل ہو جاتے، اس کی مخالفت کا ہمارے پاس کوئی راستہ ہی نہ ہوتا۔

اسمٰعیل بن سعید الشالنجی اس باب میں کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امام صاحب خاموش رہے۔ عمرو ابن ابی عمرو کی حدیث اس بارے میں ثابت شدہ حدیث نہیں ہے۔ طحاوی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، نیز یہ روایت حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے، لیکن خود ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ وہ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس پر حد نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ ان کی حدیث کو ضعیف قرار دیتا ہے۔

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس بارے میں طبعی زجر وتوبیخ باعتبار لواطت طبعی زجر و توبیخ سے زیادہ قوی ہے، اور ظاہر ہے کہ انسانی طبائع میں چوپائے کے ساتھ وطی و دخول کرنے اور انسان کے ساتھ وطی و دخول کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا، قیاسِ فاسد ہے۔



فصل ۸۸

لواطت کو مساحقت پر قیاس کرنا درست نہیں۔

کسی مرد کے مرد کے ساتھ وطی کرنے کو دو عورتوں کی مساحقت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق اور فاسد ترین قیاس ہے۔ وہاں ایلاج و دخول متصور نہیں، بلکہ یہ ایسا ہے، جیسے ایک مرد دوسرے مرد سے بلا ایلاج و دخول کے مباشرت کر لے۔ علاوہ ازیں بعض احادیث مرفوعہ میں بھی وارد ہے:

اذا اتت المرأة فهما زانيتان (عورت عورت سے اختلاط کرے تو وہ دونوں زنا کار ہیں)۔

لیکن اس میں حد لازم نہیں آتی، کیونکہ اس میں ایلاج و دخول متصور نہیں ہے، گو اس پر زنا کا اطلاق ہوتا ہے، مگر یہ اسی قسم کا زنا ہے جیسے آنکھ، قدم اور زبان وغیرہ کا زنا ہوا کرتا ہے۔

یہ امر جب ثابت اور واضح ہو گیا تو سمجھ لیجیے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ اپنے مملوک و غلام کے ساتھ لواطت کرنا ویسا ہی ہے، جیسے کسی اور کے ساتھ لواطت کرنا۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ اپنے مملوک و غلام کے ساتھ لواطت جائز ہے، اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم فانهم غير ملومين (المؤمنون ۲۳: ۶، المعارج ۷۰: ۳۰)

جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیبیوں اور اپنی باندیوں کے، اس صورت میں ان پر ملامت نہیں۔

جو لوگ مملوک باندی پر مملوک غلام کو قیاس کرتے ہیں، وہ کافر ہیں۔ ایسے لوگوں سے توبہ

کرنے کا مطالبہ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح مرتد سے توبہ کرنے کا۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اپنے مملوک وغلام سے لواطت کرنا گناہ ہے، اس کا وہی حکم رہتا ہے جو غیر کے مملوک وغلام کے ساتھ لواطت کرنے، یا غیر مملوک سے لواطت کرنے کا ہے۔



فصل ۸۹

مرضِ عشق کی دوا

اب اگر کہا جائے کہ ان تمام باتوں کے باوجود اس مہلک مرض کی کوئی دوا بھی ہے یا نہیں؟ اس قاتل جادو کے اتار کا کوئی منتر ہے یا نہیں؟ ان مہلک خیالات کے دور کرنے کا کیا ذریعہ ہے اور کیا طریقہ ہے؟ کیا اس کے لیے مقصود تک پہنچنے کی کوئی راہ ہے؟ خواہش کا نشہ اتارنے اور اس نشے سے افاقہ حاصل کرنے کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟ کیا کسی طبیب کے پاس مرضِ عشق کی دوا ہے؟ اور عاشق کے قلب میں جو مرض اپنی جگہ بنا چکا ہے اور وہ اپنا دل کھو چکا ہے، اس کا کوئی علاج ہے؟ کیا وہ پھر اپنے قلب کا مالک ہو سکتا ہے؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے قلب کو کیوں کر اور کس طرح صحت نصیب ہو سکتی ہے؟ اس کا حال یہ ہو چکا ہے کہ محبوب کے حوالے سے اسے کوئی ملامت کرتا ہے تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے اس سے لذت اندوز ہوتا ہے، کوئی نصیحت کرتا ہے تو وہ اس بارے میں اور تیز گام ہو جاتا ہے۔ اس کا قلب زبان قال سے پکارتا ہے:

وقف الهوى بي حيث أنت فليس لي متأخر عنه ولا متقدم

تیری محبت نے مجھے وہاں لا کھڑا کیا جہاں تو ہے، اب مجھے یہاں سے کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے، نہ آگے بڑھا سکتا ہے۔

غالبًا اصل استفتاء میں جو پہلا سوال ہے اور جس مرض کی دوا طلب کی گئی ہے، اس کا مقصد یہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرض پیدا کیا، اس کی دوا بھی پیدا کی ہے، لیکن دوا جو

جانتا ہے، وہی جانتا ہے اور جو نہیں جانتا، وہ نہیں جانتا۔

اس مرض کے علاج کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ سرے سے مرض کا مادہ ہی پیدا نہ ہونے پائے۔ دوسرے یہ کہ مادہ تو پیدا ہو چکا ہے، اب اس کا قلع قمع کیا جائے۔ یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ جس کے لیے آسان کر دیتا ہے، اس کے لیے آسان ہیں۔ اللہ کی مدد جس کے لیے نہ ہو، اس کے لیے دشوار ہیں۔ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

اس مرض کو روکنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آنکھ کی حفاظت کی جائے، کیونکہ نظر و نگاہ ابلیسِ لعین کا زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔ جس کی نظر و نگاہ آزاد ہے، اس کی حسرتیں دائمی ہیں۔ آنکھ کی حفاظت میں بے شمار فوائد ہیں۔

اول: اس سے حکمِ الٰہی کا امتثال ہوتا ہے۔ امتثال ہر بندے کی دنیا و عقبیٰ کی اصل سعادت ہے۔ امتثالِ امر سے بہتر دنیا و عقبیٰ میں بندے کے لیے کوئی نفع بخش چیز نہیں۔ جس شخص نے بھی دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کی، صرف امتثالِ امر ہی کے ذریعے حاصل کی ہے اور جو آدمی دنیا اور آخرت کی شقاوت کا حقدار ہوا، وہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی ہی سے حقدار ہے۔

دوم: آنکھ کی حفاظت میں یہ فائدہ ہے کہ وہ مسموم وزہر آلود تیر جو قلب تک پہنچ کر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے، قلب تک پہنچنے نہیں پاتا۔

سوم: آنکھ کی حفاظت سے قلب کو ذاتِ الٰہی سے اُنس و محبت پیدا ہوتی ہے اور پوری طرح جمعیتِ خاطر حاصل ہو جاتی ہے۔ نگاہ جب آزاد رہتی ہے تو قلب منتشر اور پراگندہ ہو جاتا ہے، اور یہ چیز بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور پھینک دیتی ہے۔

پس بندے کے حق میں آزاد نگاہی سے زیادہ کوئی چیز مضرت رساں نہیں، آزاد نگاہی بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وحشت کا موجب بن جاتی ہے۔

چہارم: آنکھ کی حفاظت سے انسان کا قلب قوی اور مضبوط ہوتا ہے، اور ہمیشہ خوشی و مسرت میں رہتا ہے، جس طرح آنکھ کی آزادی سے قلب کمزور اور ہر وقت مغموم و محزون رہا کرتا ہے۔

پنجم: نگاہ پست رکھنے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جس طرح کہ نگاہ آزاد رکھنے سے قلب تاریک ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کی حفاظت کا ذکر کرنے کے بعد ہی آیت نور پیش کرتا ہے:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم (النور ۲۴: ۳۰)

اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے رہیں۔

اس کے بعد ہی فرمایا:

اللّٰہ نور السمٰوات و الارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح (النور ۲۴: ۳۵)

اور اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اور طاق کے اندر چراغ ہو۔

یعنی جو مومن اوامر کی اطاعت اور نواہی خداوندی سے اجتناب کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہوتی ہے۔ جب قلب نورانی ہو جاتا ہے تو ہر جانب سے خیرات و برکات، نجات وفلاح کے وفود اس کی جانب دوڑ پڑتے ہیں، اس طرح جیسے تاریک قلب کی طرف مصائب و آلام، شر وفساد، تکالیف واذیات کے بادل دوڑ پڑتے ہیں اور چہار طرف سے اسے گھیر لیتے ہیں۔

قلب کا نور تمام ضلالتوں، بدعتوں، گمراہیوں اور خواہشات کی پرستش سے بندے کو روکتا اور ان سے دور رکھتا ہے۔ یہ نور جب مفقود ہو جاتا ہے تو بصیرت و بصارت دونوں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان تاریکیوں کی کوٹھڑیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتا ہے۔

ششم: نگاہ کی حفاظت سے صحیح اور سچی فراست بندے کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس سے حق و باطل، صادق وکاذب میں بندہ امتیاز کر سکتا ہے۔ شاہ بن شجاع کرمانی کے بقول جو آدمی اتباعِ سنت کے ذریعے اپنے ظاہر کی، اور مراقبے کے ذریعے اپنے باطن کی تعمیر کر لیتا ہے اور محرمات سے اپنی نگاہ پست کر لیتا ہے، شہوات وخواہشات سے اپنے آپ کو بچاتا اور اکل حلال کا اپنے آپ کو عادی کر لیتا ہے، اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی، خود شاہ بن شجاع کا حال یہ تھا کہ

اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی تھی۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ عام دستور رہا ہے کہ اعمال کا بدلہ اعمال کی جنس سے دیتا ہے، جو آدمی صرف اللہ کی رضامندی کی خاطر کسی چیز کو چھوڑتا ہے، اللہ اس کے بدلے میں بہترین چیز عطا فرماتا ہے، پس جب بندہ اللہ کی رضامندی کے لیے اپنی آنکھ اور نگاہ پست کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کے عوض اسے بصیرت عطا فرماتا ہے۔ اسے علم وایمان اور معرفت وفراست کی برکتوں سے نوازتا ہے۔ یہ چیزیں قلب کی بصیرت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ دیکھ لیجیے کہ لوطیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالکل اس کے خلاف ہے:

لعمرک انهم لفی سکرتهم یعمهون (الحجر ۱۵: ۷۲)

اے محمد! تمہاری جان کی قسم، وہ لوگ اپنے نشے میں بدمست ہیں، اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔

ان لوگوں کی حالت کو اللہ تعالیٰ نشہ بازوں کی حالت سے تعبیر کرتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی عقلیں فاسد اور خراب ہوگئی ہیں۔ اندھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی بصارت خراب ہو چکی ہے۔ پس صورتوں کے متعلق سے فسادِ عقل لازم ہے، اور جس کی بصیرت ختم ہو جاتی ہے، اس کا قلب مسکر اور نشہ باز کا سا ہو جاتا ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

سکران سکر هویٰ وسکر مدامة ومتی إفاقة من به سکران

یہ لوگ خواہشات اور خواہشات کی مداومت کے نشے سے بدمست ہیں، ایسے بدمستوں کو افاقہ کب میسر آ سکتا ہے۔

کسی دوسرے شاعر نے کہا ہے:

قالوا جننت بمن تهوی فقلت لهم العشق اعظم مما بالمجانین

العشق لا یستفیق الدهر صاحبه وإنما یصرع المجنون فی الحین

لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنے محبوب کی محبت میں مجنون ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا، عشق تو مجانین اور دیوانوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ عشق کے مارے ہوئے

کوتو کبھی افاقہ نہیں ہوتا، جب کہ مجنون پر تو بے ہوشی کا دورہ کبھی کبھی پڑتا ہے۔

ہفتم: نگاہ پست رکھنے سے قلب کے اندر استقامت وثبات اور شجاعت وقوت پیدا ہوتی ہے اور اللہ اس کے اندر بصیرت ومحبت اور قدرت وقوت کے خزانے جمع کر دیتا ہے۔ کہا گیا ہے:

الذی یخالف هواہ یفر الشیطان من ظله

جو آدمی اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے، شیطان اس کے سائے سے بھاگتا ہے۔

خواہشات کی پیروی کرنے والے کوتم سراسر اس کے خلاف پاؤ گے۔ وہ اپنے نفس کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے، اپنے کو بے قدر، ذلیل اور حقیر بنالیتا ہے، جو آدمی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، بلکہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہونے دیتا۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اگر چہ نافرمان لوگوں کے خچر انہیں اٹھائے پھرتے ہیں اور گدھے پر وہ سوار ہوتے ہیں، لیکن حقیقتاً معصیت وگناہ تو خود ان کی گردن پر سوار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کرنے والے کو ذلیل وخوار ہی کر کے چھوڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عزت کو طاعت وعبادت کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اور ذلت کو معصیت وگناہ کے ساتھ:

وللّٰه العزة ولرسوله و للمؤمنين (المنٰفقون ٦٣: ٨)

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں ہی کے لیے ہے۔

اور فرماتا ہے:

ولا تهنوا ولا تحزنوا و أنتم الاعلون إن كنتم مومنين (آل عمران ٣: ١٣٩)

اگر تم مسلمان ہو تو ہمت نہ ہارو، اور نہ رنج کرو، کیونکہ تم ہی لوگ غالب رہو گے، اگر تم ایمان والے ہو۔

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ایمان نام ہے قول وفعل کا، اور ظاہری و باطنی عمل کا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من كان يريد العزة فللّٰه العزة جميعا اليه يصعد الكلم الطيب و العمل الصالح يرفعه (فاطر ۳۵: ۱۰)

جو شخص عزت چاہتا ہے تو ساری عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اس کی طرف پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں اور نیک عمل اسے بلند کر دیتا ہے۔

یعنی جو عزت کا خواستگار ہے، اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت اور اچھے کلام اور اچھے اعمال سے خدا کو یاد کرتا رہے۔ دعائے قنوت میں ہے:

انه لا یذل من والیت و لا یعز من عادیت

جس سے تو دوستی کرتا ہے، اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا، اور جس سے تو دشمنی کرتا ہے، اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اس کی اطاعت کے مطابق محبت کرتا ہے اور اطاعت کے مطابق اسے عزت سے سرفراز فرماتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے، اس سے وہ عداوت رکھتا ہے اور اس کی معصیت و نافرمانی کے اعتبار سے اسے ذلیل و بے عزت کرتا ہے۔

ہشتم: نگاہ و نظر پست رکھنے سے انسان، شیطان کے لیے قلب تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیتا ہے، کیونکہ شیطان نگاہ و نظر ہی کی راہ سے قلب تک رسائی پاتا ہے، اور اس قدر تیزی سے جا گھستا ہے کہ کسی خالی جگہ میں خواہشات بھی اتنی تیزی سے نہیں پہنچ سکتیں۔ شیطان منظور الیہ کی صورت و شکل بن کر بڑی تیزی سے قلب کی طرف دوڑ پڑتا ہے اور اسے نہایت مزین اور آراستہ کر کے قلب کے سامنے پیش کرتا ہے۔ قلب کو بڑی بڑی تمنائیں، آرزوئیں اور امیدیں دلاتا ہے اور پھر اس میں شہوت کی آگ مشتعل کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ معاصی اور گناہوں کا ایندھن اس آگ میں جھونکتا رہتا ہے۔ شیطان اسی صورت و شکل کے ذریعے معاصی اور گناہ کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس کے بعد انسان آگ کے شعلوں میں بری طرح گھر جاتا ہے، اس کی سانس سے بھی آگ کے شعلے اٹھتے ہیں۔ انہیں شعلوں میں وہ جلتا اور بھنتا رہتا ہے، کیونکہ قلب ہر جانب سے

اس طرح آگ میں گھر جاتا ہے، جس طرح بکری کو تنور کے اندر بھوننے کے لیے رکھا جاتا ہے اور اس کی ہر جانب آگ ہوتی ہے، اس طرح قلب آگ کے اندر وسط میں پڑا ہوا جلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہوت پرستوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے محرمات کی صورتوں اور شکلوں کے مطابق عقوبت و سزا مقرر کی ہے۔ برزخ میں ان کے لیے آگ کے تنور بنا رکھے ہیں اور ان کی روحوں کو قیامت تک کے لیے ان میں مقید کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کیفیت سے خواب میں آگاہ کیا ہے۔ خواب کی یہ حدیث **بخاری و مسلم** کی متفق علیہ حدیث ہے۔

نہم: غضِ بصر، یعنی نگاہ پست کر لینے اور محرمات سے نظر کو بچانے سے قلب کو اس قدر فراغت و اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ بندہ اپنے مصالح اور مفید اشغال پر پوری یک جہتی اور کامل یک سوئی کے ساتھ غور کر سکتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ نگاہ آزاد و آوارہ رہے اور نظر محرمات پر دوڑتی رہے تو انسان کا دل تشتت و انتشار اور اضطراب و بے چینی کا چشمہ بن جاتا ہے۔ یہ چیز مفید امور اور مصالح پر غور و فکر کرنے سے روکتی ہے، اس لیے انسان کے جس قدر بھی کام ہوتے ہیں، پراگندہ ہو جاتے ہیں اور وہ صرف خواہشاتِ نفس ہی کے پیچھے لگا رہتا ہے اور رب العالمین کے ذکر سے بالکل غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هوٰه وكان أمره فرطا (الكهف ۱۸: ۲۸)

اور اس شخص کا کہا مت مانو جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اس کا کام حد سے گزرا ہوا ہے۔

آزاد نگاہی سے یہ تینوں باتیں جو آیت میں مذکور ہیں، بقدر آزادی لازم و ضروری ہو جاتی ہیں۔

دہم: آنکھ اور قلب کے درمیان ایک ایسا سوراخ اور راستہ ہے جس کی وجہ سے نگاہ اور قلب میں اس قدر اتحاد و یکجہتی رہتی ہے کہ جس کام میں آنکھ مشغول ہو جاتی ہے، قلب بھی مشغول ہو جاتا ہے۔ قلب مشغول ہو جائے تو آنکھ بھی مشغول ہو جاتی ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے

کی اصلاح، ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد لازم وملزوم ہیں۔ انسان کا قلب جب فاسد ہو جائے تو اس کی قوتِ فکریہ فاسد ہو جاتی ہے اور جب اس کی نگاہ فاسد ہو جائے تو قلب فاسد ہو جاتا ہے۔ نگاہ اچھی رہتی ہے تو قلب اچھا رہتا ہے۔

کسی انسان کی جب نگاہ ونظر فاسد اور خراب ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے قلب فاسد اور خراب ہو جاتا ہے، اور اس کا حال مزبلہ کا سا ہو جاتا ہے، جہاں نجاستیں اور ناپاکیاں، کوڑا کرکٹ اور میل کچیل پھینکا جاتا ہے۔ اب قلب اس قابل نہیں رہتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی محبت اور انس کو جگہ مل سکے، بلکہ اس میں وہی امور رستے بستے ہیں جو ان مقدس اوصاف کی اضداد ہیں۔

غضِ بصر، حفاظتِ نظر اور پست نگاہی کے فوائد کی طرف یہ ایک مختصر سا اجمالی اشارہ ہے، جس سے اس کے حاصل ہونے والے فوائد کی خبر ہو جاتی ہے۔



فصل ۹۰

محبوب ومکروہ کے درجات

مرضِ عشق کی مدافعت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قلب کو ایسے امور میں مشغول رکھا جائے جو اسے عشق میں مبتلا ہونے سے روک سکیں۔ اس کی شکل یہ ہے کہ خطرہ، خوف اور ڈر اس کے سامنے پیش کیا جائے، یا کوئی ایسی محبت پیش کر دی جائے، جو اسے جبراً اپنی طرف کھینچ لے اور دوسری جانب جانے سے روک دے۔

قلب میں جب تک اس امر کا خوف نہ ہو کہ فلاں چیز کا فوت ہونا، اس محبوب ومطلوب کے حصول سے زیادہ مضرت رساں ہے، یا فلاں چیز کا حاصل کرنا اس محبوب ومطلوب کے فوت ہونے سے زیادہ مضر ہے، یا فلاں چیز کی محبت اس کے لیے اس محبوب ومطلوب سے زیادہ نافع اور موجبِ خیر ہے، یا فلاں چیز کی محبت اس کے لیے اس محبوب ومطلوب کے فوت ہونے سے زیادہ مفید ہے، تب تک یہ حقیقت اس کے سامنے نہیں آتی۔ لازمی طور پر وہ صورتوں اور شکلوں کے عشق میں گرفتار رہے گا۔

اس کی شرح وتوضیح یوں ہے کہ نفس کسی محبوب ومطلوب کو اس وقت تک ترک نہیں کرتا، جب تک اس کے سامنے اس سے کوئی اعلیٰ و برتر محبوب ومطلوب نہ آئے، یا اسے اس امر کا خطرہ اور خوف نہ ہو کہ فلاں ناگوار چیز، یا فلاں مصیبت ومشکل جو سامنے آئے گی، اس کی مدافعت اس محبوب کے فوت ہونے سے زیادہ مضر ہوگی۔ ایسا شخص دو باتوں کا محتاج ہے۔ وہ اگر ان دو باتوں کو، یا دو میں سے کسی ایک کو ضائع کر دے تو وہ اپنی جان کو قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔

اول: اس میں صحیح بصیرت موجود ہو جس کے ذریعے وہ محبوب اور مکروہ کے درجات کو سمجھ سکے اور ان میں فرق و امتیاز کر سکے۔ اعلیٰ محبوب کو ادنیٰ محبوب کے مقابلے میں ترجیح دے سکے، بڑے مکروہ کے مقابلے میں ادنیٰ مکروہ اور بڑی مصیبت کے مقابلے میں ادنیٰ مصیبت کو برداشت

کر لے۔ عقل و دانش مندی کا یہی خاصہ ہے۔ جو اس طریقے کے خلاف ہے، وہ عقل منداور سمجھ دار نہیں، بلکہ بعض اوقات چوپائے اور جانور اس سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

دوم: اس میں عزم و ہمت اور صبر و استقامت کی پوری قوت ہو، تا کہ پوری ہمت سے وہ کام کر گزرے اور جو کام چھوڑنے کے قابل ہو، اسے چھوڑ سکے۔ دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات آدمی ان امور، ان قدروں، اور قدروں کے تفاوت کو اچھی طرح سمجھتا ہے، لیکن اس میں عزم و ہمت کی کمی ہوتی ہے۔ حرصِ نفس، عزم و ہمت کی کمی اور خست کی وجہ سے نافع ترین چیز کو خسیس ترین چیز کے مقابلے میں ترجیح دینے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص نہ خود اپنی جان کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو۔ اللہ تعالیٰ امامت فی الدین کا درجہ صرف اسی کو عطا کرتا ہے جو صبر و یقین کا حامل ہو۔ فرماتا ہے:

وجعلنا منهم أئمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا بآياتنا يوقنون (السجدة ۳۲: ۲۴)

اور انہی میں سے ہم نے کچھ پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے، جب کہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

اس قسم کے آدمی اپنے علم سے خود نفع حاصل کر سکتے ہیں، اور دوسرے کو بھی ان سے نفع پہنچتا ہے۔ بعض لوگ اس کے بالکل برعکس ہوا کرتے ہیں۔ نہ وہ خود نفع اٹھا سکتے ہیں، نہ دوسروں کو ان سے نفع پہنچتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے علم سے خود نفع اٹھاتے ہیں، لیکن دوسروں کو نفع نہیں پہنچا سکتے۔

پہلی قسم کے لوگ اپنے نور کی روشنی میں چلتے اور دوسروں کو اس نور سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگوں میں نور کی قندیلیں بالکل بجھی ہوتی ہیں۔ وہ خود تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں اور دوسروں کو بھی تاریکیوں میں بھٹکاتے پھرتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ اپنے نور کی روشنی میں خود ہی چلتے اور خود ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوسرے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

فصل ۹۱

محسوس صورتیں اور ''محبوبِ اعلیٰ'' کا عشق

اس مقدمے اور تمہید کے بعد اب سمجھ لیجیے کہ قلب میں محبوبِ اعلیٰ کی محبت، اس کا عشق اور محسوس صورتوں کا عشق یک جا نہیں ہو سکتے۔ یہ دونوں باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں جو کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوا کرتے، بلکہ لازم اور ضروری ہے کہ ایک کی محبت دوسرے کی محبت کو قلب سے نکال باہر کرے۔

جس شخص کی ساری محبتیں اس محبوبِ اعلیٰ سے وابستہ ہیں، جس کی محبت کے سوا تمام محبتیں باطل اور موجبِ عذاب ہیں، ایسا شخص دنیا کی ساری محبتوں سے منہ موڑ لیتا ہے، اس کے سوا تمام سے اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے۔ وہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت کرتا ہے تو صرف محبوبِ اعلیٰ کی خاطر، یا اس لیے کہ یہ محبت محبوبِ اعلیٰ کی محبت کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ شخص محبوب اعلیٰ کے سوا تمام سے اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے، یا پھر وہ اس چیز کو توڑ دیتا ہے جو اس محبوبِ اعلیٰ کی محبت کے متخالف ہو، یا محبوبِ اعلیٰ کی محبت میں کہیں کچھ رخنہ اندازی ہوتی ہے۔

محبت صادقہ کا اقتضاء تو یہ ہے کہ محبوب صرف ایک ہو، اور کسی کو اس کی محبت میں شریک نہ کیا جائے۔

انسان جب کبھی اپنے جیسے انسان ہی سے محبت کرتا ہے تو محبوب کبھی گوارا نہیں کرتا کہ محبت کرنے والا کسی دوسرے کو اس کا شریک کرلے، بلکہ اگر وہ ایسا محسوس کرے تو اس پر بگڑتا ہے، اس پر برہم ہوتا ہے۔ محبت کرنے والے کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا، اسے دھتکار دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے، تیرا دعویٰ محبت جھوٹا ہے، حالانکہ یہ محبوب اس امر کا اہل بھی نہیں ہے کہ محبت کی تمام تر قوتیں اس کے قدموں پر سرنگوں ہو جائیں، تو پھر وہ حبیبِ اعلیٰ، محبوبِ برتر و بالا کہ تمام تر محبتوں کا حقدار صرف وہی ہے، کیوں کر گوارا کرے گا کہ اس کی محبت میں کسی اور کو شریک کیا جائے؟ حال یہ ہے کہ اس کی محبت کے سوا تمام محبتیں موجبِ عذاب اور باعثِ وبال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس آدمی کو کبھی نہیں بخشے گا جو اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرے گا۔ اس کے سوا دوسروں کو جسے چاہے گا، بخش دے گا۔

پس وہ شخص جو صورتوں سے محبت کرتا ہے، وہ اپنے لیے نافع ترین محبت کو فوت کر دیتا ہے۔ اب بندہ ان دو محبتوں میں سے جسے چاہے، اختیار کر لے۔ یہ دو محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، نہ دونوں کی دونوں مرتفع ہو سکتی ہیں۔ محبتِ الٰہی، ذکرِ خداوندی اور شوقِ لقائے رب سے جو شخص اعراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں غیروں کی محبت میں گرفتار کر دیتا ہے، اور عالم برزخ اور عالم آخرت میں بھی اسے عذاب دیتا ہے۔ بتوں کی محبت کے ذریعے عذاب دیتا ہے، صلیب کی محبت کے ذریعے، آگ کی محبت کے ذریعے، مردوں اور لونڈوں کی محبت کے ذریعے، عورتوں کی محبت کے ذریعے، کاروبار، خاندان، قبیلے اور دوست واحباب کی محبت کے ذریعے، یا اس سے بھی کم تر درجے کی حقیر، بے وقعت، بے قدر اور ادنیٰ چیزوں کی محبت کے ذریعے اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ انسان تو ہر حال میں اپنے محبوب ہی کا بندہ ہوتا ہے، وہ محبوب خواہ کوئی ہو، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

أنت القتيل بكل من أحببته   فاختر لنفسك في الهوىٰ من تصطفي

جس سے تو محبت کرتا ہے تو اس کا کشتہ ہے، پس تو اسے اپنے لیے منتخب کر جسے تو اپنے لیے مخصوص کیا کرتا ہے۔

جس کا معبود و مالک اور مولا اللہ تعالیٰ نہیں، اس کا معبود و مالک اور مولا اس کی خواہشات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أفرأيت من اتخذ إلهه هواه وأضله الله على علم وختم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشاوة فمن يهديه من بعد الله أفلا تذكرون (الجاثية ۴۵: ۲۳)

بھلا اس شخص کو دیکھو جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے، اور باوجود اس کے ذی علم ہونے کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے، اور اس کے گوش و ہوش اور قلب پر مہر لگا دی ہے، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے؟ کیا تم سوچتے نہیں؟

فصل ۹۲

مراتبِ محبت اوران کی خصوصیات

تعبد کی یہ خاصیت ہے کہ خضوع وانکسار کے ساتھ محبوب سے محبت کی جائے اور محبوب کے سامنے اپنے کو ذلیل وحقیر اور بے قدر وبے توقیر کردیا جائے۔

آدمی جب کسی سے محبت کرتا ہے، محبوب کے سامنے خضوع وانکسار ظاہر کرتا ہے تو اس کا قلب اس کی عبادت کرتا ہے۔ محبت کے آخری درجے کا نام ہی تعبد ہے اور محبت کے اس درجے کا نام عربی میں التتیم بھی ہے۔

محبت کے ابتدائی درجے کو علاقہ کہتے ہیں، کیوں کہ اس میں قلب کا محبوب سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

وعلقت لیلی وھی ذات تمائم　　ولم یبد للاتراب من ثدیھا ضخم

لیلیٰ سے میری ابتدائی محبت اس وقت ہوئی جب وہ ابھی تعویذوں والی تھی اور کھیلنے کے لیے اس کی چھاتیوں پر کوئی ابھار شروع نہیں ہوا تھا۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

أعلاقة أم الولید بعد ما　　أفنان رأسک کالثغام الابیض

اب تم ام الولید سے عشق کرنے چلے ہو، جب تمہارے سر کی زلفیں سفید ثغام (۱) کی طرح ہوچکیں۔

علاقہ کے بعد الصبابہ کا درجہ ہے۔ اسے الصبابہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قلب

---

(۱) ثغام ایک پودا ہے جس میں سفید پھول اور سفید ہی پھل آتے ہیں۔

پوری گرویدگی کے ساتھ محبوب کی طرف جھک پڑتا ہے:

یشکی المحبون الصبابة لیتنی　　　تحملت مایلقون من بینهم وحدی

فکانت لقلبی لذة الحب کلها　　　فلم یلقها قبلی محب ولا بعدی

محبت کرنے والے صبابة کی شکایت کرتے ہیں۔ کاش کہ تمام محبت کرنے والوں کا سارا بوجھ میں اکیلا ہی اٹھا لیتا، تو محبت کی ساری لذت میرے ہی دل کے لیے ہوتی۔ کوئی محبت کرنے والا اس لذت کو نہ مجھ سے پہلے پاتا اور نہ میرے بعد۔

اس کے بعد الغرام کا درجہ ہے۔ الغرام نام ہے قلب کی اس محبت کا جو قلب کے اندر ہمیشہ کے لیے لازمی طور پر جاگزیں ہو جاتی ہے اور جو کسی وقت بھی قلب سے الگ نہیں ہوتی۔ قرضدار کو غریم اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب تک وہ قرض ادا نہیں کر لیتا، قرض میں پھنسا رہتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ کا ارشاد ہے:

إن عذابها کان غراما (الفرقان ۲۵: ۶۵)

بلاشبہ اس کا عذاب لازم ہونے والا ہے۔

علمائے متاخرین نے عموماً الغریم اور الغرام کا لفظ محبت کے معنی میں زیادہ استعمال کیا ہے۔ شعرائے عرب نے اس لفظ کو عموماً محبت ہی کے معنی میں زیادہ جگہ دی ہے۔ دوسرے معنی میں یہ بہت کم استعمال کیا گیا ہے۔

اس کے بعد عشق کا درجہ ہے۔ یہ افراطِ محبت کا درجہ ہے۔ پروردگارِ عالم کی محبت میں عشق کا لفظ استعمال نہیں ہوتا، نہ اس کے حق میں اس لفظ کا اطلاق صحیح ہے۔

پھر درجہ ہے شوق کا، اور شوق نام ہے قلب کے اس سفر کا، جو پوری تیزی سے محبوب کی طرف شروع کیا جائے۔ شوق کا اطلاق پروردگارِ عالم کے متعلق ہوتا ہے، جیسا کہ مسند امام احمدؒ میں حضرت عمارؓ بن یاسر کی حدیث میں مروی ہے:

حضرت عمارؓ نے ایک مرتبہ کامل اطمینان اور پورے خضوع و خشوع کے ساتھ نماز گزاری۔ ختمِ نماز کے بعد لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے نماز اس قدر لمبی کیوں کی؟ انہوں

نے جواب دیا کہ میں نے نماز میں وہ دعائیں پڑھیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے:

اللّٰهم إني أسئلک بعلمک الغیب. و قدرتک علی الخلق. أحیني إذا کانت الحیاة خیرا لي و توفني إذا کانت الوفاة خیرا لي. اللّٰهم إني أسئلک خشیتک في الغیب و الشهادة. و أسئلک کلمة الحق في الرضاء و الغضب. و أسئلک القصد في الفقر و الغنی. و أسئلک نعیما لا ینفد. و أسئلک قرة عین لا تنقطع. و أسئلک الرضاء بعد القضاء. و أسئلک برد العیش بعد الموت. و أسئلک لذة النظر الی وجهک الکریم. و أسئلک الشوق الی لقائک. في غیر ضراء مضرة و لا فتنة مضلة. اللّٰهم زینا بزینة الایمان و اجعلنا هداة مهتدین (مسند احمد بن حنبل ١٥: ١٩١)

اے اللہ! میں تجھ سے علمِ غیب کی برکت سے اور مخلوق پر جو تیری قدرت ہے، سوال کرتا ہوں۔ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے، مجھے زندہ رکھ اور جب تو جانے کہ میرے لیے موت بہتر ہے تو مجھے موت دے۔ اے اللہ! میں چھپے اور ظاہر تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں اور خوشی اور غصے میں کلمۂ حق کہنے کی تجھ سے توفیق مانگتا ہوں، اور محتاجی و آسودگی میں تجھ سے درمیانی رفتار مانگتا ہوں، اور تجھ سے ختم نہ ہونے والی، منقطع نہ ہونے والی نعمت مانگتا ہوں، اور تجھ سے آنکھوں کی ٹھنڈک مانگتا ہوں اور تجھ سے تیرے فیصلے کے بعد راضی ہونا مانگتا ہوں، اور تجھ سے مرنے کے بعد عیش کی ٹھنڈک مانگتا ہوں، اور تجھ سے تیرے رخ کی طرف دیکھنے کی لذت مانگتا ہوں، اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں، وہ شوق جو تکلیف دہ ایذا رسانی اور گمراہ کرنے والے فتنے سے پاک ہو۔ اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر، اور ہمیں ہدایت کرنے والے اور ہدایت پائے ہوئے بنا دے۔

ایک دوسرے اثر میں یہ الفاظ ہیں:

طال شوق الابرار الی وجهک و أنا الی لقائهم أشد شوقا

تیری ذات کے لیے ابرار کا شوق بہت طویل ہے اور تیری ملاقات کا بہت شائق ہوں۔

یہاں شوق کا لفظ اسی معنیٰ میں مستعمل ہے جس کی تعبیر اس حدیث میں ہے:

من أحب لقاء اللّٰه أحب اللّٰه لقائه (صحيح مسلم : ذكر)

جو آدمی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔

بعض اہل بصیرت نے آیت:

من كان يرجوا لقآء اللّٰه فان اجل اللّٰه لأت (العنكبوت ٢٩: ٥)

جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے۔

کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ کو چونکہ اس امر کا علم ہے کہ اس کے دوست اس کی ملاقات کے شائق اور متمنی ہیں، اور ان کے قلوب کے جذباتِ محبت اس وقت تک ٹھنڈے نہیں ہوں گے جب تک وہ اس سے ملاقات نہیں کر لیں گے، لہذا اس نے ان کے لیے ایک اجل و میعاد متعین کر دی۔ اس اجل و میعاد پر ان سے ملاقات کا وعدہ کر لیا تاکہ انہیں کچھ تسلی اور تسکین ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ طیب، پاکیزہ اور خوشگوار زندگی ان ہی لوگوں کی زندگی کا نام ہے۔ اس سے بہتر، خوشگوار اور پر نعمت زندگی کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی حیات طیبہ اور نفیس ترین زندگی کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے:

من عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة (النحل ١٦: ٩٧)

جس نے بحالت ایمان نیک کام کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

اس زندگی سے وہ زندگی مراد نہیں جو اہلِ ایمان اور اہلِ کفر میں، اور ابرار و فجار میں مشترک ہے، مثلاً اچھا کھانا ملے، اچھا لباس اور کپڑا ملے، اچھی عورت سے نکاح ہو، یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو بھی حاصل ہیں، بلکہ بمقابلہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو زیادہ حاصل ہیں۔

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی ضمانت دی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ وہ عملِ صالح

کرنے والوں کو حیاتِ طیبہ اور خوشگوار زندگی سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا سچا ہے، وہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ انسان کو اس سے بڑھ کر کون سی زندگی چاہیے کہ اس کی ساری توجہات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو جائیں اور صرف اسی کی رضامندی و رضا جوئی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس کے قلب میں کسی قسم کا تشتت واضطراب نہ رہے، بلکہ قلب کی تمام تر توجہ اللہ ہی کی طرف رہے۔ اس کے تمام افکار جو منقسم ومنتشر ہوتے ہیں، اور ہر وادی میں پراگندہ صورت میں گھومتے پھرتے ہیں، وہ صرف خدائے واحد پر، اس کی رضامندی ورضا جوئی پر مجتمع ہو جائیں، اور وہ صرف اپنے محبوبِ اعلیٰ ہی کا ذکر کرتا رہے اور اس پر محبتِ خداوندی، شوق لقائے محبوبِ اعلیٰ اور اس سے انس وتقرب غالب آجائے، اس کے سارے ہموم وغموم، فرحتیں اور مسرتیں اور تصورات اسی محبوبِ اعلیٰ کے گرد طواف کرتے رہیں، بلکہ اس کے قلبی خیالات بھی اس محبوبِ اعلیٰ کے گرد طواف کرتے رہیں۔ ایسا آدمی اگر خاموش بھی رہتا ہے تو صرف اللہ کے لیے، اس کی رضا جوئی کے لیے۔ وہ بولتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے، سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، دیکھتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، اور اللہ کے ساتھ، اللہ کی رضامندی کے لیے اور اس کی تمام تر حرکات وسکنات صرف اسی کی مرضی، اسی کی رضامندی اور رضا جوئی کے لیے ہوتی ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ اپنی زندگی گزارتا ہے، اسی پر وہ مرتا ہے اور اسی پر آخرت میں اٹھایا جائے گا، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ماتقرب الي عبدی بمثل أداء ما افترضت عليه، ولا يزال عبدی يتقرب الي بالنوافل حتى أحبه، فاذا أحببته، كنت سمعه الذی يسمع به و بصره الذی يبصربه ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها. فبي يسمع، وبي يبصر، وبي يبطش، وبي يمشي ولئن سألني لا عطينه. ولئن استعاذبی لأعيذنه، وما ترددت في شئي أنا فاعله ترددی عن قبضی روح عبدي المؤمن. يكره الموت وأكره مسائته. ولا بدله منه (صحيح بخاری : توحيد)

میرا بندہ مجھ سے تقرب حاصل کرتا ہے، اور اس کے پاس وہ ہوتا ہے جو اس پر میں نے

فرض کیا تھا اور میرا بندہ امن کے ذریعے مجھ سے تقرب حاصل کرتا ہے، تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میری ہی مدد سے سنتا ہے، میری ہی مدد سے دیکھتا ہے، میری ہی مدد سے پکڑتا ہے اور میری ہی مدد سے چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، اس میں مجھے کبھی تردد نہیں ہوتا، جیسا تردد مجھے میرے مومن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں ایسی کوئی بات پسند نہیں کرتا، جو اسے بری لگے، لیکن موت سے اسے چارہ نہیں ہے۔

اس حدیثِ قدسی کے معنی اور اسرار غلیظ الطبع اور کثیف القلب انسان ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ حدیث کی مراد یہ ہے کہ اللہ کی محبت کے اسباب دو قسم کے ہیں۔ فرائض کا ادا کرنا، اور نوافل کے ذریعے تقربِ خداوندی حاصل کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے حدیث میں یہ خبر دے دی کہ جو لوگ مجھ سے تقرب اور نزدیکی حاصل کرنا چاہیں، وہ پہلے فرائض ادا کریں، اس کے بعد نوافل کی کوشش کریں۔ نوافل کا درجہ فرائض ادا کرنے کے بعد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا نوافل کی کثرت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہ محبت ایک اور محبت کی موجب بن جاتی ہے، جو پہلی محبت سے مافوق اور قوی تر ہوتی ہے۔ یہ محبت اس کے قلب کو غیر محبوب کی فکر و اہتمام سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اس کی روح فکرِ اغیار کے مقابلے میں غالب آجاتی ہے اور اس میں کسی غیر کی گنجائش نہیں چھوڑتی۔ اس کے سامنے صرف اسی محبوب کی محبت اور اسی محبت کا ذکر ہوتا ہے اور بس۔ یہ اور یہی محبت اس کے قلب کی زمام کی مالک ہو جاتی ہے، اور اس پر اسی طرح مستولی اور غالب ہو جاتی ہے، جس طرح ایک محبوب پر کسی محبِ صادق کی محبت مستولی اور غالب آجاتی ہے کہ اس کی محبت کی تمام تر قوتیں

اور کوششیں صرف اسی محبوب کے لیے وقف ہو جاتی ہیں۔ بلا ریب یہ ایک ایسا محبّ اور دوست ہوتا ہے کہ محبوب ہی کے لیے سنتا اور دیکھتا ہے، محبوب ہی کے لیے ٹھہرتا اور چلتا ہے۔ محبوب ہی اس کے قلب میں بسا ہوا ہوتا ہے، ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہے اور ہمہ وقت اس کا مونس اور رفیق ہوتا ہے۔

حدیث میں جہاں حرف با آیا ہے وہ مصاحبت اور معیت کے لیے ہے۔ اس مصاحبت و معیت کی نظیر و مثال نہیں مل سکتی۔ اس کا سمجھنا اخبار و احادیث کے الفاظ اور احادیث کے ظاہر معنی سے ممکن نہیں۔ یہ مسئلہ محض علمی نہیں، بلکہ دوسرے شعبے کا مسئلہ ہے۔ یہ تو ایک ایسی کیفیت ہے کہ جب ایک انسان دوسرے انسان سے محبت کرنے لگتا ہے، تو پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ انسان انسان کی محبت کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ یہ اس کی فطرت سے خارج ہے۔ بعض محبت کے مارے کہتے ہیں:

خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی　　ومثواک فی قلبی فأین تغیب

میری آنکھ میں تیرا خیال ہے اور زبان پر تیرا ذکر۔ تیرے آرام کی جگہ میرا قلب ہے پس اب تو کہاں چھپے گا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

وتطلبهم عینی وهم فی سوادها　　ویشتاقهم قلبي وهم عین أضلعی

میری آنکھیں انہیں ڈھونڈتی ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ ان کے دل میں ہیں اور میرا قلب ان کا مشتاق ہے، حالانکہ وہ میری بغل میں ہیں۔

ومن عجب أنی أحن الیهم　　فأسئل عنهم من لقیت وهم معی

عجیب بات ہے کہ میں محبت سے ان کی طرف کھنچتا ہوں، جو مجھ سے ملتا ہے اس سے ان کا حال پوچھتا ہوں، اور حال یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ ہی ہیں۔

کسی اور شاعر نے کہا ہے:

أن قلت غبت فقلبی لایصدقنی　　إذا أنت فیه مکان السر لم تغب

اگر میں کہوں کہ تو مجھ سے غائب ہے تو میرا قلب میری تصدیق نہیں کرتا، کیونکہ تو میرے قلب میں ایسی جگہ چھپا ہوا ہے کہ غائب ہو ہی نہیں سکتا۔

اوقلت ما غبت قال الطرف ذا كذب   فقد تحيرت بين الصدق والكذب

یا اگر میں یہ کہوں کہ تو غائب نہیں ہے تو آنکھیں جھٹلاتی ہیں، تو اب میں اس صدق و کذب میں حیران ہوں۔

محبوب سے محبّ جس قدر قریب ہوتا ہے دوسرا کوئی نہیں ہوتا۔ بسا اوقات یہ محبت اس قدر راسخ اور جاگزین ہو جاتی ہے کہ محبت کرنے والا اپنی جان تک کو فراموش کر جاتا ہے، لیکن محبوب کو کسی حال میں فراموش نہیں کرتا۔ جیسا کہا گیا ہے:

أريد لأنسى ذكره فكأنما   تمثل لى ليلى بكل سبيل

میں اس کے ذکر کو بھی بھلا دینا چاہتا ہوں، مگر ہوتا یہ ہے کہ لیلیٰ ہر راستے پر میرے سامنے ہوتی ہے۔

کسی اور شاعر نے کہا ہے:

يراد من القلب نسيانكم   وتأبى الطباع على الناقل

قلب کی طرف سے بھلا دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے اور طبیعت الگ کرنے سے انکار کرتی ہے۔

حدیث مذکور میں اللہ نے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے، کیوں کہ یہ تعقل و ادراک کے آلات اور عمل کے ذرائع ہیں۔ کان اور آنکھ قلب کے سامنے قصد و ارادہ اور کراہت و نفرت کو لاتے ہیں، اور یہی قلب کے سامنے محبت و عداوت بھی پیش کرتے ہیں اور قلب ہاتھ اور پاؤں کو ان چیزوں میں استعمال کرتا ہے۔ بندے کے کان اور آنکھ خدا کے ساتھ ہو جاتے ہیں، تو قلب اپنے آلاتِ ادراک کی طرف سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے اندر محفوظ ہو جائے تو پھر محبت و عداوت میں بھی وہ محفوظ ہو جاتا ہے، اور جب وہ اس بارے میں محفوظ ہو گیا تو سمجھ لیجیے کہ ہاتھ اپنی گرفت اور پاؤں چلنے میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔

یہاں اللہ نے صرف کان اور آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، زبان کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کان سے سننا اور اس کا ادراک کبھی اختیاری ہوتا ہے اور کبھی غیر اختیاری۔ آنکھ سے دیکھنے کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی اختیاری ہوتا ہے، کبھی غیر اختیاری۔ ہاتھ

اور پاؤں کا یہی حال ہے، لیکن زبان کا حال دوسرا ہے۔ یہ بغیر مقصد و ارادہ کے حرکت ہی نہیں کرتی، نیز دیگر جوارح اور اعضاء کے مقابلے میں قلب سے زیادہ تعلق اور اشغال زبان ہی کو ہوتا ہے، اور قلب کے تأثرات سے سب سے زیادہ زبان ہی متاثر ہوتی ہے، کیونکہ زبان قلب کی ترجمان اور پیغامبر ہے۔

غور کیجیے! جب بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے اور فرائض و نوافل کے ذریعے اس کا مقرب بندہ ہو جاتا ہے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس کے سننے، دیکھنے، چلنے پھرنے اور پکڑنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كنت سمعه الذى يسمع به و بصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها و رجله التي يمشي بها (صحيح بخارى : توحيد)

میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ کان اور آنکھ کے ادراکات اور ہاتھ پاؤں کی حرکات میں اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ہوتا ہے، پھر اس کیفیت کا اظہار وہ اس طرح کرتا ہے:

بي يسمع و بي يبصر و بي يبطش (میرے ساتھ سنتا ہے، میرے ساتھ دیکھتا ہے، میرے ساتھ پکڑتا ہے)۔

یہ نہیں فرمایا:

لي يسمع ولي يبصر ولي يبطش (میرے لیے سنتا ہے، میرے لیے دیکھتا ہے، میرے لیے پکڑتا ہے)۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں بي کی جگہ لي ہونا چاہیے۔ لي اظہار غایت اور خصوصیت پر زیادہ دلالت کرتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیے گئے ہیں، اور یہ معنی وقوع عمل میں اللہ تعالیٰ کی معیت پر زیادہ دلالت کرتے ہیں، لیکن یہ ایک اہم اور سخت ترین غلطی ہے، کیونکہ

یہاں لفظ بــا محض استعانت کے لیے نہیں ہے، کیونکہ ادراکات خواہ ابرار کے ہوں، خواہ فجار وفساق کے، محض اللہ تعالیٰ کی معاونت ہی سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہاں بــا مصاحبت ومعیت کے لیے ہے، جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بندہ اس حال میں سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ معنی ایک دوسری حدیث سے بھی واضح ہوتے ہیں:

أنا مع عبدی ما ذکرنی و تحرکت بی شفتاه

میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے لیے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔

یہ وہی خاص قسم کی مصاحبت ومعیت ہے، جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

إن اللّٰہ معنا (التوبة ۹: ۴۰) (اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔

اور جو اس حدیث میں مذکور ہے:

ما ظنک باثنین اللّٰہ ثالثھما (ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن میں تیسرا اللہ ہے)۔

نیز وہ مصاحبت ومعیت جو اس آیت میں ہے:

و إن اللّٰہ لمع المحسنین (العنکبوت ۲۹: ۶۹)

اور اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور جو اس آیت میں بھی ہے:

إن اللّٰہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون (النحل ۱۶: ۱۲۸)

بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے پرہیز گاری کی اور وہ نیکیاں کرنے والے ہیں۔

اور جو اس آیت میں ہے:

و اصبرو إن اللّٰہ مع الصّٰبرین (الانفال ۸: ۴۶)

اور صبر کرو، بے شک! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور جو اس آیت میں ہے:

كلا إن معي ربي سيهدين (الشعراء ٢٦: ٦٢)

موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب ہے۔

اور اس آیت میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

إننی معکما أسمع و أری (طٰهٰ ٢٠: ٤٦)

میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

مصاحبت ومعیت کے اس معنی پر صرف حرف بــــا دلالت کرتا ہے، حرف لام نہیں۔ بندے کے اخلاص، اس کے صبر وتوکل اور مقاماتِ عبودیت کے نزول اور مصاحبت ومعیت کا اظہار وبیان صرف حرف با ہی کے ذریعے ہوسکتا ہے، نہ کہ لام کے ذریعے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ مصاحبت ومعیت جب بندے کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کی ساری مشقتیں اور سارے مصائب وآلام آسان ہوجاتے ہیں اور ہمہ قسم کا خوف وہراس بندے کے حق میں امن واطمینان کا باعث بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مصاحبت ومعیت ہمہ قسم کی صعوبات ومشکلات کو آسان کردیتی ہے اور ہر بعید چیز قریب ہوجاتی ہے۔ ہموم وغموم اس پر اللہ تعالیٰ کی معیت میں نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے اسے ہم ہوتا ہے نہ غم، حزن ہوتا ہے نہ ملال، اور یہ معنی حرف بــــا ہی کے ذریعے واضح ہوتے ہیں۔ یہ معنی فوت ہوجائیں تو سمجھ لیجیے کہ بندے کا قلب ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے۔

کسی بندے کو جب پروردگارِ عالم سے مصائب ومشکلات میں یہ مصاحبت ومعیت حاصل ہوجاتی ہے تو پھر اس کی تمام تر حوائج وضروریات میں بھی اس کی مصاحبت ومعیت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام تر حوائج وضروریات اور سوالات کو پورا کرتا رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ولئن سألنی لأعطینه ولئن استعاذبي لأعیذنه (صحیح بخاری: رقاق)

اور اگر میرا بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اور مجھ سے پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔

یعنی بندہ جب میرے ارادے کی موافقت کرتا ہے، میرے احکام کی تعمیل کرتا ہے، مشکلات و مصائب میں میرے پاس آتا ہے اور اپنی احتیاجات کو وہ میرے آگے نہایت بیم و رجاء کے ساتھ پیش کرتا ہے، تو میں ضرور اس کا ساتھ دیتا ہوں اور مکروہات و مشکلات میں مجھ سے پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔

یہ مصاحبت اور اس قسم کی معیت خدا نے جانبین سے ثابت کی ہے۔ یہ مصاحبت و معیت وہ رشتہ ہے کہ اللہ اپنے بندے کی موت میں بھی تردد کرنے لگتا ہے، کیونکہ اس بندے کو موت پسند نہیں اور جو چیز اس بندے کو پسند نہیں، اسے پروردگارِ عالم بھی پسند نہیں کرتا۔ اس بندے کی کسی قسم کی برائی اور رنج اسے پسند نہیں تو اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے موت بھی نہ دے، لیکن بندے کی مصلحت اسی میں ہے کہ وہ اسے موت سے ہم آغوش کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ موت اسی لیے بھیجتا ہے کہ وہ اسے دوبارہ زندہ کرے گا، مرض و بیماری میں اس لیے مبتلا کرتا ہے کہ اسے صحت و صلاحیت سے نوازے گا، اسے فقیر و مسکین اس لیے بناتا ہے کہ اسے غنی اور بامراد بنائے گا۔ اس کے لیے کچھ روکتا ہے، تو کچھ عطا کرنے کے لیے، اسے اپنے باپ آدمؑ کی صلب میں رکھ کر اس لیے جنت سے نکالا ہے کہ وہ اسے پھر جنت میں داخل کرے۔ اس کے باپ کو اللہ نے اخرج منھا (جنت سے نکل جا) کہہ کر اس لیے نکال دیا کہ دوبارہ جنت میں داخل کرے۔

درحقیقت یہی ذات، اور یہی اللہ تعالیٰ حقیقی محبت کے لائق ہے اور یہی حقیقی محبوب ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی حبیب ہو سکتا ہے، نہ محبوب۔ بندے کا اگر ایک ایک بال، اللہ کی محبت سے مست و سرشار ہو جائے، تب بھی بندے پر اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے، ادا نہیں ہو سکتا۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

نقل فؤادک حیث شئت من الھوی ما الحب الا للحبیب الاول

اپنے دل کی خواہشات میں جہاں چاہو، بھٹکو محبت تو صرف حبیبِ اول ہی کے لیے ہے۔

کم منزل فی الارض یألعفه الفتی وحنینه أبد الاول منزل

زمین کی بہت منزلوں سے نوجوان الفت رکھتا ہے، لیکن اس کے دل کی بے قراری تو ہمیشہ پہلی ہی منزل کے لیے ہے۔

فصل ۹۳

التتیم: محبت کا آخری درجہ

اس کے بعد محبت کا وہ درجہ ہے جسے التتیم کہتے ہیں۔ التتیم کے معنی ہیں کہ محبّ اپنے محبوب کی عبادت و پرستش کرنے لگ جائے۔ عرب کے محاورے کے مطابق انسان جب کسی کی عبادت کرنے لگے تو کہتے ہیں: تیمه الحب (محبت نے اس کو عبد، یعنی غلام بنا دیا ہے) اور یہ جملہ بھی اس معنی میں ہے، تیم اللہ یعنی عبداللہ۔

تعبد و عبادت کی یہ حقیقت کہ محبّ اپنے محبوب کے سامنے انتہاء درجے کا خضوع و خاکساری ظاہر کرے، اور اس کے سامنے اپنے کو انتہائی ذلیل و بے توقیر بنا لے۔ اسی محاورے میں عرب کا یہ قول ہے: طریق معبد (روندا ہوا راستہ)، یعنی وہ راستہ جسے مدتوں روند کر ذلیل و پامال کیا گیا ہو۔ پس عبد اور بندہ وہ ہے جسے محبت نے محبوب کے سامنے خاضع اور سرنگوں کر دیا ہو اور یہی وجہ ہے کہ بندے کے تمام مقامات و حالات میں عبودیت سب سے اشرف و اعلیٰ مقام ہے۔ سلوک کی راہ میں تعبد سے بڑھ کر کوئی شریف ترین منزل نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اکرم الخلائق، محبوب ترین بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہم سے اہم مقام میں بھی وصفِ تعبد کے ساتھ یاد فرمایا ہے، اور مقامِ دعوت، مقامِ تحدی بالنبوۃ اور مقامِ معراج میں بھی وصفِ عبودیت سے یاد فرمایا:

وأنه لما قام عبداللّٰه يدعوه كادوا يكونون عليه لبدا (الجن ۷۲: ۱۹)

اور ہوا یہ کہ جب اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت کرنے کھڑا ہوتو جن اس پر غول کے غول جھکے پڑتے تھے۔

یہ مقامِ دعوت ہے۔ مقامِ تحدی بالنبوۃ کے موقع پر ارشاد ہے:

وإن كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله (البقرة ۲: ۲۳)

اگر تمھیں اس کلام کی صداقت میں کوئی شبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو ایسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔

مقامِ اسراء و معراج کے موقع پر فرمایا گیا ہے:

سبحان الذی اسری بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصٰى (بنی اسرآءیل ۱۷: ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے گئی۔

اور شفاعت کی ایک حدیث میں وارد ہے:

اذهبوا الى محمد صلى الله عليه وسلم. عبد غفر الله له، ماتقدم من ذنبه وما تأخر

تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ ایسا عبد (بندہ) ہے جس کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف کر دیے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقامِ شفاعت کمالِ عبودیت و کمالِ مغفرت کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور محبت کی تمام انواع و اقسام میں عبادت ایک کامل ترین نوع اور اکمل ترین قسم ہے۔ عبادت میں انتہائی خضوع و خشوع اور خاکساری ہوا کرتی ہے۔ اسلام کی اصل حقیقت یہی ہے اور حقیقتاً ملتِ ابراہیمی کی بھی، جس سے بجز سفیہ النفس کے کوئی روگردانی نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن يرغب عن ملة ابراهيم إلا من سفه نفسه (البقرة ۲: ۱۳۰)

اور ابراہیمؑ کے طریقے سے وہی منہ پھیر سکتا ہے جس کی اپنی عقل ماری گئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ شرک کے سوا وہ

دوسرے گناہ معاف کردے گا، لیکن شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصل شرک یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔ارشادِ ربانی ہے:

ومن الناس من يتخذ من دون الله أندادا يحبونهم كحب الله والذين آمنوا أشد حبا لله (البقرة ٢: ١٦٥)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ اور کو شریک بناتے ہیں جن سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنا چاہیے، البتہ جو لوگ ایمان دار ہیں، انہیں اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ خبر دیتا ہے کہ بعض لوگ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں، جیسی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی ذات سے انتہائی درجے کی محبت رکھتے ہیں، ایسی محبت کہ یہ مانند و مثیل بنانے والے اپنے مانند و مثیل سے رکھتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔آیت کے یہ معنی کہ مانند و مثیل گردانئے والے جس قدر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ مانند و مثیل گردانئے والے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے مانند و شئون کو اس محبت میں شریک کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت کمزور ہو جاتی ہے اور موحدین اللہ تعالیٰ کی محبت میں مخلص ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

مشرک لوگ اپنی محبت میں رب العالمین کے ساتھ دوسروں کو شریک گردانتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر اور مانند و مثیل بنا لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ مخلوق خالص اللہ تعالیٰ سے محبت کرے، کسی دوسرے سے محبت نہ کرے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے سخت ناراض ہوتا ہے جو کسی اور کو اپنا ولی، مددگار، شفیع و سفارشی بناتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان ہر دو چیزوں کو ساتھ ہی ساتھ اور

کبھی علیحدہ علیحدہ بیان کر کے اپنی ناراضی وخفگی کا اظہار کرتا ہے:

إن ربكم الله الذى خلق السمٰوات والارض فى ستة أيام ثم استوى على العرش يدبر الامر ما من شفيع الا من بعد إذنه (يونس ١٠: ٣)

بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔

مزید ارشاد ہے:

اللّٰـه الـذى خلق السمٰوات والارض وما بينهما فى ستة أيام ثم استوى على العرش مالكم من دونه من ولى ولا شفيع أفلا تتذكرون (السجدة ٣٢: ٤)

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، چھ دن کے اندر پیدا کیا، پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ سفارشی۔ کیا پھر بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

وأنذر به الذين يخافون أن يحشروا إلى ربهم ليس لهم من دونه ولى ولا شفيع لعلهم يتقون (الانعام ٦: ٥١)

اور اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جنہیں اپنے پروردگار کے حضور میں جمع ہونے کا خوف ہے، نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے نہ سفارشی۔ کیا عجب ہے وہ پرہیزگار بن جائیں۔

أم اتـخـذوا مـن دون الـلّٰـه شـفـعـاء قـل أولـو كانوا لا يملكون شيئاً ولا يعقلون. قل للّٰه الشفاعة جميعا (الزمر ٣٩: ٤٣)

کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے۔ کہہ دو! اگرچہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ سمجھتے ہوں۔ کہہ دو! ساری سفارشیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

مـن ورآئهـم جهنم ولا يغنى عنهم ما كسبوا شيئاً ولا ما اتخذوا من دون

اللّٰہ أولیاء ولھم عذاب عظیم (الجاثیة ۴۵: ۱۰)
ان کے پیچھے جہنم ہے، نہ ان کی کمائی اس سے انہیں بچا سکے گی، اور نہ وہ معبود جنہیں اللہ کے سوا انہوں نے حمایتی بنا رکھا ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔

صرف اپنے رب کو اپنا ولی اور دوست بنانے والا اگر کسی اور کو اپنا ولی، مددگار، دوست اور شفاعتی و سفارشی بناتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بناتا ہے اور مومنین و صالحین کے ساتھ اپنا رشتۂ موالات ومحبت جوڑتا اور استوار کرتا ہے۔ یہ مومنین اللہ کی راہ میں اس کے ولی ومددگار رہوتے ہیں۔ یہ موالات ومحبت اور چیز ہے بخلاف اس صورت کے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اپنا ولی اور دوست بنائے، یہ دوسری چیز ہے۔ یہ اور رنگ ہے اور وہ دوسرا رنگ۔ شفاعتِ شرکیہ کا اور رنگ ہے اور شفاعتِ حقہ کا جس سے توحید وابستہ ہوتی ہے، دوسرا رنگ ہے۔ اہل شرک اور اہل توحید کی تفریق کا یہی مقام ہے۔ واللہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

مقصد یہ ہے کہ حقیقتِ عبودیت اور عبودیت کے موجبات، محبت اور لوازماتِ محبت میں کسی کو شریک بنا لینے کے بعد خالص نہیں رہ سکتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کی جائے تو یہ محبت لوازماتِ عبودیت اور موجباتِ عبودیت میں سے ہے، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور ایسی محبت کرنا کہ اپنی جان و مال، آباء واجداد اور اولاد سے بھی زیادہ ہو۔ ان تمام کی محبت سے آپ ﷺ کی محبت کو مقدم سمجھنا عین تکمیلِ ایمان ہے۔ آپ ﷺ سے اس قسم کی محبت کیے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے معنی میں ہے۔ یہی حکم ہے ہر اس محبت کا جو للہ فی اللہ ہو۔ صحیحین میں ہے:

ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان (صحیح بخاری : ایمان)
تین چیزیں جس کے اندر ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت پائے گا۔
وہ تین چیزیں کون سی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

لایجد عبد طعم الایمان إلا من کان فی قلبه ثلاث خصال. أن یکون اللّٰہ

و رسوله أحب اليه مما سواهما. وأن يحب المرء لايحبه الاللّٰه. وأن يكره أن يرجع الى الكفر بعد ان انقذه اللّٰه منه كما يكره ان يقذف فى النار. (صحيح مسلم : ايمان)

بندہ ایمان کا مزہ نہیں پاتا جب تک کہ اس کے قلب میں تین خصلتیں موجود نہ ہوں۔اللہ اور اللہ کا رسول اسے تمام سے زیادہ محبوب ہو، اور یہ کہ وہ کسی سے محبت رکھے تو صرف اللہ کے لیے رکھے، اور یہ کہ جس کفر سے اللہ تعالیٰ نے اسے نکالا ہے، اس کی طرف پھر لوٹنے کو وہ ایسا برا سمجھے جس طرح کہ وہ آگ میں ڈال دیے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

سنن کی ایک حدیث ہے:

من أحب اللّٰه وأبغض للّٰه وأعطى للّٰه ومنع للّٰه فقد استكمل الايمان (ابو داؤد : سنه)

جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اور اللہ کے لیے دشمنی کی، اور اللہ کے لیے دیا، اور اللہ کے لیے روک دیا تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

ما تحاب رجلان فى اللّٰه الا كان أفضلهما أشدهما حبا لصاحبه

جو دو آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں، ان میں افضل آدمی وہ ہے جو اپنے ساتھی سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔

یہ محبت تو محبت الٰہی کے لوازم و موجبات میں سے ہے، اور جس قدر بھی یہ محبت قوی اور زیادہ ہوگی، اسی قدر محبت الٰہی کی جڑیں قوی اور مضبوط ہوں گی۔



فصل ۹۴

محبت کی اقسام

محبت کی چار قسمیں ہیں، جن کے مابین فرق و امتیاز واجب اور ضروری ہے۔ جو لوگ اس راہ میں بھٹک جاتے ہیں، وہ ان اقسامِ محبت کے مابین تمیز و تفریق نہ کرنے کے سبب ہی سے گمراہ ہوتے ہیں۔

اول: اللہ سے محبت کرنا صرف اللہ تعالیٰ سے محبت عذابِ الٰہی سے نجات پانے اور ثوابِ آخرت سے فائز المرام ہونے کے لیے کافی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت تو مشرک، کافر، صلیب پرست اور یہودی بھی رکھتے ہیں۔

دوم: جو کچھ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس سے محبت کرنا۔ یہی محبت انسان کو اسلام میں داخل کرتی اور کفر سے نجات دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا دوست وہی ہے جس میں یہ محبت زیادہ پائیدار اور زیادہ شدید ہو۔

سوم: الحب للہ و الحب فی اللہ، یعنی جو محبت صرف اللہ کے لیے اور اللہ ہی کی راہ میں ہو۔ یہ محبت اس امر کو لازم اور واجب کر دیتی ہے کہ بندہ ہر اس شئے سے محبت کرے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ یہ محبت بھی اس وقت صحیح ہے جب بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے اور اللہ کی راہ میں محبت کرے۔

چہارم: ایسی محبت کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ کسی دوسرے سے بھی کی جائے۔ یہ مشرکانہ اور شرکیہ محبت ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور سے بھی محبت کرتا ہے، وہ محبت اللہ کے لیے، اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اللہ کے دین کے لیے نہیں ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو اس کا شریک وسہیم بنا رہا ہے۔ مشرک اللہ تعالیٰ سے اسی قسم کی محبت کیا کرتے ہیں۔

محبت کی ایک پانچویں قسم بھی ہے جس سے ہمیں بحث نہیں اور وہ طبعی محبت ہے۔ اس محبت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طبعی مقتضیات سے ہیں، مثلاً پیاسا آدمی پانی سے محبت کرتا ہے، بھوکا روٹی سے۔ ایک شخص نیند سے اور کوئی اپنے بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبت مذموم نہیں، بشرطیکہ اسے ذکرِ خداوندی سے غافل اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھٹکا کر اپنے میں الجھا نہ لے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يـا أيهـا الـذيـن آمـنـوا لا تـلـهـكـم أموالكم ولا أولادكم عن ذكر الله (المنفقون ٦٣: ٩)

مسلمانو! تم کو نہ تمہارے مال یادِ خدا سے غافل بنا دیں، نہ تمہاری اولاد۔

اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتا ہے:

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر اللّٰه (النُّور ٢٤: ٣٧)

وہ لوگ جنہیں اللہ کی یاد سے نہ تجارت روکتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔



فصل ۹۵

خُلت: محبت کا بلندترین مقام

اس کے بعد خُـــلة کا درجہ ہے۔ خلت کمالِ محبت کا نام ہے۔ خلت میں قلب کے اندر محبوب کی محبت کے سوا کسی کی بھی محبت نہیں ہوا کرتی، محبوب کی محبت کے سوا قلب میں کسی کی محبت کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ خلت ایک ایسا منصب ہے جو کسی قسم کی شرکت کو برداشت نہیں کرتا۔ یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ کے دو خلیلوں ہی کے لیے مخصوص تھا، یعنی حضرت ابراہیمؑ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن اللّٰہ اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا (صحيح بخارى : انبياء)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح ابراہیمؑ کو اس نے اپنا خلیل بنایا ہے۔

اور حدیث ہے:

لـو كنت متخذا من أهل الارض خليلا لا تخذت أبـابكر خليلا، ولكن صاحبكم خليل الله (بخارى : مناقب الانصار)

اگر زمین والوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا، لیکن تمہارا یہ دوست تو اللہ کا خلیل ہے۔

ایک اور حدیث کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا:

إنى أبرأ الى كل خليل من خلته (ابن ماجه : مقدمه)

میں اللہ کی خلت کی وجہ سے ہر دوسرے خلیل کی خلت سے پاک ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہِ خداوندی میں لڑکے کی التجا کی کہ اے اللہ! تو مجھے لڑکا دے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں لڑکا دیا۔ اس لڑکے سے ان کو قلبی محبت ہوگئی اور قلب کا ایک گوشہ لڑکے کی محبت سے پر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی یہ بات پسند نہ آئی، اسے گوارا نہ ہوا کہ میرے خلیل کے قلب میں میرے سوا کسی اور کو جگہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو میرے لیے ذبح کردو۔ یہ حکم حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دیا گیا تھا تا کہ آپ کا پورا پورا امتحان لیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بچے کو ذبح کریں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قلب سے بچے کا تعلق منقطع کر دیا جائے اور آپ کا قلب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہو جائے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے جب انشراحِ صدر کے ساتھ حکمِ الٰہی کی تعمیل کی اور بچے کی محبت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو مقدم رکھا تو اللہ تعالیٰ کا مقصد پورا ہوگیا، اور بچے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا، اٹھا لیا گیا۔ اس عظیم الشان ذبیحے کے بدلے میں فدیہ مقرر ہوا، کیونکہ پروردگارِ عالم کبھی کسی چیز کا حکم دیتا ہے تو اسے سرے سے ختم نہیں کرتا، بلکہ اس کے کچھ حصے کو اٹھا دیتا اور کچھ کو باقی رکھا جاتا ہے، یا اس کے بدلے میں کوئی اور چیز مقرر کر دی جاتی ہے، جیسا کہ اس عظیم الشان ذبیحے کے بدلے میں فدیہ مقرر کر دیا گیا، یا جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کے وقت صدقہ دینا فرض کیا گیا تھا(۱)، پھر اس کی فرضیت کو اٹھا کر اسے مستحب کر دیا گیا، اور جیسا کہ پچاس وقت کی نمازوں کے بدلے میں پانچ وقت کی نمازیں باقی رکھی گئیں اور ان نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کا ہی باقی رکھا گیا۔ ایسا وہ کیوں کرتا ہے؟ خود فرماتا ہے:

لا يبدل القول لدى خمس في الفعل و خمسون في الاجر

میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی تو یہ نمازیں فعل وعمل کے لحاظ سے پانچ ہیں، لیکن اجر و ثواب کے لحاظ سے پچاس ہی ہیں۔



---

(۱) جیسا کہ سورہ مجادلہ میں ہے: يـاأيهـاالذين آمنوا اذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدى نجو کم صـدقة (۱۲:۵۸) (مسلمانو! جب تم رسولؐ سے کوئی راز کھولو تو راز کھولنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو)۔

فصل ۹۶

محبت عام اور خُلت کا تقابل

بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت کا درجہ خلة کے درجے سے بلند اور کامل ترین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام خلیل اللہ (اللہ کے خلیل) تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ (اللہ کے حبیب) ہیں۔ ان لوگوں کا یہ کہنا جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ محبت عام ہے اور خلت خاص۔ خلت محبت کے آخری اور انتہائی درجے کا نام ہے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ اعلیٰ، برتر محبوب کو ادنیٰ محبوب کے مقابلے میں ترجیح دی جائے۔

أن اللّٰه اتخذه خليلا كما اتخذا ابراهيم خليلا (صحيح بخاری : انبياء)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح ابراہیم کو اپنا خلیل بنالیا تھا۔

نیز جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا کہ پروردگارِ عالم کے سوا کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا، حالانکہ آپ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب سے بھی محبت تھی، اور خود آپ ؐ نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **اللّٰه يحب التوابين** (اللہ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)، **يحب الصابرين** (صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)، **يحب المحسنين** (احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)، **يحب المتقين** (پرہیز گاروں کو محبوب رکھتا ہے)، **يحب المقسطين** (انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)، لیکن اللہ کی خلت تو صرف حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہما الصلاۃ والسلام ہی کے لیے مخصوص ہے اور حدیث میں وارد ہے: **الشاب التائب حبيب اللّٰه** (نوجوان توبہ کرنے والا اللہ کا حبیب ہے)۔

پس ان کا یہ کہنا محض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی بناء پر ہے، حقیقت میں وہ اللہ کے رسول ؐ کو سمجھ ہی نہیں سکے۔

فصل ۹۷

محبوب یا مکروہ کو اختیار کرنے کا مسئلہ

قبل ازیں بتایا گیا ہے کہ بندہ اپنے کسی محبوب یا محبوب چیز اور خواہش کو اسی وقت ترک کرتا ہے، جب اس کے سامنے کوئی دوسرا محبوب، دوسری خواہش اور دوسری محبوب تر چیز ہو۔ وہ محبوب تر چیز کے مقابلے میں کمتر محبوب چیز کو ترک کر دیتا ہے، جس طرح محبوب تر چیز کے لیے وہ مکروہ اور تکلیف دہ چیز کو برداشت کر لیتا ہے اور بڑی مصیبت، بڑی تکلیف، بڑے مکروہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے چھوٹی مصیبت اور چھوٹا مکروہ اختیار کر لیتا ہے۔

یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ عقل و دانش کی یہ خاصیت اور تقاضا ہے کہ اعلیٰ و برتر محبوب کے مقابلے میں ادنیٰ محبوب کو ترک کر دیا جائے اور بڑے مکروہ، بڑی تکلیف اور بڑی مصیبت کے مقابلے میں چھوٹے مکروہ، چھوٹی تکلیف اور چھوٹی مصیبت کو اختیار کیا جائے، نیز یہ بات محبت و عداوت کی قوت وضعف پر مبنی ہے۔ دو باتوں کے بغیر یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ ایک قوتِ ادراک اور ایک دوسری شجاعتِ قلبی۔

انسان کے اندر قوتِ ادراک کم ہو اور محبوب و مکروہ کے درجات و مراتب کو سمجھ نہ سکتا ہو، یا پھر اس کا نفس و قلب کمزور ہو تو اس فعل و عمل سے وہ قاصر رہتا ہے، باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے حق میں اصلح چیز کون سی ہے؟ اصلح چیز اختیار کرنے سے اس کا نفس اور قلب اس کی مطاوعت نہیں کرتا۔ کسی انسان کی قوتِ ادراک جب صحیح ہوتی ہے، اس کا نفس قوی اور مضبوط ہوتا ہے، اس میں شجاعت و دلیری موجود ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ محبوب کو ادنیٰ محبوب کے مقابلے میں، اور بڑے مکروہ اور بڑی مصیبت کے مقابلے میں ادنیٰ اور چھوٹے مکروہ اور چھوٹی مصیبت کو ترجیح دیتا ہے، اور اس طرح وہ اپنے طور پر

سعادت کے سارے اسباب مہیا کر لیتا ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی شہوانی طاقت، عقل و ایمان کی طاقت کے مقابلے میں قوی ہوتی ہے، اور اس صورت میں غالب قوت کمزور قوت کو مغلوب کر لیتی ہے۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی قوتِ ایمانی اور قوتِ عقل، قوتِ شہوت کے مقابلے میں قوی اور طاقتور ہوتی ہے تو قوتِ ایمانی و عقل، قوتِ شہوانی کو مغلوب کر لیتی ہے۔

جب طبیب کے پاس کوئی مریض آتا ہے تو طبیب تشخیصِ مرض کے بعد مضر اشیاء سے اسے پرہیز کرنے کی ہدایت کرتا ہے، لیکن مریض کا نفس اور اس کی خواہشات عقل پر غالب آ جاتی ہیں اور وہ مضر اشیاء استعمال کر لیتا ہے تو طبیب اس کے متعلق یہ رائے قائم کر لیتا ہے کہ اس کی قوتِ ارادی کمزور ہے اور دوا اس کے لیے سودمند نہیں ہوسکتی۔ یہی حال قلب کے مریضوں کا ہے جن کی قوتِ شہوانی قوی ہوتی ہے، ان کا قلب اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جو ان کے مرض کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ ہمہ قسم کے شر اور خرابی کی اصل جڑ ضعفِ ادراک، ضعفِ نفس اور نفس کی دنائت و رزالت ہے اور خیر و فلاح کی اصل جڑ کمالِ ادراک، کمالِ قوتِ نفس اور نفس کی شرافت و شجاعت ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر چیز، ہر کام، ہر عمل و کردار کا مبداء و منبع محبت و ارادت ہے اور ہر چیز کے ترک کا مبداء اور منبع اس کی کراہت و عداوت اور نفرت ہے۔ قلب کی یہی دو قوتیں سعادت و شقاوت کی اصل اور بنیادیں ہیں۔ عقل اختیاری اسی وقت ہوتی ہے جب محبت اور ارادت کا سبب پایا جاتا ہے، اس لیے کسی کام کا ترک کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ اس کا مقتضاء اور سبب مفقود ہوتا ہے، کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے اندر بغض و کراہت موجود ہوتی ہے جو اسے اس کام سے روک لیتی ہے۔ امر و نہی کا تعلق اسی بغض و کراہت اور نفرت سے ہے۔ اسی کو اصطلاح میں کف کہتے ہیں۔ ثواب اور عقاب کا تعلق اسی سے ہے۔

اس بیان سے وہ اشتباہ جو مسئلۂ ترک کے متعلق کیا جاتا ہے کہ ترک امر وجودی ہے یا عدمی؟ رفع ہو جاتا ہے۔ مسئلے کی تحقیق یہ ہے کہ ترک کی دو قسمیں ہیں۔ وہ ترک جس کی اضافت سببِ مقتضی کی طرف ہو، وہ عدمی ہے، جس ترک کی اضافت کسی سببِ مانع من الفعل کی طرف ہو، یہ وجودی ہے۔

فصل ۹۸

فعل اور ترکِ فعل دونوں امور اختیاری ہیں۔

فعل ہو یا ترکِ فعل، دونوں امر اختیاری ہیں، ایک جاندار جب دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرتا ہے کہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا، چاہے وہ حصولِ لذت کا فائدہ ہو، یا ازالۂ تکلیف کا، اسی لیے محاورہ ہے کہ اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا، اس کا دل ٹھنڈا ہوا:

هي الشفاء لداء لو ظفرت بها　　وليس منها شفاء الداء مبذول

تو اسے پا جائے یہ وہ مقصود ہے کہ ہر ذی عقل اس کو ترجیح دیتا ہے، حتیٰ کہ بے عقل جانور بھی نفع اور استفادے کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے آدمی اس معاملے میں غلطی کر جاتے ہیں، یہاں تک کہ بدترین قسم کی غلطی کر جاتے ہیں۔ وہ ایسی لذت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ سخت رنج والم ہوتا ہے۔ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ لذت اندوز ہو رہا ہے اور اسے دل کی ٹھنڈک حاصل ہو رہی ہے، مگر بعد میں وہ اس کی وجہ سے انتہائی رنج والم محسوس کرتا ہے۔ یہ ہر اس آدمی کی شان ہوا کرتی ہے جو عواقب اور انجام پر نظر نہ رکھتے ہوئے فوری منفعت پر نظر رکھتا ہے۔ عقل کا خلاصہ تو یہ ہے کہ عواقب اور انجام پر نگاہ رکھی جائے۔ عقل منداور دانش مند وہ ہے جو جلد ختم ہونے والی لذت کے مقابلے میں دائمی لذت کو ترجیح دے، اور احمق اور بے وقوف آدمی وہ ہے جو اپنی ابدی اور ہمیشہ رہنے والی لذت و راحت اور خوشگوار عیش کو جلد سے جلد ختم ہونے والی لذت و راحت کے مقابلے میں فروخت کر دے۔ یہ جلد ختم ہونے والی لذت و راحت طرح طرح کے آلام وخطرات سے بھی ہوتی ہے اور اس قدر جلد ختم ہو جاتی ہے کہ ادھر لذت و راحت میسر آئی،

ادھر آلام وخطرات اور رنج ومحن کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے عقل مندوں کی کوششوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ سب ہی مطلوبِ واحد کی طلب میں کوشاں ہیں، گو ان کی راہیں مختلف ہیں۔ سب کے سب یہی کوشش کرتے ہیں کہ رنج اور الم ومصیبت سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اسی کے لیے کوئی کھانے پینے کی کوشش کرتا ہے، کوئی تجارت کے لیے دوڑ ادوڑی کرتا ہے، کوئی شادی ونکاح کی مجلسیں جماتا ہے، کوئی گاتا بجاتا ہے، کوئی رقص وسرود سے دل بہلاتا ہے، کوئی لہو ولعب میں وقت گزارتا ہے۔ مقصد اور مطلوب سب کا ایک ہی ہے کہ رنج والم اور ہم وغم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔

میرے نزدیک بے شک عقل مندوں کا یہی مطلوب اور یہی مقصد ہے اور ہر ایک اسی کے لیے کوشاں ہے، لیکن اکثر وبیشتر طریقے اس مطلوب ومقصود کے خلاف ہی جارہے ہیں۔ مانا کہ سب کا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کریں، صرف اسی کی ذات سے ان کا معاملہ ہو، اور ہر شئے کے مقابلے میں صرف اسی کی رضامندی حاصل کی جائے، مگر ان تمام راستوں میں سے ایک راستہ بھی مجھے ایسا نظر نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ صرف ایک ہے، اور وہ فقط انبیاء ومرسلین کا راستہ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ ہی نے بھیجا، تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کریں اور انہیں صراطِ مستقیم کی دعوت دیں۔ اس راہ پر چلنے والا اگر اپنا دنیوی حصہ فوت ہی کردے تو وہ اس اعلیٰ اور بہتر حصے سے تو ضرور کامیاب ہوجاتا ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد سمجھ لیجیے کہ اس کا کوئی حصہ فوت ہی نہیں ہوا، اور جسے یہ حصہ مل گیا، اسے ہر چیز مل گئی۔ وہ اگر اس کے ساتھ ہی ساتھ دنیا کے حصے سے بھی کامیاب ہوجائے تو اسے ہر طرح کی خوشی حاصل ہوگئی۔ پس بندے کے لیے اس راہ اور اس طریقے سے بہتر اور سود مند کوئی راہ اور کوئی طریقہ نہیں۔ اس سے بڑھ کر موصل الی المطلوب، موجبِ فرحت وبہجت اور باعثِ سرور وسعادت کوئی راستہ ہی نہیں، وباللہ التوفیق۔



فصل ۹۹

محبوب لذاتہ اور محبوب لغیرہ

محبوب دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ محبوب لذاتہ اور محبوب لغیرہ۔ محبوب لغیرہ کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس کی انتہاء محبوب لذاتہ پر ہو، کیوں کہ محبوب لذاتہ پر انتہائے تسلسل پیدا ہو جائے گا، جو محال ہے۔ ہر وہ محبوب جو ذاتِ الٰہی کے سوا ہے، محبوب لغیرہ ہے۔ سوائے ذات خدائے واحد کے کوئی ایسا نہیں جسے محبوب لنفسہ اور محبوب لذاتہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جس سے بھی محبت ہوگی، وہ ذات رب العالمین کی محبت کے ماتحت ہوگی، مثلاً فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء اللہ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے۔ ان سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کے لوازم میں ہے، کیونکہ محبوب کی محبت کے لیے لازمی امر ہے کہ محبوب جس سے محبت کرے، اس سے بھی محبت کی جائے۔

یہ مقام نہایت غور طلب اور قابلِ اعتناء ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس سے محبتِ نافعہ اور محبتِ غیر نافعہ کا فرق و امتیاز معلوم ہوتا ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ محبت لذاتہ، یا محبت لنفسہ اسی ذات سے ہو سکتی ہے جس کا کمال اس کے لوازمِ ذات سے ہو، اس کی ربوبیت اور غنا اس کی ذات کے لوازم سے ہو۔ انسان اس ذات کے سوا کسی سے بغض و عداوت اور کراہت و نفرت کرتا ہے تو صرف اس لیے کہ وہ اس محبوب لذاتہ کی محبت کے متضاد و منافی ہے۔

محبوب لذاتہ کے سوا جس چیز سے بھی انسان کو بغض، کراہت یا نفرت ہوگی، وہ اسی قدر ہوگی، جس قدر یہ چیزیں محبوب لذاتہ سے منافی اور متضاد ہوں گی۔ جو اعیان و اوصاف اور افعال و ارادات اس محبوب لذاتہ کے منافی ہوں گے، وہ بقدر اپنی منافات کے، ایک دوسرے سے بعید

ہوں گے۔ اسی منافات کے بقدر باہم کراہت وعداوت ہوگی، اور اسی منافات وتضاد کے مطابق اس سے بغض وعداوت ہوگی۔

محبت اور محبوب کے تعلق کی جانچ کے لیے ہم نے جو میزان پیش کی، وہ ایک بہترین میزان ہے۔ یہ ایک ایسی عادل میزان ہے جس سے پروردگار کی موافقت ومخالفت، موالات و عداوت اور دوستی ودشمنی پورے پورے عدل وانصاف کے ساتھ جانچی جاسکتی ہے۔

ایک شخص کسی ایسی چیز، ایسے امر یا ایسے آدمی سے محبت کرتا ہے جس سے پروردگارِ عالم سخت نفرت کرتا ہے، یا وہ اس چیز سے نفرت کرتا ہے جس سے پروردگارِ عالم کو محبت ہے تو اس کی محبت ونفرت کا اندازہ اس پیمانے کے ذریعے پوری طرح معلوم ہوسکتا ہے۔ اگر ہم دیکھیں کہ وہ اس چیز سے محبت کرتا ہے جس سے پروردگارِ عالم محبت کرتا ہے، اور اس سے کراہت کرتا ہے جس سے پروردگارِ عالم کراہت کرتا ہے، پھر جو چیز پروردگار عالم کو زیادہ محبوب ہے، اس سے وہ زیادہ محبت رکھتا ہے اور دوسرے کے مقابلے میں اسے ترجیح دیتا ہے، جس چیز سے پروردگارِ عالم کو نفرت اور عداوت ہے، اس سے یہ بھی نفرت وعداوت رکھتا ہے، جس قدر اللہ تعالیٰ کو اس چیز سے نفرت و کراہت ہے، اسی قدر اس کو بھی نفرت وکراہت ہے، تو اس سے سمجھ لیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی موالات ومحبت، یا کراہت ونفرت اس کی محبت وکراہت اور الفت ونفرت کے مطابق ہے۔

اس اصول وکلیہ کو اپنے ذہن میں رکھ کر اپنے اندر اور غیر کے اندر ولی وحمید، خدائے وحدہ لاشریک کی محبت وکراہت کا اندازہ لگایے۔ خدائے قدوس کی محبت کا معیار اس کی محبت وخفگی کی موافقت ومتابعت ہے۔ اس کی موالات کچھ نماز روزے کی کثرت اور مختلف اقسام کی ریاضتوں کی کثرت پر موقوف نہیں، بلکہ اس کی محبت وخفگی کے ساتھ موافقت پر موقوف ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے، اسے محبوب رکھے اور جس سے وہ نفرت کرتا ہے، نفرت کرے۔ اسی کا نام ولایت ہے۔

محبت لغیرہ کی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب کے حصول سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ اس محبت سے محبت کرنے والے کو خواہ رنج والم اور تکلیف ہی پہنچتی ہو، لیکن اس محبت کو وہ صرف اس لیے برداشت کرے کہ یہ محبت اسے محبوب تک پہنچاتی رہتی

ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ دوا مریض کو سخت مکروہ معلوم ہوتی ہے۔وہ دوا پیتا ہے،مگر نہایت کبیدہ خاطر ہوکر پیتا ہے،لیکن اس لیے پیتا ہے کہ اس سے اسے صحت حاصل ہو جائے جوایک محبوب ترین چیز ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

كتب عليكم القتال وهو كره لكم و عسى أن تكرهوا شيئاً وهو خير لكم وعسى أن تحبوا شيئاً وهو شر لكم والله يعلم وأنتم لا تعلمون (البقرة ۲: ۲۱۶)

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اگر چہ وہ تم پر شاق ہے،لیکن ممکن ہے ایک چیز تم پر شاق ہو،اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو،اور ایک چیز تمہیں محبوب و پسندیدہ ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو،اور یہ اللہ جانتا ہے اور تم ناواقف ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ قتال و جہاد سے لوگوں کو نفرت اور کراہت ہے، پھر بھی ان کے حق میں یہی بہتر اور موجبِ خیر و برکت ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے اس محبوب تک پہنچ سکتے ہیں جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ان کے حق میں نافع محبوب ہے۔

انسان عموماً راحت،فراغ اور رفاہیت کو محبوب رکھتا ہے،لیکن انسان کے حق میں یہ باتیں اور یہ چیزیں موجبِ شر اور تباہی کا باعث ہو جاتی ہیں، کیوں کہ ان سے انسان اس محبوب حقیقی کو بھول جاتا اور چھوڑ بیٹھتا ہے۔

عقل مند انسان اس محبوب کی لذت کی طرف نہیں دیکھتا جو اسے فوری طور پر حاصل ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔فوری لذت کو وہ دائمی نفع پر ترجیح نہیں دیتا اور نہ وہ فوری الم و راحت کو دیکھتا ہے، کیونکہ یہی چیز بعض اوقات اس کے حق میں موجبِ شر بن جاتی ہے۔کبھی یہی بات اسے انتہائی رنج والم کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور بڑی سے بڑی لذت اس سے فوت ہو جاتی ہے، بلکہ خاص الخاص بات تو یہ ہے کہ عقل مند لوگوں اور دانش مندانِ زمانہ کا یہ اصول رہا ہے کہ بڑی سے بڑی مشقتیں صرف اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ بعد میں انہیں لذت و سرور حاصل ہو۔ یہ لذت و سرور بھی گو منقطع ہو جاتا ہے،البتہ انسان اس کے لیے مشقت برداشت کرتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے چار باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ایک مکروہ سے دوسرا مکروہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک مکروہ دوسرے مکروہ تک پہنچا تا ہے۔ دوم یہ کہ ایک مکروہ اپنے محبوب تک پہنچا دے، سوم یہ کہ محبوب جو محبوب تک پہنچائے، اور چہارم جو محبوب مکروہ تک پہنچائے۔

محبوب جو محبوب تک پہنچا تا ہے، اس کے فعل وعمل کے دواعی دو امر ہیں، اور دہرے ہیں۔ مکروہ سے جو مکروہ تک پہنچا تا ہے، اس میں ترک فعل کے دواعی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری دو قسمیں جو باقی ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ یہاں دو مختلف دواعی ہوا کرتے ہیں۔ دواعیِ فعل اور دواعیِ ترک۔ ہر داعیہ انسان کو اپنی اپنی جانب کھینچتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہی دو قسمیں حقیقتاً ابتلاء وامتحان کے مواقع ہیں، چنانچہ نفسِ انسانی ہر اس چیز کو جو اس کے سامنے اور اس کے قریب اور نزدیک ہوتی ہے، اپنی جانب کھینچتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو اسے دنیا میں فوری طور پر حاصل ہوتی ہے، لیکن عقل وایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان وہ چیز حاصل کرے، جو اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دیرپا اور نافع ہو، نیز یہ نفع دائمی ہو۔

انسان کا قلب ان ہر دو مختلف جذبات کے درمیان دوڑتا پھرتا ہے۔ کبھی ایک کی طرف دوڑتا ہے، کبھی دوسرے کی طرف لپکتا ہے۔ شرعاً، قدراً، ابتلاء وامتحان اور تکلیف کا اصل مقام بھی یہی ہے۔ عقل وایمان کا داعی ہر وقت یہ ندا دیتا ہے:

حی علی الفلاح (فلاح وخیر کی طرف آؤ!)

صبح کے وقت وہ لوگ قابلِ تعریف ہیں جو شر وفساد اور فتنہ وفتور سے گریز کرتے ہوئے فلاح وصلاح کے راستے پر چل پڑتے ہیں، اور شام کے وقت وہ لوگ قابلِ تعریف اور موجب ستائش ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔ اُس پر اگر کسی کی محبت کی تاریکیاں غالب آ جاتی ہیں اور شہوت وہوس اس پر حکومت کرنے لگ جاتی ہے تو یہی منادی ندا دیتا ہے کہ ''اے نفس صبر کر! یہ لذت تو گھڑی بھر کی ہے، گناہ باقی رہ جائے گا، ہر چیز اور ہر لذت آنی جانی ہے اور اسے زائل ہونا ہی ہے''۔



فصل ۱۰۰

اللہ اور رسول کی محبت: اعمالِ دینیہ کی اصل

ہر عمل خیر و شر اور فعلِ حق و باطل کی اصل محبت ہے۔ سمجھ لیجیے کہ اعمالِ دینیہ کی اصل اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔

اقوالِ دینیہ کی اصل اللہ اور اللہ کے رسول کی تصدیق ہے۔ جو ارادہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی تکمیل میں رکاوٹ ہو، اور مزاحمت کرے، وہ تکمیل و تصدیق میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور یہ اصل ایمان کے خلاف ہے۔ اس سے ایمان کی جڑیں بہت ہی کمزور ہو جاتی ہیں۔ یہ ارادہ، اگر قوی، زیادہ تیز اور زیادہ مضبوط ہے تو وہ اصل محبت و تصدیق کے بالکل مخالف اور معارض ہو جاتا ہے۔ نوبت کفر و شرک، بلکہ شرکِ اکبر تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر اصل محبت و تصدیق کے معارض و مخالف نہیں ہے تو یہ لابدی ہے کہ ارادہ محبت و تصدیق کی تکمیل میں قباحت اور رخنے ضرور ڈالتا ہے، اسے کمزور کر دیتا ہے اور بندے کی عزیمت و ہمت، قوتِ پرواز اور قوتِ طلب میں فتور اور نقص پیدا کر دیتا ہے، پھر وصل و وصال، واصل وصول اور حصولِ مطلوب کی راہ میں یہ چیز ایک زبردست حجاب بن جاتی ہے، طالب کی راہ کاٹ دیتی ہے اور راغب کی رغبت کو تلخ کر دیتی ہے۔

دنیا میں کوئی موالات، کوئی محبت، کامل، صالح اور موجبِ خیر و فلاح نہیں ہو سکتی، جب تک اس محبت و موالات کے لیے دشمنیاں مول نہ لے لی جائیں، جیسا کہ قرآن حکیم میں امام الحنفاء اور امام المحبین حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا وہ قول نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تھا۔

أفرأيتم ما كنتم تعبدون أنتم و آباؤكم الأقدمون فانهم عدولي إلا رب

العالمين (الشعراء ٢٦:٧٥-٧٧)

کچھ تمہیں خبر بھی ہے کہ جن چیزوں کو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں یہ تو میرے دشمن ہیں، ہاں میرا دوست پروردگارِ عالم ہے۔

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت وموالات اور خُلت اسی وقت صحیح ہو سکتی تھی جب آپ کی دشمنی غیر اللہ کے مقابلے میں پوری طرح ابھر آتی۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی، ولایت، موالات، مودت اسی وقت صحیح ہو سکتی تھی کہ وہ اللہ کے سوا ہر معبود سے اپنے کو بری کر لیتے اور تمام معبودانِ باطل سے پوری قوت سے اپنے کو بری اور پاکیزہ بنا لیتے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قد كانت لكم أسوة حسنة في إبراهيم والذين معه إذ قالوا لقومهم إنا برآؤا منكم و مما تعبدون من دون الله كفرنا بكم و بدا بيننا و بينكم العداوة والبغضآء أبدا حتى تؤمنوا بالله وحدة (الممتحنة ٦٠: ٤)

مسلمانو! تمہارے لیے ابراہیم اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، ان کی زندگی اچھا نمونہ تھی۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہمیں تم سے اور تمہارے معبودوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، کچھ سروکار نہیں۔ ہم تمہیں بالکل نہیں مانتے، ہم میں دوامی دشمنی اور نہ ختم ہونے والا بغض ہے تا آنکہ تم ایک اکیلے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

واذ قال ابراهيم لأبيه وقومه إنني برآء مما تعبدون إلا الذى فطرني فانه سيهدين وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون (الزخرف ٤٣: ٢٦-٢٨)

اور ایک وقت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو، مجھے تو ان سے کچھ سروکار نہیں، مگر ہاں! مجھے اس اللہ سے سروکار ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ سو وہی راہِ راست بھی دکھائے گا اور انہوں نے اس عقیدۂ توحید کو ایسا مستحکم کیا کہ وہ بات

ان کی نسل میں باقی چلی آئی۔ان کی غرض یہ تھی کہ یہ لوگ اللہ کی طرف جھکا کریں۔

یعنی موالات و مودت اور محبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کر دینا اور معبودِ حقیقی کے سوا تمام معبودانِ باطل سے منہ موڑ لینا ایک ہمیشہ باقی رہنے والا کلمہ ہے جو انبیائے کرام اور پیروان انبیائے کرام سے چلا آ رہا ہے اور یہی کلمہ لا الـٰہ الا اللّٰہ ہے۔یہی وہ کلمہ ہے جو امام الحنفاء حضرت ابراہیمؑ نے اپنے متبعین اور پیروکاروں کو قیامت تک لیے ورثے اور ترکے میں دیا ہے، یہی وہ کلمہ ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق کی فطرت کو قائم کیا ہے۔

اس کلمے پر ملت کی تاسیس ہوئی ہے، اسی پر قبلے کی بنیادیں قائم ہیں، اسی کلمے کے لیے جہاد کی تلواریں ہمیشہ بے نیام ہوتی چلی آئی ہیں، اور یہ تمام بندوں کے لیے محض اللہ کا حق ہے۔ اس کلمے سے خون، مال اور اولاد کا تحفظ ہوتا ہے۔اس سے اس دنیا میں بھی تحفظ ہوتا ہے اور اسی سے عذابِ قبر اور عذابِ جہنم سے بھی نجات ملے گی۔ یہ کلمہ ایک زبردست خدائی منشور ہے۔اس کلمے کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکے گا۔ یہ کلمہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔انسان اس وقت تک اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس مضبوط رسی کو تھام کر آگے نہ بڑھے۔ یہ اسلام کا مقدس و پاکیزہ کلمہ ہے۔ اسی کلمے سے شقی و سعید اور مقبول و مردود کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کلمے سے دارالکفر اور دارالاسلام کے راستے الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی کلمے سے دارالنعیم اور دارالشفاء کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، اور یہی کلمہ وہ عمود و ستون ہے، جو فرائض و سنن کا بار اٹھائے ہوئے ہے۔ اسی مقدس کلمے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ومن کان آخر کلامہ لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنة** (جس کا آخری کلمہ **لا إله إلا الله** ہو وہ جنت میں داخل ہوگا)۔

اس مقدس کلمے کی حقیقی روح اور راز یہ ہے کہ **رب العالمین جل ثناءہ و تقدست اسماءہ و تبارک اسمہ و تعالی جدہ ولا إله غیرہ** کی ذات کو محبت و اجلال، عظمت و جلالت کو منفرد مانا جائے اور اس کے توابعات، مثلاً توکل، انابت، رغبت و رہبت وغیرہ میں اسے منفرد تسلیم کیا جائے۔اس کی ذات کے سوا بندہ کسی سے محبت نہ رکھے اور اگر کسی سے محبت رکھے تو

صرف اس لیے کہ اس سے محبت کرنا محبوبِ اعلیٰ کی محبت کے تابع اور محبوبِ حقیقی و اصلی کی محبت کا ذریعہ یا اضافۂ محبت کا وسیلہ ہے۔ ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی سے امید وابستہ نہیں رکھتا، کسی پر توکل و اعتماد نہیں کرتا، رغبت و رہبت اور امید و بیم صرف ذاتِ الٰہی سے رکھتا ہے اور بس۔ وہ قسم کھاتا ہے تو صرف اللہ کی، نذر مانتا ہے تو صرف اس کی، توبہ و انابت کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو صرف اس کے سامنے، اطاعت و پیروی کرتا ہے تو صرف اللہ کی، طلبِ خیر و فلاح کی آرزو رکھتا ہے تو صرف بارگاہ خداوندی سے۔ ہمہ قسم کے شدائد و تکالیف میں امداد و استعانت کا ہاتھ پھیلاتا ہے تو صرف اس کے سامنے، التجا کرتا ہے تو اسی کی بارگاہ میں، سجدہ کرتا ہے تو اسی کی جناب میں، ذبح کرتا ہے تو اسی کے لیے، اسی کے نام پر اور اسی کے نام سے۔

تمام امور اگر ایک جملے میں جمع کر دیے جائیں تو کہیے کہ ہمہ قسم کی عبادتیں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ تمام عبادتوں کا حقدار ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللّٰہ کی حقیقت بھی یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی معنی میں اس کلمے کی شہادت دینے والے پر اللہ تعالیٰ نے جہنم حرام کر دی ہے۔ فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اس حقیقت کے ساتھ کلمۂ شہادت کی تصدیق کرے گا، اور اس پر قائم رہے گا، اس کا جہنم میں جانا محال اور ناممکن ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

والذين هم بشهاداتهم قائمون (المعارج ۷۰: ۳۳)

اور وہ جو اپنی گواہیوں پر ثابت قدم رہے، یعنی بندے کے ظاہر و باطن، قلب و قالب میں یہ شہادت قائم و راسخ ہو چکی ہو۔

تصدیقِ شہادت کی صورتیں مختلف ہیں۔ بعض کی شہادت مردہ ہوتی ہے، بعض کی شہادت خفتہ ہوتی ہے، اگر اسے جگایا جائے تو جلد جاگ اٹھتی ہے۔ بعض کی شہادت بیٹھی ہوئی ہوتی ہے اور بعض کی کھڑی ہوئی۔

یہ شہادت قلب کے اندر اسی طرح ہوتی ہے، جس طرح جسم میں روح۔ روح کے حالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض روحیں موت کے قریب ہوا کرتی ہیں۔ بعض روحیں ایسی ہوتی

ہیں جنہیں صرف زندہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض روحیں ایسی ہوتی ہیں جو ہر طرح صحیح و سالم ہوا کرتی ہیں اور جسم کے تمام مصالح کو صحیح حوار پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے:

إنی لأعلم کلمة لا یقولها عبد عند الموت إلا وجدت روحه لها روحا

مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے۔ اگر بندہ مرتے وقت اسے کہہ لے گا تو اس کی روح اس کلمے سے دوسری روح حاصل کرلے گی۔

اس روح کی حیات و زندگی اس کلمے سے اس طرح سے وابستہ ہے جیسے جسم کی حیات اس روح سے وابستہ ہے۔ وہ آدمی جو موت کے وقت یہ کلمہ ادا کرتا ہے اور اس پر مرتا ہے، اسے جنت حاصل ہوتی ہے، وہ جنت میں پوری عیش و عشرت کے ساتھ رہنے کا حقدار بن جاتا ہے۔ وہ شخص جس کی ساری زندگی اس کلمے پر گزری ہو اور زندگی بھر اس نے یہ کلمہ اپنائے رکھا ہو، اس کی شان کیا ہونا چاہیے؟ یقیناً اس کی روح جنت الماویٰ کے اندر سیر کرتی رہے گی اور پوری عیش عشرت سے سیر کرے گی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وأما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوٰی فان الجنة هی المأوٰی

(عبس ۸۰: ۴۰-۴۱)

اور جو اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا، اور اس نے نفس کو خواہشات سے روکا، اس کا ٹھکانا بھی بہشت ہے۔

بندے اللہ کے حضور میں قیامت کے دن حاضر ہوں گے۔ اس دن ایسے ہی آدمیوں کے لیے جنت ہے۔ جنت ایسے ہی آدمیوں کا مقام اور ماویٰ اور ملجا ہے۔ معرفتِ الٰہی، محبتِ خداوندی، انس باللہ، شوق لقائے رب العالمین اور لقائے رب العالمین سے فرح و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ رضائے الٰہی دنیا میں انسان کی روح کا ماویٰ اور ملجا ہے۔ دنیا میں جب ایسے آدمی کا ماویٰ و ملجا یہ جنت اور ایسی جنت ہے تو پھر معاد و آخرت کا کیا کہنا؟ یقیناً جنت الخلد اس کا ماویٰ، ملجا اور ٹھکانا ہو گی۔ پس جو آدمی دنیا کی اس جنت سے محروم رہا، وہ جنت الخلد سے یقیناً محروم رہے گا، یعنی ابرار، اللہ کے نیک بندے اگرچہ بظاہر تنگ عیش نظر آئیں، لیکن وہ نعمت و راحت ہی میں ہوں گے اور

فساق و فجار یہاں وہاں ہر دو جگہ جہنم میں ہوں گے، خواہ دنیا کی ساری وسعتیں ان کے لیے موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من عمل صالحا من ذکر أو أنثی وھو مؤمن فلنحیینه حیاۃ طیبة (النحل ۱۶: ۹۷)

جو شخص نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے۔

جس طیب الحیات اور بہترین زندگی کا ذکر ہوا ہے، وہ اسی دنیا کی زندگی ہے اور اسی بہترین زندگی کا نام دنیا کی جنت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فمن یرد اللّٰه أن یھدیه یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد أن یضله یجعل صدرہ ضیقا حرجا (الأنعام ۶: ۱۲۵)

اللہ جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھائے، اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو اس کے سینے کو تنگ اور بھنچا ہوا کر دیتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ شرحِ صدر سے زیادہ اور بڑی نعمت کیا ہو سکتی ہے؟ اور ضیقِ صدر اور تنگی قلب سے زیادہ کون سا بڑا اور سخت عذاب ہو سکتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ألا إن أولیاء اللّٰه لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ لا تبدیل لکلمات اللّٰه ذلک ھو الفوز العظیم (یونس ۱۰: ۶۲-۶۴)

آگاہ رہو! خاصانِ خدا ایسے امن میں ہوں گے کہ قیامت کے دن نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے، اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی باتوں میں فرق نہیں آتا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

پس وہ مومن مخلص بندہ جسے خدائے قدوس سے کامل ترین خلوص ہے، اس کی زندگی، اس کا عیش، بہترین زندگی اور بہترین عیش ہے، اور ایسا آدمی سب سے زیادہ خوشحال، مرفہ الحال اور مالا مال ہے۔ ایسے آدمی کو سب سے زیادہ انشراحِ صدر اور سرورِ قلب حاصل ہوتا ہے، اور یہ وہ جنت ہے جو اسے دنیا میں وعدے کی جنت سے قبل ہی حاصل ہوگی۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا (ترمذی: دعوات)

جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو اس میں چر لیا کرو۔

یہ سن کر صحابہؓ عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! جنت کی کیاریاں کہاں اور کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: **حلق الذكر** (ذکرِ خداوندی کے حلقے)۔

اس قسم کی جنت کے متعلق آپؐ کا یہ ارشاد ہے: **ما بين بيتي و منبري روضة من رياض الجنة** (مسند احمد بن حنبل ۲: ۲۳۶) (میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریاں ہیں)۔

آپؐ کا یہ ارشاد بھی اسی قسم کی جنت کے متعلق ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ سے صومِ وصال (۱) کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے لوگوں کو منع کر دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: **انک تواصل** (آپ تو اس طرح روزے رکھتے ہیں)۔

آپؐ نے جواب دیا: **إني لست كهيئتكم إني أظل عند ربي يطعمني و يسقيني** (میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرا حال یہ ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا بھی ہے)۔

اس حدیث میں آپ یہ خبر دیتے ہیں کہ جو غذا اور خوراک آپ کو مل رہی ہے، وہ پروردگار کی جانب سے ہے، اور وہ اس مخصوص اور ظاہری کھانے پینے کے قائم مقام ہوتی ہے نیز یہ غذا اور

---

۱) صوم وصال اس روزے کو کہتے ہیں کہ افطار اور سحری کھائے پیے بغیر کئی کئی دن تک مسلسل و متواتر اور متصل روزے رکھے جائیں۔ اس طرح روزہ رکھنا شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔

خوراک صرف آپ ہی کے لیے مخصوص ہے، دوسرے کسی کو حاصل نہیں ہے۔

اللہ کا ایک بندہ جب کھانے پینے سے صرف محبوبِ اعلیٰ کی رضا مندی ورضا جوئی کے لیے احتراز کرتا ہے تو اسے اس کے عوض ایسی چیز دی جاتی ہے، جو پوری طرح اس کی قائم مقام ہوتی ہے، اور اس ظاہری خوراک وغذا سے اسے مستغنی کر دیتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے

لها أحاديث من ذكراك تشغلها عن الشراب و تلهيها عن الزاد

اس کے پاس تجھے یاد کرنے کی کچھ ایسی باتیں ہیں جو اسے کھانے پینے سے بھی غافل اور خود فراموش بنا دیتی ہے۔

لها بوجهك نور يستضيئ به ومن حديثك في أعقابها حادي

تیرے چہرے کے نور سے وہ روشنی حاصل کرتی ہے اور تیری گفتگو اس کے لیے حدی خوانی کرتی ہے۔

إذا اشتكت من كلال السير أوعدها روح اللقاء فتحي عند ميعادی

جب سفر کی تھکان کی اسے شکایت پیدا ہوتی ہے تو ملاقات کی روح اسے وعدہ دے کر ایک میعاد تک کے لیے پھر زندہ کر دیتی ہے۔

ہر وہ چیز جس کا وجود بندے کے لیے مفید اور بندہ اس کا محتاج ہے، اس کا فقدان بندے کے لیے سخت موجبِ تکلیف ہوگا، اسی طرح کسی چیز کا نہ ہونا بندے کے لیے نافع ہے تو اس کا وجود اس کے حق میں سخت تکلیف دہ ہوگا۔ کوئی ایسی چیز جو علی الاطلاق بندے کے حق میں نافع اور مفید ہے، وہ صرف اقبال علی اللّٰہ اور اشتغال بذکر اللّٰہ ہے۔

اللہ سے محبت اور اس محبت سے لذت اندوز ہونا اور اللہ کی مرضی ورضا مندی کو ہر چیز پر ترجیح دینا، بلکہ اپنی حیات وزندگی اور دنیا کی ہر نعمت، سرور ومسرت، فرحت وبہجت اور اپنی زندگی کی ہر چیز کو اسی اللہ سے وابستہ کر دینا، ایسے امر کا بندے کے لیے معدوم ومفقود ہو جانا اس کے لیے تمام تکالیف سے زیادہ تکلیف دہ عذاب ہے، مگر چونکہ اس کی روح دوسرے ظاہری امور ومشاغل میں خود مستغرق رہتی ہے، اس لیے یہ آلام ومصائب اور تکلیف وعذاب اس کی آنکھوں سے اوجھل

رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کی جدائی اور فراق اس کے لیے سب سے زیادہ موجبِ رنج والم اور سخت تکلیف دہ ہے، وہ بھی اس سے غائب ہو جاتی ہے۔ اس کی حالت بعینہ اس نشہ باز بدمست کی سی ہو جاتی ہے جو نشۂ شراب میں چُور رہو، اس کا گھر جل رہا ہو، اور مال و اولاد تباہ ہو رہے ہوں، لیکن وہ نشے میں اس قدر مدہوش و بے خبر رہے کہ اسے کسی چیز کی خبر ہی نہ ہو۔ اس وقت ان اشیاء کا جلنا، تباہ و برباد ہونا اور اس تباہی و بربادی کی تکلیف اس کی قوتِ شعور سے باہر ہے، کیونکہ شراب کے نشے نے اس کی قوتِ شعور کو بیکار کر دیا ہے، لیکن جب وہ صحیح و تندرست ہو جائے، شراب کی بے ہوشی و مدہوشی سے اسے افاقہ ملے تو اس وقت اسے اپنے حالات کا پتہ لگے۔ بالکل ٹھیک دنیا اور آخرت کی زندگی کا یہی حال ہے۔ دنیا سے جب کوچ ہوگا، پردۂ غیب کے امور شہود میں آئیں گے اور آخرت کی چیزیں یکے بعد دیگرے سامنے آئیں گی، مگر صورتِ حال یہ ہوگی کہ اب وہ دنیا سے جانے کی تیاری کر رہا ہے، دنیا سے منتقل ہو کر بارگاہ الٰہی میں پہنچ رہا ہے اور اپنے سامنے حسرتوں کا میدان پاتا ہے، مصائب و عذاب دیکھتا ہے، اس وقت وہ آلام، حسرتیں اور مصائب عذاب اس کے سامنے ہیں، وہ اس قدر خطرناک ہیں کہ دنیوی آلام و تکالیف سے کئی ہزار گنا ہیں، اور پھر یہ کہ دنیا میں انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کی تلافی کی امید رکھتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی، وہ تھی ہی اس لیے کہ کسی نہ کسی دن ختم ہوگی، فنا ہونے والی ہی تھی، باقی رہنے والی نہیں تھی۔

بتایے اس شخص کا کیا حال ہوگا؟ جس کی ایسی چیز ضائع ہو رہی ہے جس کا عوض اور بدلہ ہی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے، سب کا سب ہی اس کے عوض دے دیا جائے تو یہ سب محض بے حیثیت ہوگا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اگر اس فوت شدہ چیز اور اس کی حسرت والم کے عوض اسے موت دے دے تو بندہ اس کا حقدار بھی ہے، اور موت ہی اس کے لیے ایک بہترین تمنا اور خوش آئند آرزو اور بڑی سے بڑی حسرت ہو سکتی ہے، مگر یہ تمام باتیں بھی اس وقت ہیں جب رنج والم محض فوت شدہ اشیاء کے متعلق ہو۔ پھر اس شخص کا کیا حال ہے؟ جس کی روح اور جسم پر دوسرے بہت سے امور کا بار بھی ہو، جس کے اٹھانے کی اس کے اندر طاقت و

قدرت بھی نہ ہو۔

مبارک ہے وہ ذات جس نے اس ضعیف وکمزور مخلوق کو اس قسم کے آلام ومصائب کا محمل بنایا اور اس کے کندھے اس قابل بنا دیے کہ ایسے عظیم الشان بوجھ کو اٹھا سکیں، جسے بڑے بڑے پہاڑ بھی نہیں اٹھا سکے۔ اس وقت اپنے اس محبوب کو روبرو لے آیے جو آپ کو محبوب ترین ہو، جس کی جدائی آپ کو قطعاً گوارا نہ ہو۔ یہ محبوب یکایک آپ سے چھن جائے تو بتایے کہ اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا؟ حالانکہ یہ ایسا محبوب ہے کہ اس کا عوض اور بدل ممکن ہے۔ جس محبوب کا بدل اور عوض ہی نہیں اور وہ فوت ہو جائے تو کیا حشر ہوگا؟ کسی شاعر نے کیا خوب کیا ہے:

من كل شيءٍ اذا ضيعته عوض   وما من الله ان ضيعته عوض

تمہیں ہر چیز کا جو تم ضائع کر دو عوض مل سکتا ہے، لیکن اگر تو نے اللہ کو کھو دیا تو اس کا کوئی عوض اور بدل نہیں۔

اور ایک حدیث قدسی ہے:

ابن آدم خلقتك لعبادتي فلا تلعب. و تكفلت برزقك فلا تتعب. ابن آدم اطلبني تجدني فان وجدتني وجدت كل شيء وإن فتك فاتك كل شيء وأنا أحب اليك من كل شيء.

اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، تو لہو ولعب میں نہ پڑ جا۔ میں نے تیرے رزق کی کفالت کی ہے، خواہ مخواہ تعب ومشقت میں نہ پڑ۔ اے آدم کے بیٹے! طلب کر، تو مجھے پائے گا۔ اگر تو نے مجھے پالیا تو ہر چیز پالی اور تو نے مجھے کھو دیا تو ہر چیز کھو دی، اور حال یہ ہے کہ میں تجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔



فصل ۱۰۱

پسندیدہ اور غیر پسندیدہ محبت

محبت ایک جنس ہے جس کے ماتحت متعدد انواع اپنی اپنی قدر و وصف کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور متفاوت ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر محبت کی جس نوع کا اطلاق ہوتا ہے، وہ صرف اور صرف ذاتِ الٰہی کے ساتھ مختص اور مخصوص ہوتی ہے، وہی اس کا سزاوار ہے، کسی دوسرے کے لیے اس کا اطلاق صحیح نہیں، اور نہ کسی دوسرے میں اس کی صلاحیت ممکن ہے۔ سوائے ذاتِ خداوندی کے کوئی بھی اس کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا، مثلاً عبادت وانابت وغیرہ۔

محبت کا ذکر کبھی اس کے اسم مطلق کے ساتھ ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فسوف يأتي الله بقوم يحبهم و يحبونه (المآئدة ۵: ۵۴)

وہ ایسے لوگ لائے گا جنہیں وہ دوست رکھتا ہوگا، اور وہ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔

مزید ارشاد ہے:

ومن الناس من يتخذ من دون الله انداد يحبونهم كحب الله والذين آمنوا اشد حبا لله (البقرة ۲: ۱۶۵)

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں اور جیسی محبت اللہ سے کرنا چاہیے، ویسی محبت وہ ان سے رکھتے ہیں، اور جو ایمان والے ہیں انہیں سب سے بڑھ کر اللہ کی محبت ہے۔

محبت کی مذموم ترین نوع وہ محبت ہے جس میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کا شریک اور ساجھی بنا لیا جائے، بندہ کسی کو اللہ کے برابر اور اس کا مثیل بنا کر اس سے محبت کرنے لگے۔

محمود ترین، اعلیٰ ترین اور عظیم ترین محبت کی نوع وہ ہے کہ اگر اللہ وحدہ لاشریک کی ذات سے محبت کی جائے اور کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بنایا جائے۔ سعادت کی اصل اور سرچشمہ یہی محبت ہے۔ اس محبت کے بغیر کوئی انسان نجات نہیں پا سکتا۔

شقاوت و بدبختی اور محرومی و بدنصیبی کی اصل، مذموم شرکیہ محبت ہے۔ وہ شخص ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا جس میں یہ مذموم شرکیہ محبت موجود ہوگی۔

وہ لوگ جہنم میں نہیں جائیں گے جو صرف اللہ سے محبت کرتے ہیں، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس محبت و عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے۔ ایسے لوگ اگر اپنے دوسرے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں۔ قرآن حکیم نے جس محبت کا حکم دیا ہے، اس کا مدار یہی محبت اور اس کے لوازم ہیں۔ جس محبت سے قرآن روکتا اور منع کرتا ہے، وہ دوسری قسم کی محبت ہے۔ اللہ نے ان ہر دو قسم کی محبت کی مثالیں دی ہیں اور پیمانے بتائے ہیں۔ دونوں قسموں کے قصص و حکایات، دونوں قسموں کے لوگوں کے اعمال و کردار اور ہر دو قسموں کے اولیاء اور معبودوں کی تفصیل، افعال اور معاملات کی خبریں اور واقعات پیش کیے ہیں۔ ان ہر دو قسم کے لوگوں کا حال بتایا ہے کہ ہر سہ عالم، یعنی عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں ان کا حال کیا ہوگا؟ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، اس کا ذکر بھی تفصیل سے کر دیا ہے۔

غور کیا جائے تو سارا قرآن انہی دو قسم کے لوگوں کی شان میں وارد ہوا ہے، اور تمام انبیاء و مرسلین کی دعوت کی اصل بھی یہی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے جو کمالِ محبت، کمالِ خضوع و خشوع اور بارگاہ خداوندی میں انتہائی تذلل، خاکساری اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے لوازم اور اس کے مناسب اور لازمی طاعات و تقویٰ پر مشتمل ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذي نفسي بيده لا يؤمن احدكم حتى أكون أحب اليه من ولده و والده والناس اجمعين (صحيح بخاری : ايمان)

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس وقت تک تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اسے اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے عرض کیا:

واللہ لأنت أحب إلی من کل شيء الا من نفسی

اللہ کی قسم! آپ ہر چیز سے زیادہ مجھے محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یاعمر! حتی اکون احب الیک من نفسک

اے عمر! ہرگز نہیں، جب تک تمہیں میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا:

والذی بعثک بالحق لأنت أحب إلي من نفسی

قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الآن یا عمر** ! اے عمر اب [بات بنی]۔

خدا کے خاص بندے اور اس کے رسول کی محبت کے بارے میں یہ وارد ہے کہ جب تک ان سے اپنے ماں باپ، اولاد، حتیٰ کہ اپنی جان بھی زیادہ محبت نہیں ہوگی، کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ سو جس ذات نے اپنے اس بندے کو اپنا رسول و پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اس کی محبت کس قدر مقدم ہوگی۔ پروردگارِ عالم کی محبت کسی اور کی محبت کے مقابلے میں اپنی قدر و وصف اور تخصیص کے لحاظ سے بالکل مخصوص اور مختص ہے، اور اللہ کی محبت تو اس طرح واجب اور لازم ہے کہ بندے کو اللہ اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، بلکہ اپنی آنکھ اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہو اور اس معبودِ حق کی محبت کے مقابلے میں ہر چیز کی محبت ہیچ نظر آئے۔

محبت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز کسی وجہ سے محبوب ہوا کرتی ہے اور کسی وجہ سے غیر محبوب، نیز یہ قاعدہ کہ چیز کی محبت کبھی لذاتہٖ ہوا کرتی ہے اور کبھی لغیرہ، لیکن وہ ذات جو ہمہ وجوہ محبوب ہے اور لذاتہٖ محبوب ہے، وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔

لو کان فیھما اٰلھة إلا اللّٰہ لفسدتا (الاَنبیآء ۲۱: ۲۲)

اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور بھی اللہ ہوتے تو یہ آسمان وزمین دونوں ہی تباہ ہو جاتے۔

خدا پرستی اور عبودیت نام ہے اللہ سے محبت، اس کی اطاعت اور اس کے حضور عاجزی کے اظہار کا۔



فصل ۱۰۲

محبت: علتِ فاعلی اور علتِ غائی

عالمِ علوی اور عالمِ سفلی میں جس قدر حرکات صادر ہوتی ہیں، ان کی اصل اور منبع محبت ہے۔ محبت ہی ان حرکات کی علتِ فاعلی ہے اور محبت ہی علتِ غائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرکتیں تین قسم کی ہیں:

- حرکتِ اختیاری (ارادی)
- حرکتِ طبعی
- حرکتِ قسری

حرکتِ طبعی کی اصل سکون ہے۔ جسم اس وقت حرکت کرتا ہے جب وہ اپنے مستقر اور مرکزِ طبعی سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت جسم صرف اس لیے حرکت کرتا ہے کہ وہ اپنے مرکزِ طبعی اور اصل مستقر پر جلد سے جلد پہنچ جائے، اور یہ صرف اس لیے حرکت کرتا ہے کہ ایک قاسر حرکت دینے والا اسے حرکت دے رہا ہے۔ بنابریں جسم کی یہ حرکت قسری اور جبری ہے۔ اور جس چیز کی بھی حرکت طبعی بذاتہ ہوا کرتی ہے، اس کا مطالبہ اور اقتضاء یہی ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنے اصل مرکز کی طرف جلد سے جلد عود کر آئے۔

اجسام کی حرکت خواہ قسری ہو خواہ طبعی، دونوں کسی محرکِ قاسر کے تابع ہوتی ہیں اور یہ محرکِ قاسر ان دونوں حرکتوں کا موجب ہوتا ہے۔ حرکتِ اختیاری وارادی جو دوسری دو حرکتوں کی اصل ہے، خود ارادے اور محبت کی تابع ہوتی ہے۔ اس طرح ہر سہ قسم کی حرکتیں محبت اور ارادے کے تابع ہیں۔

حرکتیں صرف تین ہی قسم کی ہوسکتی ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ متحرک کو اگر حرکت کا شعور ہے تو اس حرکت کو حرکتِ ارادی کہیں گے، اور اگر اسے حرکت کا شعور نہیں تو پھر یہ دیکھیں گے کہ وہ اپنی طبیعت کے مطابق حرکت کر رہا ہے، یا اس کے خلاف؟ اگر طبیعت کے مطابق حرکت کر رہا ہے تو اسے حرکتِ طبعی کہیں گے، اور اگر اس کے خلاف حرکت کر رہا ہے تو اسے حرکتِ قسری کہا جائے گا۔

حرکت کی قسمیں معلوم ہونے کے بعد یہ سمجھ لیجیے کہ آسمان، زمین اور آسمان وزمین کے اندر کی اشیاء میں جو بھی حرکت ہوگی، خواہ وہ افلاک وسماوات کی حرکت ہو، یا سورج، چاند اور ستاروں کی، ہوا، بادل، بارش یا نباتات کی حرکت ہو، خواہ کسی مادہ کے حمل میں بچے کی حرکت۔ تمام حرکتیں مدبراتِ امر، مقسماتِ امر، ملائکہ اور فرشتوں کے واسطے اور ذریعے ہی سے ہوتی ہیں۔ قرآن وسنت کی نصوص سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔اس پر ایمان لانے ہی سے فرشتوں پر پورا پورا ایمان ہوسکتا ہے۔ خدائے قدوس نے رحم، بارش، بادل، نباتات، ہواؤں اور آسمان وزمین، سورج، چاند اور نجوم پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ پھر ہر انسان کے لیے اللہ نے چار چار فرشتے مقرر کر دیے ہیں۔ دائیں بائیں کراماً کاتبین مقرر ہیں، آگے پیچھے محافظ فرشتے مقرر کر دیے ہیں، نیز ہر انسان کی روح قبض کرنے اور روح کو اپنے اصل مستقر، یعنی جنت یا دوزخ تک پہنچانے پر فرشتے مقرر ہیں۔قبر کے امتحان، سوال وجواب، قبر کے عذاب اور قبر کی نعمتوں اور راحتوں کے لیے فرشتے مامور ہیں۔ایسے فرشتے بھی مقرر کر دیے ہیں کہ حشر کے دن جب بنی آدم، اپنی قبروں سے اٹھیں تو انہیں ہنکا کر میدانِ حشر میں لے جائیں اور حساب کتاب کے بعد جہنم کے حقداروں کو جہنم میں لے جائیں، اور عذاب کے شکنجوں میں کسیں۔ جنت کے حقداروں کو جنت میں لے جائیں اور اللہ کے عطیات وانعامات ان تک پہنچا دیں۔ پہاڑوں پر فرشتے مامور کر دیے گئے ہیں کہ انہیں مضبوطی سے تھامے رہیں۔ بادلوں پر فرشتے مامور فرمائے کہ وہ بادلوں کو حکمِ الٰہی کے مطابق چلاتے رہیں۔ برسات پر فرشتے مامور فرما دیے کہ امرِ الٰہی کے مطابق قدرِ معلوم کے موافق خدا کی مشیت کے تحت پانی برسائیں۔ جنت اور جنت کے باغوں پر فرشتے مامور کر دیے کہ وہ

جنت میں عمدہ اور خوبصورت درخت لگائیں۔ فرش وفروش، لباس اور کپڑے تیار کریں اور جنت کو آراستہ کرتے رہیں۔ جنت میں ہمہ قسم کی آسائشوں کا انتظام کرتے رہیں، اور اسی طرح جہنم پر بھی اللہ نے فرشتے مامور کردیے ہیں۔

غرض! فرشتے خدائے قدوس کا لشکر اور اس کے نظام کو چلانے والے کارکن ہیں۔ لفظ مَــلِک اسی امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ یہ ملائکہ اور فرشتے اللہ کا حکم نافذ اور جاری کرتے ہیں۔ انہیں خود کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں، بلکہ ہمہ قسم کا اختیار صرف خدائے قدوس ہی کو حاصل ہے۔ فرشتوں کا کام صرف اس قدر ہے کہ اللہ کی مخلوق کی تدبیر اور تنظیم اور اللہ کے عطیات اس کی مخلوق پر اس کے حکم کے مطابق تقسیم کرتے رہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کے فرشتوں کا بیان ہے:

وما نتنزل إلا بامر ربک له ما بين أيدينا وما خلفنا وما بين ذالک وما كان ربک نسيا (مریم ۱۹: ۶۴)

اور ہم تمہارے پروردگارِ عالم کے حکم کے بغیر دنیا میں آ نہیں سکتے اور جو کچھ تمہارے آگے ہونے والا ہے اور جو کچھ ہم سے پہلے ہو چکا ہے اور جو کچھ ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے، سب اس کے حکم سے ہے اور تمہارا پروردگارِ عالم بھول جانے والا نہیں ہے۔

یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وكم من ملک في السمٰوات لا تغني شفاعتهم شيئاً إلا من بعد أن يأذن اللّٰه لمن يشاء و يرضٰى (النجم ۵۳: ۲۶)

اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آتی، مگر جب اللہ اجازت عطا فرمادے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے لیے جن کے لیے اللہ چاہے اور راضی بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے فرشتوں کی قسم بھی کھائی ہے، جو مخلوق میں امرِ الٰہی اور نظامِ خداوندی کو جاری اور نافذ کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

والصّٰفّٰت صفاً فالزّٰجراتِ زجراً فالتّٰليٰت ذكراً (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱-۳)

قسم ہے ان جماعتوں کی جو صف بستہ رہتی ہیں، پھر قسم ہے ان جماعتوں کی جو ڈانٹتی ہیں، پھر قسم ہے ان جماعتوں کی جو تلاوتِ قرآن کرتی ہیں تاکہ محبت پوری ہو اور ڈرایا جائے۔

والمرسلات عرفا فالعاصفات عصفا والناشرات نشرا فالفارقات فرقا فالملقيات ذكرا عذرا أو نذرا (المرسلٰت ۷۷: ۱-۶)

ان ہواؤں کی قسم جو معمولی رفتار سے چلائی جاتی ہیں، پھر زور پکڑ کر تیز ہو جاتی ہیں، اور بادلوں کو ابھار کر چاروں طرف پھیلا دیتی ہیں، پھر جدا کر دیتی ہیں اور پھر دلوں میں اللہ کا خیال ڈال دیتی ہیں۔

والنّٰزعٰت غرقا والنّٰشطٰت نشطاً والسّٰبحٰت سبحاً فالسّٰبقٰت سبقاً والمدبرات امرا (النّٰزعٰت ۷۹: ۱-۵)

اور ان فرشتوں کی قسم جو گھس کر جان نکالتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم جو ایمان والوں کی جان ایسی آسانی سے نکالتے ہیں جیسے بند کھول دیتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم جو تیرتے پھرتے ہیں، پھر لپکتے ہیں، پھر جیسا حکم ہو، اس کے مطابق انتظام کرتے ہیں۔

ان قسموں کی حقیقت، معنی، اسرار اور راز ہم نے اپنی کتاب **اقسام القرآن** کے اندر پوری تفصیل و وضاحت سے بیان کر دیے ہیں۔

اس حقیقت کے ذہن نشین ہونے کے بعد یہ بات بآسانی سمجھ آ جائے گی کہ یہ تمام تر محبتیں، حرکتیں، ارادے، افعال و اعمال رب الارض و رب سماوات کی عبادتیں ہی ہیں۔ طبعی اور قسری حرکتیں اس محبت کے تابع ہیں۔ محبت اگر نہ ہو تو افلاک، سماوات کا دور کسی طرح نہیں چل سکتا، محبت کے بغیر ستارے، سیارے حرکت نہیں کر سکتے۔ نہ حرکت دینے والی ہوائیں حرکت کر سکتی ہیں، نہ یہ بارانِ رحمت کے اٹھانے والے بادل حرکت کر سکتے ہیں، نہ شکمِ مادر کے اندر بچے حرکت کر سکتے ہیں، نہ دانے زمین کو پھاڑ کر اُگ سکتے ہیں، نہ دریاؤں اور سمندروں میں جہازوں کو چلانے والی موجیں اٹھ سکتی ہیں، نہ عطیاتِ خداوندی کی تقسیم کرنے والے فرشتے اور دنیا کی تدبیر و تنظیم پر مامور فرشتے اس کے بغیر حرکت کر سکتے ہیں، نہ آسمان و زمین اور زمین کی مخلوق

حرکت کر سکتی ہے، نہ وہ اپنے خالق و فاطر کی تسبیح وتہلیل کر سکتے ہیں۔ پاک ومقدس ہے وہ ذات جس کی زمین وآسمان تسبیح کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے۔

وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم انه کان حلیما غفوراً (بنی اسراءیل ۱۷: ۴۴)

اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح وتقدیس کر رہی ہیں، مگر تم ان کی تسبیح وتقدیس نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بڑا تحمل والا بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے۔



فصل ۱۰۳

محبت کا حقیقی سرچشمہ توحید ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت سمجھ لینے کے بعد واضح ہو کہ ہر جاندار کے اندر ارادہ، محبت اور عمل وفعل موجود ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی اصلاح و درستی ہوا کرتی ہے۔ ہر متحرک کی حرکت کی اصل محبت وارادہ ہے۔

مخلوقات وموجودات کی صلاح وفلاح اسی میں ہے کہ ان کی تمام تر حرکات اور محبتیں صرف اپنے فاطر، خالق اور باری کے لیے ہوں۔ جس طرح مخلوقات وموجودات کا وجود صرف خدائے وحدہ لاشریک کی تخلیق وتبدیع کی وجہ سے ہے، ان کی تمام تر حرکات اور محبتیں بھی صرف خدائے وحدہ لاشریک ہی کے لیے ہونا چاہییں۔ اسی حقیقت کی بناپر اللہ نے فرمایا ہے:

لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما يصفون

(الانبیآء ۲۱: ۲۲)

اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور بھی اللہ ہوتے تو یہ زمین وآسمان دونوں ہی برباد ہو گئے ہوتے۔ جیسی باتیں یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ جو عرش کا مالک ہے، ان باتوں سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفسدتا (زمین وآسمان برباد ہو جاتے) فرمایا ہے اور لما وجدتا (زمین وآسمان موجود نہ ہوتے) یا لكانتا معدومتين (زمین وآسمان معدوم ہوتے)، یا لعدمتا (زمین وآسمان معدوم ہو جاتے) نہیں فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ زمین و آسمان کو فساد وخرابی کی شکل میں بھی باقی رکھے، لیکن علی وجہ الکمال، علی وجہ الاصلاح بصورت استقامت زمین وآسمان کا باقی رہنا اسی وقت ممکن ہے، جبکہ اللہ صرف ایک وحدہ لاشریک ہو،

کیونکہ زمین وآسمان اور زمین وآسمان کی ہر چیز اور زمین وآسمان کے تمام رہنے سہنے والوں کا معبود صرف خدائے وحدہ لاشریک ہی ہے۔اس عالم کے اگر دو معبود ہوتے تو نظامِ عالم کلیۃً درہم برہم ہو جاتا، کیونکہ دو خداؤں کی صورت میں دونوں ایک دوسرے پر غالب اور بالاتر رہنے اور اپنی الوہیت میں منفرد اور تنہا رہنے کے خواہش مند ہوتے، کیونکہ کمال الٰہیت والوہیت میں کسی کا شریک ہونا، اس کی الٰہیت والوہیت کے اندر نقص ظاہر کر رہا ہے، کیوں کہ جو ذات الٰہ اور معبود ہو، وہ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ یہ ناقص اور کمزور اللہ و معبود بنی رہے، پھر اگر ان دو خداؤں اور دو معبودوں میں سے کوئی ایک ہی اللہ اور معبود ہوگا۔ جو مغلوب و مقہور ہوگا، وہ اللہ اور معبود نہیں ہوسکتا۔ حالت اگر یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو مغلوب و مقہور نہیں کرسکتا، اور ایک دوسرے پر غالب نہیں آسکتا تو دونوں کا کمزور ہونا لازم آتا ہے۔ دونوں کی الوہیت ناقص و ناتمام ہے۔

اس صورت میں یہ لازم ہے کہ ان دونوں پر کوئی تیسرا اللہ معبود ہو جو ان ہر دو پر غالب ہو، اور ان ہر دو پر حکومت اور فرماں روائی کرے۔ کوئی اگر تیسرا ان دونوں پر حاکم نہیں ہے تو پھر یہ ہوگا کہ یہ دونوں اپنی اپنی مخلوق کو لے کر ایک دوسرے پر حملہ کرنے، ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کی کوشش کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں زمین وآسمان اور جو کچھ زمین وآسمان میں ہے، فاسد اور تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ یہ بالکل واضح بات ہے کہ دو بادشاہ ایک ملک میں ہوں تو ملک تباہ ہو جائے گا، اور اگر ایک عورت کے دو شوہر ہوں تو عورت تباہ ہو جائے گی۔ ایک مادہ دو نروں سے حاملہ ہو تو مادہ تباہ ہو جائے گی۔ دنیا کی بربادی و تباہی بادشاہوں اور خلفاء کے باہمی اختلاف ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دشمنانِ اسلام نے جب کبھی کسی اسلامی ملک پر حملہ کیا، یا طمع و لالچ کی نظریں اسلامی ملک کی طرف ڈالیں تو اسی وقت جب مسلمان باہمی اختلاف و فساد میں مبتلا اور ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی بالادستی کے لیے کوشاں تھے۔

غرض! آسمانوں اور زمینوں کی صلاح و استقامت اور مخلوقات کا یہ بہترین اور کامل ترین نظام اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ اس نظام کو چلانے والی وہ ذات ہے جس کی شان میں یہ کہا گیا ہے:

لا إلـه إلا الـلّٰـه وحده لاشريک لهٗ له الملک وله الحمد يحي و يميت وهو علی کل شيء قدير

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں، وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے۔

عرشِ اعلیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک اللہ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ایک ذات معبود ہے اور بس۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مااتخذ اللّٰه من ولد وما كان معه من إلٰه اذاً لذهب كل إلٰه بما خلق ولعلا بعضهم علی بعض سبحان اللّٰه عما يصفون. عالم الغيب والشهادة فتعالی عما يشركون (المؤمنون ٢٣: ٩١-٩٢)

نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے، ورنہ ہر ایک الٰہ اپنی مخلوقات کو الگ کیے پھرتا اور آپس میں لڑتے اور ایک، دوسرے پر غالب آ جاتا۔ جیسی باتیں یہ لوگ اللہ کی نسبت بیان کرتے ہیں، اللہ ان سے پاک ہے۔ وہ غالب و حاضر سب جانتا ہے، اور وہ لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے۔

امِ اتخذوا اٰلهة من الارض هم ينشرون لو كان فيهما اٰلهة إلا اللّٰه لفسدتا فسبحان اللّٰه رب العرش عما يصفون لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون (الاَنبيآء ٢١: ٢١-٢٣)

کیا ان لوگوں نے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جنہیں یہ لوگ خود زمین سے بنا کھڑے کرتے ہیں۔ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔ جیسی باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں، اللہ جو عرش کا مالک ہے، وہ ان باتوں سے پاک ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے، اس کی باز پرس اس سے نہیں کی جا سکتی۔

قل لو كان معه آلهة كما يقولون إذاً لا بتغوا الٰی ذی العرش سبيلا (بنی اسرآءيل ١٧: ٤٢)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو! اگر اللہ کے ساتھ یہ لوگ جیسا کہتے ہیں، اور معبود بھی ہوتے تو اس صورت میں ان معبودوں نے اللہ تک پہنچنے کا راستہ کبھی کا ڈھونڈ نکالا ہوتا۔

یعنی یہ لوگ ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لیے ایک دوسرے پر جبر اور زبردستی کرنے کے راستے تلاش کر لیتے، جس طرح سلاطین اور بادشاہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور زبردستی کرنے کے لیے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔

آیت کا یہ مفہوم جو ہم نے بیان کیا ہے، اس پر یہ دوسری آیت دلالت کرتی ہے:

ولعلا بعضهم علی بعض (المؤمنون ۲۳: ۹۱)

اور بعض بعض پر غالب آ جاتے۔

ہمارے شیخ اس آیت کے معنی اور کرتے ہیں۔ ان کے بقول آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ لوگ تقرب واطاعت کے ذریعے اللہ تک پہنچنے کی راہ تلاش کر لیتے، اب بتاؤ تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کس طرح کرتے ہو؟ وہ لوگ جن کے ذریعے تم تقرب حاصل کرتے ہو، معبود ہوتے جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے تو پھر بھی یہ لوگ اللہ کے بندے ہی ہوتے، اللہ تو نہ ہوتے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آیت کے اس معنی پر یہ آیت کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے:

أولئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربهم الوسیلة أیهم أقرب و یرجون رحمته ویخافون عذابه (بنی اسرآءیل ۱۷: ۵۷)

یہ لوگ جنہیں مشرکین حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، ان میں سے جو دوسروں کی نسبت زیادہ مقرب ہیں، وہ اپنے پروردگار کی زیادہ قربت حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہیں، اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اولاً تم مجھے چھوڑ کر جن دوسروں کی عبادت کرتے ہو، وہ تو میرے ہی بندے ہیں، جس طرح کہ تم میرے بندے ہو، اور وہ بھی میری رحمت کے خواہاں ہیں، میرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بھلا جب حقیقت یہ ہے تو پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت و پرستش کیوں کرتے ہو؟

ثانیاً حق تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں کہا: **لا بتغوا علیه سبیلا** (اس پر غلبہ پانے کا راستہ

تلاش کریں گے) بلکہ فرمایا ہے: لا بتغوا الیه سبیلا (اس کی طرف جانے کا راستہ تلاش کریں گے)۔

الفاظ الیہ اور الی تقرب ونزدیکی کے لیے مستعمل ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اتقوا اللّٰه وابتغوا الیه الوسیلة (المآئدة ۵: ۳۵)

اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کے ذریعے کی جستجو کرتے رہو۔

غلبہ پانے کے مواقع پر لفظ علی مستعمل ہے مثلاً:

فان أطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا (النّسآء ۴: ۳۴)

پھر اگر تمہاری باتیں ماننے لگیں تو بھی ان پر ناحق کے پہلو نہ ڈھونڈتے پھرو۔

ثالثاً کفار اور مشرکین یہ قطعاً نہیں کہتے تھے کہ ان کے معبود اللہ پر غلبہ پانا چاہتے ہیں، اللہ کے مقابلے میں علو، رفعت و بلندی چاہتے ہیں، بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے:

قل لو کان معه الهة کما یقولون (بنی اسرآءیل ۱۷: ۴۲)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو اگر اللہ کے ساتھ جیسا یہ کہتے ہیں اور معبود ہوتے ہیں۔

ان کا کہنا یہی تو تھا کہ ان کے رب اور معبود بھی تو تقرب خداوندی کے خواستگار ہیں اور انہیں جو پوجتا ہے ان کو وہ اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بات یہی ہے جو تم کہا کرتے ہو تو تمہارے یہ معبود بھی تو اللہ کے بندے ہی ہوں گے، تو اب گویا اللہ کے فرمان کے یہ معنی ہوں گے کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے بندوں اور اس کے غلاموں کی عبادت کیوں کیا کرتے ہو؟ خاص اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟



فصل ۱۰۴

محبت کے چند لوازم اور آثار

ہر محبت کے کچھ آثار، توابع، لوازم اور احکام ہوتے ہیں۔ محبت خواہ اچھی ہو یا بُری، نفع بخش ہو یا مضرت رساں، کیسی ہی محبت ہو، اس کے آثار ضرور نمایاں ہوتے ہیں۔ چنانچہ وجد، ذوق، حلاوت، شوق، انس، وصل واتصال، قرب، انفعال، بعد وہجر کے صدمات، وصل وقرب کا سرور وفرحت وغیرہ، یہ تمام امور محبت کے آثار اور لوازم ہیں، لیکن محمود ترین اور نافع ترین محبت وہ ہے جو محبت کرنے والے کو دنیا اور آخرت کی فلاح و بہبود سے ہم آغوش کرے، اور دنیا و آخرت کی سعادت اور نفع کی طرف اسے کھینچ لے جائے۔ اسی قسم کی محبت سعادتِ دارین کا عنوان ہے، اور وہ محبت جو دنیا و آخرت کی مضرت کی طرف کھینچ لے جائے، شقاوت و بدبختی کا عنوان ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ایک عقل مند انسان اس محبت کو اختیار نہیں کر سکتا جو اس کے لیے مضرت رساں ہو، اور اسے شقاوت و بدبختی کے غار میں دھکیل دے۔ مضرت رساں محبت کا صدور انسان سے صرف جہالت و حماقت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، کیونکہ انسان کا نفس اسے مضرت رساں محبت کی طرف لے جاتا ہے۔ نفس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو نقصان دہ اور مضرت رساں چیز ہی کی طرف لے جاتا ہے جس میں اسے کسی قسم کا نفع نہیں ہوتا۔ ظاہر میں نفس کی پیروی کرنا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ انسان محبوب کی محبت سے پیش آنے والے حالات و حوادث سے بے خبر ہوتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے اور نقصانات سے لاعلمی کی بنا پر اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ اس محبوب میں جو مضرتیں موجود ہیں، یا جو خرابیاں اس کی محبت میں مضمر ہیں، اس کا اسے شعور تک نہیں ہوتا۔ یہ حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بغیر علم، بلا سوجھ بوجھ کے محض خواہشات اور

شہوات کی اتباع و پیروی کیا کرتے ہیں، یا پھر ان لوگوں کا حال ہوتا ہے جو ایسی محبت کی مضرتوں سے تو واقف ہیں، اس کی مضرتوں کو جانتے پہچانتے اور سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ اپنی خواہشات کو اپنی معلومات پر ترجیح دیتے ہیں۔

اس صورت میں کبھی یہ ہوتا ہے کہ محبت دو چیزوں سے مرکب ہو جاتی ہے: اعتقادِ فاسد اور اتباعِ خواہشات۔ محبت فاسد کی پیداوار محض جہالت وحماقت اور اعتقاد فاسد کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اکثر محبتیں دنیا میں اسی قسم کی ہوتی ہیں، یا پھر یہ کہ جہالت اور اعتقادِ فاسد کے بعض دوسرے امور اس میں جمع ہو جاتے ہیں جو باہم ایک دوسرے کے معین و مددگار بن کر اسے شبہات کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اس وجہ سے حق اور باطل اس پر مشتبہ ہو جاتے ہیں، اور محبوب کا معاملہ اس کے سامنے بظاہر ایک آراستہ صورت میں پیش ہوتا ہے۔ ان شبہات کی تائید و معاونت سے شہوات اسے اپنی گرفت میں لے کر کشاں کشاں محبوب تک کھینچ کر لے جاتی ہیں، پھر شبہات وشہوات کے لشکر، عقل و ایمان کے لشکروں کے مقابلے میں پوری قوت سے ڈٹ جاتے ہیں اور جانبین میں پوری قوت سے معرکے شروع ہو جاتے ہیں۔ بالآخر ان میں سے وہ غالب وظفریاب ہوتا ہے جو قوی تر اور مضبوط تر ہوتا ہے۔

جب یہ حقیقت ذہن نشین ہو جائے تو جان لیجیے کہ محبت کی ہر نوع اور ہر قسم کے توابع اور لوازم کا حکم وہی ہوتا ہے جو اس کے متبوع کا ہوتا ہے۔ جو محبت محمود و نافع ہے، وہ اس کے لیے عنوانِ سعادت ہے۔ اس سے اس کی دنیا و عقبیٰ کی فلاح وابستہ ہے۔ اس محبت کے تمام توابع، لوازم اور آثار اس کے حق میں نافع اور سودمند ہوں گے۔ ان توابع ولوازم کا وہی حکم ہوگا جو ان کے متبوع کا ہے۔ انسان اگر محبت محمودہ کے لیے روتا ہے تو یہ رونا اس کے حق میں نافع ہے، اسے حزن وغم لاحق ہوتا ہے تو اس کے لیے نفع بخش ہے، فرح ومسرت حاصل ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے سودمند ہے۔ انشراح وانبساط پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے مفید ہے اور انقباض پیدا ہوتا ہے تو موجبِ سعادت ہے۔ غرض! یہ تمام امور اصل متبوع کی طرف سفرِ محبت کی منزلیں قرار پا جاتی ہیں اور ازدیادِ محبت، رنجِ محبت، قوتِ محبت، اصل محبت کے احکام میں شامل ہو جاتے ہیں۔

مضرت رساں محبت اور اس کے تمام توابع ولوازم اور آثار انسان کے لیے مضرت رساں ہیں۔ یہ اسے رب العالمین کی بارگاہ سے دور پھینک دیتے ہیں۔ مضرت رساں محبت جہاں کہیں اور جس شخص میں بھی اپنے توابع ولوازم اور آثار میں منقلب اور نمایاں ہوگی، مضرت رساں ہی ہوگی۔ اور پروردگار سے بُعد اور دوری ہی پیدا کرے گی۔ جس منزل اور جس مقام میں یہ محبت پہنچے گی، خسارہ ہوگا اور رب العالمین سے بعد اور دوری اس کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ معصیت کے ہر کام کا حال یہی ہے۔ طاعت واطاعت سے جو چیز پیدا ہوگی، وہ طاعت گزار، مطیع کے لیے زیادتی اجر، فراوانی ثواب اور قربِ رب العالمین کا موجب ہوگی اور جو چیز معصیت اور نافرمانی سے پیدا ہو گی، وہ خسران، خذلان، بعد عن اللہ کا موجب ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذلک بانهم لایصیبهم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة فی سبیل اللّٰه ولا یطؤن موطئا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لهم به عمل صالح إن اللّٰه لا یضیع أجر المحسنین ولا ینفقون نفقة صغیرة ولا کبیرة ولا یقطعون وآدیا إلا کتب لهم لیجزیهم اللّٰه أحسن ماکانوا یعملون (التوبة ۹: ۱۲۰-۱۲۱)

یہ اس لیے کہ ان جہاد کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں پیاس اور محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے تو اور جن مقامات پر کافروں کو ان کا چلنا پھرنا ناگوار گزرتا ہے، وہاں چلتے ہیں تو اور دشمنوں سے کچھ ملا رہتا ہے تو ہر ہر کام کے بدلے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ خلوصِ دل والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیا کرتا۔ اور پھر تھوڑا یا بہت کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور جو میدان ان کو طے کرنے پڑتے ہیں، یہ سب ان کے نام لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

یہاں پہلی آیت میں اللہ یہ خبر دیتا ہے کہ طاعت وعمل اور فعل وکردار سے ان کے حق میں عملِ صالح لکھا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں یہ ہے کہ جو اعمالِ صالحہ ان سے صادر ہوتے ہیں، بعینہ ان کے حق میں لکھے جاتے ہیں۔ ان ہر دو میں فرق یہ ہے کہ پہلا امر ان کا فعل وعمل نہیں، بلکہ

بدانسان سے صادر ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے لیے عمل صالح لکھا جاتا ہے۔ دوسرا امر بعینہ انسان کا عمل وفعل ہے جوان کے حق میں لکھا جاتا ہے۔

ہر قتیلِ محبت کو چاہیے کہ اس فصل کا مطالعہ پوری توجہ سے کرے۔ اس کے مطالعے سے اسے معلوم ہو جائے گا کہ کون سی محبت اس کے لیے مفید اور موجبِ سعادت ہے اور کون سی موجبِ نقصان وخسران؟

سیعلم یوم العرض أي بضاعة　　أضاع و عند الوزن ماکان حصلا

عنقریب پیشی کے دن وہ جان لے گا کہ کون سی پونجی اس نے ضائع کر دی اور وزن کے وقت کون سی چیز اس نے حاصل کی۔



فصل ۱۰۵

ڈھکے چھپے اور ظاہری تمام اعمال کی اصل محبت ہے۔

جس طرح محبت وارادہ ہر فعل وعمل کی اصل ہے، اسی طرح محبت وارادہ ہر دین کی بھی اصل ہے۔ خواہ دینِ حق ہو یا دینِ باطل، کیونکہ دین ظاہر اور ڈھکے چھپے اعمال کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام اعمال کی اصل یہی محبت وارادہ ہے، اور دین نام ہے طاعت، عبادت اور حسن خلق کا۔ یہ طاعت ایسی لازمی اور دائمی ہونی چاہیے کہ یہ انسان کا خلقی اور عادتی وظیفہ بن جائے۔ اس معنی کی رو سے اللہ تعالیٰ نے دین کو خلق سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وإنک لعلیٰ خلق عظیم (القلم ۶۸: ۴)

تمہارے اخلاق، البتہ بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں۔

اس آیت کے متعلق حضرت امام احمدؒ بن حنبل، حضرت امام ابن عیینہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: **لعلی خلق عظیم** کے معنی ہیں **لعلی دین عظیم**۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: **کان خلقه القرآن** (آپ کا اخلاق قرآن ہے)۔

دین کے معنی میں اذلال اور قہر وغلبہ دونوں داخل ہیں، نیز اس کے معنی میں ذلت و خاکساری اور خضوع وطاعت داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اعلیٰ سے اسفل کی طرف جھکتا ہے، جیسا کہ عرب کا محاورہ ہے: **دنته فادان** (میں نے جبراً اسے جھکایا تو وہ جھک گیا)۔

یہ بات ادنیٰ سے اعلیٰ کے سامنے ہوا کرتی ہے، جیسا کہ محاورات میں ہے: **دنت الله و دنت لله** (میں اللہ کے آگے جھکا اور اللہ کے لیے جھکا)۔

فلان لا یدین اللّٰہ دینا و لا یدین اللّٰہ بدین (فلاں آدمی اللہ کے سامنے نہیں جھکتا، اور اسے اللہ کے آگے جیسا جھکنا چاہیے نہیں جھکتا)۔

عربوں کا محاورہ ہے: فدان اللّٰہ (اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)، یعنی وہ اس کی اطاعت کرتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، اس سے ڈرتا ہے۔

اسی طرح کہتے ہیں: ودان اللّٰہ (وہ اللہ کے آگے جھک گیا)، یعنی اللہ کے حضور میں اس نے خضوع وخشوع کا اظہار کیا اور اپنے کو اس نے اللہ کے سامنے عاجز اور سرنگوں کر دیا، اس کے سامنے اپنے کو جھکا دیا اور ذلیل وخاکسار کر لیا اور وہ اللہ کا مطیع وفرماں بردار ہو گیا۔

دین کی دو قسمیں ہیں، دینِ ظاہر اور دینِ باطن۔ دینِ باطن کے لیے خضوع اور محبت اسی طرح لازمی ہے، جس طرح عبادت میں ہوا کرتی ہے۔ اس کے خلاف دینِ ظاہر میں محبت لازمی نہیں، اگرچہ اس میں انقیاد، اطاعت اور ذلت پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا نام یوم الدین رکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور بُرے اعمال کا بُرا بدلہ۔ اس معنی کے لحاظ سے لفظ دین جزاء وبدلہ اور حساب کے معنی پر مشتمل ہے اور اس معنی کی رو سے قیامت کے دن کو یوم الجزاء اور یوم الحساب کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلولا إن کنتم غیر مدینین ترجعونها ان کنتم صادقین (الواقعۃ ۵۶: ۸۶-۸۷)

اگر تم کسی کے دبیل نہیں، اور سچے ہو تو جان کو لوٹا کیوں نہیں لاتے۔

یعنی اگر تم اللہ کی ربوبیت میں نہیں ہو، اس کے سامنے مقہور ومغلوب نہیں ہو، اور وہ تمہیں جزاء اور بدلہ نہیں دے گا، تو پھر تم اپنی روح کو واپس کیوں نہیں لوٹا لاتے؟

یہ آیت مزید تشریح کی محتاج ہے۔ یہ منکرینِ بعث، منکرینِ قیامت، منکرینِ حساب کے مقابلے میں بطور حجت ودلیل وارد ہوئی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ حجت ودلیل اپنے مدلول کو مستلزم

ہو، تاکہ جب دلیل سامنے آ جائے تو مدلول فوراً سامنے آ جائے۔ ذہن اسی وقت مدلول کی طرف منتقل ہو جائے، کیونکہ دلیل و مدلول میں باہم تلازم ہوا کرتا ہے۔ ملزوم اپنے لازم کے لیے دلیل ہوا کرتا ہے۔ اس کے برعکس ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دلیل موجود ہو، لیکن مدلول تک نہ پہنچ سکے۔

آیت کے استدلال کی صورت یہ ہے کہ کفار عرب **یوم البعث**، یعنی قیامت کے دن اور جزاء وسزا کا انکار کرتے تھے، اس لیے وہ رب العالمین سے کفروانکار کرتے تھے۔ اس کی قدرت و ربوبیت اور حکمت کا بھی انکار کرتے تھے۔

یہاں دو باتیں لازم اور ضروری تھیں۔ وہ یا تو اس امر کے مقر اور معترف ہیں کہ ان کا کوئی رب ایسا ہے، جو قاہر، غالب اور زبردست ہے، اور ایسا غالب اور زبردست ہے کہ بندوں پر اس کا پورا تصرف اور غلبہ ہے، جب چاہتا ہے بندوں کو مارتا اور جلاتا ہے، انہیں جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور جس چیز سے منع کرنا چاہے، کر دیتا ہے۔ نیکوکاروں کو اجر وثواب سے نوازتا اور بدکاروں کو عذاب دیتا ہے۔ یا وہ اس شان اور صفات کے رب سے منکر ہیں۔ وہ اگر اس کا اقرار کرتے ہیں تو یوم بعث، یومِ حشر ونشر اور امری اور جزائی دین کا اقرار کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس سے انکار کرتے ہیں تو کفر کر رہے ہیں، اور اللہ کا انکار کر رہے ہیں، سمجھ رہے ہیں کہ ان کا کوئی رب اور پروردگار نہیں ہے، نہ وہ کسی کے محکوم ہیں نہ ان کا کوئی ایسا رب ہے جو ان پر متصرف اور غالب ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے کہا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تم اپنی موت کو کیوں دفع نہیں کرتے؟ وہ جب تمہارے پاس آتی ہے، تم اسے کیوں نہیں ہٹا دیتے؟ اور اپنی روح کو جب وہ حلقوم تک پہنچ جاتی ہے، اپنی جگہ واپس کیوں نہیں لے آتے؟

آیت کا خطاب ان لوگوں سے ہے جن پر نزع کا وقت طاری ہے، اور وہ اپنی موت کو سامنے دیکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنی روح کو اپنی جگہ واپس کیوں نہیں لے آتے؟ اگر تم اس پر قادر ہو، اور تم کسی دوسرے کی ربوبیت میں نہیں ہو۔ تم کسی غالب وقادر کے سامنے مغلوب ومقہور نہیں ہو جس کے احکام تم پر جاری ہوں، جس کے اوامر ونواہی تم پر نافذ ہوں،

تو پھر تم اپنی روح کو کیوں واپس نہیں لوٹاتے؟ اللہ کی وحدانیت و ربوبیت، بندوں پر اللہ کے تصرف اور نفوذِ احکام کے بارے میں یہ آیت ایک زبردست اور قوی دلیل ہے۔

دین دو قسم کا ہے۔ دین شرعی امری اور دین حسابی جزائی۔ یہ ہر دو قسم کے دین صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کے لیے ہیں۔ اور دین کل کا کل امر ہے، یا جزاء۔ ان ہر دو دینوں کی اصل محبت ہے، کیونکہ اللہ نے جو کچھ مشروع فرمایا ہے اور جس چیز کا بھی حکم دیا ہے، ظاہر ہے وہی چیز ہے جو اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہے، اور جس چیز سے وہ راضی ہے، جس سے منع کرتا ہے، وہی چیز ہے جسے وہ مکروہ سمجھتا ہے اور جس سے بغض ونفرت کرتا ہے، کیونکہ یہ اس چیز کے بالکل منافی ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور جس سے وہ راضی ہے۔

دینِ امری کا مرجع اللہ تعالیٰ کی محبت و رضامندی ہے اور بندے کا دین اسی وقت مقبول ہے، جب اس کی محبت و رضامندی شامل ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی اللّٰہ ربّا و بالاسلام دیناً ومحمد رسولاً

اس نے ایمان کا مزہ چکھا جو اللہ کی ربوبیت سے راضی ہوا اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمدؐ کو رسول مان کر راضی ہوا۔

دین کی عمارت محبت پر قائم ہے۔ محبت ہی کی وجہ سے دین شروع ہوا اور محبت ہی کے لیے شروع ہوا۔ دینِ جزائی کا بھی یہی حال ہے، کیونکہ دین جزائی دو باتوں پر مشتمل ہے۔ محسن اور نیکوکاروں کو احسان اور نیکی کا بدلہ دیا جائے اور مجرم، بدعمل اور بدکرداروں کو ان کے جرم کا بدلہ دیا جائے اور یہ ہر دو باتیں اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں، کیونکہ یہ عین اس کا عدل وفضل ہے۔ عدل وفضل اللہ کی صفاتِ کمالیہ ہیں، اور حق سبحانہ اپنی صفات واسماء کو محبوب رکھتا ہے اور اسے بھی محبوب رکھتا ہے جو ان صفات کو محبوب رکھے۔

یہ ہر دو قسم کے دین اللہ کی صراط مستقیم ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے اوامر اور نواہی، ثواب و عقاب میں اسی صراط مستقیم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ہُود علیہ الصلوۃ والسلام کا قول نقل فرماتا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

إنی أشهد اللّٰه واشهدوا أنی بریئ مما تشرکون من دونه فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون إنی توکلت علی اللّٰه ربی و ربکم ما من دآبة إلا هو آخذ بناصیتها إن ربی علی صراط مستقیم (هود ۱۱: ۵۴-۵۶)

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں۔تم بھی گواہ رہو کہ اللہ کے سواتم جو شریک بناتے ہو، میں اس سے بالکل بیزار ہوں۔تم سب مل کر میرے ساتھ اپنی بدی کر چلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں کہ وہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ جتنے جاندار ہیں سب ہی کی چوٹی تو اس کے ہاتھ میں ہے۔بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے جب سمجھ لیا کہ رب العالمین اپنے خلق، امر، ثواب وعقاب، قضاء وقدر، منع وعطاء، عافیت و بلاء اور توفیق وخذلان میں بالکل صراط مستقیم پر ہے، اور ان امور میں وہ اپنے کمال مقدس سے خارج نہیں ہوتا، جو اس کے اسماء وصفات کے مقتضیات سے ہیں اور اس کے اسماء وصفات..... عدل وحکمت، رحمت واحسان، فضل وکرم..... ثواب کو ثواب کی جگہ اور عقوبت کو عقوبت کے مقام پر صرف کرتے ہیں اور توفیق وخذلان، عطاومنع اور ہدایت وضلالت کو ٹھیک ٹھیک اپنے اپنے صحیح مقامات پر رکھتے ہیں۔اللہ کے اسماء وصفات جس کمال مقدس کے مقتضی ہیں، اس میں کامل اور مکمل ہیں کہ اللہ کمال حمد وثنا کا حقدار ہے تو حضرت ہود علیہ الصلوۃ والسلام میں علم وعرفان کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ اپنی قوم کے اجتماع میں بلا خوف وخطر کھڑے ہو گئے اور نڈر دل لے کر خدائے قدوس کی عظمت وجلالت کو سامنے رکھ کر پکار اُٹھے:

إنی اشهداللّٰه واشهدوا أنی بریء مما تشرکون من دونه (هود ۱۱: ۵۴-۵۵)

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اللہ کے سوا جو تم دوسرے کو شریک بناتے ہو میں اس سے بری ہوں۔

اس کے بعد اللہ کا یہ پیغمبر اللہ کی قدرت عامہ، اس کے قہر وغلبہ کی عمومیت، تمام اشیاء پر اللہ کے قہر وغلبہ اور اللہ کی عظمت وجلالت کے سامنے ہر چیز کے جھکنے، ذلیل ہونے اور مغلوب و

مقہور ہونے کی خبر دیتا ہے:

ما من دآبة الا هو آخذ بناصيتها (هود ١١: ٥٦)

جتنے جاندار ہیں سب کی چوٹی تو اس کے ہاتھ میں ہے۔

وہ، جس کی پیشانی اور چوٹی دوسرے کے ہاتھ میں ہے، خود دوسرے کے قبضے میں ہے، دوسرے کے قہر و غلبہ، دوسرے کی سلطنت و فرمانروائی میں ہے۔ ایسے لوگوں سے کیوں کر ڈرا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے ڈرنا انتہا درجے کی ذلالت اور قبیح ترین ظلم ہے۔

اس کے بعد اللہ کا یہ پیغمبر خبر دیتا ہے کہ اللہ صراطِ مستقیم پر ہے اور ہر وہ چیز جو اس کی قضاء و قدر فیصلہ کرے، صراط مستقیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ اللہ کے ظلم و جور سے نہیں ڈرتا، کیونکہ اس ذات سے ظلم و جور ممکن ہی نہیں، اس لیے پیغمبر کے الفاظ ہیں کہ میں اللہ کی ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، کیوں کہ میری پیشانی، میری چوٹی، میرے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے ظلم و جور سے میں قطعاً بے خوف ہوں، کیونکہ وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ ظلم و جور اس کی شان نہیں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے کہ بندوں کے حق میں اسی کا حکم جاری ہوتا ہے، اس کے فیصلے میں عدل ہے، ملک اسی کا ہے اور وہی حمد وثنا کا مستحق ہے، بندوں پر اس کا تصرف عدل و فضل کی حدود سے باہر نہیں ہے۔ وہ اگر دیتا ہے تو یہ اس کا کرم ہے۔ ہدایت و رہنمائی کرتا ہے، خیر و فلاح کی توفیق عطا فرماتا ہے تو عین اس کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ منع کرتا ہے اور اپنے انعامات سے کسی کو محروم کر دیتا ہے، کسی کو ذلیل یا گمراہ کرتا ہے، رسوا کرتا ہے، شقی و بدبخت گردانتا ہے تو یہ اس کا عدل اور اس کی حکمت ہے۔

غرض دینے میں، لینے میں، عطاء و بخشش میں اور عطاء و بخشش سے محروم رکھنے میں، اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر ہے۔ حدیث صحیح ہے:

ما أصاب عبداً قط هم ولا حزن فقال: اللهم إني عبدك ابن عبدك ابن أمتك، ناصيتي بيدك، ماض في حكمك، عدل في قضائك. اسئلك اللهم بكل اسم هو لك. سميت به نفسك أو انزلته في

كتابك. أو علمته أحدا من خلقك أو استأثرت به في علم الغيب عندك أن تجعل القرآن العظيم ربيع قلبي و نور صدري و جلاء همي و حزني و ذهاب همي و غمي، إلا أذهب اللّٰه همه و غمه و أبدله فرجا مكانه (مسند احمد بن حنبل ۳: ۱۲۲)

جب کسی بندے کو کوئی مصیبت اور رنج پہنچے تو وہ یہ پڑھ لے۔ ''اللہ! میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندے کا بیٹا ہوں۔ تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی اور چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے۔ مجھ پر تیرا ہی حکم جاری ہوتا ہے۔ میرے حق میں تیرا فیصلہ عین عدل ہے۔ اے اللہ! میں تیرے نام سے جو تو نے اپنے لیے رکھا ہے، یا جو تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو سکھایا ہے، یا جسے تو نے اپنے علمِ غیب کے اندر محفوظ کر رکھا ہے۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے قلب کی شادابی اور میرے سینے کا نور اور میرے ہم و غم، حزن و ملال کے دفعیے کا موجب بنا دے''۔ اس کے پڑھنے سے اللہ اس کے ہم و غم کو دور کر دے گا، اور اس کی جگہ فراخی و کشادگی عطا فرمائے گا۔

حدیث کا یہ حکم رب العالمین کے کونی اور امری دو حکموں پر، اور اختیاری اور غیر اختیاری فعل پر جو قضاء و قدر ہو، اس پر مشتمل ہے۔ یہ ہر دو قسم کے حکم بندوں کے حق میں جاری ہیں اور ہر دو قسم کے فیصلے بندوں کے حق میں عدل ہیں۔ پس یہ حدیث مذکورہ بالا آیت ہی سے مستفاد اور ماخوذ ہے۔ آیت اور حدیث میں انتہائی قریبی نسبت ہے۔



فصل ۱۰۶

عشق اور حسن پرستی کے دنیوی اور اخروی مفاسد

اب ہم عشق اور حسن پرستی کے دنیوی اور اخروی مفاسد کو ایک مستقل فصل میں پیش کر کے اصل سوال کا جواب ختم کر دیتے ہیں۔ اس کے مفاسد اس قدر ہیں کہ بیان کرنے والا جس قدر بھی بیان کرے، کم ہیں۔

عشق و حسن پرستی کا اولین اور بالذات خاصہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قلب کو فاسد اور خراب کر دیتا ہے۔ قلب فاسد اور خراب ہو جائے تو انسان کے تمام ارادے، اقوال اور افعال خراب ہو جاتے ہیں اور توحید کے تمام مورچے فاسد اور خراب ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مرضِ عشق اور صورت پرستی کے متعلق دو گروہوں کی حکایت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کی ہے، یعنی لوطیوں کا قصہ اور عورتوں کا قصہ۔ حضرت یوسفؑ اور عزیز مصر کی بیوی کے عشق و محبت اور اس کی عیاری و مکاری کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ہر حالت بیان کی گئی ہے جو اس بارے میں حضرت یوسفؑ پر گزری۔ ان کے صبر و ثبات، عفت، پاک دامنی، تقویٰ اور پرہیز گاری نے انہیں جس مقام پر پہنچایا، اس کی سرگزشت کا بیان ہے۔ نیز اس مصیبت کا بیان ہے جس سے حضرت یوسفؑ کو دوچار ہونا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں حضرت یوسفؑ نے جس صبر و ثبات اور تقویٰ و پرہیز گاری کا ثبوت دیا، دوسرا کوئی نہیں دے سکتا، سوائے اس شخص کے جسے پروردگارِ عالم صبر و ثبات سے نوازے، کیونکہ ہر کام اپنے دواعی و اسباب کی قوت اور باز رکھنے والے اسباب کے زوال کے حسبِ حال ہوا کرتا ہے۔ یہاں دواعی جرم اور ارتکابِ جرم کے اسباب کامل طور پر موجود تھے۔ ان کے موجود ہونے کی چند وجوہ ہیں۔

۱۔ مرد کی طبیعت اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی بنائی ہے کہ وہ عورت کی طرف اس طرح مائل ہوتا ہی ہے جس طرح پیاسا آدمی پانی کی طرف، یا بھوکا آدمی کھانے کی طرف، بلکہ بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں صبر کر جاتے ہیں، مگر عورت کے معاملے میں صبر نہیں کر سکتے۔ یہ بات اگر حلال و جائز شکل میں ہو تو کچھ مذموم نہیں، بلکہ قابل تعریف ہے جیسا کہ امام احمدؒ بن حنبل کی کتاب الزھد میں حضرت انسؓ سے ایک حدیث مروی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حبب الی من دنیا کم الطیب والنساء. أصبر علی الطعام والشراب. ولا أصبر عنهن (سنن نسائی: عشرۃ النساء)

مجھے تمہاری دنیا میں دو چیزیں محبوب ہیں: خوشبو اور عورتیں۔ میں کھانے پینے سے صبر کر سکتا ہوں، لیکن عورتوں سے صبر نہیں کر سکتا۔

۲۔ حضرت یوسفؑ نوجوان آدمی تھے۔ ظاہر ہے کہ نوجوان کی شہوت کی حدت اور گرمی بہت زیادہ اور تیز ہوا کرتی ہے۔

۳۔ حضرت یوسفؑ مجرد تھے۔ نہ کوئی بیوی تھی نہ باندی، جس سے اپنی شہوت پوری کر سکتے اور خواہش کی آگ بجھا سکتے۔

۴۔ آپ غریب الوطن اور مسافر تھے۔ غربت اور مسافرت میں اس قسم کا کام کرنے میں وہ دقتیں پیش نہیں آتیں، جو وطن میں پیش آتی ہیں۔ جو دقتیں اہل و عیال، جاننے پہچاننے والوں میں پیش آتی ہیں، وہ اجنبیوں میں پیش نہیں آتیں۔

۵۔ یہ عورت صاحبِ منصب و جمال تھی۔ منصب و جمال کے ساتھ ساتھ اس کا شوہر اس کا مطیع و فرماں بردار تھا اور ہر وقت اس کی رضا جوئی میں لگا رہتا تھا۔

۶۔ عورت اس فعل سے انکار نہیں کر رہی تھی، بلکہ وہ خود حضرت یوسفؑ کو اس کام کے لیے مجبور کر رہی تھی۔ بعض آدمیوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ عورت انکار کرے تو ان کی رغبت اس سے کم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں وہ اپنی ذلت اور توہین سمجھتے ہیں اور اس کے آگے جھکنے میں اپنی بے عزتی

اور بے توقیری خیال کرتے ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ انکار سے ان کی آتشِ محبت اور تیز ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وزادنی کلفا فی الحب أن منعت أحب شیئ الی الانسان مامنعا

اگر وہ منع کرتی ہے تو محبت کی تکلیف اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ جس چیز سے انسان کو منع کیا جاتا ہے، وہ اسے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔

غرض لوگوں کی طبیعتیں اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ عورت اپنی رغبت و محبت ظاہر کرتی ہے تو ان کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ انکار کرتی ہے تو محبت مضمحل ہو جاتی ہے۔ ایک قاضی کا قصہ مجھے معلوم ہے۔ اس کی بیوی یا باندی جب کبھی اس سے انکار یا بے توجہی برتتی تو اس کی محبت و خواہش ایسی مضمحل ہو جاتی کہ پھر وہ کبھی اس کے پاس نہیں جاتے تھے۔

بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ منع و انکار سے ان کی آتشِ محبت اور تیز ہو جاتی ہے۔ منع و انکار جس قدر زیادہ ہوتا ہے، آتش محبت اور تیز ہو جاتی ہے۔ اسے اپنی کامیابی و ظفرمندی کی کوششوں میں اور زیادہ لذت آتی ہے، جیسے کسی چیز کو محنت، مشقت اور مشکلات کے بعد حاصل کرنے سے اس میں لذت آتی ہے، یا کوئی چیز بڑی منت سماجت اور خوشامد و لجاجت سے حاصل ہو تو اس میں لذت آتی ہے۔

۷۔ حضرت یوسفؑ کو خود اس عورت نے مجبور کرنے کی کوشش کی تھی۔ خود اسی نے اس کام کے لیے آپ کو مجبور کرنا چاہا تھا، اس لیے بیانِ طلب و سوال، منت سماجت اور خوشامد و لجاجت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ رغبت و طلب کی ذلت اسی کے سر تھی، آپ کے سر نہ تھی۔ وہی عاجز و ذلیل تھی، اور آپ ایک مطلوب، محبوب اور عزیز مرغوب تھے۔

۸۔ حضرت یوسفؑ اس عورت کے گھر میں رہتے سہتے تھے، اس کے محکوم تھے، اس طرح اس کے قابو میں تھے۔ اس کی اطاعت سے روگردانی کی جائے تو وہ آپ کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا سکتی تھی۔ اس لحاظ سے یہاں رغبت کا داعیہ موجود ہے اور خوف و ہراس کا بھی۔

۹۔ یہاں اس بات کا بھی کوئی خوف اور ڈر نہ تھا کہ خود یہ عورت یا دوسرا کوئی آدمی اس راز کو

افشا کر دے گا، کیونکہ وہ خود ہی یہ کام چاہتی تھی اور اس کی خواہش مند تھی۔ اس کام کے ارادے سے اس نے اپنے دروازے بند کر دیے تھے، اور تمام رقیبوں اور نقیبوں کو وہاں سے الگ کر دیا تھا۔

۱۰۔ حضرت یوسفؑ اس عورت کے غلام اور مملوک تھے، ہمہ وقت گھر میں رہتے تھے، ہر وقت اندر جاتے آتے تھے، ہر وقت اس کے حضور میں رہا کرتے تھے۔ ان پر اس قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عورت کی جانب سے اس خواہش کے اظہار سے پہلے بھی آتے جاتے تھے اور ہر طرح امین سمجھے جاتے تھے۔ ظاہر ہے، یہ بات اس کام کے لیے ایک قوی ترین داعیہ ہے جیسا کہ اشراف عرب کی ایک شریف خاتون سے کسی نے پوچھا کہ کس بناء پر تو نے زنا کا ارتکاب کیا؟ اس نے جواب دیا۔ فساد و خرابی قریب تھی اور راتیں کالی تھیں، یعنی یہ آدمی میرے بستر کے قریب ہی سویا کرتا تھا، اور اندھیری راتیں ہماری پردہ پوشی کرتی تھیں۔

۱۱۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کام پر مجبور کرنے کے لیے مکار، عیار، حیلہ جو اور عیاری و مکاری کی فنکار عورتوں کو اس کام میں مدد دینے کے لیے جمع کیا تھا کہ وہ اس کام میں اس کی امداد کریں اور اپنی اپنی فریب کاریوں کو بروئے کار لائیں۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو ان کے سامنے پیش کیا اور اپنی ناکامی و نامرادی کی ان کے سامنے شکایت کی، ان سے امداد کی خواہاں ہوئی۔ حضرت یوسفؑ نے اس وقت ان کے مقابلے میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مدد طلب کی اور عرض گزار ہوئے:

وإلا تصرف عني كيد هن أصب إليهن وأكن من الجاهلين (يوسف ۱۲: ۳۲)

اور اگر ان کے پھندوں کو تو نے مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں ہو جاؤں گا۔

۱۲۔ حضرت یوسفؑ کو جیل خانے بھیجنے اور ذلیل و رسوا کرنے کی اس عورت نے دھمکی دی، ''اگر تم میرا مقصد پورا نہیں کرو گے تو میں تمہیں جیل بھیج دوں گی اور ذلیل و رسوا کر دوں گی''۔ ظاہراً یہ ایک زبردستی ہے کہ بدکاری پر جبر و اکراہ کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہ اس عورت کی دھمکی ہے جو ایسا کر سکتی تھی۔ یہاں داعیہ شہوت موجود ہے اور جیل خانے کی ذلت و تکلیف سے سلامتی تلاش کرنے

کا داعیہ بھی موجود ہے۔

۱۳۔ اس عورت کے شوہر نے حضرت یوسفؑ کے متعلق کبھی غیرت ونخوت اور شبہ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جس سے یہ خیال کیا جائے کہ دونوں میں تفریق وجدائی پیدا کی جائے گی، اور ایک سے دوسرے کو علیحدہ کر دیا جائے گا، بلکہ جب بیوی کا معاملہ طشت از بام ہو جاتا ہے، اس وقت وہ حضرت یوسفؑ کو خطاب کر کے کہتا ہے:

اعرض عن هذا (یوسف ۱۲: ۲۹) (یوسف اسے جانے دو)۔

اور بیوی سے کہتا ہے:

إستغفري لذنبك إنك كنت من الخاطئين (یوسف ۱۲: ۲۹)

تو اپنے قصور کی معافی مانگ، کیونکہ سراسر تیری ہی خطا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ شوہر کی غیرت اس کام میں ایک زبردست رکاوٹ ہوا کرتی ہے اور یہاں یہ رکاوٹ بھی مفقود ہے۔

غرض ہمہ قسم کے دواعی و اسباب کے ہوتے ہوئے بھی حضرت یوسفؑ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ورضاجوئی اور اس کے خوف کو مقدم رکھتے ہیں۔ محبت خداوندی ان کا دامن پکڑتی ہے، انہیں زنا سے باز رکھتی ہے اور زنا کے مقابلے میں وہ جیل کی اسیری کو پسند کر لیتے ہیں۔ قرآن حکیم آپ کے پُرعزیمت قول کو یوں نقل کرتا ہے:

رب السجن أحب الي مما يدعونني اليه (یوسف ۱۲: ۳۳)

اے میرے رب! جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں، قید میں رہنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت یوسفؑ خوب سمجھ رہے تھے کہ یہ مصیبت جیل گئے بغیر ٹلنے والی نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ پروردگارِ عالم آپ کی دستگیری نہ فرماتا تو مصر کی عورتوں نے جو کمند اور پھندے آپ کے لیے بچھائے تھے، ان سے بچ نکلنا بہت دشوار تھا۔ آپ طبعی طور پر اس طرف جھک پڑتے اور جاہلوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا لیتے۔ یہ حضرت یوسفؑ کا کمالِ علم ومعرفت تھا کہ آپ نے

اپنے رب، اپنے نفس اور اپنے مقام کو اچھی طرح سمجھ لیا اور صبر و ثبات کا دامن نہ چھوڑا۔

حضرت یوسفؑ کے اس قصے میں بڑی بڑی عبرتیں اور بے شمار فوائد اور حکمتیں مضمر ہیں۔ خدائے قدوس توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے فوائد کو ایک مستقل تصنیف کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔



فصل ۱۰۷

عشق کی دو صورتیں

عشاق اور حسن پرستوں کا دوسرا گروہ جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے، لوطیوں کا گروہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وجاء أهل المدينة يستبشرون قال ان هؤلاء ضيفي فلا تفضحون و اتقوا الله ولا تخزون قالوا اولم ننهك عن العالمين قال هؤلاء بناتي ان كنتم فاعلين لعمرك إنهم لفي سكرتهم يعمهون (الحجر ۱۵: ۶۷-۷۲)

اور شہر کے لوگ بڑے ارادے سے خوشیاں مناتے ہوئے لوطؑ کے پاس پہنچے۔ لوطؑ نے ان سے کہا۔ یہ میرے مہمان ہیں تو مجھے تم فضیحت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اور مجھے رسوا نہ کرو، وہ بولے: کیا ہم نے تمہیں دنیا جہاں کے لوگوں کی ممانعت نہیں کر دی تھی؟ لوطؑ نے کہا اگر تم کو کرنا ہے تو یہ میری بیٹیاں ہیں، ان سے نکاح کر لو۔ اے پیغمبر! تمہاری جان کی قسم یہ لوطؑ کی قوم کے لوگ اپنی بدمستی پر بڑے جھوم رہے تھے۔

عشق کی یہ دو صورتیں، دو قسم کے گروہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہیں۔ جن کا قصہ قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ ہر دو قسم کا عشق اور حسن پرستی اللہ نے حرام قرار دی ہے، لیکن لوگوں نے اس کی پروا نہیں کی، اور اس عشق اور حسن پرستی کی مضرتوں اور نقصانات کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔

عشق اور حسن پرستی ایسا لا علاج مرض ہے کہ بڑے بڑے اطباء اس کے علاج سے قاصر اور عاجز آ چکے ہیں۔ مریضانِ عشق کی صحت و شفا ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! یہ ایک مہلک مرض اور قاتل زہر ہے جس پر بھی اس نے وار کیا، اسے ختم کر کے چھوڑا۔ اس کی قید و بند سے نجات دلانا

ساری دنیا کے لیے دشوار و ناممکن ہو گیا۔ جس جگہ بھی یہ آگ مشتعل ہوئی، اس سے نکلنا اور نکالنا دشوار ہو گیا۔

اس عشق و محبت اور صورت پرستی کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ عشق انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ انسان اگر اپنے معشوق کو معبود بنا لے اور اس سے اسی قسم کی محبت کرنے لگے، جیسی اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے تو یہ کفر ہے۔ یہ محبت اللہ کی محبت سے بھی زیادہ ہو تو بڑی ہی خطرناک اور مہلک محبت ہے۔ ایسے عشق اور ایسی محبت کو اللہ کبھی نہیں بخشے گا، کیونکہ یہ عظیم ترین شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ شرک کے سوا دوسرے گناہ توبہ و استغفار سے معاف کر دے گا۔

عشقِ شرکی و فسقِ کفری کی علامت یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی رضامندی کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مقابلے میں ترجیح دے۔ معشوق کا حق اور اللہ تعالیٰ کا حق جب معشوق کی طاعت اور اللہ تعالیٰ کی طاعت باہم ٹکرائیں تو وہ معشوق کے حق اور معشوق کی طاعت کو مقدم سمجھے۔ معشوق کی رضامندی کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مقابلے میں ترجیح دے اور اپنے تمام اوقات معشوق کے لیے وقف کر دے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ وقت نکالے بھی تو وہی جو معشوق کے اوقات سے فاضل ہو۔

اب عشاق اور حسن پرست لوگوں کے حالات پر غور کیجیے۔ کیا ٹھیک ٹھیک مذکورہ بالا حالات پر منطبق نہیں ہوتے؟ ان لوگوں کے حالات ایک پلے میں رکھیے اور ان کی توحید اور ان کے ایمان کو دوسرے پلے میں۔ اندازہ کیجیے، کیا یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا جوئی اور عدلِ الٰہی کے مطابق ہیں؟

بعض عشاق تو وصلِ معشوق کو توحیدِ رب العالمین سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں، جیسا کہ کسی خبیث نے کہا ہے:

يترشفن من فمي رشفات　　هن احلى فيه من التوحيد

میرے لعابِ دہن کے چند قطرے جوان کے منہ میں جاتے ہیں۔ یہ ان کے منہ

میں توحید سے بھی زیادہ شیریں ہوتے ہیں۔

ایک اور خبیث کہتا ہے کہ وصلِ معشوق مجھے پروردگار کی رحمت سے زیادہ مرغوب ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کے الفاظ ہیں:

وصلک أشهی الی فؤادی　　من رحمة الخالق الجلیل

تیرا وصل میرے دل کو خالقِ جلیل کی رحمت سے زیادہ مرغوب ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کا عشق عظیم ترین شرک ہے، چنانچہ بہت سے عشاق صاف لفظوں میں اس کی تصریح کر رہے ہیں کہ ان کے قلوب میں معشوق کے سوا کسی کی جگہ نہیں، بلکہ معشوق ان کے پورے قلب کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے معشوق کے خالص غلام اور بندے بن جاتے ہیں۔ اپنے پروردگار خالق جل جلالہ کی عبودیت و غلامی چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوق کی عبودیت اور غلامی پر راضی ہو جاتے ہیں، کیونکہ عبودیت اسی کمال محبت اور خضوع و انکسار ہی کا تو نام ہے۔ ان لوگوں نے بھی اپنی محبت اور خضوع اور خاکساری کو اپنے معشوق تک محدود کر دیا ہے، اپنی عبودیت کو معشوق کے چرنوں میں ڈال دیا ہے۔ امرِ عظیم کے مفسدے میں اور زنا کاری کے مفسدے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ زنا کبیرہ گناہ ہے، جس طرح دوسرے کبائر ہیں اور یہ شرک ہے، چنانچہ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ ان صورتوں کی پرستش سے زنا کرنا ان کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ عشق و حسن پرستی کے امتحان و ابتلاء کے مقابلے میں کسی سے زنا کر لیا جائے تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ عشق قلب سے معشوق کی عبادت کرا لیتا ہے اور قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موڑ کر اپنی طرف جھکا لیتا ہے۔



فصل ۱۰۸

دوائے عشق

عشق ایک مہلک مرض ہے۔اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے انسان اچھی طرح سمجھ لے کہ جس مرض اور بیماری میں مبتلا ہوا ہے، وہ سراسر توحیدِ خداوندی کے خلاف اور متضاد ہے۔اس کے بعد انسان کچھ ایسی ظاہری اور باطنی عبادتیں کرتا رہے جو اس کے قلب سے عشق کے افکار کا تسلسل منقطع کر دیں۔ بارگاہ خداوندی میں انتہائی عاجزی اور خاکساری کے ساتھ بہت زیادہ التجا اور تضرع کرے کہ وہ اس مرض کو دفع فرمائے اور اس کے قلب کو اپنی طرف موڑ دے۔

اس مرض کی دوا اس سے بہتر اور سودمند کوئی نہیں کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔اسی دوا کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

کذالک لنصرف عنه السوء والفحشاء إنه من عبادنا المخلصين

(یوسف ۱۲: ۲۴)

اس طرح ہم نے یوسفؑ کو ثابت قدم رکھا تا کہ بدکاری اور بے حیائی سے انہیں دور رکھیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے نیک بندوں میں سے ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو ان کے اخلاص کی وجہ سے عشق کی مصیبت اور بدکاری سے بچا لیا گیا۔قلب میں خلوص ہو اور اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کے لیے عمل ہو تو حرام عشق ایسے دل میں جاگزیں نہیں ہو سکتا۔حرام عشق اس قلب میں جگہ بناتا ہے جو خالی ہوتا ہے۔ بقول کسی شاعر کے:

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوى   تصادف قلباً خالياً فتمكنا

میں محبت کو جانتا بھی نہ تھا، اس سے پہلے محبوبہ کی محبت میرے پاس آ گئی۔ اس نے
قلب کو خالی پایا تو وہ جاگزیں ہوگئی۔

عقل مند اور ذی ہوش کو سمجھنا چاہیے کہ عقل اور شریعت تحصیلِ مصالح، ان کی تکمیل اور مفاسد کی مدافعت کو واجب اور لازم قرار دیتی ہے۔ کسی عقل مند کے سامنے کوئی ایسی چیز پیش آئے جس میں مصلحت ہے اور مفسدہ بھی، تو اس وقت اس پر دو باتیں لازم ہو جاتی ہیں: ایک علمی، دوسری عملی۔ علمی بات یہ ہے کہ انسان مصلحت اور مفسدے میں سے راجح پہلو پر غور کرے، پوری کوشش سے راجح پہلو کو سمجھے اور جو پہلو اصلح ہو، اسے اختیار کر لے، کیونکہ اصلح پر عمل کرنا انسان کے لیے واجب اور ضروری ہے۔

یہ معلوم ہے کہ عشق اور صورت پرستی میں نہ کوئی دینی مصلحت موجود ہے، نہ دنیوی، اور اگر اس میں کوئی مصلحت موجود بھی ہو تو اس سے کہیں زیادہ اس کے اندر دینی اور دنیوی مفاسد موجود ہوتے ہیں اور یہ کئی طریقوں پر ہے۔

اول: پروردگارِ عالم کی محبت و ذکر کے ساتھ مخلوق کی محبت و ذکر میں اسے مشغولیت ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں، کیوں کہ یہ ہر دو چیزیں باہم ایک دوسرے پر غالب ہونے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ بالآخر جو غالب آتا ہے، اسی کی سلطنت و حکومت قلب پر قائم ہو جاتی ہے۔ قلب اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

دوم: معشوق کے عشق و محبت میں اس کا قلب سخت ترین عذاب کا شکار ہو جاتا ہے، جس سے اسے کسی وقت بھی نجات نہیں ملتی۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت کرتا ہے، اس کے لیے یہ عذاب لازم اور ضروری ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

فما في الارض أشقى من محب ۔۔۔ وإن وجد الهوى حلو المذاق
تراه باكيا في كل حين ۔۔۔ مخافة فرقة أو لاشتياق
فيبكي ان نأوا شوقا اليهم ۔۔۔ ويبكي ان دنوا خوف الفراق
فتسخن عينه عن الفراق ۔۔۔ وتسخن عينه عند التلاق

محبت کرنے والے سے زیادہ اس زمین پر کوئی بد بخت نہیں۔ اگر چہ اسے محبت کا مزہ میٹھا معلوم ہوتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ ہر وقت روتا ہی رہے گا، فراق کے خوف سے، یا وصال کے شوق میں۔ اگر معشوق دور ہوتا ہے تو جدائی کے مارے روتا ہے، اور اگر قریب ہوتا ہے تو فراق کے خوف سے روتا ہے۔ پس اس کی آنکھیں فراق کے وقت گرم آنسو ٹپکاتی ہیں اور ملاقات کے وقت بھی روتی ہیں۔

غرض! عشق وہ مصیبت ہے کہ عاشق لذت اندوز ہوتا ہے، تب بھی اس کا قلب عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

سوم: عاشق معشوق کا اسیر اور غلام بن جاتا ہے۔ ایسا اسیر و غلام کہ وہ اسے ہر وقت ذلیل وخوار اور رسوا کرتا رہتا ہے۔ عشق کا نشہ اس پر کچھ اس طرح سوار رہتا ہے کہ اسے اس ذلت و رسوائی کی مصیبت کا شعور و احساس تک نہیں ہوتا اور اس کے قلب کی حالت اس چڑیا کی سی ہو جاتی ہے جو کسی بچے کے ہاتھ میں گرفتار ہو۔ بچہ اسے ستاتا رہتا ہے اور اسے ایک کھیل تماشا سمجھتا ہے، لیکن چڑیا کی جان جاتی ہے۔ اسی طرح عاشق کی حالت ایک دست و پا بستہ قیدی کی سی ہے۔ اس کے برعکس جو اس بیماری سے آزاد ہے، وہ اس مصیبت سے بھی آزاد ہے۔ عاشق کی حالت کے متعلق کسی نے کہا ہے:

طليق برأى العين وهو أسير عليل على قطب الهلاك يدور

عاشق بظاہر تو آزاد نظر آتا ہے، مگر وہ ایک قیدی ہے۔ وہ ایک بیمار ہے جو ہلاکت کے محور پر گھوم رہا ہے۔

وميت يرى في صورة الحي غاديا وليس له حتى النشور نشور

وہ ایک مردہ ہے جو زندوں کی طرح چلتا پھرتا نظر آتا ہے، لیکن حشر کے دن بھی اس کا زندہ ہونا دشوار ہے۔

أخو غمرات ضاع فيهن قلبه فليس له حتى الممات حضور

وہ ایسے غاروں میں پڑا ہے جہاں اس کا قلب کھو گیا۔ اب موت تک اسے پھر اس کا

قلب ملنے کا نہیں۔

چہارم: عشق انسان کو دینی اور دنیوی مصالح سے بالکل غافل اور بے خبر کر دیتا ہے اور اسے عشق کی مشغولیتوں ہی میں مصروف رکھتا ہے، اس لیے عشق وصورت پرستی سے بڑھ کر مصالح دین ودنیا کو ضائع کرنے والی کوئی چیز نہیں، کیونکہ دینی مصالح کا دارومدار جمعیتِ قلب، جمعیتِ خاطر اور توجہ الی اللہ پر ہے۔ عشق اور صورت پرستی قلب ونظر کو کلیۃً متفرق ومتشتت کر دیتی ہے اور مصالح دنیویہ حقیقۃً مصالح دین پر موقوف ہیں۔ پس جس کے مصالح دینی ضائع ہوں گے، اس کے مصالح دنیوی یقیناً زیادہ سے زیادہ ضائع ہو جائیں گے۔

پنجم: عشق کے لیے دنیا وآخرت کی آفتیں اس قدر زیادہ اور تیز ہوتی ہیں جیسے خشک لکڑی میں آگ رکھنے کی دیر ہو، بلکہ خشک لکڑی میں آگ اس قدر جلد نہیں بھڑکتی، جتنی زیادہ عشق کی آگ تیز ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق جس قدر قلب سے نزدیک ہوتا جاتا ہے اور عاشق سے جس قدر اس کا اتصال بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس قدر عشاق کو بُعد اور دوری ہوتی ہے، کسی کو نہیں ہوتی۔ انسان کا قلب اللہ سے دور ہو جائے تو ہر طرف سے اس پر آفتیں ٹوٹ پڑتی ہیں، شیطان کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی پر اس کا دشمن غالب آ جائے، وہ مصائب ڈھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرے گا اور جس قدر بھی اس کے امکان میں ایذا اور تکلیف دینا ہوگا، وہ اسے ضرور پہنچائے گا۔ سوچیے! کہ اس قلب کا کیا حال ہوگا جس پر اس کا قوی ترین دشمن پوری طرح غلبہ پالے، اور اس پر حاوی ہو جائے۔ اس کا ایسا دشمن جو ساری مخلوق سے زیادہ اس کی عیب جوئی اور تخریب میں لگا ہوا ہو اور اسے اپنے حقیقی دوست سے جس کی دوستی اور نزدیکی کے بغیر اسے سعادت نصیب نہیں ہو سکتی، بھٹکانے پر تلا ہوا ہے، اسے فلاح ونجات اور فرحت ومسرت میسر نہیں آ سکتی۔

ششم: جب اس کا یہ دشمن اس کے قلب پر قابض ہو کر اس پر اپنی سلطنت وفرماں روائی قائم کر لیتا ہے تو پھر وہ اس کے ذہن کو کلیۃً خراب کر دیتا ہے۔ اس کے اندر وسوسوں کی گندگیاں بھر دیتا ہے۔ بسا اوقات اسے دیوانہ بنا کر رکھ دیتا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کسی قسم کا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔

عشاق کی یہ حالت ہر جگہ ہوتی ہے۔ بعض واقعات مشاہدے سے گزرے ہیں۔ یہ امر واضح ہے کہ انسان میں اہم ترین قوت عقل ہے۔ اسی عقل کی وجہ سے انسان دیگر حیوانات کے مقابلے میں ممتاز ہے۔ عقل ہی ماری جائے تو انسان ایک جانور سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ جانور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

مجنوں کی عقل لیلیٰ نے اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کی عقل ان کے معشوقوں نے عشق و محبت ہی کے ذریعے خراب کی، یا کسی اور چیز کے ذریعے؟ عشاق کا جنون تو عجیب وغریب ہوا کرتا ہے۔ ایک کا جنون دوسرے کے جنون کو مات کر دیتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

قالوا جننت بمن تهوى فقلت لهم　　العشق اعظم مما بالمجانين

لوگوں نے کہا کہ تو اپنے محبوب کی محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا عشق دیوانوں کے روگ سے بھی بڑا روگ ہے۔

العشق لا يستفيق الدهر صاحبه　　إنما يصرع المجنون بالحين

عشق کو کبھی افاقہ نہیں ہوتا اور دیوانوں پر تو کبھی کبھی ہی دورہ پڑا کرتا ہے۔

ہفتم: عشق انسان کے حواس بگاڑ کر بالکل فاسد کر دیتا ہے۔ یہ فساد معنوی ہوتا ہے اور صوری بھی۔ فسادِ معنوی، فسادِ قلب کے تابع ہے۔ انسان کا قلب فاسد اور خراب ہو جائے تو اس کی آنکھیں، کان اور زبان تمام چیزیں فاسد اور خراب ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے معشوق کی قبیح ترین چیز کو بھی اچھی سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ ایک مرفوع حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حبك الشيء يعمي ويصم (ابو داؤد : ادب)

ایک شے کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔

محبت قلب کو اندھا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے عاشق کو محبوب کی برائیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ کانوں کو بہرہ کر دیتی ہے کہ اس کے کان دنیا کی ملامت نہیں سنتے، پھر معشوق کی طرف اس کی رغبت معشوق کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی رہتی ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس کے

عیوب نہیں دیکھا کرتا۔ عیوب اس وقت نظر آتے ہیں جب اس کی محبت کم ہو جاتی ہے۔ شدید ترین رغبت وشوق اور افراطِ محبت اس کی آنکھوں پر ایک زبردست پردہ بن کر چھا جاتی ہے اور چیز کو اس کی اصل حالت میں دیکھنے سے قاصر کر دیتی ہے۔ بقول شاعر:

هويتك إذ عيني عليها غشاوة فلما انجلت قطعت نفسي ألومها

میں نے تجھ سے محبت اس وقت بھی کی جب میری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب یہ پردہ ہٹ گیا تو میرے نفس نے اس کی محبت کے رشتے توڑ دیے۔

انسان جس چیز میں داخل ہو جائے، اسے اس چیز کے عیوب نظر نہیں آتے۔ جو اس سے باہر ہو، اسے بھی اس کے عیوب دکھائی نہیں دیتے۔ عیوب تو اس وقت معلوم ہوتے ہیں جب کوئی داخل ہو کر باہر آ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو صحابہؓ کفر و جاہلیت میں رہ کر اسلام لائے، ان کا درجہ ان مسلمانوں سے بڑھا ہوا ہے جو اسلام میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب فرماتے ہیں:

إنما ينتقض عرى الاسلام عروة عروة إذا ولد في الاسلام من لا يعرف الجاهلية

زنجیر اسلام کی کڑی کڑی ٹوٹ جائے گی، جب کہ اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جنہوں نے جاہلیت کا دور نہیں دیکھا۔

حواس ظاہری کے فاسد و خراب ہونے کی صورت یہ ہے کہ عشق جسم کو بیمار اور لاغر کر دیتا ہے، بسا اوقات عاشق کو گور میں پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ بہت سے عشق کے ماروں کے قصے سنے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں ایک نوجوان کو حضرت ابن عباسؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ نوجوان بالکل لاغر ہو چکا تھا، ہڈیوں پر چمڑے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ابن عباسؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ایسا کیوں ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ عشق و محبت نے اسے ایسا کر دیا ہے۔ اس دن سے حضرت ابن عباسؓ روزانہ عشق سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

ہشتم: عشق افراطِ محبت کا نام ہے۔ محبت اس قدر غلبہ پا جائے کہ انسان کے قلب اور دل پر

معشوق کی حکومت قائم ہو جائے اور اس کے خیالات ،تصورات، ذکر وفکر پر پورا پورا قابو پالے اور کسی وقت بھی اس کا دل ودماغ معشوق کے تصور سے خالی نہ ہو۔نوبت جب اس حد تک پہنچ جائے تو پھر اس کا نفس خواطرِ نفسانیہ ہی کے اندر الجھ کر رہ جاتا ہے۔اس طرح نفس کی تمام قوتیں معطل اور مختل ہو کر رہ جاتی ہیں۔اس تعطل واختلال کی وجہ سے جسم وروح پر وہ آفتیں ٹوٹ پڑتی ہیں کہ انسان کا جینا دشوار اور اس کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے۔پھر اس کے تمام افعال وکردار، مقاصد ومطالب اور اوصاف واطوار متغیر اور مختل ہو کر رہ جاتے ہیں اور انسان اپنی اصلاح وبہبود سے قطعاً قاصر ہو جاتا ہے۔کسی شاعر کا قول ہے:

الحب أول مايكون لجاجة يأتي بها و تسوقه الاقدار

محبت آغاز میں محض ایک لہر ہوتی ہے اور پھر تقدیر اسے آگے بڑھاتی رہتی ہے۔

حتى اذا خاض الفتى لجج الهوى جاءت أمور لا تطاق كبار

یہاں تک کہ جب کوئی جوان محبت کی لہروں میں گھس پڑتا ہے تو پھر وہ حالات پیش آتے ہیں جو بڑے بڑوں کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ عشق کی ابتداء سہل وآسان ہے۔عشق کا وسط اور درمیانی حصہ ہم وغم ،حزن وملال اور قلب کی بیماری ہے، اور عشق کا انجام اگر پروردگارِ عالم کی مہربانی نہ ہو، وہ عنایت ودستگیری نہ فرمائے تو پریشانی ،تباہی ،ہلاکت اور موت ہے۔کسی شاعر نے کہا ہے:

وعش خالياً فالحب أوله غناً وأوسطه سقم و آخره قتل

خالی الذہن زندگی گزارو، کیونکہ محبت کی ابتداء پریشانی ہے اور وسط بیماری اور انجام موت۔

کسی اور شاعر کے بقول:

تولع بالعشق حتى عشق فلما استقل به لم يطق

عشق کے خارزار میں اس نے گھسنے کی کوشش کی ،تاآنکہ عاشق ہو گیا۔جب عشق نے اس کے اندر مستقل جگہ بنالی تو اس میں برداشت کی طاقت نہ رہی۔

رأى لجة ظنها موجة فلما تمكن منها غرق

اس نے ایک لہر دیکھی، گمان کیا کہ ایک موج ہی تو ہے، لیکن جب اس نے قابو پالیا
تو غرق ہو کر رہ گیا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ یہ خود اسی کا جرم ہے اور اسی کا گناہ ہے، اس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ اس پر عربی کی یہ مثل من وعن صادق آتی ہے: یداک أوکتا و فوک نفخ (۱) تیرے ہاتھوں نے مشکیزے کا منہ باندھا اور تیرے ہی منہ نے پھونک ماری۔



(۱) یہ ایک ضرب المثل ہے۔ کسی جزیرے میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اپنی مشک کے ذریعے دریا عبور کر کے کنارے پر جائے۔ مشک میں اس نے اپنے منہ سے پھونک کر ہوا بھری، اور اپنے ہاتھ سے اس کا منہ باندھا، لیکن اس میں جس قدر اہتمام کی ضرورت تھی نہیں کیا۔ مشک پر سوار ہو کر دریا میں اتر پڑا، وسطِ دریا میں پہنچا تو مشک سے ہوا خارج ہونے لگی اور وہ ڈوبنے لگا۔ کسی آدمی سے جو کشتی پر اس کے قریب تھا، اس نے مدد مانگی۔ اس نے جواب دیا یداک أوکتا و فوک نفخ (تیرے ہاتھوں نے مشک باندھی تھی اور تیرے منہ نے اس میں ہوا بھری تھی)۔ یہ ضرب المثل اس آدمی کے لیے بولی جاتی ہے جو اپنے ہی ہاتھوں بلا مول لے لے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

فصل ۱۰۹

مقاماتِ عشق

عشق کے تین مقام ہیں: ابتدائی مقام، درمیانی مقام، انتہائی مقام۔ عشق کا ابتدائی مقام ہی قابل غور ہے۔ انسان کے لیے واجب ہے کہ غور کرے اور سوچے کہ از روئے قدر و شرع معشوق تک پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پہنچ سکتا تو ہر ممکن طریقے سے وہ اس سے بچنے کی کوشش کرے، اور کسی طرح بھی معشوق کی جانب توجہ نہ کرے۔ پوری کوشش کے بعد بھی اگر وہ عشق سے بچ نہ سکا اور اس نے محبوب کی طرف اقدام سفر جاری رکھا اور درمیانی اور انتہائی مقام سامنے آ گیا تو اب اس کا فرض ہے کہ عشق کو چھپائے اور لوگوں پر اسے ظاہر نہ کرے، معشوق کو رسوا اور ذلیل نہ کرے۔ جگ ہنسائی نہ ہونے دے، کیونکہ ایسا کرنے سے شرک کے ساتھ ظلم بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں جو بھی ظلم ہوگا، وہ بڑے سے بڑا ظلم ہوگا، کیونکہ بسا اوقات یہ ظلم معشوق اور اس کے کنبے اور متعلقین کے حق میں مال و دولت کی تباہی و بربادی سے بڑھ کر ظلم ہوتا ہے۔ اس عشق کی وجہ سے خواہ مخواہ معشوق کی ہتک اور بے عزتی ہوتی ہے، اس کا جا بجا چرچا ہوتا ہے، طرح طرح کی بے سروپا باتیں اس کے متعلق اڑائی جاتی ہیں اور پھر ماننے والے بہت کچھ ایسی باتیں مان لیتے ہیں اور جھٹلانے والے جھٹلا بھی دیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شبے کی بناء پر اس بات کی تصدیق کرنے والے زیادہ ہوا کرتے ہیں۔ جب کبھی کہا جائے کہ فلاں مرد، یا فلاں عورت نے ایسا کام کیا ہے تو ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے آدمی اسے سچ مان لیں گے، اور صرف ایک آدمی اس کی تکذیب کرے گا۔ خصوصاً عاشق کی بات بے گناہ معشوق کے حق میں معشوق کی بات کے مقابلے میں قطعی اور یقینی مانی جاتی

ہے۔معشوق کے متعلق غلط ،جھوٹا، بے سروپا افتراء اور بہتان باندھا جائے تو لوگ اسے مان لیتے ہیں اوراس پر یقین کر لیتے ہیں،اوراس میں جھوٹ کا احتمال تک نہیں سمجھتے۔کہیں عاشق ومعشوق اتفاق سے کسی جگہ مجتمع ہو گئے تو معشوق کی شامت ہی آ گئی۔تمام لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہ کسی وعدے کی بناء پر یہاں جمع ہوئے ہیں، اور پھراس بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں اور شبہات وخیالات پیدا ہوتے ہیں۔جھوٹی ،غلط اور بے سروپا باتوں کا اس طرح یقین کرلیا جاتا ہے جس طرح محسوس اور چشم دیدامور کا یقین کیا جاتا ہے۔یہی وہ چیز تھی جس کی بناء پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اہلِ افک نے تہمت لگائی تھی ،جس کی صفائی اللہ کی جانب سے کی گئی ،اور یہ الزام اس شبے کی بناء پر لگایا گیا تھا کہ صفوان بن معطل تنہا اسلامی فوج کے پیچھے آ رہے تھے۔انہوں نے دور سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کودیکھا اور فوراً اپنے اونٹ پر سے نیچے اتر گئے۔آپ کواس پر بٹھالیا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کرآ گے چلنے لگے۔اس پر مردود لوگوں نے الزام کھڑا کردیا۔اللہ اگر آپ کی برأت وصفائی نہ فرماتا، پشت پناہی نہ فرماتا،اور تہمت لگانے والوں کی تکذیب نہ فرماتا تو معاملہ کچھ اور ہی بن کررہ جاتا۔

مقصود یہ ہے کہ حرام اور ناجائز کے لیے عاشق کا اظہارِعشق معشوق کے حق میں زبردست ظلم ہے۔اس پر،اس کے خاندان اور قرابت داروں پر بلاوجہ ظلم وجور ہے۔اپنا عشق ظاہر کرکے اسے بدگمانیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور لوگوں کی بدگمانیوں کی تصدیق کی جاتی ہے۔وہ معشوق کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے کسی کو واسطہ اور ذریعہ بناتا ہے تو یہ ظلم بالائے ظلم ہے۔اس سے بے گناہ معشوق کی خواہ مخواہ تشہیر اور رسوائی ہوتی ہے۔جو درمیانی واسطہ اور ذریعہ ہے، وہ دیوث بنتا ہے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت ستانی اور رشوت دہی کے درمیانی واسطے پر لعنت بھیجی ہے تو پھراس دیوث کے لیے کیا کچھ نہ کہا ہوگا، جو عاشق ومعشوق کی حرام ملاقات کا ذریعہ اور واسطہ ہے۔اس صورت میں عاشق خود تو معشوق پر ظلم کرتا ہی ہے،اس کے ساتھ دوسروں سے بھی اس پر ظلم کرا رہا ہے۔اپنی ناپاک غرض پوری کرنے کے لیے معشوق کی جان ومال اور آبرووعزت پر خود ظلم کرتا ہے، دوسروں سے بھی ظلم کراتا ہے۔بسا اوقات اس کی یہ غرض اس وقت پوری ہوتی ہے،

جب اس آدمی کو قتل کر دیا جائے جو اس کی غرض میں حارج اور حائل ہے۔

افسوس ہے کہ عشق نے دنیا میں ہزاروں لاکھوں خون کرا دیے۔ کسی نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا، کسی نے اپنے سید و آقا کو قتل کر دیا۔ یہ خون بلا قصاص اور بغیر دیت و خون بہا کے اڑ گئے۔ کتنی ہی عورتیں اپنے شوہروں کے خلاف، اور کتنے ہی غلام اور باندیاں اپنے آقاؤں کے خلاف خبیث بن کر رہ گئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے اپنے آپ کو بری و بیزار اور اس گناہ کو اکبرالکبائر فرمایا ہے۔ اس امر کی ممانعت فرمادی ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام پر دوسرا پیغام نہ بھیجے۔ ایک بھائی جب کسی چیز کا نرخ اور بھاؤ ٹھہرا رہا ہو تو اس پر گر کر نرخ بھاؤ، اور قیمت نہ بڑھائے۔ بتایئے اس آدمی کا کیا حال ہوگا جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف اور باندی کو سید و آقا کے خلاف ورغلائے، ان میں باہم تفریق کرنے کی کوشش کرے۔ صورتوں کے عاشق اور حسن پرست لوگ اور ان کے معاون و مددگار جو اس جرم کو جرم نہیں سمجھتے، دیوث ہیں، کیونکہ معشوقہ کے وصل سے عاشق اس کے شوہر کا، اور باندی کے آقا کا شریک بن جاتا ہے۔ یہ دیوثی ہے اور دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے۔ یہ ایسا جرم ہے جو زنا سے کسی حال میں کم نہیں۔ زنا سے بڑھا ہوا نہیں تو اس سے کم بھی نہیں۔ یہ حقِ غیر ہے جو زنا سے توبہ کرنے پر بھی معاف نہیں ہوسکتا۔

توبہ سے اللہ کا حق ساقط ہوسکتا ہے، بندے کا حق ساقط نہیں ہوسکتا۔ بندے کا حق اور بندے کا مطالبہ قیامت تک باقی رہے گا۔ بیٹے کو اس کے باپ کے خلاف ورغلایا جائے جو دنیا میں سب سے زیادہ اسے عزیز ہے، اس کے جگر کا ٹکڑا ہے، تو یہ باپ پر انتہائی ظلم ہے۔

اپنی محبوبہ کو اس کے شوہر کے خلاف ورغلایا جائے، اور شوہر کے بستر پر جرم کا ارتکاب کیا جائے، یہ انتہائی ظلم ہے۔ ایسا ظلم ہے کہ اس کا مال و متاع اور زندگی کا سارا اثاثہ اس سے چھین لیا جائے تو ایسا ظلم نہ ہوگا۔ یہ ظلم ان تمام سے بڑھ کر ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شوہر کو اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس ظلم کے مساوی صرف یہی ظلم ہوسکتا ہے کہ شوہر کو قتل کر دیا جائے۔ پس عاشق کے لیے بدکاری و زنا سے بڑھ کر کوئی جرم اور کوئی گناہ نہیں۔

یہ حق اگر جہاد کے لیے گئے ہوئے کسی غازی یا مجاہد فی سبیل اللہ کا ہے، تو یہ مجرم قیامت کے دن اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اور اسے اللہ کی جانب سے حکم ہوگا:

خذ من حسناته ماشئت (جتنا چاہو اس کی نیکیوں میں سے لے لو)۔

اس جملے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فما ظنکم ؟ (اب تم کیا خیال کر سکتے ہو؟)، یعنی اب تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے پاس اس کی کیا نیکیاں باقی رہ جائیں گی؟

یہ مظلوم اگر اس کا پڑوسی یا ذی رحم محرم ہے، اور اس کی بیوی کے ساتھ اس نے ایسا فعل کیا تو اس ظلم کے ساتھ دوسرے کئی مظالم شامل ہو جائیں گے۔ اس نے پڑوسی پر ظلم کیا، ذی رحم کی حرمت توڑی، اور یہ معلوم ہے کہ پڑوسی کی حرمت توڑنے والا اور قاطعِ رحم جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

عاشق اگر معشوق کے وصل کے لیے شیاطین سے جادو کے ذریعے، یا کسی اور طریقے پر امداد چاہتا ہے تو یہ ایک مزید جرم اور ظلم ہے۔ یہ ظلم اسے شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ جادو بجائے خود کفر ہے، اور اگر یہ کام خود اس نے نہیں کیا، اس کے لیے کسی دوسرے نے کیا ہے، تو یہ بات یقینی ہے کہ یہ اس کفر پر راضی ہے، کیونکہ اسی کے مقصد کے لیے کیا گیا ہے اور یہ بلا جبر و اکراہ اس پر راضی اور رضامند ہے، اور ایسا کرنا بھی قریب بہ کفر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس بارے میں عاشق کے ساتھ کسی قسم کا تعاون اور امداد کی جائے تو وہ اثم وعدوان، ظلم و جور اور جرم و گناہ میں تعاون اور اس کی امداد ہے۔

عاشق کی غرض و مطلب کے حصول کے لیے ظلم متعدی ہوتا ہے۔ اس سے جو ضرر و نقصان ہوتا ہے، بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ جب عاشق اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے اور معشوق اس کا ہو رہے تو اس کے بعد معشوق کے مطالبات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اب عاشق کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ معشوق کے مطالبات پورے کرے۔ دونوں عاشق و معشوق ایک دوسرے کے معین و مددگار بن جاتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی اعانت کی خاطر ظلم وعدوان پر اتر آتے ہیں۔ معشوقہ اپنے عاشق کے اہل و عیال اور قرابت داروں پر، اگر باندی ہے تو اپنے سید و آقا پر اور

اس کی بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے میں اس کی شریک ہوتی ہے، اور ظلم وعدوان میں اس کی اعانت کرتی ہے۔اسی طرح عاشق اپنے معشوق کے اہل وعیال اور قرابت داروں پر ظلم کرتا اور کراتا ہے۔

غرض! عاشق ومعشوق دونوں اپنی اپنی اغراض کی خاطر اللہ کے بندوں پر ظلم کرتے اور ظلم کراتے ہیں۔ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی اعانت وامداد کرتے ہیں۔سارے مظالم دونوں کے اشتراک سے ہوتے ہیں، اور ساری قباحتیں ایک دوسرے کے تعاون سے وقوع میں آتی ہیں۔

یہ تو ایک عام عادت ہوگئی ہے کہ عاشق ایسے ایسے کاموں میں اپنے معشوق کی اعانت کرتا ہے، جو سراسر ظلم ہیں۔ بسا اوقات معشوق کے لیے ایسا منصب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کا وہ قطعی اہل نہیں ہوتا، نیز حرام و ناجائز مال کی تحصیل میں وہ معشوق کی اعانت وامداد کرتا ہے۔اگر اس کا معشوق کسی سے مخاصمت اور جھگڑا کرتا ہے تو عاشق اپنے معشوق ہی کی طرف داری اور جانبداری کرتا ہے۔معشوق خواہ حق پر ہو، خواہ ناحق پر، ظالم ہو یا مظلوم، تمام مظالم عاشق اپنے معشوق کے حصول اور اس کی رضامندی کے لیے کر گزرتا ہے۔اس کے حصول اور رضامندی کے لیے لوگوں پر نظر ڈالتا ہے، اور مال کی تحصیل کے لیے طرح طرح کے حیلے اور فریب کرتا ہے۔ معشوق تک پہنچنے اور اسے راضی کرنے کے لیے سرقہ، چوری، غصب، خیانت، ڈاکہ زنی، نقب زنی اور اس قسم کے بے شمار جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔بعض اوقات یہاں تک نوبت جا پہنچتی ہے کہ خونِ حرام اور خونِ ناحق سے بھی اپنا دامن آلودہ کرنے سے باز نہیں آتا۔

یہ اور اس قسم کی بے شمار آفتیں عشق وحسن پرستی میں موجود ہیں۔بعض اوقات عشق کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کچھ لوگ اسلام میں پیدا ہوئے، مگر عشق نے انہیں عیسائی بنادیا۔مساجد کے بعض مؤذن تک عشق کی خاطر عیسائی بن گئے۔ایک مؤذن کا واقعہ ہے کہ اس نے مسجد کی چھت سے ایک عیسائی کی خوبصورت لڑکی کو دیکھ لیا، اور اس پر شیفتہ ہوگیا۔ اسی وقت وہ مسجد کی چھت سے اترا اور اس لڑکی کے پاس پہنچا، اس سے شادی کی درخواست کی۔ اس نے کہا کہ میں عیسائی ہوں، اگر تم عیسائیت قبول کر لو تو شادی ہوسکتی ہے۔اس نے اسی وقت عیسائیت قبول کر کے شادی کر لی، لیکن خدا کی شان ابھی اس سے خلوت بھی کرنے نہیں پایا تھا کہ

دنیا سے چلتا بنا۔اسی عیسائی کے مکان کی چھت پر چڑھا، پاؤں پھسلا اور گر کر فوراً مر گیا۔ خسر الدنیا و الاخرة۔ یہ قصہ علامہ عبدالحق نے اپنی کتاب العاقبہ میں نقل کیا ہے۔

عیسائیوں کا عام دستور رہا ہے کہ جب کبھی مسلمان ان کے ہاتھوں اسیر ہو کر ان کے پاس پہنچتے، حسین اور خوبصورت عورتیں ان کے پاس پہنچاتے۔ ان عورتوں سے کہا جاتا کہ ہر ممکن طریقے سے انہیں اپنی محبت کے جال میں پھانسو، پھر ان سے کہو کہ "اگر تم ہمارا دین قبول کرلو، تو ہم تمہارے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہیں"۔ اس موقع پر اللہ کا وہی بندہ ثابت قدم رہ سکتا ہے جو ایمان کی حلاوت سے سرشار ہے اور جسے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں حق پر ثابت اور قائم رکھے۔ اللہ ظالم کو تو گمراہ کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

عشق کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ عاشق و معشوق دونوں ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔ زنا اور بدکاری میں دونوں شریک ہیں، اور اپنی اپنی جانوں پر ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی معاونت و امداد کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جان پر اور اپنے ساتھی پر ظلم کرتا ہے۔ ان کا یہ ظلم دوسروں تک متعدی ہوتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ دونوں کے دونوں ہلاکت و بربادی اور تباہی لانے میں ایک دوسرے کے شریک ہو جاتے ہیں۔

عشق میں ہمہ قسم کی خرابیاں اور مظالم موجود ہیں۔ کہیں معشوق خدا ناترس ہے تو اپنے عاشق کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ معشوقانِ عشوہ گر کا تو یہ ایک عام دستور ہے کہ عشاق کو طرح طرح کے لالچ میں ڈال دیتے ہیں۔ ہر گھڑی مختلف طریقوں سے اپنے آپ کو مزین اور آراستہ کر کے عاشق کو اپنی طرف متوجہ اور مائل کرتے ہیں۔ ہر امکانی طریقے سے اس پر ڈورے ڈالتے اور اسے شیفتہ بناتے ہیں، تاکہ عاشق سے زیادہ سے زیادہ مال و زر کھینچیں۔ بسا اوقات وہ اس وقت تک عاشق کو اپنے اوپر قابو نہیں پانے دیتے، جب تک اپنی تمام اغراض پوری نہ کر لیں۔ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ عاشق اپنی حاجت براری کر کے کہیں ان سے بے پروانہ ہو جائے۔ اس طرح معشوق اپنے عاشق پر ظلم کرتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق کو قتل کر دیتا ہے، تاکہ ہمیشہ کے لیے اس سے نجات پالے، خصوصاً اس وقت جب معشوق کسی اور سے ملنے لگتا ہے۔

دنیا کے عاشق و معشوق بہتوں کو قتل کر چکے، بہتوں کو نعمتوں اور عیش و آرام سے محروم کر چکے ہیں۔ بہت سے دولت مند گھرانے ان کے ہاتھوں تاراج اور برباد ہو گئے، بہت سے اربابِ مدارج منصبوں سے گرا دیے گئے۔ بہت سے خاندان اور گھرانے ویران کر دیے گئے، اور ان کے اہل و عیال، بیٹے بیٹیاں تباہ حال کر دی گئیں۔

اگر ایک عورت اپنے شوہر کو دیکھتی ہے کہ وہ کسی اور پر عاشق ہو گیا ہے تو وہ بھی اپنے لیے ایک معشوق کھڑا کر لیتی ہے۔ جس سے شوہر پر یہ مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے کہ اسے طلاق دے کر گھر کو ویران کر لے، یا اسے گھر میں رہنے دے، اسے اس کی حالت پر چھوڑ دے، اور خود شب و روز کڑھتا رہے۔ اس صورت میں بعض آدمی پہلی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور بعض دوسری صورت۔

عقل مند اور ہوش مند انسانوں کا فرض ہے کہ وہ پوری ہوشیاری اور مستعدی سے عشق کے دروازے اپنے اوپر بند کر لیں، تاکہ وہ ان مصائب و آلام اور تکالیف و اذیات کا شکار نہ بننے پائیں۔ عشق کا مارا بالآخر ہلاک و تباہ ہو جاتا ہے، یا پھر ان مفاسد کا، یا ان میں سے اکثر کا شکار تو ضرور ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ مصائب تو اسے جھیلنے ہی پڑتے ہیں۔ جو آدمی بھی ایسا کرتا ہے، اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، عورت پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اسے گمراہ کرتا ہے جس سے وہ ہلاک ہوتی ہے۔ اس کی ہلاکت و تباہی کا سبب یہی شخص بنتا ہے۔ یہ شخص اگر بار بار اپنے جدید معشوق کی طرف نگاہ نہ کرتا تو پسندیدگی پیدا نہ ہوتی۔ اس سے وصل و ملاقات کی طمع اور تمنا نہ کرتا تو معشوق کی اس کے قلب میں جگہ نہ ہوتی، کیوں کہ عشق کا ابتدائی سبب نظر و نگاہ ہے یا کان۔ اگر اس کے بعد وصلِ معشوق کی طمع نہ ہوتی اور کلیۃً ناامید ہو جاتا تو اس میں یہ عشق پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا۔ طمع و تمنا، اگر پیدا ہو بھی جاتی تو وہ عقل و خرد سے کام لے کر اپنی توجہ اس طرف سے ہٹا لیتا اور دل کو ادھر مشغول نہ ہونے دیتا، مگر وہ اپنے فکر و خیالات کی رو میں بہہ گیا اور معشوق کے محاسن ہی کی طرف دیکھتا رہا۔ ممکن تھا کہ اس وقت خوف اس گناہ سے اسے بچا لیتا، جو اس کے نزدیک لذتِ وصال کے مقابلے میں بڑا ہی خطرناک ہے۔ یہ خوف (خواہ دینی ہوتا جیسے جہنم کا خوف، یا جبارِ حقیقی کے غضب کا خوف) اس کی طمع و لالچ اور فکر و عشق پر غالب آ گیا ہوتا، تب بھی یہ عشق اس کے اندر پیدا نہ ہونے پاتا۔ اگر دینی

خوف نہیں تو کوئی دنیوی خوف اس کا دامن پکڑ لیتا، مثلاً اپنی جان و مال، عزت و آبرو کا خطرہ، لوگوں میں رسوائی و ذلت کا خوف وغیرہ۔ یہ خوف داعیۂ عشق پر غالب آ جاتا، تب بھی وہ اس عشق سے بچ جاتا۔ اسی طرح اگر وہ اس بات سے ڈرتا کہ یہ عشق جاری رہا تو اس محبوب کو کھو دے گا جو اس معشوق کے مقابلے میں زیادہ محبوب اور زیادہ نافع ہے، اور اس کی محبت کو معشوق کی محبت پر ترجیح دیتا، تب بھی یہ عشق کی مصیبت اس سے ٹل جاتی۔

یہ تمام صورتیں اگر مفقود ہو جاتی ہیں اور یہ تمام موانعات اسے عشق سے باز رکھنے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں تو اس کے قلب پر پوری طرح عشق مسلّط ہو جاتا ہے۔ اس کا قلب پوری طرح اس معشوق کی طرف جھک جاتا ہے، اور وہ ہر قسم کی مصیبتوں کا شکار بن کر رہ جاتا ہے۔

اگر کہا جائے:

عیبش ہمہ گفتی، ہنرش نیز بگو

تم نے عشق کی ساری مصیبتیں، آفتیں، مضرتیں اور مفاسد تو بیان کر دیے، لیکن کچھ اس کے فوائد کا بھی ذکر کر دیتے کہ عشق طبیعت میں رقت اور درد و سوز پیدا کرتا ہے، نفس میں لطافت پیدا ہوتی ہے، نفس کی مردنی اور اس کی مشقت و کلفت دور ہو جاتی ہے۔ عشق انسان کو مکارم اخلاق پر آمادہ کرتا ہے، اور شجاعت و بہادری، کرم و سخاوت اور مروت و رقت پیدا کرتا ہے، جس سے روح و جسم میں فروتنی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ یحییٰ بن معاذ الرازی سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے کہا: ''تمہارا بیٹا فلاں عورت پر عاشق ہو گیا ہے''۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا: ''الحمدللہ! اللہ نے اسے انسان کی طبیعت عطا فرمائی''۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عشق شرفاء اور معزز لوگوں کے دل کی دوا ہے۔ کسی دوسرے نے کہا کہ عشق کی صلاحیت اسی میں ہوتی ہے، جو پاک مروت، پاکیزہ اخلاق، پاکیزہ زبان اور کامل احسان، پاکیزہ ادب اور ممتاز عادات رکھتا ہے۔ کسی اور نے کہا ہے کہ عشق بزدل اور نامرد کو مرد اور بہادر بنا دیتا ہے، غبی کے ذہن کو روشن کر دیتا ہے، بخیل کو سخاوت و کرم سکھاتا ہے، بادشاہوں کا غرور توڑ دیتا ہے، انسان میں اعلیٰ اخلاق پیدا کرتا ہے۔ عشق ان لوگوں کا انیس ہے جن کا دنیا

میں کوئی انیس نہیں۔ان لوگوں کا جلیس ہے جن کا کوئی جلیس نہیں۔

کہتے ہیں کہ عشق دنیا کی گراں باریوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔روح میں لطافت پیدا کرتا ہے، قلب کو کدورتوں سے پاک صاف کر دیتا ہے، شرفاء کو نیک اعمال و کردار پر ابھارتا ہے اور انسان کو مکارمِ اخلاق کا خوگر بناتا ہے۔

بعض حکماء کا بیان ہے کہ عشق نفس میں تازگی پیدا کرتا ہے، اخلاق کو مہذب بناتا ہے۔ عشق کا اظہار طبعی امر ہے اور اس کا اخفاء سراسر تکلّف۔ کسی اور نے کہا ہے کہ جس کا نفس خوش الحانی، خوش گلوئی، اچھی آواز اور خوبصورت چہرے کو دیکھ کر اچھلنے کودنے نہ لگے، وہ فاسد المزاج ہے۔اسے اپنا علاج کرنا چاہیے، اور اسی معنی میں کسی نے یہ شعر کہا ہے:

اذا أنت لم تعشق ولم تدر ماالهوى　　فمالك في طيب الحياة نصيب

جب تک تم کسی پر عاشق نہیں ہوتے، تمہیں یہ خبر نہیں کہ محبت کیا ہے تو زندگی کی خوشگواریوں میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔

کسی دوسرے شاعر نے کہا ہے:

اذا أنت لم تعشق ولم تدرما الهوى　　فقم واعتلف تبناً فانت حمار

جب تک تم کسی پر عاشق نہیں ہوئے اور تم نے محبت کو جانا نہیں تو اٹھو! گھاس کھاؤ کہ تم گدھے ہو۔

کسی اور شاعر نے کہا ہے:

اذا أنت تعشق ولم تدرما الهوى　　فكن حجرا من يابس الصخر جامدا

اگر تم کسی پر عاشق نہیں ہوئے اور تم نے محبت کو نہیں پہچانا تو تم خشک پتھروں میں سے ایک سخت ترین پتھر بن جاؤ۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عشاق وہ ہیں جو عفیف اور پاکیزہ نفس ہوں۔عشاق عفیف ہوں تو بڑے بن جاتے ہیں۔عفیف لوگ عاشق ہوں تو سمجھدار بن جاتے ہیں، جیسا کہ بعض عشاق سے پوچھا گیا کہ اگر تم اپنے محبوب پر ظفر مند ہو جاؤ تو کیا کرو؟ جواب ملا کہ اگر میں ظفر مند

ہو جاؤں تو اس کے دیکھنے سے اپنی آنکھیں نیچی کرلوں، اور اس کی یاد اور اس کی باتوں سے اپنے قلب کو خوش کرتا رہوں۔ اس کی باتیں جو قابلِ کشف و اظہار نہ ہوں، انہیں مخفی رکھوں اور کوئی بھی ایسی بات مجھ سے سرزد نہ ہو جو اس کے درجے، مرتبے اور منصب کے خلاف ہو۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے:

أخلو بـه فـأعف عنـه تكرماً　　خوف الديانة لست من عشاقه

كـالمـاء فـي يـد صـائم يلتذه　　ظـمـأ فيصبر عـن لـذيـذ مذاقه

اس سے تنہائی میں ملوں تو اس کے اکرام و احترام کی خاطر اس سے بچتا رہوں۔

دیانت داری کے خوف سے کہ کہیں میں اس کے عاشقوں میں سے نہ ہو جاؤں۔

اس طرح بچتا رہوں جیسے کسی روزے دار کے ہاتھ میں پانی ہے، پیاسے کو بہت لذیذ ہے، لیکن وہ اس لذیذ کے چکھنے سے صبر کرتا ہے۔

ابواسحاق بن ابراہیم نے کہا ہے کہ عاشق روحیں لطیف عطر ہیں، ان کے اجسام رقیق اور ہلکے پھلکے ہیں، ان کی موانست پاکیزہ ہے، ان کی باتیں مردہ دلوں میں جان ڈال دیتی ہیں، اور عقل میں فراوانی پیدا کر دیتی ہیں۔ عشق ومحبت نہ ہو تو دنیا کی ساری نعمتیں بیکار اور ہیچ ہیں۔

کسی دوسرے نے کہا ہے کہ روح کے لیے عشق ایسا ہے، جیسا جسم کے لیے غذا۔ تم اگر کھانا چھوڑ دو تو تمہیں نقصان ہوگا اور ضرر پہنچے گا، زیادہ کھالو گے تو نقصان پہنچے گا۔ یہی حال عشق و روح کا ہے۔ اس معنی میں کسی شاعر نے کہا ہے:

خليلـي إن الحـب فيـه لذاذة　　وفيـه شـقـاء دائم و كـروب

اے میرے دوست، محبت میں بڑی لذت ہے، اور اس میں دائمی بدنصیبی اور دکھ درد بھی ہے۔

علـى ذاک، ماعيش يطيب بغيره　　ولاعيـش الا بـالحبيب يطيب

باجودیکہ اس کے بغیر زندگی ناگوار ہے اور زندگی تو محبوب ہی سے خوشگوار بنتی ہے۔

ولاخيـر فـي الـدنيا بغير صبابة　　ولا فـي نـعيم ليـس فيـه حبيب

اور بغیر عشق اور سوز و گداز کے دنیا میں کوئی خیر نہیں اور وہ نعمت ہی نہیں جس میں محبوب نہ ہو۔

خرائطی نے ابوغسان سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک روز راستے سے گزرے، انہوں نے دیکھا کہ ایک باندی یہ شعر پڑھ رہی ہے:

وھویتہ من قبل قطع تمائمی   متمایلاً مثل القضیب الناعم

میرے بچپن کے تعویذ ابھی کاٹے بھی نہ گئے تھے کہ میں اس پر عاشق ہوگئی اور اس طرح جھک پڑی جیسے نرم ڈالی جھک پڑتی ہے۔

آپ نے اس باندی سے پوچھا کہ کیا تم حرہ ہو؟ اس نے کہا، نہیں، باندی ہوں۔ آپ نے کہا، تو کسی سے محبت کرتی ہے؟ وہ شرما گئی۔ آپؓ نے اسے قسم دے کر پھر پوچھا؟ اس نے یہ شعر پڑھا:

وأنا التی لعب الھوی بفؤادھا   قتلت بحب محمد بن القاسم

میں وہ ہوں جس کے دل سے محبت نے کھیل کیا ہے۔ میں محمد بن القاسم کی محبت کی مقتولہ ہوں۔

آپؓ نے اس باندی کو اس کے آقا سے خرید لیا اور اسے محمد بن القاسم بن جعفر بن ابی طالب کے پاس بھیج دیا۔ فرمایا: ''یہ وہ عورتیں ہیں جو مردوں کو فتنوں میں ڈالا کرتی ہیں۔ اللہ کی قسم! ان کے ذریعے بہت سے اشراف موت کے گھاٹ اتر گئے اور اچھے خاصے تندرست ان سے مصائب کا شکار ہوگئے''۔

ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ایک باندی آئی اور ایک انصاری کے متعلق دعویٰ پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''بتا! تیرا قصہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ امیر المومنین! اس انصاری کے بھتیجے سے مجھے عشق ہے، اور میں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ آپؓ نے انصاری کو بلا کر کہا کہ یہ باندی تم اپنے بھتیجے کو ہبہ کر دو، یا پھر مجھ سے اس کی قیمت لے لو۔ انصاری نے کہا کہ امیر المومنین! آپ ہی گواہ رہیں، میں نے یہ باندی بھتیجے کو دے دی۔

عشق کی خرابیوں سے انکار نہیں، لیکن یہ خرابیاں معشوق کے ساتھ بدکاری کرنے سے وابستہ ہیں۔ ہمارا کلام تو عفیف و پاک عشق میں ہے۔ ایک معقول آدمی کا عشق جس میں ایمان و

دین اور عفت و مروت موجود ہو، اللہ سے اچھا معاملہ رکھتا ہو، معشوق سے حرام کاری کرنے سے قطعاً بچتا ہو، کیوں کر برا ہو سکتا ہے؟ ذرا اسلافِ کرام اور ائمہ اعلام کے عشق پر بھی غور کیجیے۔ عبداللہؒ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں سے ایک ہیں، جن کی شہرت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ کسی نے ان کی مخالفت نہ کی، بلکہ ان کو برا کہنے والے کو ظالم کہا گیا ہے۔ ان کے یہ اشعار پڑھ لیجیے:

کتمت الهوى حتى أضربک الکتم　　ولامک أقوام ولومهم ظلم

تو نے اپنی محبت کو چھپایا، تا آنکہ اس کتمان نے تجھے بہت ضرر پہنچایا اور لوگوں نے تجھ پر ملامت کی، لیکن ان کا ملامت کرنا تجھ پر ظلم ہے۔

فنم علیک الکاشحون و قبلهم　　علیک الهوى قد نم ماینفع الکتم

تمہارے دشمنوں نے تمہارا راز افشا کر دیا اور تم سے پہلے بھی جس پر محبت سوار ہوئی، لوگوں نے اس کا راز فاش کیا اور چھپانے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

فأصبحت کالنمري اذمات حسرة　　علی أثر هند أو کمن شفه سقم

تیرا حال نمری کا سا ہو گیا۔ وہ ہند کے پیچھے حسرت سے مر گیا، یا اس مریض کا سا جسے بیماری نے نحیف ولاغر کر دیا ہو۔

تجنبت إتیان الحبیب تأثما　　ألا إن هجران الحبیب هو الاثم

تو نے گناہ سمجھ کر محبوب کے پاس جانے سے اجتناب کیا، لیکن خبردار کہ محبوب کی جدائی بھی گناہ ہے۔

فذق مجرها قد کنت تزعم أنه　　رشاد ألا یا ربما کذب الزعم

پس اب تو محبوب کی جدائی کا مزہ چکھ، تو سمجھتا تھا، تو سیدھی راہ پر ہے، لیکن بسا اوقات گمان جھوٹا پڑتا ہے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان کی ایک باندی پر عاشق تھے۔ آپ کا قصہ تاریخ میں مشہور ہے۔ باندی نہایت حسین اور خوبصورت تھی۔ اس سے

آپ کو انتہائی محبت تھی۔ اکثر اپنی بیوی سے کہتے رہے کہ یہ باندی مجھے ہبہ کر دو، لیکن وہ انکار کرتی رہیں۔ آپ خلیفہ ہوئے تو آپ کی بیوی اس باندی کو عمدہ لباس سے مزین کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ امیر المومنین! یہ باندی حاضر ہے۔ میں ہمیشہ اسے ہبہ کرنے سے انکار کرتی رہی، لیکن اب میرا جی چاہتا ہے کہ آپ اسے قبول کر لیں۔ بیوی کے جملے سن کر آپ کے چہرے پر تازگی آ گئی، اور فرمایا: بہت اچھا۔ باندی سامنے آئی تو آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خلوت میں جا کر فرمایا کہ کپڑے اتار دو، اس نے کپڑے اتار دیے، لیکن پھر فرمایا: ابھی ٹھہرو۔ یہ بتاؤ! تم پہلے کس کی ملکیت میں تھیں؟ فاطمہ کے پاس تم کس طرح اور کہاں سے پہنچیں؟ اس نے کہا میں پہلے عاملِ کوفہ کے پاس تھی۔ حجاج بن یوسف نے اس عامل کو تباہ کر دیا، اور اس کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس لوٹ میں میں بھی اس کے پاس پہنچی۔ حجاج نے مجھے عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ عبدالملک نے مجھے فاطمہ کو ہبہ کر دیا۔ آپ نے پوچھا کہ وہ عامل اب کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ تو مر گیا ہے۔ آپ نے پوچھا، اس کی کوئی اولاد ہے؟ اس نے کہا ہاں! لڑکا ہے۔ آپ نے کہا، اس کی کیا حالت ہے؟ اس نے کہا کہ نہایت خراب حالت ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا تم اپنے کپڑے پہن لو اور ابھی وہاں چلی جاؤ، جہاں رہا کرتی ہو۔ اس کے بعد آپ نے عراق کے عامل کو لکھا کہ فلاں کے بیٹے کو فوراً قاصد کے ہمراہ میرے پاس بھیج دو، چنانچہ وہ لڑکا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ حجاج نے جو کچھ تمہارے باپ کا چھینا ہے۔ اس کی فہرست تیار کر کے مجھے دو۔ اس نے فہرست بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے تمام چیزیں اور مال واپس کرنے کا حکم دیا، اور پھر یہ حکم بھی دیا کہ یہ باندی اس کے حوالے کر دو۔ اس لڑکے سے آپ نے کہا، یہ باندی بھی لے جاؤ، تمہاری ہے، لیکن اس کو اپنے کام میں نہ لانا۔ شاید تمہارے باپ نے اس سے خلوت کی ہو، اور جس سے باپ نے خلوت کی ہو، وہ بیٹے کے لیے جائز نہیں۔ لڑکے نے کہا: امیر المومنین! یہ باندی آپ رکھ لیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ لڑکے نے کہا کہ آپ اسے خرید لیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو ان لوگوں میں میرا شمار نہیں کیا جائے گا جن کے متعلق کہا گیا ہے:

ونهى النفس عن الهوىٰ (النّٰزعٰت ۷۹:۴۰)

اور نفس کو ہوا اور خواہشات سے روک رکھا۔

جس وقت یہ نوجوان وہاں سے لوٹا، باندی اس کے ہمراہ تھی۔ باندی نے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے خطاب کر کے کہا کہ امیر المومنین! آپ کو مجھ سے عشق تھا۔ وہ کہاں گیا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی جگہ پر ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ ہے۔ اس باندی کا عشق آپ کو مرتے دم تک رہا، لیکن خوفِ خداوندی کا وہ عالم تھا جو تم نے پڑھ لیا۔

ابوبکر بن محمد بن داؤد ظاہری جو مختلف علوم وفنون، فقہ و حدیث اور تفسیر و ادب کے ایک زبردست اور مشہور و معروف عالم تھے، ان کا عشق مشہور ہے۔ نفطو یہ کہتے ہیں کہ ان کے مرض موت کے وقت میں ان کے پاس گیا۔ ان کی حالت دیکھ کر کہا کہ آپ کا یہ حال کیوں ہو گیا؟ انہوں نے کہا، جس نے مجھ سے پڑھا ہے، اس کی محبت نے میرا یہ حال کر دیا ہے۔ میں نے کہا کہ تم اپنے معشوق سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، پھر کیوں نہیں اٹھاتے؟ فائدہ اٹھانے کی دو صورتیں ہیں۔ نظر مباح اور نظر حرام۔ نظر مباح نے تو میرا یہ حال کر دیا ہے اور نظر حرام سے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ اس حدیث کی وجہ سے بچتا ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من عشق و كتم وعف وصبر غفر الله له وأدخله الجنة

جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور اس نے اپنے عشق کو چھپایا اور پاک دامن رہا، اور صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے:

أنظر الى السحر يجري من لواحظه　　وانظر الى دعج في طرفه الساج

ذرا سحر کی طرف دیکھ کہ وہ اپنی آخری جھلکیاں لے کر جا رہی ہے، اور معشوق کے بڑے بڑے سیاہ دیدے دیکھ کہ وہ اپنی جگہ ساکن ہیں۔

وانظر الى شعرات فوق عارضه　　كأنهن نمال دب في عاج

اور ان بالوں کو دیکھو جو اس کے رخساروں پر ہیں، گویا ہاتھی دانت پر چیونٹیاں بکھری

ہوئی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

مــالهــم أنـكــروا ســوادا بـخـديــه ولا يــنــكـــرون ورد الــغــصــون

اس کے رخساروں پر سیاہی نکلی ہے، اس سے لوگ انکار نہیں کر سکتے اور ٹہنیاں نکل آئی ہیں، اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ان یک عیـب خـده بـدو الشعـر فـعيـب الـعيـون شـعـر الـجـفـون

اگر رخساروں پر بال اگنا کوئی عیب ہے تو پھر پلکوں کے بال بھی آنکھوں کے لیے عیب ہیں۔

نفطویہ نے کہا کہ آپ فقہ میں تو قیاس کو ناجائز کہتے ہیں، اور اشعار میں قیاس کو جائز رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ غلبۂ عشق اور معشوق کی خوبروئی اور حسن کا یہ اثر ہے کہ اس نے مجھے قیاس پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ اسی روز رات میں انتقال کر گئے۔ اسی معشوق کے عشق کی وجہ سے انہوں نے کتاب الزھرہ لکھی ہے، اور انہی کا یہ قول ہے کہ ''جو آدمی محبوب کی جانب سے مایوس ہو اور وہ اسی وقت مر نہ جائے تو محبت اسے تازیانے لگاتی رہے گی''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کا جب پہلا وار ہوتا ہے، تو آدمی اس کے لیے پوری طرح مستعد نہیں ہوتا، البتہ جب قلب پر اس کا دوبارہ وار ہوتا ہے تو وہ اسے روند ڈالتا ہے۔

ابوبکر بن محمد بن داؤد ظاہری اور ابوالعباس ابن شریح کے درمیان وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ کے روبرو ایلاء کے ایک مسئلے میں مناظرہ ہوا۔ اثنائے گفتگو کوئی بات زیر بحث آ گئی تو ابن شریح کہنے لگے کہ آپ کا بیان ہے کہ جن لوگوں کی نگاہ زیادہ گھومتی ہے، ان کی حسرتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ کیا یہ آپ فقہ کے ساتھ مذاق نہیں کر رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں آج بھی اسی پر قائم ہوں اور کہتا ہوں:

أنــزه فــي روض الــمـحاسن مقلتي وأمـنـع نـفـسـي أن تــنــال محرمــا

حسن کی کیاریوں میں میں نے اپنی آنکھوں کو پاک رکھا، اور اپنی جان کو حرام تک جانے سے روک لیا۔

وأحمل من ثقل الهوى مالو أنه　　يصب على الصخر الاصم تهدما

اور میں محبت کا ایسا بارِ گراں اٹھا رہا ہوں کہ اگر یہ سخت سے سخت پتھر پر آ گرے تو وہ بھی پارہ پارہ ہو جائے۔

وينطق طرفي عن مترجم خاطري　　فلولا اختلاس وده لتكلما

میری نوکِ زبان میرے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ اگر یہ اس کی محبت میں مبتلا نہ ہوتا تو اس سے باتیں کرنے لگتا۔

رأيت الهوى دعوى من الناس كلهم　　فلست أرى ودا صحيحا مسلما

میں دیکھتا ہوں تمام لوگ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن میں ان کی محبت کو صحیح سالم نہیں دیکھتا۔

اس پر ابوالعباس بن شریح نے کہا کہ تم کس بات پر میرے سامنے اترا رہے ہو؟ میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں۔ سنیے:

مطاعمه كالشهد في نغماته　　قد بت أسمعه لذيذ سناته

اس کے نغموں میں شہد کی سی چاشنی ہے، اور میں نے اس طرح رات گزاری کہ ساری رات اس کی لذیذ آوازیں سنتا رہا۔

بصبابة و حسنه و حديثه　　وأنزه اللحظات عن وجناته

اس کی محبت کی وجہ سے، اس کے حسن اور اس کی باتوں کی وجہ سے، میں نے اس کے رخساروں کی طرف نگاہ کرنے سے اپنے کو پاک رکھا۔

حتى إذا ما الصبح لا عموده　　ولى بخاتم ربه و براته

تا آنکہ صبح کی سفید دھاریاں ظاہر ہو گئیں تو وہ اپنے پروردگار کا حکم نامہ بخشش اور برأت نامہ لے کر واپس لوٹا۔

یہ سن کر ابوبکر بن محمد بن داؤد ظاہری بولے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وزیر صاحب سن رہے ہیں۔ وزیر صاحب! آپ ان کے اس قول پر دو گواہ رکھیں۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ پروردگار کے حکم نامۂ بخشش اور اس کی برأت کے وہ مالک ہیں۔ ابن شریح نے کہا، جو الزام آپ مجھے دے

رہے ہیں، وہی الزام آپ کے کلام سے آپ پر عائد ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

أنزه في روض المحاسن مقلتي　　وأمنع نفسي أن تنال محرما

وزیر صاحب یہ بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ آپ دونوں صاحبوں نے آج مجلس لطف وظرافت کو خوب گرم رکھا۔ بڑا لطف آیا۔ یہ قصہ ابوبکر خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

ایک مرتبہ ابوبکر بن محمد بن ابوداؤد کے پاس اشعار میں یہ استفتاء آیا:

يابن داؤد يا فقيه العراق　　افتنا في فواتر الأحداق

اے ابن داؤد! اے فقیہِ عراق! ان لوگوں کے متعلق آپ ہمیں فتویٰ دیجیے جو چتونوں سے قتل کیا کرتے ہیں۔

هل عليها بما اتت من جناح　　أم حلال لها دم العشاق؟

آپ کی رائے میں وہ کچھ گنہ گار ہوتے ہیں، یا معشوق کے لیے عشاق کا خون حلال ہے؟

اس کا جواب انہوں نے ان دو بیتوں کے نیچے یہ لکھا:

عندي جواب سائل العشاق　　فاسمعه من قرح الحشا مشتاق

عشاق کے سائل کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ زخمہائے درون سے بشوق سنو۔

لما سئلت عن الهوى هيجتني　　وأرقت دمعا لم يكن مهراق

تو نے محبت کے بارے میں سوال کر کے مجھے ہیجان میں ڈال دیا اور وہ آنسو جو ابھی بہے نہ تھے، وہ بھی تو نے بہا دیے۔

ان كان معشوقا يعذب عاشقا　　كان المعذب أنعم العشاق (۱)

اگر کسی عاشق کو معشوق تکلیف پہنچاتا ہے، تو یہ ستم رسیدہ سب سے زیادہ لطف

(۱) ان اشعار کے بعد مصنف ابن قیم الجوزیہ نے اور بہت سے اشعار اور ایک قدیم کہانی عاشق و معشوق کے مرجانے کی کسی کتاب سے نقل کر دی ہے۔ اس کا تمام تر تعلق، چونکہ عربی شاعری اور ادب سے ہے اور اس فصل کے مضمون کے لیے غیر ضروری ہے، اس لیے ترجمے میں اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ (مترجم)

اٹھانے والا عاشق ہوگا۔

عشق کے بارے میں اور کچھ نہیں تو صرف ایک حدیث جومختلف طُرق سے مروی ہے پیش کردی جائے تو عشق کی اجازت اور رخصت کے لیے کافی ہے:

سوید بن سعید عن علی بن مسهر عن ابي يحي القتات عن مجاهد عن ابن عباس مرفوعا. من عشق وعف و كتم فمات فهو شهيد

جوکسی پر عاشق ہوگیا اور پاک دامن رہا، اور اس نے اپنے عشق کو چھپایا، جس سے وہ مر گیا تو وہ شہید ہے۔

یہی روایت سوید بن سعید نے بروایت ابن مسہر عن ہشام ابن عروہ عن ابیہ عن عائشہ بھی نقل کی ہے اور اسے مرفوع کہا ہے۔ یہی روایت خطیب نے بروایت الازہری عن المعافی بن زکریا عن عطبہ عن ابن الفضل عن احمد بن مسروق بیان کی ہے اور بروایت زبیر بن بکار عن عبدالعزیز الماجشون عن عبدالعزیز بن ابی حاتم عن ابن ابی نجیح عن مجاھد عن ابی عباس بھی مروی ہے۔

مذکورہ بالا اسانید سے حدیث مذکورہ بالا مروی ہے جو عشق کی رخصت کے لیے کافی ووافی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الاولین والاخرین اور رب العالمین کے رسول و پیغمبر ہیں، جب آپ کی نگاہ حضرت زینبؓ بنت جحشؓ پر پڑی تو فرمایا:

سبحان مقلب القلوب (پاک ہے دلوں کولوٹ پھیر کرنے والی ذات)۔

اس وقت حضرت زینبؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہ کے نکاح میں تھیں جو آپ کے غلام تھے۔ حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ ؐ نے فرمایا:

اتق اللّٰه وأمسک علیک زوجک (اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو روکے رکھو)۔

لیکن جب حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی تو خود خدائے قدوس نے عرش پر حضرت زینبؓ کا نکاح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھادیا۔ ولایتِ نکاح کے تمام امور خود خدائے قدوس نے انجام دیے اور اپنے پیغمبر پر اس نے یہ آیت اتاری۔

وإذ تقول للذی أنعم اللّٰه علیه وأنعمت علیه أمسک علیک زوجک

واتق اللّٰہ وتخفی فی نفسک مااللّٰہ مبدیہ و تخشی الناس واللّٰہ احق ان تخشہ (الاحزاب ۳۳: ۳۷)

اے پیغمبر! اس بات کو یاد کرو جب تم اس شخص کو سمجھاتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو، اور تم اپنے دل میں چھپاتے تھے جسے آخرکار اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے پیغمبر تھے۔ ان کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک اور عورت سے انہیں عشق ہو گیا تو انہوں نے اس بھی نکاح کر لیا اور سو عورتیں پوری کر لیں۔

امام زہری کہتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے جو آپؐ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تھی۔ امام مسروق، حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حبیبۃ رسول اللہ رب العالمین کہا کرتے تھے۔

ابوالقیس مولیٰ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہؓ بن عمرؓ نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس یہ بات دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں اپنی بیبیوں کا بوسہ لیا کرتے تھے یا نہیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا حضرت عائشہ صدیقہؓ تو فرماتی ہیں کہ آپؐ روزے کی حالت میں میرا بوسہ لیا کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ آپؐ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دیکھ لیتے تو قابو سے باہر ہو جاتے تھے۔

سعید بن ابراہیم عن عامر بن سعید عن ابیہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریلؑ روزانہ براق پر سوار ہو کر حضرت ابراہیمؑ کی ملاقات کے لیے آیا کرتے تھے۔ حضرت جبریلؑ کو آپ سے انتہائی درجے کی محبت تھی اور آپ کی ملاقات کے بغیر انہیں چین نہیں آتا تھا۔

خرائطی کہتے ہیں کہ عبداللہؓ بن عمرؓ نے ایک رومی باندی خریدی۔ اس سے آپ کو انتہا درجے کی محبت تھی۔ ایک دن وہ خچر سے گر پڑی تو آپ دوڑے اور اس کے چہرے پر سے مٹی جھاڑنے لگے۔ پھر فرمایا کہ میں تم پر فدا ہو جاؤں۔ اس کے بعد آپ اس کا منہ چومنے لگے۔ یہ

رومی باندی اکثر آپ کی شان میں کہا کرتی تھی:

یابطرون! انت قالون ! (اے میرے مولیٰ! آپ بڑے اچھے آدمی ہیں)۔

اس کے کچھ دنوں بعد وہ بھاگ نکلی جس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا اور فرمانے لگے:

قد کنت أحسبنی قالون فانصرفت — فالیوم اعلم أنی غیر قالون

میں اپنے کو واقعی اچھا آدمی سمجھتا تھا، لیکن وہ بھاگ گئی تو آج میں یہ سمجھا کہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں، خلفائے راشدین اور ائمۂ مجتہدین میں سے اکثر عشق میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ایک شخص حضرت فاروق ؓ سے کہنے لگا کہ امیر المومنین! میں نے اتفاق سے ایک عورت کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گیا ہوں۔ آپ نے جواب دیا۔ **ذالک مالا یملک** (یہ وہ چیز ہے جو بندے کے اختیار سے باہر ہے)۔

فالجواب و باللہ التوفیق : اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں کلام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جائز و نافع اور مضر و ناجائز محبت میں فرق و امتیاز کر لیا جائے۔ صرف عشق و محبت بحیثیت عشق و محبت کے نہ موجب مدح و قبول ہے، نہ قابل مذمت و انکار۔ یہاں ہم نافع و جائز محبت اور حرام و ناجائز محبت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

سمجھ لینا چاہیے کہ علی الاطلاق نافع ترین، واجب ترین اور اعلیٰ و اجل محبت اس ذات کی محبت ہے جس کی محبت انسان کی فطرت و جبلت میں داخل ہے، اسی محبت سے زمین و آسمان قائم ہیں، اور یہ محبت ساری مخلوق کی فطرت میں داخل ہے۔ یہی محبت کلمہ شہادت **اشہد ان لا الہ الا اللہ** کا اصل راز ہے۔ الہٰ، یا اللہ وہ ذات ہے جس سے محبت کی جا سکتی ہے، جس کی تعظیم کی جا سکتی ہے، جس کے سامنے ذلت و خاکساری اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادت صرف ایک ہی صحیح ہے، یعنی اس وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے۔ عبادت اس کا نام ہے کہ خضوع و ذلت کے اظہار کے ساتھ اس سے محبت کی جائے۔ اس عبودیت میں کسی کو شریک بنانا عظیم ترین ظلم ہے، اور ایسا ظلم ہے کہ اللہ کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ اگر کسی اور سے محبت کی

جا سکتی ہے تو ذاتِ الٰہی کی محبت کے ضمن میں کی جا سکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت کے وجوب پر ساری آسمانی کتابیں اور تمام انبیائے کرام کی دعوت دلالت کرتی ہے، اور وہ فطرت دلالت کرتی ہے جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا اور وہ عقلیں دلالت کرتی ہیں جو انسان میں خصوصی ترکیب کے ساتھ پیدا کی گئی ہیں۔ وہ نعمتیں دلالت کرتی ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر نازل کی ہیں، کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اس پر جو احسان کرے، اسے نوازے، اس سے محبت کرے، اسی وجہ سے اس ذات کی محبت نہایت اہم ہے۔ انسان پر جس قدر بھی احسانات ہیں، وہ اسی کے احسانات ہیں۔ مخلوق اس پر جو احسانات کرتی ہے، وہ بھی اس وحدہ لاشریک ہی کے احسانات ہیں، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

ومابکم من نعمة فمن الله ثم إذا مسکم الضر فالیه تجئرون (النحل ١٦: ٥٣)

اور جو نعمت بھی تمہیں پہنچتی ہے اللہ کی جانب سے ہے، اور اس کی مصنوعات و کمالات، اس کی جلالت وعظمت وجوبِ محبت پر دلالت کرتی ہے۔

عشق ومحبت کے اصل دواعی دو ہیں: جلال اور جمال۔ یہ دونوں امر علی الاطلاق بدرجہ اتم صرف ذاتِ الٰہی کے اندر پائے جاتے ہیں، دوسرے کسی میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے، بلکہ ہمہ قسم جمال اسی کے لیے ہے، اور اسی کی جانب سے ہے، اس لیے من کل الوجوہ اس کی ذات محبت کی مستحق ہے، کوئی دوسرا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل إن کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله (آل عمران ٣: ٣١)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو، اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو تم میری اتباع کرو، اور اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

اور ارشاد ہے:

یا ایھاالذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتي الله بقوم یحبھم و یحبونه (المآئدہ ٥: ٥٤)

مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگ موجود کرے گا جنہیں

وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔

ولایت، موالات کی اصل محبت ہے اور محبت کے بغیر موالات نہیں پائی جاسکتی، جس طرح عداوت کی اصل بغض ونفرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے اور ایمان والے اللہ تعالیٰ کے اولیاء، ایمان والے اللہ سے موالات رکھتے ہیں، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے موالات رکھتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے، پس اللہ اپنے بندوں سے اسی قدر محبت کرتا ہے جس قدر وہ اللہ سے موالات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سے موالات کرنے والوں سے، اللہ تعالیٰ خفا اور ناراض ہوتا ہے۔ بخلاف اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی محبت کے، کہ یہ دوسری چیز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے موالات ومحبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے کی محبت نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں سے محبت وموالات کرنا اللہ تعالیٰ ہی سے محبت و موالات کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خفا اور ناراض ہوتا ہے، جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس کا ہم سر بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں:

یحبونهم کحب اللّٰه والذین آمنوا اشد حبا للّٰه (البقرة ۲: ۱۶۵)

وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں، جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو لوگ اپنے بنائے ہوئے شریکوں اور مثیلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر بنا دیتے ہیں، وہ جہنم میں جائیں گے۔ یہ لوگ اپنے معبودانِ باطلہ سے کہیں گے:

تالله إن كنا لفی ضلال مبين إذ نسويكم برب العالمين (الشعراء۲۶: ۹۷-۹۸)

اللہ کی قسم! ہم تو صریح گمراہی میں تھے کہ ہم تمہیں پروردگار کے برابر سمجھتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور پیغمبر اسی لیے بھیجے ہیں کہ توحید فی المحبت کی لوگوں کو تعلیم دیں۔ اپنی ساری کتابیں بھی اسی غرض سے نازل فرمائی ہیں۔ ابتدا سے لے کر آخر

تک جس قدر بھی رسول اور پیغمبر آئے، اسی توحید فی المحبت کی دعوت کی غرض سے آئے۔ اسی توحید فی المحبت ہی کے لیے آسمان، زمین، جنت اور دوزخ پیدا کیے گئے ہیں۔ جنت اللہ نے توحید والوں کے لیے بنائی ہے اور اس محبت میں کسی دوسرے کو اللہ کا شریک قرار دینے والے کو مشرک کہا، اور ان کے لیے جہنم بنائی۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا:

لا یؤمن عبد حتی یکون الرسول أحب الیه من ولده و والده و الناس أجمعین (صحیح بخاری: ایمان)

بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ رسولؐ کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے متعلق یہ حکم ہے تو پھر پروردگار جل جلالہ، کی محبت کے متعلق کیا حکم ہوگا! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے فرمایا:

لا حتی أکون أحب الیک من نفسک

تم مومن نہیں ہو سکتے، جب تک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ تم محبوب نہ رکھو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور لوازمِ محبت کا یہ حکم ہے تو پھر رب العالمین کی محبت وعبادت کا کیا حکم ہوگا؟ سب سے زیادہ اس کی محبت کیوں اقدم نہ ہوگی؟

بندوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ پہنچ رہا ہے۔ وہ اس امر کی دعوت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے محبت کی جائے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اسی سے محبت کی جائے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کراہت ونفرت کرتا ہے، اس سے کراہت ونفرت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا دینا اور نہ دینا، بخششیں اور ابتلائیں، قبض وبسط، عدل وفضل، مارنا جلانا، لطف وکرم، رحمت واحسان، ستر پوشی وعفو، حلم وصبر، اجابتِ دعا، دفع کرب وتکالیف، مصیبت زدوں کی اعانت وامداد، یہ سب مہربانیاں اور بلاغرض مہربانیاں ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے من الوجوہ مستغنی اور بے پرواہ ہے۔ یہ تمام باتیں انسان کو اس امر کی دعوت دے رہی ہیں کہ عبادت ومحبت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اسی سے کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو معصیت و نافرمانی کی جو قوت دے دی ہے، اسی سے معصیت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ پھر بھی ان کی ستر پوشی کرتا ہے اور بندے اپنی خواہشات پوری کر لیتے ہیں۔ اس وقت تک ان کی محافظت و نگرانی کرتا ہے، جب تک بندے معصیت و نافرمانی کرتے ہیں، اپنی خواہش پوری کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ ان کی اعانت و امداد کرتا ہے اور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ یہ تمام امور متقاضی ہیں کہ بندے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے محبت کریں۔ اگر ایسا سلوک، بلکہ اس سے بھی کم تر درجے کا سلوک کسی انسان کے ساتھ کوئی دوسرا کرے تو وہ اپنے دل میں ایسے آدمی کے ساتھ محبت باقی نہیں رکھ سکتا۔ پس بندے کامل جمعیتِ خاطر کے ساتھ ہمہ تن اس ذات سے محبت کیوں نہ کریں، جو ہمہ قسم کی نافرمانیوں اور گناہوں کے بعد بھی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کرتی ہے؟ اور بندوں کی ہر سانس اس کے احسانات سے گراں بار ہے اور خیر و فلاح کی تمام تر برکتیں اس کی جانب سے اترتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بدعملی میں دیکھ کر بھی اسے نعمتیں دیتا، اور نعمتیں دے کر خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ان سے بالکل مستغنی اور بے پروا ہے۔ بندے گناہ اور نافرمانی کرتے ہیں اور اس سے بغض وعناد کا ثبوت دیتے ہیں، حالانکہ بندے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ بندوں کے گناہ اور معصیت اللہ تعالیٰ کی خیر اور اس کے احسانات و انعامات کو نہیں روکتی۔ بندوں کی شومیِ اعمال اور نحوستِ عصیاں رب العالمین کے احسانات کو بند نہیں کر دیتی۔ پس وہ قلوب جو اس شان کے خالق سے محبت نہ کریں، بلکہ دوسروں سے محبت کریں، وہ کس قدر منحوس ہوں گے!

کوئی آدمی اگر تم سے محبت کرتا ہے، یا تم اس سے محبت کرتے ہو تو اپنی اپنی اغراض کی بناء پر کرتے ہو، لیکن رب العالمین اپنی غرض سے نہیں، تمہارے لیے اور تمہاری ہی غرض کے لیے تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے:

عبدی کل یریدک لنفسه وأنا أریدک لک

میرے بندے! ہر شخص تجھے اپنے لیے چاہتا ہے، اور میں تجھے تیرے لیے چاہتا ہوں۔

پس بندوں کو شرم آنا چاہیے کہ اس شان کے پروردگار سے وہ اعراض کرتے ہیں، اور

دوسروں سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی محبت میں غرق اور محو رہتے ہیں، نیز یہ کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس وقت تک بھلائی اور اچھا معاملہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنا فائدہ نہ سوچ لے، لیکن رب العالمین کی شان یہ ہے کہ تمہارے ہی فائدے کے لیے اور تمہاری ہی بھلائی کے لیے، تمہارے ساتھ بھلائی اور اچھا معاملہ کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ تمہیں بڑے سے بڑا فائدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ نفع پہنچے۔ نیکی کرو تو ایک درہم کے عوض دس اور دس سے لے کر سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ تمہیں نفع ملے، اور اگر گناہ کرو تو ایک کے بدلے میں ایک ہی سزا دے اور توبہ کرلو تو وہ بھی معاف کردے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمہیں صرف اپنی ذات کے لیے پیدا کیا ہے اور ساری خدائی اور آخرت تمہارے لیے پیدا کی ہے۔ اب بتایے کہ محبت کس سے کی جائے اور کس کی رضامندی و رضاجوئی کے لیے جدوجہد کی جائے۔ تمہارے مقاصد و مطالب، بلکہ ساری مخلوق کے مقاصد و مطالب کی کنجیاں اس کے پاس ہیں اور وہ سب سے بڑا جواد، سب سے بڑا کریم و رحیم اور سب سے بڑا سخی ہے۔ سوال کرنے سے پہلے بندوں کو نوازتا ہے، اور بندوں کی امیدوں سے زیادہ انہیں دیتا ہے۔ بندوں کے قلیل سے قلیل عمل سے وہ خوش ہوتا اور اسے بڑھا دیتا ہے۔ بندوں کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کرتا اور محو کر دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق اس کے سامنے اپنی احتیاجات پیش کرتی ہے۔ اس کی شان ہی کچھ عجیب وغریب ہے۔ **کل یوم ھو فی شان**، وہ سب کی سنتا اور سب کو دیتا ہے، کسی کو بھول نہیں جاتا۔ نہ سائلین کی کثرت اسے پریشان کرتی ہے، نہ اسے اس سے کوئی مغالطہ ہوتا ہے۔ نہ وہ الحاح وزاری کرنے والوں سے اکتاتا ہے، نہ تھکتا ہے، بلکہ زیادہ الحاح وزاری کرنے والوں کو زیادہ محبوب رکھتا ہے، اور زیادہ چاہتا ہے۔ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور جو نہ مانگے اور سوال کرنے سے جان چرائے، اس پر خفا اور ناراض ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ شرماتا ہے، جہاں بندہ نہیں شرماتا، اور پھر بھی اس کی ستر پوشی کرتا ہے، اور ایسی ستر پوشی کہ بندہ خود اپنی ستر پوشی بھی اس طرح نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے بندوں کو اپنے عطیات وانعامات، احسانات ومواہب، بخششوں اور رضامندیوں کی طرف پکار پکار کر بلاتا ہے، اس نے اپنے رسول اور پیغمبر بندوں کے پاس اس لیے بھیجے کہ وہ ان کو بلائیں، اور منائیں۔

اس نے اپنا عہد اور معاہدہ ان رسولوں اور پیغمبروں کے ساتھ بھیجا کہ ان کے سامنے پیش کریں، اور اس کی طرف بلائیں اور پھر صرف یہی نہیں، بلکہ وہ خود نیچے اتر کر بندوں کی طرف آتا اور کہتا ہے:

من يسألني فأعطيه من يستغفرني فأغفر له

مجھ سے کون مانگتا ہے؟ کہ میں اسے دوں۔ مجھ سے کون مغفرت چاہتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔

مزید کہتا ہے:

أدعوک للوصل فتأبي أبعث رسلي في الطلب أنزل اليک بنفسي ألقاک في النوم

میں تجھے وصل کے لیے بلاتا ہوں، لیکن تو انکار کرتا ہے۔ تجھے بلانے کے لیے رسول اور پیغمبر بھیجے۔ میں خود اتر کر تیرے پاس آیا۔ نیند میں آ کر میں نے تجھ سے ملاقات کی۔

پس انسانی قلوب اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت کیوں نہ کریں۔ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کے سوا بندوں پر کوئی احسان کرنے والا، برائیوں کو رفع کرنے والا، بندوں کی دعا قبول کرنے والا، گناہ بخشنے والا، عیوب کی ستر پوشی کرنے والا، تکالیف و مصائب دور کرنے والا، مصیبت زدوں کی امداد کرنے والا اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی ذکر و شکر اور حمد و ثنا کا مستحق ہے، اور بس وہی حقدار ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں۔ وہی تو ہے جو مدد مانگنے والوں کی نصرت و امداد کرتا ہے۔ مملوکوں اور غلاموں پر سب سے زیادہ مہربان ہے۔ طلب کرنے والوں کے لیے سب سے بڑا سخی ہے اور دینے والوں میں سب سے بڑا دینے والا ہے۔ رحم کی درخواستیں کرنے والوں پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، مانگنے والوں پر سب سے زیادہ کرم کرنے اور بخشش کرنے والا ہے، التجا کرنے والوں کی سب سے زیادہ قدر کرنے والا ہے، اس کی ذات پر توکل و اعتماد کرنے والوں کی وہ کفالت کرنے والا ہے۔ بندوں پر ان کی ماؤں سے زیادہ مہربان ہے، بندوں کی توبہ سے وہ اس قدر خوش ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی سواری (جس پر اس کا کھانا پینا، تمام سرمایہ اور مال و متاع اور سرو سامان لدا ہوا تھا) کسی مہلک سرزمین میں پہنچ کر گم ہو گئی، اور وہ ہر چیز سے محروم ہو گیا۔ بالآخر زندگی سے تنگ آ کر موت کا انتظار کرنے لگا۔ اس

حالت میں سواری اسے اصل حالت میں مل گئی۔ جو خوشی اس حالت میں اس سواری والے کو حاصل ہوتی ہے،توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ اسی طرح خوش ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ بادشاہ اور شہنشاہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ،اس کا کوئی مانند و مثیل نہیں ،اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔اس کی اجازت اور حکم ہی سے اس کی اطاعت وعبادت کی جاتی ہے۔اس کی نافرمانی اس کے علم کے بغیر ناممکن ہے۔اس کی عبادت کی جاتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے، حالانکہ اطاعت اور عبادت کی توفیق وانعام اسی کی جانب سے ہے،اور اگر نافرمانی بھی کی جائے تو مغفرت فرماتا ہے۔اس کا حق ضائع کیا جاتا ہے، پھر بھی وہ عفو و درگزر کرتا ہے۔وہ قریب ونزدیک والوں کا شاہد، محافظ اور نگران ہے۔سب سے بڑا عہد وفا کرنے والا،سب سے بڑا عادل اور سب سے بڑا منصف ہے، بندوں کے ساتھ ہے، بندوں کی پیشانیاں اور چوٹیاں اور ان کے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہیں۔سارے آثار اس نے لکھ رکھے ہیں۔ بندوں کی اجل اس کے قلم سے لکھی جا چکی ہے۔یہی ذات اور صرف یہی ذات ایسی ہے کہ قلوب خواہ مخواہ اس کی طرف کھنچتے ہیں۔ ہر مخفی چیز اس کے سامنے ظاہر اور روشن ہے۔علانیہ اور ظاہر، غائب اور منور چیزیں اس کے سامنے واضح اور روشن ہیں۔ ہر ایک اس کا محتاج ہے۔ساری مخلوق اس کے نور کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اس کی کنہہ وحقیقت معلوم کرنے سے دنیا عاجز اور قاصر ہے۔فطرت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا مثل، مانند یا شبیہ ممتنع اور محال ہے۔ظلمتیں اس کے نور سے منور اور روشن ہیں،اور زمین و آسمان اس کے نور سے منور ہیں۔ساری مخلوق کو اس نے صالح بنایا۔وہ سوتا نہیں اور سونا اس کے لیے سزاوار نہیں۔قسط وعدل کا پلہ کبھی جھکا دیتا ہے، کبھی اونچا کر دیتا ہے۔ بندوں کے رات کے اعمال دن نکلنے سے پہلے اور دن کے اعمال رات آنے سے پہلے اس کے سامنے پیش ہو جاتے ہیں۔اس کا نور اس کا حجاب ہے۔اگر یہ حجاب اٹھا دیا جائے تو ساری مخلوق جل کر خاک ہو جائے:

ما اعتاض باذل حبه لسواه من عوض ولو ملك الوجود باسره

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا جو معاوضہ پائے گا، وہ کسی کو بھی نصیب نہ ہوگا، خواہ وہ کل موجودات کا مالک ہی کیوں نہ بن جائے۔

فصل ۱۱۰

دیدارِ الٰہی: محبت کی عظیم ترین نعمت

یہاں ایک عظیم الشان امر، جس کی طرف ہر عقل مند کو توجہ کرنا چاہیے، یہ ہے کہ لذت و سرور، فرحت و مسرت اور بہجتِ روح دو چیزوں سے وابستہ ہے۔ ایک یہ کہ محبوب اور محبوب کا جمال کامل اور اکمل ہو کہ خود محبوب کا جمال انسان کو اپنی طرف جذب کر لے اور دوسری طرف سے اسے ہٹا دے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ محبوب سے کامل ترین محبت ہو اور اس کی محبت میں تا امکان اس سے تقرب و نزدیکی حاصل کرنے کی سعی کی جائے اور اس کے لیے ہمہ قسم کا ایثار کیا جائے، نیز ہر چیز سے اس کے تقرب کو مقدم سمجھا جائے۔

ہر عقل مند انسان یہ سمجھتا ہے کہ حصولِ محبوب کی لذت محبت کی شدت کے اعتبار سے ہے۔ محبت جس قدر قوی اور زیادہ ہوگی، اسی قدر لذت زیادہ ہوگی، مثلاً جسے پیاس کی شدت زیادہ ہو، اسے ٹھنڈے پانی کی لذت زیادہ حاصل ہوگی، جسے بھوک زیادہ ہو، اسے کھانا زیادہ مرغوب ہو گا، اور کھانے میں زیادہ لذت محسوس ہوگی۔

لذتِ شوق، شدتِ ارادہ اور شدتِ محبت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس قدر شوق، ارادہ اور محبت زیادہ اور قوی ہوگی، لذت زیادہ ہوگی۔ لذت و سرور اور فرحت و مسرت فی نفسہ مطلوب چیز ہے، بلکہ عقل مند کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ ہے، جبکہ لذت فی نفسہ ایک مطلوب چیز ہے تو وہ لذت جس کے بعد بڑے سے بڑا رنج اور تکلیف پہنچے، یا وہ لذت جو اس سے بڑی لذت سے محروم کر دے، وہ قابل مذمت لذت ہوگی۔ اب اس لذت کے متعلق کیا کہیے، جس کے بعد انسان

کو بڑی بڑی بے پناہ حسرتیں برداشت کرنا پڑیں اور جس کی وجہ سے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ لذتوں سے محروم ہو جائے؟

واقعہ یہ ہے کہ قابلِ تعریف اور موجبِ ستائش لذت وہی ہے جس میں کسی قسم کی تلخی اور کدورت نہ ہو۔ یہ لذت آخرت اور آخرت کی نعمتوں کی لذت ہے۔ انسان کی بہترین عیش اور مرغوب زندگی اسی لذت سے وابستہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

بل تؤثرون الحياة الدنيا والأخرة خير وابقى (الاعلیٰ ۸۷: ۱۶-۱۷)

بلکہ تم دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت دنیا سے کہیں بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔

فرعون کے جادوگروں نے ایمان لانے کے بعد یہ نعرہ لگایا تھا:

فاقض ماانت قاض إنما تقضي هذه الحياة الدنيا (طٰہٰ ۲۰: ۷۲)

اے فرعون! جو تو کرنے والا ہے کر گزر۔ تو دنیا ہی کی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں اور اطاعت گزاروں کو جنت الخلد کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ دنیا ختم ہونے والی ہے، دنیا کی لذتیں فانی اور کدورتوں سے پُر ہیں۔ اس کے برعکس آخرت کی لذتیں حقیقی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں، آخرت کی لذتیں، نعمتیں خالص، صاف ستھری اور کدورتوں اور آلام سے پاک ہیں۔ جنت کی لذتیں، جنت کی نعمتیں ایسی مرغوب ہیں کہ ہر انسان ان کی آرزو کرتا ہے اور آنکھیں ان سے لذت اندوز ہوتی ہیں، پھر یہ لذتیں دائمی اور ابدی ہیں اور کسی کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کیا کیا اور کیسی کیسی چیزیں پردۂ غیب میں مخفی رکھ چھوڑی ہیں؟ جنت میں تو وہ وہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے رکھ چھوڑی ہیں کہ آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں، نہ اب تک کسی انسان کے قلب میں ان کا خیال گزرا ہے۔ اور ناصح قوم (۱) کا مقصد اس قول سے یہی تھا:

يـاقـوم اتبـعـون أهـدكـم سبيل الرشاد ياقوم إنما هذه الحيوة الدنيا متاع وان الأخرة هى دار القرار (المؤمن ۴۰: ۳۸-۳۹)

---

(۱) یہ ناصح قوم جو فرعون کے گھرانے سے تھا اور ایمان سے شرف اندوز ہونے کے بعد اپنی قوم کو نصیحت کر رہا تھا۔

اے میری قوم! تم میری اتباع کرو۔ میں تمہیں سیدھا راستہ دکھادوں گا۔ اے قوم اس دنیا کی زندگی کے بس چند روزہ فائدے ہیں اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ خبر دیتا ہے کہ دنیا ایک متاع اور سامان ہے، جس سے انسان کچھا استفادہ واستمتاع کرسکتا ہے، ہمیشہ کا ٹھکانا اور جگہ تو آخرت ہے۔

دنیا کی لذتیں جب ایک متاع اور سامان کی حیثیت رکھتی ہیں، اور آخرت کی لذتوں کا ذریعہ ہیں، اور دنیا کو مقصود بالذات بنا کر پیدا نہیں کیا گیا، لہٰذا جو لذت آخرت کی لذت کی طرف پہنچائے، اس سے لذت اندوز ہونا قابل مذمت نہیں، بلکہ بایں حیثیت کہ یہ لذت آخرت کی لذت کا ذریعہ ہے، قابل تعریف ہے۔ آخرت کی بڑی سے بڑی نعمت ولذت یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو، اس کا کلام سننا میسر آئے اور اس سے تقرب ونزدیکی حاصل ہو، جیسا کہ رویت باری کے متعلق ایک صحیح حدیث میں مروی ہے:

فو اللّٰه ما أعطاهم شيئا أحب اليهم من النظر اليه

اللہ کی قسم! انہیں اس سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں دی گئی کہ وہ اسے دیکھیں گے۔

ایک دوسری حدیث ہے:

إنه اذا تجلى لهم ورأوه نسوا ماهم فيه من النعيم

جب اللہ تعالیٰ ان کے سامنے تجلی فرمائے گا تو وہ لوگ اپنی ساری نعمتیں بھول جائیں گے۔

نسائی اور مسند احمد میں حضرت عمارؓ بن یاسر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرماتے تھے :

واسئلک اللهم لذة النظر الى وجهک الكريم والشوق الى لقائک

اے اللہ! میں تیرے رخ کریم سے لذتِ نظر اور تجھ سے تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔

عبداللہ بن امام احمد کی کتاب السنہ میں یہ مرفوع حدیث مروی ہے:

كأن الناس يوم القيامة لم يسمعوا القرآن من الرحمٰن، فاذا سمعوه من الرحمٰن فكأنهم لم يسمعوه قبل ذالک

جن لوگوں نے کبھی اللہ کا قرآن، اللہ کی زبان سے نہیں سنا۔ جب قیامت کے دن وہ اللہ کی زبان سے قرآن سنیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا، گویا انہوں نے اس سے پہلے کبھی قرآن سنا ہی نہ تھا۔

یہ بات سمجھ لی گئی تو اب یہ سمجھ لیجیے کہ دنیا کی جس لذت سے آخرت کی یہ لذت حاصل ہو، وہ سب سے بڑی لذت ہے۔ یہ لذت معرفتِ الٰہی اور محبتِ خداوندی کی لذت ہے۔ یہی لذت دنیا کی لذتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ دنیا کی تمام فانی لذتیں اس لذت ونعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں، گویا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ انسان کی روح، انسان کا قلب اور بدن درحقیقت اسی لذت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ پس دنیا میں سب سے بڑی لذت اور سب سے بڑی نعمت، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے۔ جنت میں لذیذ سے لذیذ ترین چیز رویتِ خداوندی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی لذت اور قلب کی اصل فرحت ومسرت ہے۔ دنیا کی وہ نعمتیں، مسرتیں، لذتیں جو محبت ومعرفت کی لذتوں سے محروم کرنے والی ہوں، سراسر مصیبت اور عذاب ہیں، کیونکہ یہ لذتیں عذاب سے منقلب ہوجائیں گی، اور ان سے لذت اندوز ہونے والا تنگی معیشت میں مبتلا ہو کر رہ جائے گا، لہٰذا خوشگوار زندگی وہ ہے جو اللہ کے ساتھ اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے ساتھ گزرے، اور یہ زندگی کیسی ہوتی ہے؟ اللہ والوں اور اللہ سے محبت کرنے والوں سے پوچھیے۔ کچھ اللہ والوں کا قول ہے کہ بعض اوقات ہم پر ایسے گزرتے ہیں کہ جنتیوں کو جنت میں اس جیسی لذت ونعمت ملے تو سمجھ لیجیے کہ وہ ایک خوشگوار زندگی ہے، وگرنہ جنت بیکار ہے۔

کسی اور اللہ والے کا قول ہے کہ اگر بادشاہ اور بادشاہوں کی اولاد وہ چیزیں پائے جو ہمیں حاصل ہیں تو وہ رشک کے مارے تلواروں سے ہماری گردنیں اڑا دے۔ دنیا کی باطل محبت کے متعلق کہنے والے نے کہا ہے:

وما الناس إلا العاشقون ذو والهوى　　فلا خير فيمن لا يحب و يعشق

ساری دنیا عاشقوں اور محبت کرنے والوں ہی سے تو بھری ہوئی ہے۔ جو کسی سے محبت نہیں کرتا، کسی پر عاشق نہیں ہوتا، اس کے اندر کوئی خیر نہیں۔

أف للدنيا متى مالم يكن صاحب الدنيا محب أو حبيب

وہ صاحب دنیا جو کسی سے محبت نہیں کرتا، یا وہ کسی کا محبوب نہیں، اس کی دنیا پر تف ہے۔

ولا خير في الدنيا ولا في نعيمها وأنت وحيد مفرد غير عاشق

دنیا اور دنیا کی نعمتوں میں کوئی خیر نہیں، اگر تو تنہا اور اکیلا ہے اور کسی پر عاشق نہیں ہوا ہے۔

اسكن الى سكن تلذ بحبه وصب الزمان وانت منفرد

تم کسی ایسی تسکین سے تسلی حاصل کرو جس کی محبت سے تمہیں لذت حاصل ہو، اگر تم منفرد اور تنہا ہو تو زمانہ تمہارے لیے مصیبت ہے۔

يشكى المحبون الصبابة ليتني تحملت مايلقون من بينهم وحدي

عشاق محبت کی مصیبتوں کی شکایتیں کرتے ہیں۔ کاش! ان تمام کی مصیبتیں تنہا مجھ پر لاد دی جائیں۔

فكانت لقلبي لذة الحب كلها فلم يلقها قبلي محب ولا بعدي

اگر ایسا ہوتا تو مجنون کی ساری قوتیں تنہا مجھے حاصل ہو جاتیں، یہ لذتیں نہ مجھ سے پہلے کسی کو ملتیں، نہ میرے بعد کسی کو۔

اس دنیا کی محبت کا جب یہ حال ہے تو پھر اس محبت کے متعلق کیا کہیں گے جس سے قلوب کی حقیقی زندگی وابستہ ہے، اور جو روح کی اصل غذا ہے؟ جس محبت کے بغیر قلب کے لیے کوئی لذت ہے، نہ نعمت، جس کے بغیر فلاح ہے نہ نجات اور نہ زندگی۔ اگر قلب اس محبت سے محروم ہو جائے تو اس کے رنج والم کا کیا حال ہوگا؟ اس کی یہ مصیبت تو آنکھوں کی روشنی، کانوں کی سماعت، ناک کی قوتِ شامہ، زبان کی قوتِ ذائقہ اور قوتِ ناطقہ چلے جانے کی مصیبت سے بھی

بڑھ کر مصیبت ہے، بلکہ جو قلب اپنے فاطر و خالق، الٰہ الحق کی محبت سے خالی ہے، وہ اس جسم سے بھی بدتر اور خراب ہے جس سے روح نکل چکی ہو۔ اس حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے، اور وہی اس کی تصدیق کر سکتا ہے جس میں روح اور زندگی موجود ہو۔ مُردوں کو زخموں کی تکالیف کا پتا کیونکر چل سکتا ہے؟

مقصود یہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی اور کامل ترین لذت وہ ہے جو آخرت کی لذت کا ذریعہ ہو، اور آخرت کی لذت تک پہنچائے۔ دنیا کی لذتیں تین قسم کی ہیں:

پہلی لذت وہ ہے جو آخرت کی لذت کی طرف لے جائے، آخرت کی لذت کا ذریعہ ہو اور اس لذت سے انسان کو بڑے سے بڑا اجر و ثواب ملے۔ یہ سب سے بڑی اور کامل ترین لذت ہے۔ مومن بندہ اگر کھانے پینے، لباس، نکاح، جماع، شفا اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر غیض و غضب اور قہر و غصہ میں رضائے الٰہی مقصود رکھے، اور اس کی یہ تمام باتیں لوجہ اللہ ہیں تو یہ چیزیں موجبِ اجر و ثواب ہیں، پھر اس لذت کا کیا کہنا، جو معرفتِ الٰہی، محبتِ الٰہی، شوقِ لقائے خداوندی سے حاصل ہوتی ہے؟ اور جو جنتِ نعیم میں رویتِ خداوندی کی موجب ہے؟

دوسری لذت وہ ہے جو بندے کو آخرت کی لذت سے محروم کر دے۔ اس قسم کی لذت میں بڑے بڑے مصائب و آلام موجود ہیں، مثلاً ان لوگوں کی لذت جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں سے رشتہ جوڑ لیتے ہیں، بتوں سے محبت کرنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے جس قسم کی محبت کرنا چاہیے، بتوں سے کرتے ہیں اور آپس میں باہم ایک دوسرے سے متمتع ہوتے ہیں۔ آخرت میں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کہیں گے:

ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا أجلنا الذی أجلت لنا (الانعام ٦: ١٢٨)

اے ہمارے پروردگار! دنیا میں ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے اور جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا، ہم اس وعدے تک پہنچ گئے۔

بدکاروں، ظالموں، مفسدوں، متکبروں اور ہیکڑی بازوں کی لذتیں استدراج اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحان ہیں، تاکہ انہیں بعد میں بڑے بڑے آلام و مصائب میں مبتلا کر دیں اور

آخرت کی بڑی سے بڑی لذت سے انہیں محروم کردیں۔ جس طرح کسی کے آگے لذیذ کھانا زہر آلود کر کے رکھ دیا جاتا ہے، اس سے کھانے والے کی موت یقینی ہے، لیکن یہ ایک استدراج ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سنستدرجهم من حيث لا يعلمون واملى لهم إن كيدى متين (القلم ٦٨: ٤٤-٤٥)

اور ہم اسی طرح کہ ان کو خبر بھی نہ ہو، آہستہ آہستہ انہیں جہنم کی طرف گھسیٹتے ہیں۔

بعض سلف صالحین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ گناہ اور نافرمانی کرتے ہیں تو ہم انہیں نعمتیں دیتے ہیں:

حتّٰی إذا فرحوا بما أوتوا أخذناهم بغتة فاذا هم مبلسون فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمدلله رب العالمين (الانعام ٦: ٤٤-٤٥)

یہاں تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، انہیں پا کر خوش ہوئے۔ یکا یک ہم نے انہیں دھر پکڑا اور عذاب کا آنا تھا کہ وہ بے آس ہو کر رہ گئے۔

اور اسی قسم کے لذت اندوز لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

أيحسبون أنما نمدهم به من مال و بنين نسارع لهم فى الخيرات بل لا يشعرون (المؤمنون ٢٣:٥٥-٥٦)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں انہیں مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔ (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں۔ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فلا تعجبك أموالهم ولا أولادهم إنما يريد الله ليعذبهم بها فى الحياة الدنيا (التوبة ٩: ٥٥)

تو اے پیغمبر! نہ تو ان کے مال تمہارے لیے موجبِ حیرت ہوں، نہ ان کی اولاد۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو مال اور اولاد کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہی رکھے۔

یہ ساری لذتیں، بڑے بڑے مصائب وآلام میں تبدیل ہو جائیں گی جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

یارب کائنة فی الحیاۃ لاھلھا　　عذبا فصارت في المعاد عذابا

بہت سی چیزیں جو دنیا میں انہیں شیریں اور مرغوب تھیں، آخرت میں ان کے لیے عذاب بن کر رہ گئیں۔

تیسری لذت وہ ہے جس سے نہ آخرت میں لذت ملے گی، نہ تکلیف پہنچے گی۔ آخرت کے کمال میں اگرچہ اس سے کچھ نقص ضرور ہوگا، مگر یہ مباح لذتیں ہیں جن سے آخرت کی لذتوں کے لیے استعانت نہ کی جائے۔

اس قسم کی لذتوں سے لذت اندوز ہونے کا زمانہ نہایت قلیل اور مختصر ہے۔ بندے کو چاہیے کہ انہی لذتوں میں اپنے آپ کو مشغول رکھے جو اس کے لیے موجب خیر وفلاح ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی قسم کی لذتوں کے متعلق فرمایا ہے:

کل لھو یلھو به الرجل فھو باطل الارمیه بقوسه و تأدیبه فرسه وملاعبته امرأته فانھن من الحق (ترمذی: فضائل جھاد)

آدمی کا ہر کھیل باطل ہے، مگر کمان سے تیر چلانا، گھوڑے کو ادب سکھانا، اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، یہ کھیل حق ہیں۔

جو لذت مطلوب لذت کی معاونت کرے، حق ہے اور جو لذت اس لذت کی معاونت نہ کرے، باطل ہے۔



فصل ۱۱۱

محبتِ قرآن اور محبتِ یزداں

مذکورہ محبت بری اور قابل مذمت نہیں، بلکہ محبت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا بھی اسی قسم کی محبت ہے۔ محبت سے ہماری مراد وہ خاص محبت ہے جو محبت کرنے والے کے قلب کو، اور اس کے ذکر وفکر کی تمام قوتوں کو اپنی طرف موڑ لے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو ہر مسلمان کے قلب میں موجود ہے۔ آپؐ کی محبت کے بغیر تو کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا۔

محبت کے بے شمار درجات اور مراتب ہیں، جن کا احصاء مشکل ہے۔ محبت لطف ومہربانی کے جذبات پیدا کرتی ہے، مصائب وتکالیف کا بوجھ ہلکا کرتی ہے، سخاوت کی روح پیدا کرتی ہے۔ بزدلوں کو بہادر اور دلیر بنا دیتی ہے، ذہن وعقل میں لطافت و پاکیزگی پیدا کرتی ہے، نفس میں تازگی پیدا کرتی ہے اور حقیقی عیش کو خوشگوار بناتی ہے۔ یہ تمام مقدس صفات حرام صورتوں کی محبت اور حسن پرستی سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔

قیامت کے دن بندے اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ ان بندوں کے سرائر اور اعمال مخفیہ ظاہر ہوں گے۔ ایسے بندوں کے سرائر اور اعمال تمام سے بہتر ہوں گے۔ ان کے سرائر میں سراسر خیر وفلاح ہی ہوگی۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

سیقی لکم فی مضمر القلب والحشا   سریرة حب یوم تبلی السرائر

قلب اور اندرون قلب کی محبت کے سرائر اس دن تک باقی رہیں گے جس دن سرائر ظاہر کیے جائیں گے۔

یہ محبت یقیناً چہرے کو نورانی کرتی ہے، سینے میں انشراح اور فراخی پیدا کرتی ہے، قلب کو زندہ کرتی ہے۔ جو حال محبتِ الٰہی کا ہے، وہی حال محبتِ کلامِ الٰہی کا ہے، کیوں کہ کلامِ الٰہی کی محبت علامت ہے محبتِ الٰہی کی۔ اپنے یا کسی دوسرے میں محبتِ الٰہی کا اندازہ کرنا ہو تو دیکھ لیجیے کہ آپ میں یا دوسرے میں محبتِ کلامِ الٰہی کس قدر ہے؟ آلاتِ طرب و سرود اور گانے بجانے کی سماعت کا شوق زیادہ ہے، یا قرآن حکیم سننے کا؟ کیونکہ جو آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اس کی باتیں اسے سب سے زیادہ محبوب اور مرغوب ہوتی ہیں۔ کہا گیا ہے:

ان کنت تزعم حبی فلم هجرت کتابي أمـا تـأ مـلت ما فيه من لذيذ خطابي

اگر تو میری محبت کا دم بھرتا ہے تو پھر تو نے میرا خط کیوں چاک کر دیا؟ میرے لذیذ و مرغوب خطاب پر تو نے غور و تأمل کیوں نہیں کیا۔

حضرت عثمانؓ کا قول ہے:

لو طهرت قلوبنا لما شبعت من كلام الله

اگر ہمارے قلوب پاک ہوتے تو کلام الٰہی سے کبھی سیر نہ ہوتے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک محبّ اپنے حقیقی محبوب کے کلام سے سیر بھی کس طرح ہو سکتا ہے؟ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے فرمایا:

اقرأ علي (کچھ قرآن مجھے پڑھ کر سناؤ)۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے عرض کیا کہ قرآن تو آپ پر اترا ہے اور میں پڑھ کر سناؤں؟ آپ نے فرمایا:

إني أُحب أن أسمعه من غيري (میں پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے میں سنوں)۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے سورۃ النساء شروع کی، تا آنکہ اس آیت پر پہنچے:

فـكيف اذا جئـنـا مـن كـل أمة بشهيـد وجـئـنا بك على هؤلاء شهيدا (النساء ۴: ۴۱)

بھلا اس دن کیا حال ہوگا، جب ہم امت کے گواہ طلب کریں گے اور اے پیغمبر! ہم

تمہیں بھی اس امت کی گواہی کے لیے طلب کریں گے۔

آپؐ نے فرمایا: حسبک الآن (اب بند کردو)۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے اپنا سر اونچا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا کہ آپؐ رو رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔

صحابہؓ جب کبھی کسی جگہ جمع ہوتے اور ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ موجود ہوتے تو سب مل کر ان سے فرمائش کرتے کہ کچھ قرآن سنا دیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ قرآن پڑھتے اور صحابہ کرامؓ سنتے تھے۔

قرآن حکیم سے محبت رکھنے والوں کا وجد، ذوق، لذت، حلاوت، مسرت، سماع شیطانی اور گانے بجانے کے وجد، ذوق، لذت وحلاوت اور مسرت سے لاکھوں درجے بڑھا ہوا ہے۔ کسی آدمی کو اشعار سننے کا شوق زیادہ ہے۔ اشعار سے اس کے اندر ذوق اور وجد کس قدر پیدا ہوتا ہے؟ اور پھر قرآن حکیم سننے سے شوق اور وجد پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟ قرآن حکیم سننے سے اگر ذوق اور وجد پیدا نہ ہو تو اس کا حال کسی شاعر نے یوں بیان کر رکھا ہے:

نقرأ عليك الختمة وأنت جامد كالحجر   وبيت من الشعر ينشد فتميل كالنشوان

تیرے سامنے ہم پورا قرآن پڑھ دیتے ہیں، لیکن تو غیر متحرک پتھر کی مانند ہوتا ہے، اور جب کوئی شعر پڑھا جاتا ہے تو بدمستوں کی طرح جھومتا ہے۔

یہ حالت اس امر کی دلیل ہے کہ قلب محبتِ الٰہی سے خالی ہے اور اسے صرف سماعِ شیطانی سے تعلق ہے۔ افسوس کہ فریب خوردہ لوگ سماعِ شیطانی کو بھی ایک اچھی چیز سمجھتے ہیں۔

عشق وحسن پرستی کے جو فوائد اور منافع پیش کیے گئے، ان سے لاکھوں درجے زیادہ اللہ، اللہ کے کلام کی، اس کے رسولؐ کی محبت میں فوائد موجود ہیں، بلکہ اس محبت کے سوا تمام محبتیں بے سود، بے فائدہ اور بے نفع ہیں۔ اس محبت کے سوا جس قدر بھی محبتیں ہیں، اگر وہ محبتِ الٰہی میں اعانت نہیں کرتیں اور حقیقی محبوب کی طرف راہ نمائی نہیں کرتیں تو وہ ساری محبتیں، غلط اور بے سود ہیں۔



فصل ۱۱۲

عورت سے محبت کرنا جائز ہے؟

عورت سے محبت کرنے میں محبّ قابل ملامت نہیں ہے، بلکہ عورتوں سے محبت کرنا مرد کا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود بندوں پر اس کا احسان جتایا ہے کہ تمہاری تسکین اور تسلی کے لیے ہم نے تمہارے جوڑے بنادیے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة و رحمة (الرُّوم ۳۰: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تا کہ تمہیں ان سے راحت ملے اور تم میں پیار و اخلاص پیدا کیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے لیے تسکینِ قلب کا موجب بتایا ہے۔ عورت مرد دونوں میں خالص محبت اور رحم و مودّت پیدا کر دی ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے وضاحت کر دی کہ کون سی عورتیں مرد کے لیے حلال اور جائز ہیں اور کون سی حرام اور نا جائز؟ ارشاد فرمایا:

يريداللّٰه ليبين لكم ويهديكم سنن الذين من قبلكم و يتوب عليكم واللّٰه عليم حكيم... خلق الانسان ضعيفا(النسآء ۴: ۲۶-۲۷)

اللہ چاہتا ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کے حالات کھول کھول کر بیان کر دے، اور تمہیں انہیں طریقوں پر چلائے اور تم پر مہر کی نظر رکھے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے، اور جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے

ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے، اور انسان کمزور بنایا گیا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں امام طاؤس عن ابیہ کی روایت پیش کی ہے کہ مرد عورتوں کو دیکھنے کے بعد صبر نہیں کر سکتے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ یکا یک کسی عورت پر پڑ گئی۔ آپؐ اسی وقت حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے اپنی ضرورت پوری کی۔ فرمایا:

إن المرأة تقبل في صورة شيطان و تدبر في صورة شيطان فإذا رأى أحدكم امرأة فأعجبته فليأت أهله فان ذالك يرد ما في نفسه (صحيح مسلم : نكاح)

عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس لوٹتی ہے۔ جب تم میں سے کسی کی نگاہ کسی عورت پر پڑ جائے اور اسے اپنی طرف متوجہ کرلے تو چاہیے کہ وہ اسی وقت اپنی بیوی کے پاس چلا جائے۔ اس سے اس کے نفس کے خیالات دور ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کسی عورت پر نگاہ پڑ جائے اور دل میں اس کی جانب سے خطرات و خیالات پیدا ہو جائیں تو اپنی بیوی سے جو اسی عورت کی ہم جنس ہے، اپنی حاجت پوری کر لی جائے۔ اس سے انسان کو اس طرح تسکین و تسلی ہو جاتی ہے، جیسے ایک کھانے کے بجائے دوسرا کھانا کھا لینے سے، اور ایک کپڑے کی بجائے دوسرا کپڑا پہن لینے سے تسکین و تسلی حاصل ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اگر کسی عورت کی خوبصورتی شہوت برانگیختہ کردے تو اسی وقت اس کا علاج کرلیا جائے، اور اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اپنی بیوی سے اپنی خواہش پوری کر لی جائے۔ اس سے شہوت کم ہو جاتی ہے۔

یہ حکم ایسا ہی ہے، جیسا کہ آپؐ نے دو باہم محبت کرنے والوں کے متعلق عقد نکاح کر دینے کا حکم دیا تھا۔ ایک مرفوع حدیث میں مروی ہے:

لم یر للمتحابین مثل النکاح (سنن ابن ماجه: نکاح)

باہم محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

عاشق کا نکاح معشوق سے کر دینے سے بہتر عشق کی کوئی دوا نہیں۔ اس مرض کی یہ دوا اللہ تعالیٰ نے از روئے شرع وقدر مقرر کر دی ہے۔ یہ دوا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی کی کہ حرام سے احتراز کرتے ہوئے نکاح سے کام لیا۔ کسی عورت سے محبت ہوگئی تو اسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس بارے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ تو بارگاہِ خداوندی میں ان کی قدرومنزلت اور عالی درجے کے اعتبار سے تھی۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کے قصے پر بھی ہم کچھ روشنی ڈال دیتے ہیں۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت زیدؓ، حضرت زینبؓ کو طلاق دینا چاہتے تھے، ان میں باہم موافقت نہیں تھی۔ حضرت زیدؓ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور انہیں علیحدہ کرنے کے متعلق آپؐ کی رائے طلب کی۔ آپؐ نے ان کو طلاق دینے سے روک دیا، لیکن آپؐ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت زیدؓ جلد انہیں چھوڑ دیں گے اور یہ بھی آپ کو معلوم تھا کہ ان کی علیحدگی کے بعد آپؐ ان سے نکاح کریں گے۔ یہ بات آپؐ اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے کہ لوگ اس بارے میں چرچا کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کیا۔

حضرت زیدؓ آپؐ کے بیٹے نہیں، متبنیٰ تھے، لیکن متبنیٰ کو بیٹا کہتے تھے۔ رب العالمین کا یہ مقصد تھا کہ بندوں کی مصلحتوں کے پیش نظر اس بارے میں ایک عام قانون بنا دیا جائے۔ حضرت زیدؓ نے جب حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی اور ان کی عدتِ طلاق پوری ہوگئی تو آپؐ نے اپنے لیے حضرت زیدؓ کو پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کے مکان پر پہنچے اور دروازے کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر گئے تھے۔ غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ چہرہ سامنے کر کے کھڑے ہوں۔ دروازے سے دور رہ کر آواز دی کہ میں تمہارے پاس آپؐ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ حضرت زینبؓ نے کہا کہ جب تک رب العالمین کا حکم نہیں ملتا، میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس کے بعد حضرت زینبؓ اپنے گھر کی مسجد کی محراب میں کھڑی

ہو گئیں، اور نماز شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے نکاح کی ولایت خود خدائے قدوس نے کی اور عرش معلیٰ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نکاح کر دیا۔ اس موقع پر یہ وحی اتری:

فلما قضٰی زید منها وطرا زوجنکها (الاَحزاب ۳۳: ۳۷)

پھر جب زید اس عورت سے بے تعلقی کر چکا تو ہم نے تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

اس آیت کے اترنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت زینبؓ اس بات پر ہمیشہ آپؐ کی دوسری بیبیوں کے سامنے فخر کیا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے پڑھایا ہے، لیکن میرا نکاح تو عرشِ معلیٰ پر خود اللہ تعالیٰ نے پڑھایا ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے محبت رکھتے تھے، جیسا کہ **صحیح بخاری** میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، جسے نسائی نے اپنی **سنن** میں، اور طبرانی نے اپنی اوسط میں بھی روایت کیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حبب الي من دنیاكم، النساء والطیب، وجعلت قرة عینی فی الصلاة

(سنن نسائی : عشرة النساء)

تمہاری دنیا میں یہ چیزیں مجھے محبوب ہیں: عورتیں اور خوشبو، اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

یہ ٹھیک ٹھیک حدیث کے الفاظ ہیں۔ باہر کا ایک لفظ نہیں، جیسا کہ بعض نے یہ الفاظ بڑھائے ہیں: **حبب الي من دنیاكم ثلاث** (تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں)۔

امام احمدؒ نے اپنی **کتاب الزهد** میں کچھ اور الفاظ بھی روایت کیے ہیں: **أصبر عن الطعام والشراب ولا أصبر عنهن** (میں کھانے پینے سے صبر کر سکتا ہوں، لیکن عورتوں سے صبر نہیں کر سکتا)۔

اللہ تعالیٰ کے دشمن یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرتے اور کہتے تھے کہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا مقصد یہ ہے کہ عورتوں سے شادیاں کرتے رہیں۔ اللہ نے یہود کے خیالات کی تردید فرمائی اور جتادیا کہ آپؐ کی شان نہایت بلند ہے، فرمایا:

أم یحسدون الناس علی ماتاھم اللّٰہ من فضلہ (النسآء ۴: ۵۴)

یا اللہ نے جو اپنے فضل سے لوگوں کو نعمت عطا فرمائی ہے، اس پر جل مرتے ہیں۔

امام الحنفاء حضرت ابراہیم خلیلؑ کے نکاح میں حضرت سارہ جیسی حسین وجمیل اور دنیا جہاں کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت عورت تھیں، پھر بھی آپ نے حضرت ہاجرہ سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ حضرت داؤدؑ کے پاس ننانوے بیبیاں تھیں، لیکن ایک اور عورت سے محبت ہوگئی تو اس سے نکاح کر کے سو پوری کرلیں۔ حضرت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ ایک رات میں ننانوے بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس بیوی سے زیادہ محبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ سے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: **انی رزقت حبھا** (مجھے ان کی محبت دی گئی ہے)۔

پس معلوم ہوا کہ عورتوں سے محبت کرنا انسانی کمالات میں سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

خیر ھذہ ألامة أکثرھم نساء (اس امت میں بہترین آدمی وہ ہے جس کی عورتیں زیادہ ہوں)۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ جلولا (۱) کی فتح کے موقع پر حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے حصے میں ایک باندی آئی جو نہایت خوبصورت تھی۔ اس کی گردن ایسی تھی گویا چاندی کی صراحی۔ اسے دیکھ کر حضرت عبداللہؓ سے صبر نہ ہوسکا اور لوگوں کی موجودگی میں اسے چومنا شروع کردیا۔

اس واقعہ سے امام احمدؒ نے اسیر شدہ باندیوں سے فائدہ اٹھانے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ استبرائے رحم سے قبل جماع وہم بستری کے سوا دوسرا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، بخلاف اس

---

(۱) جلولا خراسان جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ ۱۶ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں یہاں سخت جنگ ہوئی تھی۔

باندی کے جو چند آدمیوں میں مشترک ہو۔اس سے کسی قسم کا بھی فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ مشترک باندی میں یہ امکان ہے کہ کسی کا حصہ فسخ ہو جائے اور ایسا ہو تو غیر کی باندی سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا، جو حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عاشق کے حق میں معشوقہ سے سفارش فرمائی کہ اس سے نکاح کر لے، لیکن معشوقہ نے انکار کر دیا۔ یہ بات مغیث اور بریرہؓ کے قصے میں موجود ہے۔ مغیث نے بریرہؓ کو طلاق دینے کو تو دے دی، لیکن اب اس کے پیچھے پھرنے لگے اور اس کے فراق میں زار و قطار روتے اور ایسے روتے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ مغیث کی یہ حالت دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے کہا:

لو راجعتيه؟ (بریرہؓ اگر تم پھر مغیث کے نکاح میں چلی جاؤ تو؟)

بریرہؓ نے کہا، یا رسول اللہ! آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں سفارش کر رہا ہوں۔

بریرہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اب مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے کہا:

يا عباس! ألا تعجب من حب مغيث بريرة و من بغضها له

اے عباس! کیا مغیثؓ کی محبت اور بریرہؓ کی ان سے نفرت پر آپ کو تعجب نہیں ہوتا؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیثؓ کو اس محبت کی وجہ سے برا بھلا نہیں کہا، کیونکہ عشق و محبت غیر اختیاری ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج مطہرات میں باری تقسیم کر دی تھی اور سب سے مساوات برت رہے تھے، لیکن پھر بھی بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتے ہیں:

اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما لا أملك (صحيح بخاری: طلاق)

اے اللہ! جو میرے اختیار میں ہے، میں نے اس طرح تقسیم کر دی، لیکن جو میرے اختیار میں نہیں ہے، اس میں مجھے ملامت نہ کر۔

یعنی محبت غیر اختیاری چیز ہے، اس میں ملامت نہ کرنا اور یہ اس آیت کی اتباع ہے:

ولن تستطیعوا أن تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم (النّسآء ۴: ۱۲۹)

اورتم بہتیرا چاہو، لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکتا کہ کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری کر سکو۔

یعنی محبت و جماع میں مساوات و برابری کرنا بہت دشوار ہے، اس لیے اللہ نے اس فرمان کے بعد ارشاد فرمادیا کہ مساوات دشوار ہے، لیکن تم ایک ہی عورت کی جانب کلیۃً نہ جھک پڑنا۔ فرمایا:

فلا تمیلوا کل المیل (النّسآء ۴: ۱۲۹) (تو بالکل ایک ہی طرف مت جھک پڑ)۔

خلفائے راشدین جو سب سے زیادہ رحم دل تھے، عشاق کے حق میں جائز معشوقوں سے سفارش کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل بتایا جا چکا ہے۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی عمل تھا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت کسی عرب کے لڑکے کو کسی کے گھر میں پالیا، جسے لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔ لڑکے سے آپ نے پوچھا کہ تیرا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں چور نہیں ہوں۔ سچا قصہ یہ ہے:

تعلقت فی دار الرباحي خریدة — یذل لها من حسن منظر ها البدر

لها فی بنات الروم حسن و منظر — اذا افتخرت بالحسن عانقها الفخر

فلما طرقت الدار من حب مهجتی — أتیت و فیها من یوقدها الجمر

تبادر أهل الداربي ثم صیحوا — هو اللص محتوم له القتل والاسر

حضرت علیؓ نے یہ قصہ سنا تو آپ پر رقت طاری ہوگئی، اور مہلب بن رباح سے کہا کہ اس عورت کے بارے میں اس پر رحم کرو۔ مہلب نے کہا، اس سے پوچھیے کہ یہ کون شخص ہے؟ آپ نے کہا کہ یہ نہاس بن عیینہ ہے۔ اس نے کہا: اچھا، جاؤ، لے جاؤ یہ باندی، میں نے اسے بخش دی۔

حضرت معاویہؓ نے ایک باندی خریدی۔ اس سے آپ کو انتہا درجے کی محبت تھی۔ ایک دن آپ نے اسے یہ شعر پڑھتے سنا:

وفارقته کالغصن یهتز فی الثری — طریرا و سیما بعد ماطر شاربه

حضرت معاویہؓ نے اس سے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے؟ اس نے کہا، مجھے میرے پہلے آقا سے محبت ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اسی وقت اسے واپس کر دیا اور اس جاریہ کا داغِ محبت ہمیشہ آپ کے دل پر رہا۔

زمخشری نے اپنی ربیعہ کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے کہ زبیدہ جب مکہ معظّمہ جا رہی تھی، راستے میں ایک دیوار پر یہ شعر لکھے دیکھے:

أما في عباد الله أو في إمائه كريم يجلي الهم عن ذاهل العقل؟

له مقلة إما المآء في فقريحة وأما الحشا فالنار منه على رجل

زبیدہ نے نذر مانی کہ اگر میں ان کے لکھنے والے کو پالوں تو میں ضرور اسے اس کے محبوب سے ملا دوں گی۔ چنانچہ زبیدہ مزدلفہ میں تھی، اس نے سنا، کوئی یہی شعر پڑھ رہا ہے۔ زبیدہ نے اسے بلایا اور اس سے پوچھا۔ اس نے کہا یہ شعر میں نے اپنی چچا زاد کے لیے لکھے ہیں۔ میرے چچا کے گھر والے اس لڑکی کا نکاح مجھ سے کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے قسم کھائی ہے کہ اس کا نکاح میرے ساتھ نہیں کریں گے۔

یہ قصہ سننے کے بعد زبیدہ نے اس کے قبیلے کے لوگوں کو بلایا اور تمام کو مالا مال کر دیا۔ انہیں منا کر اس لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا۔ نکاح کے بعد زبیدہ نے لڑکی کی جانچ کی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اس نوجوان پر عاشق اور فریفتہ تھی، بلکہ اس نوجوان کو جس قدر اس سے عشق تھا، اس سے کہیں زیادہ اسے اس نوجوان سے عشق تھا۔ زبیدہ ہمیشہ اپنے اس کام کو اپنے تمام نیک کاموں سے بہتر سمجھتی رہی اور اس پر فخر کرتی رہی۔ کہا کرتی تھی کہ مجھے اس کام سے جس قدر خوشی ہوئی، کسی کام سے نہیں ہوئی۔ میں نے ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کو ان کے مقصد تک پہنچا دیا، اور ان دونوں کا نکاح کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔

خرائطی نے کہا ہے کہ سلیمان بن عبدالمالک کے پاس ایک غلام اور ایک باندی تھی۔ ان دونوں میں انتہا سے زیادہ عشق و محبت تھا۔ ایک دن اس غلام نے اس جاریہ کے نام یہ اشعار لکھ

ولقد رأيتک في المنام كأنما أسقيتني من ماء فيک البارد
وكأن كفک في يدي وكأننا بتنا جميعا ی فراش واحد
فطفقت نومي كله مترا قدا لأراک في نومي ولست براقد

باندی نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا:

خيراً رأيت وكل ما أبصرته ستناله مني برغم الحاسد
إني لأرجو أن تكون معانقي وتبيت مني فوق ثدی ناهد
وأراک بين خلا خلي و دمالجی وأراک فوق ترائبي و محاسدی

سلیمان کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اس نے دونوں کا نکاح کرا دیا اور دونوں کو خلعت و مال سے خوب نوازا۔

جامع بن مرجیہ نے لکھا ہے کہ میں نے مفتی مدینہ، سعیدؒ بن المسیب سے دریافت کیا کہ آدمی کسی سے عشق ومحبت رکھے تو کوئی گناہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ملامت اس پر ہے جو تمہارے اختیار میں ہو۔ اس کے بعد سعیدؒ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ مسئلہ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا اور اگر کوئی دوسرا پوچھتا تو میں جواب بھی نہ دیتا، اور اگر جواب دیتا تو یہی دیتا جو تمہیں دیا ہے۔

عورتوں سے عشق تین قسم کا ہے۔ ایک وہ جو عین تقربِ الٰہی اور اطاعت وثواب کا موجب ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی یا باندی سے محبت کرے۔ یہ عشق مفید اور موجبِ اجر و ثواب ہے۔ یہ عشق انسان کو ان مقاصد کی طرف لے جاتا ہے جن مقاصد کے لیے نکاح مشروع ہوا ہے۔ یہ عشق اسے اس کی آنکھ اور قلب کو غیر کی جانب مائل ہونے سے روکتا ہے۔ اسی سبب سے یہ عشق عنداللہ اور عندالناس قابل تعریف سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا عشق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خفگی، ناراضگی اور دوری رحمت کا موجب ہے۔ یہ عشق دین ودنیا، دونوں کے لیے سخت مضر ہے اور وہ امردوں کا عشق ہے۔ امردوں کے عشق میں جو مبتلا ہوا، اللہ کی نگاہ سے گر گیا۔ اللہ نے اسے اپنے دروازے سے نکال دیا۔ اس کے قلب کو اپنے سے دور پھینک دیا۔ یہ بندے کے لیے بڑے سے بڑا حجاب ہے جو اسے اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے،

جیسا کہ بعض اسلاف کا قول ہے:

إذا سقط العبد من عين الله أبتلاه بمحبة المردان

جو بندہ اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔ اسے امردوں کی محبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

یہ محبت قومِ لوط میں عام تھی اور یہ اس قوم کی جبلت بن چکی تھی۔ یہ مرض اس قوم میں عام طور پر پھیل گیا تھا اور اس قوم پر جو عذاب اترا، اسی عشق کی وجہ سے اترا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لعمرک انهم لفی سکرتهم یعمهون (الحجر ۱۵: ۷۲)

تمہاری عمر کی قسم! یہ لوطی لوگ اپنی بدمستی میں پڑے جھوم رہے تھے۔

اس مرض کا علاج اور دوا یہ ہے کہ بندہ خدائے مقلب القلوب کی بارگاہ میں دعا اور التجا اور فریاد و زاری کرے اور اللہ سے قریب ہونے کی کوشش کرے۔ اپنے کو ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھے اور پوری صدق دلی کے ساتھ اللہ کے سامنے روئے، گڑگڑائے اور اللہ سے تعلق جوڑے۔ اس عشق سے جو مصائب و آلام پہنچتے ہیں، اس لذت سے جو لذتیں فوت ہوتی ہیں، ان پر غور کرے اور خوب غور کرے کہ اس محبت سے محبوب اعظم سے رشتہ ٹوٹ جائے گا اور بڑے سے بڑا عذاب اس پر مسلط ہو جائے گا۔ ان تمام باتوں کے بعد بھی آدمی اپنے محبوبِ اعظم کے مقابلے میں اس محبوب کو ترجیح دیتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی جان پر تکبیر جنازہ پڑھ لے اور سمجھ لے کہ یہ بلا اور مصیبت پوری طرح اس پر قابو پا چکی ہے، جس سے نجات و درستگاری دشوار ہے۔

تیسرا عشق وہ ہے جو مباح اور غیر اختیاری ہے، مثلاً کسی کے سامنے ناگہانی طور پر کوئی عورت آ گئی، اور بلا قصد و ارادہ ناگہانی طور پر اس پر اس کی نگاہ پڑ گئی۔ اس سے اس کے اندر عشق کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن اس عشق کی وجہ سے اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا، اس نے کوئی نافرمانی نہیں کی۔ یہ عشق غیر اختیاری ہے، اس پر نہ کوئی مواخذہ ہے، اور نہ ملامت، لیکن اس قسم کے عاشق کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید بات یہ ہے کہ تا امکان اس کی مدافعت کرے اور اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا رشتہ مضبوط کرنے کی کوشش کرے۔ یہ چیز اس کے حق میں سب سے زیادہ مفید اور سودمند ہے۔ نیز اس پر فرض ہے کہ اپنا عشق چھپائے اور اس کی ابتلاؤں پر صبر کرے۔ صبر

کرنے سے اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑے اجر وثواب سے نوازے گا۔ اس نے جتنا صبر کیا، گناہ سے بچتا رہا، خواہشات سے اجتناب کیا، اللہ کی رضامندی تلاش کی، اللہ نے اس کے صلے میں جو کچھ عطا فرمایا، اسے مقدم سمجھا تو اللہ تعالیٰ اسے بہت کچھ دے گا۔ اس کا عوض وبدلہ بہت بھاری اور قیمتی ہوگا۔



فصل ۱۱۳

عشاق کی قسمیں

عاشقوں کی تین قسمیں ہیں۔ اول، وہ جو جمالِ مطلق سے عشق رکھتا ہے۔ دوم، وہ جو جمال مقید پر عاشق ہوتا ہے، چاہے وصل کی طمع و آرزو ہو یا نہ ہو۔ سوم، وہ عاشق جو صرف وصل کی تمنا اور طلب رکھتا ہے؟ عشق کی یہ ہر سہ قسمیں باعتبارِ قوت وضعف اور بلحاظِ شدت وخفت مختلف ہیں اور ان کے بے شمار درجات ومراتب ہیں۔

جمالِ مطلق کے عاشق کا عشق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہر وادی اور میدان میں گھومتا پھرتا ہے۔ ہر صاحبِ جمال، ہر خوبرو اس کا معشوق ومطلوب ہوتا ہے:

فیوما بحزوی و یوما بالعقیق　　و بالعذیب یوما و یوما بالخلیصاء

وتارة ینتحي بنجد واودیة　　شعب العقیق و طورا قصر تیماء

اس قسم کے عاشق کا میدان بہت وسیع ہوتا ہے۔ اس کا عشق قائم، دائم اور ثابت نہیں ہوتا۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں، کبھی ادھر، کبھی ادھر۔

تم ہرجائی سہی، ہمارا یہ طور سہی
تم نہ سہی اور سہی، اور نہیں اور سہی

یهیم بهذا ثم یعشق غیره　　ویسلاهم من وقته حین یصبح

جمالِ مقید یعنی کسی ایک معشوق کا عاشق اپنے معشوق کے جمال پر قائم اور ثابت قدم ہوتا ہے۔

اس کی محبت دیرپا اور محبت کی پہلی قسم کے مقابلے میں زیادہ قوی اور سخت ہوتی ہے،

کیونکہ یہاں جمال اور محبت دونوں جمع ہو جاتے ہیں، لیکن اس میں یہ بات ہے کہ جب وصل کی امید منقطع ہو جاتی ہے تو یہ عشق کمزور ہو جاتا ہے۔

وہ عاشقِ جمال جو وصل کی امید و آرزو رکھتا ہے، عقل مند، سمجھ دار اور دانش مند عاشق ہے، اور اس کی محبت قوی اور سخت ہوتی ہے، کیونکہ وصل کی امید اس عشق کی اعانت کرتی ہے اور اسے تقویت پہنچاتی ہے۔



فصل ۱۱۴

حدیثِ عشق پر نقد وتبصرہ

اب رہی وہ حدیث جو عشق کے بارے میں سوید بن سعید سے مروی ہے کہ **من عشق وعف......الخ** (جو عاشق ہوا اور پاک دامن رہا......الخ) تو اس روایت کے حدیث ہونے سے تمام حفّاظ اسلام اور ماہرینِ حدیث نے انکار کیا ہے۔ ابن عدی نے **الکامل** میں لکھا ہے:

هذا الحديث أحد ما أنكر على سويد

سوید کی یہ بھی ایک حدیث ہے جس کی بناء پر اسے منکر الحدیث کہا گیا ہے۔

امام بیہقیؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ ابن طاہر نے **ذخیرہ** اور **تذکرہ** میں یہی لکھا ہے۔ ابوالفرج ابن الجوزی نے بھی یہی لکھا ہے اور اس حدیث کا شمار موضوعات میں کیا ہے۔ ابوعبداللہ الحاکم نے سوید کے تساہل پر اس کا انکار کیا ہے، کہتے ہیں: **أنا أتعجب منه** (مجھے سوید پر تعجب ہو رہا ہے)۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں، بلکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ یہ روایت حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے۔ سوید نے اسے مرفوع کہنے میں غلطی کی ہے۔ ابو محمد بن خلف بن المرزباں کہتے ہیں: **حدثنا ابوبکر بن الازرق عن سوید ......الخ** اس اسناد پر میں نے ابوبکر کو ڈانٹا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چھوڑ دیا، چنانچہ بعد میں جب کبھی ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کبھی اسے مرفوع نہیں کہا، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ایسی حدیث کلامِ نبوت ہو ہی نہیں سکتی۔

اب رہی خطیب کی روایت جوز ہری سے مروی ہے کہ **حدثنا المعافی بن زکریا**

حدثنا قطبة بن الفضل، حدثنا أحمد بن مسروق، حدثنا سويد ابن مسهر، عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشه مرفوعاً۔ ایک فاش غلطی ہے۔جس میں علم حدیث کی بوبھی ہوگی، وہ اس روایت کو سوید عن هشام عن أبيه عن عائشه کی اسناد کو تسلیم نہیں کرے گا۔خود ہماری شہادت یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ کبھی روایت نہیں کیے۔ نہ عروہ نے کبھی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں، نہ ہشام نے ہی کبھی یہ الفاظ روایت کیے ہیں۔ رہی ابن الماجشون کی حدیث، تو یہ ابن الماجشون پر صریح اتہام ہے۔انہوں نے کبھی یہ حدیث بیان نہیں کی۔ نہ ان سے زبیر بن بکار نے یہ حدیث روایت کی۔ یہ وضاعین حدیث کی خصوصی کارستانیاں ہیں۔ سبحان اللہ! اس اسناد کے ساتھ یہ حدیث تعجب کی بات ہے۔قبح الله الوضاعين۔

یہ حدیث ابوالفرج ابن الجوزی نے محمد بن جعفر بن سہل سے روایت کی ہے: حدثنا يعقوب بن عيسىٰ عن ولد عبدالرحمن بن عوف عن ابن ابی نجيح عن مجاهد مرفوعاً . یہ ایک فاش غلطی ہے۔محمد بن جعفر وہی خرائطی تو ہے، جس کا انتقال ۳۲۷ھ میں ہوا۔ یہ یعقوب بن ابی نجیح کو جنہیں وہ اپنا استاد کہہ رہا ہے، کیوں کر پا سکتا ہے؟ اور کس طرح یہ اس کے استاد ہو سکتے ہیں؟ جبکہ دونوں کی ملاقات ہی ممکن نہیں۔خصوصاً جب کہ انہوں نے اس حدیث کو كتاب الاعتلال میں اس اسناد سے پیش کیا ہو۔عن يعقوب هذا عن الزبير عن عبدالملك عن عبدالعزيز عن ابی نجيح ۔ نیز خرائطی حدیث کے بارے میں ضعیف الروایت مشہور ہے جیسا کہ ابوالفرج نے كتاب الضعفاء میں بیان کیا ہے۔

حدیث کے انکار پر حفّاظِ اسلام اور ناقدین حدیث کا قول میزانِ عدل کا حکم رکھتا ہے۔ پس اس حدیث کے متعلق بھی ان ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جن کی طرف علم حدیث کے بارے میں رجوع کیا جاتا ہے۔جس کے قول پر صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہو اور جسے حدیث کے بارے میں تسامح اور تساہل کی عادت نہ ہو۔ایسے لوگوں میں سے کسی نے اس حدیث کو صحیح یا حسن نہیں کہا۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ ابن طاہر سے تصوف کی احادیث میں بہت کچھ

تساہل ہوا۔ اس نے ساری غث وسمین اور رطب و یابس حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ خصوصاً ایسی احادیث جو صریح البطلان اور منکر ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ پر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان کا قول ہو سکتا ہے، کیونکہ ابو محمد بن حزم نے حضرت ابن عباسؓ سے عشق کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے، جو اس قول کے قریب قریب ہے کہ ایک آدمی عشق کی بیماری میں مر گیا تو لوگوں نے اس کی موت کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ آپ نے اس کا جواب دیا:

قتیل الھویٰ لا عقل ولا قود (محبت کے مقتول کی نہ دیت ہے اور نہ قصاص)۔

آپ سے ایک اور روایت بھی مروی ہے۔ میدانِ عرفات میں ایک نوجوان کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا جو کبوتر کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آپ نے پوچھا، اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ یہ عشق کا مارا ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں عشق سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

یہ ہے حدیث من عشق و عف و کتم و مات فھو شھید کی تفسیر و تشریح۔ اس کی اگر مزید توضیح و تشریح درکار ہے تو سن لیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں شہداء کا ذکر آیا ہے۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ مقتول فی الجہاد شہید ہے، جو ہیضے سے مر جائے وہ شہید ہے، جو جل کر مر جائے وہ شہید ہے، بچے کی پیدائش کے بعد جو عورت حالتِ نفاس میں مر جائے وہ شہید ہے، پانی میں ڈوب کر جو مر جائے وہ شہید ہے۔ اس حدیث میں عشق سے مر جانے والے کا کہیں ذکر نہیں۔

اور پھر یہ کہ اگر حضرت ابن عباسؓ سے یہ اثر ثابت ہو جائے، تب بھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عاشق اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے بارے میں صبر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پاک دامن نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا عشق دنیا والوں سے نہ چھپائے۔ یہ تمام باتیں بھی اس وقت پائی جا سکتی ہیں جب وہ اپنے معشوق پر قدرت پائے اور باوجود قدرت و قابو کے محبتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کو ترجیح دے اور صبر و پاک دامنی سے کام لے۔ اس قسم کا عشق قرآن حکیم کے اس حکم میں شامل ہو سکتا ہے۔

وأما من خاف مقام ربه و نهي النفس عن الهوٰى فان الجنة هى المأوٰى (النّٰزعٰت ۷۹: ۴۰-۴۱)

اور جو اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔

نیز اس فرمان کے تحت آ سکتا ہے:

ولمن خاف مقام ربه جنتٰن (الرحمٰن ۵۵: ۴۶)

جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا، اس کے لیے دو باغ ہیں۔

ہم اللہ العظیم رب العرش الکریم کی جناب میں دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جو ہوس پرستی کے مقابلے میں اللہ کی محبت کو، اور اس کی خفگی کے مقابلے میں اس کی رضامندی کو ترجیح دیتے ہیں اور اللہ سے اس کا تقرب و رضامندی چاہتے ہیں۔ آمین یا رب العالمین و صلی الله على محمد وآله و صحبه اجمعين. آمين!



